وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ
تسہیل البیان
فی
تفسیر القرآن
تالیف
محمد اسلم شیخوپوری
www.toobaaelibrary.com
مکتبہ حلیمیہ
سائٹ کراچی

تسہیل البیان
فی
تفسیر القرآن

موضوع .... تفسیر قرآن

نام .... تسہیل البیان فی تفسیر القرآن

دعائیہ کلمات .... شیخ الحدیث مولانا محمد تقی عثمانی

تالیف .... محمد اسلم شیخوپوری

مقامِ تالیف .... فلاح دارین اکیڈمی

کمپوزر .... منور علی مبارک

پیسٹنگ .... عبدالجلیل

صفحات ۵۶۰

سائز ۲۳x۲۹

بائنڈنگ .... محمد فاروق

تعداد .... ایک ہزار

ناشر .... مکتبہ حلیمیہ سائٹ کراچی۔۷۵۷۰۰

طباعت .... قریشی آرٹ پریس

طبع اول ۱۴۲۶ھ، ۲۰۰۶ء

سورۃ النساء مدنیّہ

سورۃ المائدہ مدنیّہ

سورۃ الانعام مدنیّہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ النساء ایک نظر میں

سورہ نساء مدنی ہے اور اس میں ۱۷۶ آیات اور ۲۴ رکوع ہیں، صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ''جس وقت سورہ نساء نازل ہوئی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھی۔'' اور نبوت کے سائے میں سیدہ کی ازدواجی زندگی کا آغاز ہجرت کے پہلے سال شوال کے مہینے میں ہوا تھا۔ اس روایت سے سورہ نساء کا مدنی ہونا یقینی طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔

مناسبت:

1......سورہ آل عمران کے ساتھ سورہ نساء کی پہلی مناسبت تو یہ ہے کہ آل عمران کا اختتام تقویٰ کے حکم پر ہوا تھا جب کہ نساء کا آغاز تقویٰ کے حکم سے ہو رہا ہے۔

2......سورہ آل عمران کے آخر میں مسلمانوں کو آپس میں جڑے رہنے اور دشمن کے مقابلہ میں ڈٹے رہنے کی تلقین تھی اور نساء میں وہ احکام دیئے گئے ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے باہم اتصال اور ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے۔

3......آل عمران میں غزوہ احد اور غزوہ حمراء الاسد کا بیان تھا جب کہ نساء میں بھی ان دونوں کا تذکرہ ہے۔

سورۃ الطلاق کو ''سورۃ النساء القصریٰ'' (چھوٹی سورۃ النساء) جبکہ النساء کو ''سورۃ النساء الکبریٰ'' (بڑی سورۃ النساء) کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں کثرت سے عورتوں کے متعلق احکام آئے ہیں۔

اہم مضامین:

اس سورہ میں وہ اصول بتائے گئے ہیں جو خاندانی نظام، اسلامی معاشرہ اور اسلامی حکومت کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں، اس سورت کے مطالعہ سے عرب کی اس انتہائی پسماند سوسائٹی کے خدوخیال بھی ہمارے سامنے نمایاں ہوتے ہیں جس میں یتامیٰ اور خواتین معاشرے کے انتہائی کمزور اور مظلوم عناصر تھے، انہیں میراث میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا، عورتوں بالخصوص یتیم بچیوں کو ذلیل وخوار کیا جاتا تھا، دوسروں کے اموال ناجائز طریقوں سے ہتھیا لئے جاتے تھے، نکاح میں حلال حرام کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا، نہ ہی کسی پابندی کو گوارا کیا جاتا تھا، قتل وغارت گری عام تھی، دعوت

اسلامی کا آغاز ہونے کے بعد مکہ میں مشرکین کی طرف سے ظلم وستم کا بازار گرم کیا گیا تو مدینہ منورہ میں منافقین کی ریشہ دوانیوں کا مسلمانوں کو سامنا کرنا پڑا، منافقین کی مثال تو آستین کے سانپوں کی تھی، ان کے علاوہ کچھ خارجی دشمن بھی تھے جن کے ساتھ جنگیں بھی ہوئیں اور صلح بھی کرنی پڑی۔ یہ وہ پس منظر ہے جس میں سورۃ النساء میں درجہ ذیل مضامین مذکور ہوئے ہیں۔

مرد اور عورت کا رب بھی ایک ہے اور اب بھی ایک ہے۔ یتیموں اور خواتین کے حقوق، تعدّد ازواج، تقسیم وراثت کے ضابطے، ان عورتوں کی تفصیل جن سے نکاح جائز نہیں، ایک دوسرے کا مال ناجائز ذرائع سے کھانے اور ایک دوسرے کا خون بہانے کی ممانعت، خاندان اور معاشرے میں مرد کی قوامیت اور سربراہی، حالت سکر اور جنابت میں نماز، اہلِ کتاب کی حرکتیں اور اعمال، حکومتِ اسلامی کا منہاج، منافقین کا رویہ، جہاد وقتال کے لیے ہدایات، دارالحرب میں پڑے ہوئے مسلمانوں کے متعلق احکام اور انہیں ہجرت اور جہاد کی تاکید۔ قتلِ خطا اور قتلِ عمد کی جزا، صلاۃِ سفر اور صلاۃِ خوف، کفار سے دوستی کی ممانعت، حضرت مسیح علیہ السلام کا صحیح مقام وغیرہ۔

سُوۡرَۃُ النِّسَآءِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّسِتٌّ وَّسَبۡعُوۡنَ اٰیَۃً وَّاَرۡبَعٌ وَّعِشۡرُوۡنَ رُکُوۡعًا

سورۂ نساء مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں ایک سو چھہتر آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

نوع انسانی کا اتحاد

(۱)

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا

اے لوگو ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور اسی سے پیدا کیا اس کا جوڑا اور پھیلائے ان دونوں

رِجَالًا كَثِیۡرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیۡكُمۡ رَقِیۡبًا ﴿۱﴾

سے بہت مرد اور عورتیں اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے واسطہ سے سوال کرتے ہو آپس میں اور خبردار رہو قرابت والوں سے بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے

تسہیل: اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا ہے اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں کا خیال رکھو بے شک اللہ تم پر نگران ہے ○

﴿۱﴾ اس آیت کریمہ میں ''یٰاَیُّھَا النَّاسُ'' کہہ کر سارے انسانوں کو مخاطب بنا کر کہا گیا ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو...... تقویٰ کا پہلا درجہ شرک سے بچنا اور عقیدہ توحید کو اختیار کرنا ہے اور دوسرا درجہ اللہ تعالیٰ کی مرضیات پر عمل کرنا اور منہیات (گناہوں) سے بچنا ہے۔

''مِنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ'' سارے انسانوں کو ایک ہی جان یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا کیا گیا۔ اور یہی چیز نوعِ انسانی کی وحدت کی بنیاد ہے، پوری دنیا کے لوگ ایک ہی خاندان اور کنبہ کے مختلف افراد ہیں، محض رنگ اور نسل کی بنیاد

پرنہ کوئی اعلیٰ ہے نہ ادنیٰ ہے، یورپ کا گورا اور افریقہ کا کالا حقوق کے اعتبار سے مساوی ہیں۔

''وَخَلَقَ مِنهَا زَوجَهَا '' یہ معنیٰ بھی کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے یعنی ان کی بائیں پسلی سے حضرت حوّا علیہا السلام کو پیدا کیا گیا۔[۳] اور یہ معنیٰ بھی کیا گیا ہے کہ عورت کو مرد کی جنس سے پیدا کیا گیا۔[۴] کیونکہ ازدواجی زندگی کا جو مقصد تھا یعنی سکون اور آپس میں محبت والفت، وہ غیر جنس کی صورت میں حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔

سورہ روم میں ہے:

وَمِن آيَاتِهِ اَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ اَنفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً[۵]

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہارے ہی نفسوں سے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحم رکھ دیا۔

جیسے اس آیت میں ''من انفسکم '' کا معنیٰ ''من جنسکم '' ہے اسی طرح یہاں بھی ''من جنسھا '' کا معنیٰ کیا گیا ہے۔

ایک صحیح حدیث میں ہے ''ان المرأة خلقت من ضلع[۶] '' (عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے)

پہلے قول کے قائلین اس حدیث کو اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کرتے ہیں لیکن دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث میں عورت کو حقیقت میں ٹیڑھی پسلی سے تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال المرأة کا لضلع ان اقمتها کسرتها[۷]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت پسلی کی طرح ہے اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو توڑ دو گے۔

{۳} خلقت من ضلعه الایسر (ابن کثیر ۱/۳۹۶)

{۴} وقیل هو علی حذف مضاف التقدیر وخلق من جنسها زوجها قاله ابن بحرو ابو مسلم (بحر محیط)

{۵} سورہ روم ۔۲۱

{۶} ابن کثیر ۱/۳۹۶......

{۷} بخاری کتاب النکاح

اس حدیث کی طرح پہلی حدیث میں بھی تشبیہ کے طور پر پسلی سے عورت کے پیدا ہونے کا ذکر ہے اور تشبیہ اس معنی میں ہے کہ جیسے پسلی کا ٹیڑھ پن سیدھا نہیں ہوسکتا اسی طرح عورت کی فطرت میں جو تلون مزاجی، اضطراب اور عدمِ استقامت پائی جاتی ہے اس میں تبدیلی نہیں آسکتی اس لیے کہ یہ اضطراب اس کی فطرت میں داخل ہے۔{۸} ویسے دیکھا جائے تو پسلی کا حسن ٹیڑھا ہونے ہی میں ہے اس کا سیدھا ہونا حسن نہیں، عیب ہے، یونہی عورت کی فطرت میں جو تأثر، عجلت، زود رنجی اور اضطراب پایا جاتا ہے یہ حد کے اندر ہو تو عیب نہیں اس کا حسن ہے۔

''تَسَاءَ لُون'' اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور یہ رواج ساری قوموں میں پایا جاتا ہے۔

''وَالْاَرْحَام'' جیسے اللہ سے ڈرنا واجب ہے اسی طرح قطع رحمی سے بچنا اور ڈرنا بھی واجب ہے۔ یعنی حقوق اللہ بھی ادا کرو اور حقوق العباد بھی ادا کرو اور حقوق العباد میں صلہ رحمی یعنی عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک سب سے مقدم ہے یہاں تک کہ اگر وہ کافر اور مشرک بھی ہوں تب بھی ان کے ساتھ حسنِ سلوک ضروری ہے۔

حکمت و ہدایت:

۱۔ یہ آیت کریمہ بڑی فضیلت رکھتی ہے آنحضرت ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جب نکاح یا کسی دوسرے معاملہ میں خطبہ ارشاد فرماتے تو اس میں آلِ عمران کی آیت (۱۰۲) پڑھتے پھر سورہ نساء کی یہ پہلی آیت اور اس کے بعد سورہ احزاب کی آیت (۷۰۔۷۱) تلاوت فرماتے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں تقویٰ بے حد اہمیت رکھتا ہے قرآن کریم میں جگہ جگہ، عنوان اور الفاظ بدل بدل کر تقویٰ کا ذکر ہے، اس آیت میں دو بار تقویٰ کا حکم ہے، شروع میں بھی اور آخر میں بھی۔

۳۔ نوعِ انسانی کی وحدت کا سبق دینے کا شرف صرف اسلام کو حاصل ہے ہندوؤں میں انسان کو برہمن، چھتری، ویش اور شودر میں تقسیم کردیا گیا ہے یونہی دنیا کی بہت ساری قدیم اور جدید قوموں میں ذات پات اور رنگ و نسل کے امتیازات ایک تسلیم شدہ حقیقت ہیں۔

{۸} یحتمل ان یکون ذلك علی جهة التمثیل لاضطراب اخلاقهن و کونهن لایثبتن علی حالة واحدة کماجاء خُلق الانسان من عجل (بحر محیط)

۴۔مرداورعورت دونوں کاروانِ انسانیت کالازمی حصّہ ہیں،نوع انسانی کی بقا کے لیے دونوں کا وجود ضروری ہے۔

۵۔اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کرسوال کرنا جائز ہے،حضرت ابن عمر رضی اللہ عنھما سے روایت ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا''من سألکم باللہ فاعطوہ''(جوتم سے اللہ کا واسطہ دے کرسوال کرے اسے دو)

۶۔صلہ رحمی واجب ہے اور قطع رحمی حرام ہے،حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے''رحم''سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ جوشخص صلہ رحمی کرتا ہے میں اس سے ملتا ہوں اور جوشخص قطع رحمی کرتا ہے میں بھی اس سے تعلق،قطع کرلیتا ہوں''{۹}

۷۔حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ وغیرہ حضرات کہتے ہیں کہ''رحم''(رشتہ داری) کا واسطہ دے کرسوال کرنا بھی جائز ہے۔{۱۰}

۸۔کامل مسلمان وہی ہے جو اللہ کے حقوق کے ساتھ،اللہ کے بندوں کے حقوق کی بھی نگہداشت کرے۔

۹۔مسلمان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے علم وخبر کا مراقبہ کرنا چاہیے۔

مالِ یتامی

(۲)

وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤی اَمْوَالَھُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَھُمْ اِلٰۤی اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِیْرًا ②

اور دے ڈالو یتیموں کو اُن کا مال | اور بدل نہ لو | بُرے مال کو اچھے مال سے | اور نہ کھاؤ | اُن کے مال | اپنے | مالوں کے ساتھ | یہ ہے بڑا وبال

ربط: پہلی آیت میں دوبار تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا جو کہ انسان کو حقوق کی ادائیگی پر آمادہ کرنے میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ساتھ ہی''ارحام''(رشتہ داریوں) کی عظمت اور اہمیت کو ذکر کیا،اب یتیموں اور عورتوں کے حقوق

{۹} صحیح بخاری۔۲/۸۸۵

{۱۰} وتدل الآیة أیضا علی جواز التساؤل بالارحام علی قرأة ابراھیم النخعی وقتادة والأعمش وحمزة "الارحام" بالجر (التفسیر المنیر ۴/۲۲۶)

بتائے جارہے ہیں جو کہ اسلام سے قبل اپنوں ہی کے ہاتھوں ظلم اور زیادتی کا شکار تھے۔

تسہیل: یتیموں کا مال ان کے حوالے کردو اور عمدہ مال کے بدلے ردّی مال نہ دو اور نہ ہی ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھا جاؤ، بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے ٥

﴿تفسیر﴾

﴿۲﴾ یتیم اسے کہتے ہیں جس کے والد کا انتقال ہو گیا ہو، لیکن شریعت میں بالغ ہونے کے بعد کسی پر یتیم کا اطلاق نہیں ہو سکتا، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "لایتم بعد احتلام" (بلوغ کے بعد یتیمی باقی نہیں رہتی)

زمانۂ جاہلیت میں یتیم کے چچا وغیرہ اس کے مال اور جائیداد پر قابض ہو جاتے تھے اور بلوغ کے بعد بھی اس کے حوالے نہیں کرتے تھے[۱۱] اور اگر کرتے بھی تھے تو عمدہ مال کے بدلے ردّی مال اور صحت مند جانوروں کے بدلے بیمار اور لاغر جانور اسے دیتے تھے اس آیت کریمہ میں ان حرکتوں کو "حوب کبیر" یعنی بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔

حکمت وہدایت:

۱۔ جب یتیم کے اندر اپنا مال سنبھالنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو اس کی میراث اس کے حوالے کرنا واجب ہے (۲) اگرچہ وہ نابالغ ہی کیوں نہ ہو۔

۲۔ اگر بالغ ہونے کے بعد بھی اس کے اندر سنجیدگی اور احساسِ ذمہ داری پیدا نہ ہو تو احناف کے نزدیک پچیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد بہر حال اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔[۱۲]

۳۔ یتیم کے مال سے کسی بھی انداز میں ناجائز انتفاع حرام ہے۔ (۲)

۴۔ ہر حرام مال، نجس اور خبیث ہے اور ہر حلال مال، طیب اور پاک ہے۔

{۱۱} اسباب النزول للواحدی۔ ص۸۱

{۱۲} فیستعمله بعد خمس وعشرين سنة على مقتضاه وظاهره وفيما قبل ذلك لايدفعه الامع ايناس الرشد (احكام القرآن للجصّاص ۲/۴۹)

تعدّدِ ازواج اور وجوبِ مہر

(۳۔۴)

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ

اور اگر ڈرو کہ انصاف نہ کر سکو گے یتیم لڑکیوں کے حق میں تو نکاح کر لو جو اور عورتیں تم کو خوش آویں دو دو تین تین چار چار

خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝۳ وَاٰتُوا النِّسَآءَ

پھر اگر ڈرو کہ اُن میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو یا لونڈی جو اپنا مال ہے اس میں امید ہے کہ ایک طرف نہ جھک پڑو گے اور دے ڈالو عورتوں کو

صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْۗـــــًٔـا مَّرِيْۗـــــًٔـا ۝۴

مہر اُن کے خوشی سے پھر اگر وہ اُس میں سے کچھ چھوڑ دیں تم کو اپنی خوشی سے تو اُس کو کھاؤ رچتا پچتا

تسہیل: اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم بچیوں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر اپنی پسند کے مطابق دو دو، تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کر لو لیکن اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم انکے درمیان عدل قائم نہیں رکھ سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرو، یا جو لونڈی تمہاری ملکیت میں ہے وہی سہی، یہ ظلم سے بچنے کی زیادہ بہتر صورت ہے ٥ اپنی بیویوں کو پوری خوش دلی سے مہر دے دیا کرو، ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تمہیں دے دیں تو اسے ذوق شوق سے کھا لو ٥

تفسیر

﴿۳﴾ اس آیتِ کریمہ میں یتامٰی کے تذکرہ میں بظاہر نکاح کا ذکر بے جوڑ معلوم ہوتا ہے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اگر سامنے رکھی جائے تو مناسبت خود بخود سمجھ آ جاتی ہے۔

ایک دفعہ انہوں نے اپنے بھانجے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ آیت ان یتیم بچیوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جن کے مال اور جمال کی وجہ سے ان کے ولی ان سے نکاح کرنا چاہتے تھے مگر نہ تو مہر میں انصاف کرتے تھے اور نہ ہی دوسرے حقوق میں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی {۱۳} جس میں انہیں حکم دیا گیا کہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم یتیم بچیوں کے حقوق ادا نہیں کر سکیں گے تو پھر ان کے بجائے دوسری عورتوں سے نکاح کر لو۔

{۱۳} صحیح بخاری (۲/۶۵۸) ۔صحیح مسلم (۲/۴۲۰)

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے ایک اور مناسبت بیان کی ہے وہ یہ کہ زمانہ جاہلیت میں کئی کئی شادیاں کرتے تھے لیکن بیویوں کے حقوق ادا نہیں کرتے تھے اس پر فرمایا گیا کہ جیسے تمہیں یتیموں کے بارے میں اندیشہ رہتا ہے کہ ہم سے ان پر ظلم نہ ہو جائے اسی طرح تمہیں عورتوں کے بارے میں اندیشہ ہونا چاہیے کیونکہ یتیموں کی طرح وہ بھی ضعیف اور عاجز ہیں لہٰذا اتنی عورتوں سے شادی نہ کرو جن کے تم حقوق ہی ادا نہ کرسکو{۱۴}............ جب ایک کمزور طبقے پر ظلم کو حرام سمجھتے ہو تو دوسرے پر بھی ظلم کو حرام سمجھو۔

''فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُم'' (اپنی پسند کے مطابق نکاح کرلو) نکاح دیکھ بھال کر اور اپنی پسند کے مطابق کیا جائے{۱۵} اس سلسلہ میں اسلام نے انسان کے فطری جذبات کا لحاظ رکھا ہے۔ عام حالات میں غیر محرم کی طرف تانک جھانک حرام ہے لیکن اگر نکاح کا ارادہ ہو تو پھر دیکھنا جائز ہی نہیں بلکہ دیکھنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔

''مَثْنٰى وَثُلٰثَ'' اسلام نے مرد کو چار شادیوں کی اجازت دی ہے، احادیث سے بھی یہی ثابت ہے اور امت کا اجماع بھی اسی پر ہے، جن حضرات نے ان الفاظ سے نو یا اٹھارہ شادیوں کا جواز ثابت کیا ہے وہ قرآن کریم کی غلط تفسیر کے بھی مرتکب ہوئے ہیں اور اجماع امت کی بھی انہوں نے خلاف ورزی کی ہے۔{۱۶}

تعدّدِ ازواج:

انسان کے لیے سب سے بہتر صورت تو یہی ہے کہ اس کی ایک ہی بیوی ہو اس لیے کہ عام طور پر ایک سے زیادہ شادیوں کی صورت میں عدل کو ملحوظ رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ بسا اوقات پہلی بیوی دوسری کو برداشت نہیں کرتی یا دوسری کی پہلی سے بن نہیں پاتی جس کی وجہ سے گھر کا امن اور سکون تباہ ہو جاتا ہے لیکن چند شرائط اور قیود کے ساتھ چار شادیوں کی بھی اجازت ہے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ مرد سب کے اخراجات برداشت کرسکتا ہو۔

دوسری یہ کہ وہ سب کے جنسی حقوق ادا کرنے پر بھی قادر ہو۔

تیسری یہ کہ اسے یہ یقین ہو کہ میں ان سب میں عدل کرسکوں گا۔

اسلام نے جو تعدّدِ ازدواج کی اجازت دی ہے تو اس پر مسلمانوں کو شرمانے یا فاسد تاویلات کے ذریعے اس کا انکار

{۱۴} وخافوا في النساء مثل الذي خفتم في اليتامى ألا تقسطوا فيهن (احكام القرآن للجصّاص ۲/۵۰)

{۱۵} ما مالت له نفوسكم واستطابته (روح المعانی ۴/۸)

{۱۶} روح المعانی (۴/۲۹۸)

کرنے کی ضرورت نہیں، اہلِ علم نے متعدد ایسے نقلی اور عقلی دلائل پیش کیئے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد کوئی بھی شخص تعدّد ازواج کی ضرورت سے انکار نہیں کرسکتا۔ چند ایک کا مطالعہ آپ بھی فرمائیں:

۱۔مسلمان کے لیے سب سے بڑی حجت اور دلیل اللہ کی کتاب اور رسول اکرم ﷺ کی سنت ہے اور کتاب وسنت سے اس کے ثابت ہونے میں کوئی شک ہی نہیں۔

۲۔حضرت ابراہیم، حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام کے علاوہ کئی دوسری مذہبی شخصیات ایسی ہیں جنہوں نے ایک سے زائد شادیاں کیں اگر یہ ناجائز عمل ہوتا تو ان میں سے کوئی بھی اس کا ارتکاب نہ کرتا، خود آسمانی کتابوں میں سے بھی کسی کتاب میں تعدّد ازواج منع نہیں کیا گیا۔

۳۔مردم شماری کے جو سروے شائع ہوتے رہتے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ تقریباً تمام ممالک میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے بالخصوص جنگوں میں مردوں کے کام آنے کے بعد تو بہر حال عورتوں کی تعداد بڑھ ہی جاتی ہے۔(حال ہی میں پاکستان کے بارے میں ایک سروے نظر سے گذرا جس کے مطابق صرف پاکستان میں ایک کروڑ خواتین بے نکاحی گھروں میں بیٹھی ہیں) اگر ان عورتوں کو نکاح میں نہ لایا جائے تو زنا کاری بڑھے گی۔ یہ عورتیں بے سہارا رہیں گی، توالد وتناسل کے ذریعے اپنی قوم کی افرادی قوت میں اضافہ نہیں کرسکیں گی۔

۴۔مرد کی شہوانی جبلّت تنوّع پسند بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک تندرست مرد میں قوت اور شہوت بھی زیادہ ہوتی ہے، پھر عورت کے ساتھ حیض ونفاس اور حمل ورضاعت کے جو عوارض ہیں ان کی بناء پر وہ بعض اوقات مرد کی طبعی خواہش کی تشفی کے لیے کافی ثابت نہیں ہوتی۔

۵۔یورپ والوں نے زنا کو جو قانونی جواز فراہم کر رکھا ہے وہ بھی تعدد کے نظریہ کو قوت فراہم کرتا ہے گویا وہ بھی تعدد کی ضرورت محسوس کرتے ہیں مگر نکاح کی صورت میں نہیں بلکہ زنا کی صورت میں۔ آئے دن اخبارات میں ان کی سیاسی اور مذہبی قیادت تک کے ناجائز تعلقات کے سکینڈل شائع ہوتے رہتے ہیں۔

۶۔عورت کو اپنی طبعی خواہش کا نشانہ بنا کر بے سہارا چھوڑ دینے سے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ اسے نکاح میں لاکر باقاعدہ سہارا فراہم کیا جائے تاکہ وہ ایک کے بعد دوسرے اور تیسرے مرد کی ہوس کا نشانہ بننے سے محفوظ رہے۔

جہاں تک ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کے کثرتِ ازدواج کا تعلق ہے تو ہم مسلمانوں کو اس پر فخر ہے کہ

آپ ﷺ کی سیرت کا یہ پہلو بھی اعجازی شان رکھتا ہے کہ اتنی بیویوں کے ہوتے ہوئے بھی آپ نے فرائضِ نبوت کی ادائیگی میں کمی واقع نہیں ہونے دی، نہ درسگاہ خاموش ہوئی نہ منبر ومحراب محروم ہوئے، نہ میدانِ جہاد خالی ہوا، نہ بیوائیں اور یتامی بے سہارا ہوئے، نہ آپ کی انفرادی عبادت میں کوئی کمی واقع ہوئی۔

ان شادیوں میں جو حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ تھیں ان تک رسائی کے لئے دل اور دماغ کا پاک ہونا ضروری ہے، شہوت پرست اور تعصب کے مارے ہوئے کافر ان مصلحتوں کو ہرگز نہیں سمجھ سکتے...... انشاء اللہ ان مصلحتوں کے بارے میں تفصیل سے گفتگو سورہ احزاب میں ہوگی۔

''فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوا'' (اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم عدل نہیں کر سکو گے) جو لوگ خوفِ خدا سے عاری ہو کر اللہ کی کتاب کو یورپ والوں کی خواہشات کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں۔ وہ سورہ نساء کی آیت ۱۲۹ کی آڑ لیکر کہتے ہیں کہ ایک سے زیادہ شادی کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ آیت ۱۲۹ میں فرمایا گیا ہے کہ ''اگر تم چاہو بھی تو متعدد بیویوں کے درمیان عدل قائم نہیں رکھ سکتے'' اور یہاں ارشاد ہوا کہ ''اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک بیوی پر ہی اکتفاء کرو'' حالانکہ جس عدل کا حکم ہے وہ نان نفقہ اور ظاہری اعتبار سے عدل ہے اور جس عدل کی نفی ہے وہ قلبی میلان اور محبت کے اعتبار سے ہے، پہلی قسم کا عدل انسان کے اختیار میں ہے لیکن دوسری قسم کا عدل انسان کے اختیار میں نہیں ہے، جیسے والدین کی محبت اولاد کے ساتھ یکساں نہیں ہوسکتی اسی طرح شوہر کی محبت اپنی مختلف بیویوں کے ساتھ برابر نہیں ہوسکتی بلکہ ان کی وفا اور حیا، ان کی خدمت اور دینداری میں کمی بیشی کی بناء پر محبت میں بھی کمی بیشی ہوسکتی ہے۔

''اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ'' اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ متعدد بیویوں کے درمیان عدل قائم نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفاء کر و یا پھر لونڈیوں سے اپنی شہوت پوری کرو کیونکہ ایک تو لونڈی کے وہ حقوق نہیں جو آزاد کے ہیں، دوسرے لونڈیاں چار سے زائد بھی رکھی جاسکتی ہیں۔ {۱۷}

جہاں تک لونڈی اور غلام کا مسئلہ ہے تو ہمیں اس حوالے سے اہلِ یورپ کے سامنے نظریں جھکانے یا اس مسئلہ کے انکار کی ضرورت نہیں یہ تو ایک انتظامی معاملہ ہے جسے بوقتِ ضرورت اختیار کیا جاسکتا ہے کوئی فرض اور واجب حکم نہیں ہے۔

جو کافر مرد اور عورتیں گرفتار ہو کر آئیں انہیں بطور احسان بھی آزاد کیا جاسکتا ہے، مسلمان قیدیوں کے بدلے ان کا

{۱۷} ای من السراری بالغة مابلغت کمایؤخذ من السباق (روح المعانی۔ ج ۳۰۶/۴)

تبادلہ بھی جائز ہے، کچھ معاوضہ لیکر بھی انہیں چھوڑ سکتے ہیں اور ایک انتظامی صورت یہ بھی ہے کہ انہیں بطور غلام اور لونڈی، مسلمان مجاہدین میں تقسیم کردیا جائے جو انہیں اپنے گھر کا ایک فرد بنا کر رکھیں، جو خود کھائیں وہ انہیں کھلائیں جو خود پہنیں وہ انہیں پہنائیں۔ ہو سکے تو انہیں آزاد کردیں اس لیے کہ آزاد کرنے کی بڑی فضیلت ہے پھر کئی گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ غلام اور لونڈی کو آزاد کرنے سے ادا ہوتا ہے۔ یوں مختلف بہانوں سے غلاموں کی گردنیں آزاد ہوتی رہتی ہیں۔

جس کے حصہ میں نوجوان لونڈی آ گئی ہو اسے اس کے ساتھ مباشرت کی بھی اجازت ہے لیکن معاذ اللہ اس کی حیثیت طوائف کی سی نہیں کہ جس ہوس پرست کا دل چاہے اس سے اپنی شہوانی پیاس بجھالے بلکہ جیسے ایک بیوی سے ایک وقت میں ایک ہی شوہر مباشرت کرسکتا ہے اسی طرح ایک لونڈی کے ساتھ ایک وقت میں ایک ہی مالک ہم بستری کرسکتا ہے، آزاد عورت طلاق کے بعد دوسرے مرد کے تصرف میں جاسکتی ہے تو لونڈی فروخت ہو کر دوسرے مالک کے قبضہ میں جاسکتی ہے۔

اگر اسلامی ملک کا کسی کافر ملک کے ساتھ قیدیوں کو غلام اور لونڈی نہ بنانے کا معاہدہ ہو جائے تو اس معاہدہ کی پابندی کرنا مسلمانوں پر لازم ہوگا۔

آج جبکہ دنیا کے سارے ممالک اقوام متحدہ میں شامل ہیں جس کے منشور میں قیدیوں کو غلام اور لونڈی نہ بنانا بھی شامل ہے تو باوجودیکہ خود اقوام متحدہ کی حیثیت یہود و نصاریٰ کی لونڈی سے زیادہ نہیں ہے پھر بھی مسلمانوں پر اس منشور کی پابندی لازم ہے۔

''وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ'' شوہروں کو حکم دیا جارہا ہے کہ اپنی بیویوں کو ان کا مہر خوش دلی سے دے دو۔{۱۸}

حکمت و ہدایت:

۱۔ ہر چیز میں عدل واجب ہے خواہ یتیموں کے اموال کا معاملہ ہو یا متعدد بیویوں کے ساتھ نکاح کا (۳)

۲۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس آیت کی بناء پر بالغ ہونے سے پہلے یتیم بچی کے نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں کیونکہ جن بچیوں کے ساتھ نکاح کا یہاں ذکر ہے ان پر یتیم کا اطلاق بلوغ سے قبل ہی ہوسکتا ہے۔{۱۹} (۳)

۳۔ آیت سے ثابت ہوا کہ باپ دادا کے علاوہ دوسرے قرابت داروں کو بھی یتیم بچی اور بچے کے نکاح کا اختیار ہے

{۱۸} والخطاب علی ماھو المتبادر للازواج (روح المعانی ٤/ ۳۱۱)

{۱۹} حقیقتہ تقتضی اللاتی لم یبلغن لقول النبی ﷺ لایتم بعد بلوغ الحلم (جصاص ۲/ ۵۲)

البتہ اس صورت میں انہیں بالغ ہونے کے بعد نکاح کو فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔{۲۰} (۳)

۴۔ والدین کو چاہیئے کہ بالغ لڑکے اور لڑکی کا رشتہ طے کرنے سے پہلے ان کی مرضی اور پسند معلوم کرلیں۔ (۳)

۵۔ بوقتِ ضرورت چار شادیوں کی اجازت ہے۔ (۳)

۶۔ اگر ظلم اور زیادتی کا اندیشہ ہو تو ایک بیوی پر اکتفاء کرنا واجب ہے۔ (۳)

۷۔ مہر عورت کا حق ہے جو اسے ہی ادا کرنا لازم ہے۔ (۳)

۸۔ عورت اگر چاہے تو مرد کو پورا مہر یا مہر کا کچھ حصہ معاف کرسکتی ہے۔ (۴)

غلط ہاتھوں میں مال

(۵۔۶)

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَ

اور مت پکڑا دو بے عقلوں کو اپنے وہ مال جن کو بنایا ہے اللہ نے تمہارے گذران کا سبب اور ان کو اس میں سے کھلاتے اور پہناتے رہو اور

قُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا

کہو ان سے بات معقول اور سدھاتے رہو یتیموں کو جب تک پہنچیں نکاح کی عمر کو پھر اگر دیکھو ان میں ہوشیاری تو حوالہ کردو ان کے

إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا ۚ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۖ وَ

مال ان کا اور کھا نہ جاؤ یتیموں کا مال ضرورت سے زیادہ اور حاجت سے پہلے کہ یہ بڑے نہ ہو جائیں اور جس کو حاجت نہ ہو تو مال یتیم سے بچتا رہے اور

مَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ۚ

جو کوئی محتاج ہو تو کھاوے موافق دستور کے پھر جب ان کو حوالہ کرو ان کے مال تو گواہ کرلو اس پر

وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝

اور اللہ کافی ہے حساب لینے کو

تسہیل: اپنے اموال ایسے کم عقلوں کے ہاتھوں میں نہ دو جنہیں اللہ نے تمہارے لیے ایک طرح کا سہارا بنایا ہے اس مال میں سے انہیں کھلاتے اور پہناتے رہو اور انہیں نرمی سے سمجھاتے رہو ۝ یتیم بچوں کا امتحان لیتے رہو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں پھر اگر تم ان کے اندر صلاحیت دیکھو تو ان کے مال ان کے حوالے کردو۔ نہ تو ان کے مال میں فضول خرچی کرو اور نہ ہی ان کے بڑے ہونے کے اندیشہ سے خرچ کرنے میں جلدی کرو بلکہ اگر یتیم کا

{۲۰} فقال ابو حنیفہ رحمہ اللہ لکل من کان من اہل المیراث من القرابات ان یزوج الاقرب فالاقرب (جصاص ۲/۵۰)

سرپرست خوش حال ہوتو وہ یتیم کے مال سے بچتا رہے اور جو ضرورت مند ہو وہ مناسب مقدار میں کچھ لے سکتا ہے پھر جب ان کے مال ان کے حوالے کرنے لگو تو اس پر کسی کو گواہ بنالو اور حساب لینے کے لیے اللہ کافی ہے ٥

﴿تفسیر﴾

﴿٥﴾ یہاں یتیموں کے اولیاء اور سرپرستوں سے خطاب ہے[٢١] کہ یتیموں کے جو اموال تمہارے قبضہ اور ولایت میں ہیں وہ اس وقت تک ان کے حوالے نہ کرو جب تک ان کے اندر انتظامی صلاحیت پیدا نہ ہو جائے۔ کہیں ایسے نہ ہو کہ وہ ان اموال کو فضول خرچیوں میں اڑا دیں۔

''قیــامــا'' یہ وہ مال ہے جو تمہارے لیے ایک سہارا، زندگی کا مایہ اور معاشیات کی بنیاد ہے لہٰذا اسے غیر ذمہ دار ہاتھوں میں دے کر ضائع نہ کرو۔

اسلاف کہتے تھے ''مال مؤمن کا ہتھیار ہے'' حضرت سفیان رحمہ اللہ وسیع تجارت کے مالک تھے ان سے کسی نے کہا کہ اس تجارت نے آپ کو دنیا کے قریب کر دیا ہے، آپ نے جواب دیا کہ اگر اس نے مجھے دنیا سے قریب کیا ہے تو یہی مجھے دنیا سے بچاتی بھی ہے یہ بھی فرمایا کہ اگر ہمارے پاس مال نہ ہوتا تو یہ دنیا دار ہمیں رومال بنالیتے اور فرماتے تھے کہ تجارت کرو اور رزقِ حلال کماؤ اس لیے کہ تم ایسے زمانے میں ہو کہ اگر تم میں سے کوئی ضرورت مند ہوگا تو وہ سب سے پہلے اپنا دین کھائے گا۔[٢٢]

''وارزقــوهــم'' ان اموال کو ایسے کاروبار اور تجارت میں لگاؤ جس کے نفع سے ان کی ضروریاتِ زندگی پوری ہوتی رہیں اور اصل رأس المال جوں کا توں باقی رہے۔[٢٣]

''قــولا مـعـروفـا'' یتیموں کو نرمی سے سمجھاتے رہو کہ یہ تمہارا ہی مال ہے میں تو تمہارے بڑے ہونے تک اس کا نگران ہوں، جوں ہی تمہارے اندر صلاحیت پیدا ہو جائے گی تمہاری امانت تمہارے حوالہ کر دوں گا۔

﴿٦﴾ اگر لڑکے اور لڑکی میں بلوغ کی کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو وہ پندرہ سال کی عمر میں بالغ سمجھے جائیں گے...... اس

{٢١} نهى للاولياء من أن يوتوا الذين لارشد لهم اموالهم فيضيعوها (بيضاوى ٢/١٤٧)

{٢٢} الكشاف ١/٥٠٣

{٢٣} واجعلوها مكانا لرزقهم بأن تتجروا فيها وتتربحوا (كشاف ١/٥٠٣)

آیت میں فرمایا گیا کہ بالغ ہونے تک یتیموں کا امتحان لیتے رہو کہ ان کے اندر مالی انتظام کی قابلیت پیدا ہوگئی ہے یا نہیں۔ اگر تمہیں سلیقہ مندی اور کاروباری سوجھ بوجھ نظر آئے تو پھر بلوغ کا انتظار کیئے بغیر ان کا مال ان کے حوالے کر کے فارغ ہو جاؤ اور اگر بلوغ کے بعد بھی ان میں سمجھداری کے آثار دکھائی نہ دیں تو حدِ کبر میں داخل ہونے کے بعد تو بہر حال وہ اپنی جائداد کے مالک ہو ہی جائیں گے خواہ وہ انتظامی صلاحیت سے محروم ہی کیوں نہ ہوں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حد کبر میں داخل ہونے کی عمر ۲۵ سال ہے۔ اس لیے کہ ۲۵ سال کی عمر میں تو انسان دادا بھی بن سکتا ہے اگر اسے بھی حد کبر میں داخل نہ سمجھا جائے تو اور کسے سمجھا جائے گا۔ {۲۴}

حکمت وہدایت:

۱۔ مال اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اسے ضائع ہونے سے بچانا چاہیے (۵) قرآن کریم میں مال اور مالی امور کے متعلق تاکیدی ہدایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام مال کو فضول شے قرار نہیں دیتا، ہاں اسے اپنی زندگی کا مقصد بنالینا غلط ہے۔

۲۔ کم عقل بچے کے مالی تصرفات پر پابندی لگانا جائز ہے۔ (۵) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عاقل بالغ پر اسی وقت پابندی جائز ہوگی جب وہ مال کو فضول خرچی میں اڑائے اور ۲۵ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد تو بہر صورت اسے اپنے مال میں تصرف سے روکنا جائز نہیں۔

۳۔ مال کو بیٹھ کر کھانے سے بہتر یہ ہے کہ اسے کاروبار میں لگا کر نفع حاصل کیا جائے (۵)

۴۔ اولاد کا نفقہ، والدین پر اور بیوی کا نفقہ شوہر پر لازم ہے۔ (۵)

۵۔ یتیموں کے نان نفقہ کے ساتھ ان کی تربیت کا بھی اہتمام کرنا چاہیئے اور محبت و پیار سے اچھی باتیں ان کے کانوں میں ڈالتے رہنا چاہیے۔ (۵)

۶۔ مال اس وقت تک بچوں اور یتیموں کے حوالے نہ کیا جائے جب تک انہیں آزمانہ لیا جائے۔ (۶)

۷۔ یتیم اور کم عقل شخص کے مال کا کھانا یا ضرورت سے زائد خرچ کرنا حرام ہے۔ (۶)

۸۔ یتیم کا سرپرست اگر مالدار ہو تو یتیم کے مال میں سے کچھ بھی نہ کھائے اور اگر تنگدست ہو تو حسبِ ضرورت کچھ لے سکتا ہے (۶) بہت سے علماء اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب کبھی اسے وسعت دے تو جو کچھ اس نے لیا تھا وہ واپس

{۲۴} وجعل ابو حنيفةؒ حد الكبر في ذلك خمسا وعشرين سنة لان مثله يكون جدّ اومحال ان يكون جد اولا يكون في حد الكبار (احكام القرآن للجصاص)

کر دے۔{۴۵}

۹۔ جب یتیم کا مال اسے واپس کیا جائے تو اس پر کسی کو گواہ بنالیا جائے (۶) تا کہ کل کو کوئی جھگڑا کھڑا نہ ہو جائے۔

۱۰۔ مالی معاملات میں گڑبڑ کرنے والوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر دنیا میں کسی نے حساب نہ بھی لیا تو قیامت کے دن اللہ ضرور حساب لے گا۔(۶)

حقوقِ وراثت
(۷۔۱۰)

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ

مردوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ

وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۞ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ

اور قرابت والے تھوڑا ہو یا بہت ہو حصہ مقرر کیا ہوا ہے اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم

وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۞ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ

اور محتاج تو اُن کو کچھ کھلادو اس میں سے اور کہہ دو اُن کو بات معقول اور چاہیئے کہ ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑی ہے اپنے پیچھے

ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۞ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ

اولاد ضعیف تو اُن پر اندیشہ کریں یعنی ہمارے پیچھے ایسا ہی حال اُن کا ہوگا تو چاہیئے کہ ڈریں اللہ سے اور کہیں بات سیدھی جو لوگ کہ کھاتے ہیں

أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۞

مال یتیموں کا ناحق وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب داخل ہونگے آگ میں

ربط: یتیم کے مالِ میراث کا حکم بیان کرنے کے بعد میراث کا عمومی حکم بیان کیا جارہا ہے۔ جس کا بنیادی نکتہ ایک تو یہ ہے کہ میراث میں مرد اور عورتیں سبھی شریک ہوں گے دوسرا یہ کہ میراث ہر چیز میں جاری ہوگی۔

شانِ نزول:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں بیٹیوں اور چھوٹے بچوں کو میراث میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا، چنانچہ انصار کا ایک شخص جس کا نام اوس بن ثابت تھا اس کا انتقال ہو گیا اس نے اپنے پیچھے دو بیٹیاں اور ایک نابالغ بیٹا چھوڑا لیکن اس کی ساری جائیداد پر اس کے دو چچازاد بھائیوں خالد اور عرفجہ نے قبضہ کرلیا، مرحوم کی بیوی ''ام کحۃ'' رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنا دکھ بیان کیا، آپ نے خالد اور عرفجہ کو بلایا تو انہوں نے کہا:

{۴۵} فاذا وجد میسرۃ اعطی ماستقرض (روح المعانی ۴/۳۲۵)

''یا رسول اللہ ولدھا لا یرکب فرسا ولا یحمل کلًّا ولا ینکا عدوًّا'' (اے اللہ کے رسول ﷺ! اس کی اولاد نہ گھوڑے پر سوار ہوسکتی ہے نہ بوجھ اٹھاتی ہے نہ دشمن کو مار سکتی ہے) حضور علیہ السلام نے فرمایا تم چلے جاؤ میں اللہ کے حکم کا انتظار کرتا ہوں تو اس بارے میں اللہ نے یہ آیت اتار دی۔{۲۶}

تسہیل: مردوں کا بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قرابت دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کا بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قرابت دار چھوڑ جائیں خواہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ ہو، ہر ایک کا ایک معین حصہ ہے ٥ اور جب میراث کی تقسیم کے وقت دور کے رشتہ دار اور یتیم اور مساکین آ جائیں تو انہیں بھی اس میں سے کچھ دے دو اور نرمی سے سمجھا دو ٥ اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جائیں تو ان کے دل میں کیسے کیسے خیالات آئیں گے پس چاہیئے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی اور سچی بات کہیں ٥ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور وہ عنقریب دہکتی ہوئی آگ میں ڈالے جائیں گے ٥

تفسیر

﴿۷﴾ اگرچہ یہاں سے وراثت کے احکام کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے مگر بنیادی مقصد یتیموں کے حقوق کی حفاظت ہی ہے کہ اگر مورث کا انتقال ہو جائے تو اس کی میراث میں مرد اور عورتیں، چھوٹے اور بڑے سب ہی شریک ہوں گے۔

﴿۸﴾ میراث کی تقسیم کے وقت اگر کچھ ایسے مستحق قرابت دار بھی موجود ہوں جن کا میراث میں کوئی حق نہیں تو انہیں بھی کچھ دے دلا کر خوش کر دیا جائے۔{۲۷}

﴿۹﴾ اس آیت کریمہ میں انسانی جذبات سے اپیل کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ سوچو تو سہی اگر تم انتقال کر جاؤ تو یقیناً تم یہ چاہو گے کہ تمہارے بچوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور وہ در بدر کی ٹھوکریں اور طرح طرح کے لوگوں کی جھڑکیاں نہ کھاتے پھریں تو جس سلوک کی توقع تم اپنی اولاد کے لیے رکھتے ہو وہی سلوک تمہیں دوسروں کی یتیم اولاد کے ساتھ کرنا چاہیے ورنہ یاد رکھو انسان جو کچھ دوسروں کے ساتھ کرتا ہے وہی کچھ اس کے ساتھ بھی ہو

{۲۶} یہ روایت الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ قرطبی ۴۶/۵ تفسیر ابن کثیر ۵۹۳/۱ اور مسند ابن حبان کتاب الفرائض میں بھی ہے۔

{۲۷} فاعطو ھم شیئامن المقسوم تطیبا لقلوبھم و تصد قاعلیھم (بیضاوی ۱۵۲/۲)

جاتا ہے(الانسان کما یدین یدان)۔

''وَلْيَقُولُوا قَوْلاً سَدِيْدًا '' (سیدھی اور سچی بات کہیں) جیسے اپنی اولاد کے ساتھ محبت اور شفقت کے ساتھ بات کرتے ہو اسی طرح ان یتیم بچوں کے ساتھ بھی کیا کرو۔[۲۸]

﴿۱۰﴾ رکوع کے اختتام پر دوبارہ یتیموں کا مال کھانے سے ڈرایا جارہا ہے...... یوں تو یتیم کے مال میں کسی بھی قسم کا ناجائز تصرف حرام ہے لیکن عام طور پر مال کا سب سے بڑا مقصد اسے کھانا ہی ہوتا ہے اس لیے یہاں اس کا خاص طور پر ذکر ہے...... یتیم کا مال کھانا حقیقت میں آگ کا کھانا ہے کیونکہ انسان کا یہ عمل اسے آگ میں لیجانے کا سبب بنتا ہے اس لیے یہاں مجازاً آگ کھانے کا ذکر ہے۔[۲۹]

حکمت وہدایت:

۱۔میراث کی علت قرابت ہے نہ کہ غربت اور ضرورت (۷) قریبی رشتہ دار کو میراث میں حصہ دیا جائے گا خواہ وہ امیر ہو یا غریب۔

۲۔میراث میں مرد اور عورت، چھوٹے اور بڑے سب کا حصہ ہوتا ہے۔(۷)

۳۔میراث ہر چیز میں جاری ہوگی خواہ قلیل ہو یا کثیر، قیمتی ہو یا حقیر۔(۷)

۴۔ہر وارث کا حصہ شریعت نے متعین کر دیا ہے، جس میں ہم اپنے اجتہاد سے تبدیلی نہیں کر سکتے۔(۷)

۵۔احناف جو کہ ذوی الارحام کو بھی میراث میں حقدار ٹھہراتے ہیں تو وہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ پھوپھیاں، خالائیں اور نواسے ونواسیاں بھی ''اقارب'' میں سے ہیں۔[۳۰] (۷)

۶۔اگر ورثہ میں نابالغ بچے بھی ہوں تو مشترکہ مال میں سے صدقہ خیرات جائز نہیں اس لیے کہ نابالغ کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔(۷) جبکہ ایصالِ ثواب کے لیے تیجہ، دسواں اور چالیسواں وغیرہ تو کسی صورت بھی جائز نہیں کیونکہ یہ

{۲۸} ثم امرهم أن يقولوا لليتامى مثل مايقولون لاولادهم بالشفقة وحسن الادب أوللمريض مايصده عن الاسراف فى الوصية وتضييع الورثة(بيضاوى ۱۵۲/۲۱)

{۲۹} والمراد ان اكل مال اليتيم جارمجرى أكل النار من حيث انه يفضى اليه ويستلزمه وقد يطلق اسم احد المتلازمين على الآخر (تهذيب التفسير الكبير ۳۶۴/۲)

{۳۰} واحتج الحنفية والامامية بهذه الآية على توريث ذوى الارحام قالوا:لان العمات والخالات وأولاد البنات من الاقربين (روح المعانى ۳۳۰/۴)

رسومات بدعت ہیں۔

۷۔ اسلام چند ہاتھوں میں دولت کے ارتکاز کو پسند نہیں کرتا اسی لیے زکوٰۃ، وصیت اور تقسیم میراث کا حکم دیا گیا ہے۔

۸۔ ہر انسان کو چاہیے کہ دوسروں کے لیے بھی وہی کچھ پسند کرے جو وہ اپنی اولاد کے لیے پسند کرتا ہے۔ (۹)

۹۔ جو شخص یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے گا اگر کل کلاں اس کے بچے یتیم ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ انہیں بے سہارا نہیں ہونے دے گا۔ (۹)

۱۰۔ ظلم کے طور پر یتیموں کا مال کھانا حرام ہے لیکن اگر سرپرست مستحق اور غریب ہو تو بقدرِ ضرورت کھا سکتا ہے۔ (۱۰)

احکامِ میراث

(۱۱۔۱۲)

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۚ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا

حکم کرتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد کے حق میں کہ ایک مرد کا　حصہ ہے برابر　دو عورتوں کے　پھر اگر صرف عورتیں ہی ہوں　دو سے زیادہ　تو ان کے لئے ہے دو تہائی

مَا تَرَكَ ۖ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ

اس مال کا جو چھوڑ مرا، اور اگر ایک ہی ہو　تو اسکے لئے آدھا ہے　اور میت کے ماں باپ کو　ہر ایک کے لئے دونوں میں سے چھٹا حصہ ہے اس مال سے جو کہ چھوڑ مرا

كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ

اگر میت کے اولاد ہے　اور اگر اس کے اولاد نہیں　اور وارث ہیں اسکے ماں باپ　تو اس کی ماں کا ہے تہائی　پھر اگر　میت کے کئی بھائی ہیں

فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ

تو اس کی ماں کا ہے چھٹا حصہ　بعد وصیت کے　جو　کر مرا　یا بعد ادائے قرض کے　تمہارے باپ اور بیٹے　تم کو معلوم نہیں

أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ

کون نفع پہنچائے تم کو زیادہ　حصہ مقرر کیا ہوا　اللہ کا ہے　بیشک اللہ خبردار ہے　حکمت والا　اور تمہارا ہے　آدھا مال　جو کہ چھوڑ مریں تمہاری عورتیں

إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

اگر نہ ہو　ان کے　اولاد　اور اگر ان کے　اولاد　ہے　تو تمہارے واسطے چوتھائی ہے اس میں سے جو چھوڑ گئیں　بعد وصیت کے

يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ

جو کر گئیں　یا بعد قرض کے　اور عورتوں کے لئے چوتھائی مال ہے اس میں سے جو چھوڑ مرو تم　اگر نہ ہو　تمہارے　اولاد　اور اگر تمہارے اولاد ہے

وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ

تو انکے لئے آٹھواں حصہ ہے اس میں سے کہ جو کچھ تم نے چھوڑا　بعد وصیت کے　جو تم کر مرو　یا قرض کے　اور اگر وہ مرد　کہ　جس کی

يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ

میراث ہے باپ بیٹا کچھ نہیں رکھتا یا عورت ہو ایسی ہی اور اس میت کے ایک بھائی ہے یا بہن ہے تو دونوں میں سے ہر ایک کا　چھٹا حصہ ہے　اور اگر　زیادہ ہوں

ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً

اس سے تو سب شریک ہیں ایک تہائی میں بعد وصیت کے جو ہو چکی ہے یا قرض کے جب اوروں کا نقصان نہ کیا ہو یہ حکم ہے

مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

اللہ کا اور اللہ ہے سب کچھ جاننے والا تحمل کرنیوالا

تسہیل:

اللہ تمہاری اولاد کی میراث کے بارے میں حکم دیتا ہے، مرد کا حصہ دوعورتوں کے برابر ہے پھر اگر صرف عورتیں ہی ہوں اگرچہ دو سے زائد ہوں تو انہیں پورے مال میراث کا دوتہائی ملے گا اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اسے آدھا ملے گا اگر مورث صاحبِ اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر اس کی اولاد نہ ہو اور صرف والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی والدہ کو تہائی حصہ ملے گا (اور باقی سب اس کے والد کو دیا جائے گا) لیکن اگر مورث کے بھائی بہن بھی ہوں تو اس کی وصیت کی تعمیل اور قرض کی ادائیگی کے بعد جو کچھ بچے اس کا چھٹا حصہ اس کی والدہ کو ملے گا، تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے، تم یقینی طور پر نہیں جان سکتے کہ ان میں سے کس سے تمہیں نفع پہنچنے کی زیادہ امید ہے، یہ سب حصے اللہ کے مقرر کردہ ہیں، بے شک اللہ علم والا اور حکمت والا ہے o (اگر تمہاری ایسی بیویوں کا انتقال ہوجائے) جن کی کوئی اولاد نہ ہو تو تمہیں ان کے ترکہ میں سے آدھا ملے گا اور اگر وہ صاحبِ اولاد ہوں تو ان کی وصیت کی تعمیل اور قرض کی ادائیگی کے بعد تمہیں چوتھائی حصہ ملے گا اور اگر تمہارا انتقال ہوجائے تو تمہاری میراث میں سے بیویوں کو چوتھائی حصہ ملے گا بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو وصیت کی تعمیل اور قرض کی ادائیگی کے بعد بیویوں کو آٹھواں حصہ ملے گا اور اگر مورث ایسا مرد یا عورت ہو کہ نہ اس کے ماں باپ ہوں اور نہ ہی اولاد ہو البتہ اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو وصیت کی تعمیل اور قرض کی ادائیگی کے بعد وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے، بشرطیکہ کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ بڑا علم والا اور بڑا تحمل والا ہے o

تفسیر

﴿۱۱﴾ گذشتہ آیت میں اجمالی طور پر میراث کے احکام کا بیان تھا۔ یہاں ان کی تفصیل ہے۔

سب سے پہلے اولاد کے حقوق بیان کیئے گئے ہیں کیونکہ اپنی ناتجربہ کاری اور کمزوری کی بناء پر وہ محبت وشفقت اور تعاون کے زیادہ حقدار ہیں۔ اس سلسلہ میں قاعدہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر میت کے ورثہ میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں

ہوں تو لڑکے کو لڑکی سے دوگنا ملے گا اس لیے کہ بیوی سمیت گھر کے سارے اخراجات کی ذمہ داری مرد پر ہوتی ہے جبکہ عورت کے ذمہ خود اپنا خرچ بھی نہیں ہوتا...... کتنے متعصب اور احمق ہیں وہ لوگ جو میراث میں مرد اور عورت کی مساوات کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

''**فان کن نساء** '' اگر لڑکیاں دو یا دو سے زائد ہوں تو انہیں دو تہائی ملے گا اس لیے کہ اس سورت کے آخر میں دو بہنوں کا حصّہ دو تہائی ہی بیان کیا گیا ہے۔[۳۱] تو یہاں پر بھی دو لڑکیوں کا حصّہ وہی ہوگا جو دو بہنوں کا ہے اور اگر لڑکیاں دو سے زائد ہوں تو ان سب کا حصّہ بھی (۲/۳) ہی ہوگا۔

اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اسے کل میراث کا نصف ملے گا، بقیہ نصف دوسرے مخصوص رشتہ داروں میں تقسیم کیا جائے گا۔

''**ولابویه**'' یہاں والدین کے حصّہ وراثت کی تین صورتیں ذکر ہوئی ہیں۔

۱۔ اگر میت کی اولاد ہو خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں، ایک ہو یا زیادہ ہوں تو میت کے والدین میں سے ہر ایک کو چھٹا حصّہ ملے گا اور باقی اولاد کو مِل جائے گا۔

ماں باپ کے مقابلے میں اولاد کو زیادہ حصّہ دینے میں حکمت یہ نظر آتی ہے کہ عام طور پر ان کا نفقہ اولاد برداشت کرتی ہے اور یوں بھی وہ عمر کے اس مرحلہ میں ہوتے ہیں جب مال کی زیادہ ضرورت نہیں رہتی۔

۲۔ اگر میت کی اولاد بالکل نہ ہو تو ایک تہائی ماں کو اور دو تہائی باپ کو ملے گا۔

۳۔ اور اگر اس کی اولاد تو نہ ہو مگر اس کے بھائی بہن ہوں خواہ حقیقی ہوں یا سوتیلے تو ماں کو چھٹا حصّہ ملے گا اور بقیہ (۵/۶) باپ کو ملے گا لیکن بھائی بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا۔

''**من بعد وصیّة**'' ورثہ میں میراث تقسیم کرنے سے پہلے میت کی وصیت کی تعمیل اور قرض کی ادائیگی ضروری ہے...... وصیت اور قرض میں سے اگرچہ قرآن نے وصیت کو پہلے اور قرض کو بعد میں ذکر کیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قرض کی ادائیگی سے پہلے وصیت کی تعمیل کی جائے بلکہ میت کے کفن دفن کے بعد جو مال بچے پہلے اس سے قرض ادا کیا جائے گا اس کی بعد کل مال کے ایک تہائی میں وصیت نافذ کی جائے گی پھر ورثہ میں مال تقسیم کیا جائے گا۔

{۳۱} فان کانتا اثنتین فلهما الثلثن مماترک (۱۷۶)

وصیت کومقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وصیت ایک تبرع اور احسان ہوتا ہے، اس کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہیں ہوگا، جبکہ قرض ایک حق ہے اور قرضدار اپنے حق کا مطالبہ خود ہی کرلے گا یوں بھی جو شخص وصیت کرے گا وہ اپنے قرض کی ادائیگی کے بارے میں بھی ضرور تاکید کرے گا۔

''آباؤ کم وابناؤ کم'' وراثت کی تقسیم میں تم اپنے مادی نفع نقصان کے پیمانوں کو مدّ نظر مت رکھو بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو حصے مقرر کردیئے ہیں انہی کے مطابق وراثت تقسیم کرو، اس لیے کہ تم نہیں جانتے کہ دنیا اور آخرت میں ان میں سے کون تمہارے زیادہ کام آئے گا، اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے کیونکہ وہ علم والا بھی ہے اور حکمت والا بھی ہے۔

﴿۱۲﴾ اس آیت میں میاں بیوی کی میراث بیان کی گئی ہے۔

۱۔ اگر بیوی کا انتقال ہوجائے اور اس کی حقیقی یا سوتیلی کوئی بھی اولاد نہ ہوتو شوہر کو نصف ملے گا اور اگر اولاد ہوتو اسے چوتھا حصہ ملے گا، بقیہ دوسرے وارثوں کا حصہ ہے۔

۲۔ شوہر کے انتقال کی صورت میں بیوی چوتھائی کی حقدار ہوگی بشرطیکہ شوہر صاحبِ اولاد نہ ہو اور اگر وہ صاحبِ اولاد ہوتو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ اگر بیویاں ایک سے زائد ہوں تو وہ سب اسی حصہ میں شریک ہوں گی۔

''کلالۃ'' ان آیات میں تین قسم کے ورثہ کا بیان ہے:

۱۔ اولاد اور والدین، جن کا میت کے ساتھ خونی رشتہ ہوتا ہے۔

۲۔ زوجین، جن کا آپس میں تعلق زوجیت پر مبنی ہوتا ہے۔

ان دونوں قسموں میں مورث اور وارث کا تعلق بلا واسطہ ہوتا ہے۔

۳۔ ''کلالۃ'' جس کا میت کے ساتھ کسی واسطہ سے تعلق ہو...... اردو میں اس کے لیے کوئی لفظ موجود نہیں، عربی میں کلالۃ ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کے نہ باپ دادا میں سے کوئی موجود ہو اور نہ اولاد اور اولاد در اولاد میں سے۔

اگر کسی ایسے شخص کا انتقال ہوجائے جس کا نہ والد ہو نہ ولد ہو البتہ اس کے اخیافی یعنی ماں شریک بھائی بہن ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر بھائی بہن متعدد ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔

سورۃ النساء کے آخر میں جس کلالہ کا اور اس کے بہن بھائیوں کا ذکر ہے اس سے مراد وہ ہیں جو حقیقی یا علاتی یعنی باپ شریک بہن بھائی ہوں۔

"غیر مضار" یہاں پھر وضاحت کردی گئی ہے کہ وراثت کی تقسیم، وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد ہوگی، یہ بھی جتلا دیا گیا کہ قرض اور وصیت سے کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔

قرض اور وصیت کے ذریعے نقصان پہنچانے کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔

۱۔قرض نہ ہو مگر محض ورثہ کو نقصان پہنچانے کی غرض سے کسی کے لیے قرض کا اقرار کرلیا جائے۔

۲۔کسی کے ذمہ میت کا قرض تھا مگر میت نے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے اس کی وصولی کا اقرار کرلیا یوں ورثہ کا ایک جائز حق ڈوب گیا۔

۳۔تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کردی۔

۴۔وصیت تو تہائی ہی کی کی مگر اس سے مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول نہیں تھا بلکہ ورثہ کا حصہ کم کرنا مقصود تھا۔

حکمت و ہدایت:

۱۔اللہ کی نظر میں علم میراث کی بڑی اہمیت ہے(۱۱) ایک روایت میں اسے ثلثِ علم اور دوسری روایت میں نصفِ علم قرار دیا گیا ہے۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"علم فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کیونکہ یہ نصفِ علم ہے، یہ وہ پہلا علم ہوگا جو بھلا دیا جائے گا اور میری امت سے اسے سلب کرلیا جائے گا"{۳۲}

۲۔جب کسی کا انتقال ہوجائے تو سب سے پہلے اس کے مال سے کفن دفن کا انتظام کیا جائے گا پھر اس کے ذمہ اگر قرض ہو تو وہ ادا کیا جائے گا اس کے بعد اگر اس نے وصیت کی ہو تو اس کی تعمیل کی جائے گی پھر جو کچھ بچے اسے ورثہ میں تقسیم کردیا جائے گا۔

۳۔آیت کریمہ میں میراث کا حکم مطلقاً بیان کیا گیا ہے لیکن حدیث میں میراث کے تین موانع بیان کیئے گئے ہیں۔

☆قتل ☆اختلافِ دین ☆رقیت (غلامی)

۴۔بیٹوں اور بیٹیوں، آباء اور ابناء میں سے دنیا اور آخرت میں زیادہ کام آنے والے کا علم صرف اللہ کو ہے(۱۱)

{۳۲}دارقطنی بحوالہ التفسیر المنیر ۴/۲۸۰

۵۔آیات میں جو فرائض اور حصے بیان کیئے گئے ہیں وہ چھ ہیں نصف، ربع، ثمن، دو ثلث، ایک ثلث اور سدس...... اصحاب فرائض سے جو کچھ بچے وہ عصبات کو ملے گا۔

۶۔قرآن کی نظر میں قرض اور وصیت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مذکورہ دو آیتوں میں چار بار یہ حکم دیا گیا ہے کہ میراث کی تقسیم، قرض کی ادائیگی اور وصیت کی تعمیل کے بعد ہوگی اور اسی سے حقوق العباد کی اہمیت کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔

۷۔"اولاد" کا لفظ، موجود اولاد کے ساتھ ساتھ اس اولاد کو بھی شامل ہے جو شکمِ مادر میں ہو۔

۸۔کسی کو نقصان پہنچانا حرام ہے بالخصوص وصیت اور قرض میں تو یہ کبائر میں سے ہیں۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مرد یا عورت ساٹھ سال تک عبادت کرتے رہتے ہیں پھر وہ موت کے وقت وصیت کے ذریعہ ضرر پہنچاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے لیے جہنم واجب ہو جاتی ہے۔{۳۳}"

حدود اللہ

(۱۳-۱۴)

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
یہ حدیں باندھی ہوئی اللہ کی ہیں اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور رسول کے اسکو داخل کریگا جنتوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں گے

فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا
اُن میں اور یہی ہے بڑی مراد ملنی اور جو کوئی نا فرمانی کرے اللہ کی اور اُس کے رسول کی اور نکل جاوے اُس کی حدوں سے ڈالیگا اس کو آگ میں ہمیشہ

خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾
رہیگا اُس میں اور اُس کے لئے ذلت کا عذاب ہے

تسہیل: یہ سب اللہ تعالیٰ کی حد بندیاں ہیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اسے اللہ ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے ساتھ نہریں بہہ رہی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے○ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حد بندیوں سے باہر نکل جائے گا اللہ اسے آگ میں ڈال دے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے○

{۳۳} ابو داؤد/ التفسیر المنیر ۲۸۵/۴

﴿تفسیر﴾

﴿۱۳﴾ یہ احکام جو یتیموں کے اموال اور میراث کے حوالے سے بیان کیئے گئے ہیں یہ بظاہر تمہارے دنیاوی امور سے تعلق رکھتے ہیں لیکن یہ اللہ کی حد بندیاں، اس کے قوانین اور ضابطے ہیں انہیں ہلکا سمجھ کر نظر انداز نہ کرنا۔

﴿۱۴﴾ جو لوگ ان احکام کا استخفاف کرتے ہوئے ان کی مخالفت کریں گے وہ دائمی عذاب اور ذلت آمیز سزا کے مستحق ہوں گے۔

حکمت وہدایت:

۱۔کمزور اور جاہل انسان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے بہت بڑا انعام وہ ضابطے اور قوانین بھی ہیں جن کے ذریعہ اس نے حلال اور حرام کی حد بندی کردی ہے۔(۱۳)

۲۔اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز کرنا حرام ہے۔

۳۔اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت، جنت کے دائمی داخلہ کی ضمانت ہے۔(۱۳)

۴۔اللہ اور اس کے رسول کے حکموں کے استخفاف کی سزا جہنم کی آگ اور دنیا اور آخرت کی ذلت اور رسوائی ہے۔(۱۴)

۵۔احکامِ میراث کے اختتام پر ایسی شدید وعید کا آنا، اللہ کے ہاں ان کی انتہائی اہمیت پر دلالت کرتا ہے۔[۳۴]

بے حیائی کی سزا
(۱۵۔۱۶)

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا
اور جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ لاؤ اُن پر چار مرد اپنوں میں سے پھر اگر وہ گواہی دے دیں

فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰى یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ
تو بند رکھو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ اٹھا لیوے اُن کو موت یا مقرر کردے اللہ اُن کے لئے کوئی راہ اور جو دو مرد کریں تم میں سے وہی بدکاری

فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۱۶﴾
تو اُن کو ایذا دو پھر اگر وہ دونوں توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں تو اُن کا خیال چھوڑ دو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے

{۳۴} وفی ختم آیات المواریث بهذه الآیة اشارة الی امر المیراث ولزوم الاحتیاط والتحری وعدم الظلم فیه(روح المعانی ۳۶۴/۴)

ربط: سابقہ آیات میں میراث کے بارے میں حدود اللہ سے تجاوز کرنے سے منع کیا گیا تھا یہاں بے حیائی اور بدکاری کے ارتکاب کی صورت میں حدود کا بیان ہے۔

تسہیل: تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا ارتکاب کریں ان پر چار مردوں کو گواہ بنالو سو اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کردے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راہ نکال دے ○ اور تم میں سے کوئی بھی جوڑا اگر اس بے حیائی کا ارتکاب کرے تو اسے سزا دو پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو ان سے تعرض نہ کرو، بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، بے حد مہربان ہے ○

تفسیر

﴿۱۵﴾ ابتداء اسلام میں یہی حکم تھا جو کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی عورت کا زنا سچی اور عدل کی گواہی سے ثابت ہو جائے تو اسے گھر میں محبوس کر دیا جائے تاکہ خود اسے بھی برائی سے روکا جا سکے اور وہ دوسروں کے لیے بھی برائی کی ترغیب کا اشتہار نہ بن سکے اور بے حیائی کا ارتکاب کرنے والے مردوں کی سزا یہ تھی کہ انہیں زبان سے برا بھلا کہا جائے اور جوتوں سے ان کی پٹائی کی جائے۔

یہ حکم اس وقت تک باقی رہا جب تک کہ غیر شادی شدہ کے لیے کوڑوں اور شادی شدہ کے لیے رجم (سنگسار کرنے) کا حکم نازل نہیں ہو گیا۔ گویا جب وہ وعدہ پورا کر دیا گیا جو ان الفاظ میں کیا گیا تھا۔ ''اویجعل اللہ لھن سَبِیلاً'' (یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راہ نکال دے) تو پہلا حکم منسوخ کر دیا گیا۔

﴿۱۶﴾ یہاں بتلایا گیا ہے کہ صرف عورتوں ہی کو بے حیائی کے ارتکاب پر سزا نہیں ملے گی بلکہ جو جوڑا بھی بدکاری کرے گا وہ سزا کا مستحق ہو گا۔ چونکہ کاروبارِ زندگی کی انجام دہی کے لیے مرد کا گھر سے باہر نکلنا اس کی مجبوری ہے اس لیے اسے گھر میں محبوس کرنے کے بجائے لعن طعن اور پٹائی کی سزا سنائی گئی ہے۔

چونکہ ابو مسلم اصفہانی قرآن کریم میں نسخ کا انکار کرتے ہیں اس لیے انہوں نے پہلی آیت میں آپس میں سحق کرنے والی عورتیں اور دوسری آیت میں لواطت کرنے والے مرد مراد لیے ہیں۔

حکمت وہدایت:

ا۔’’فَاحِشَة‘‘ کا لفظ قولی وفعلی ہر بڑی برائی کے لیے استعمال ہوتا ہے[۳۵] لیکن یہاں اس سے مراد زنا ہے۔[۳۶] (۱۵)

۲۔اسلام میں چونکہ ہمہ جہت پاکیزگی کی تعلیم دی گئی ہے اس لیے زنا کے ساتھ ساتھ مبادی زنا بھی حرام کیئے گئے ہیں۔ مثلاً ☆ مردوزن کا اختلاط ☆ عورتوں کی غیر محرموں سے خلوت ☆ عورتوں کا بن سنور کراور بے پردہ ہوکر گھر سے باہر نکلنا ☆ نظر بازی ☆ پسِ پردہ ہی سہی مگر نازونزاکت کے انداز میں غیر محرموں سے گفتگو کرنا۔

افسوس کہ آج کی بزعمِ خویش ’’مہذب‘‘ اور ماڈرن قوموں میں زنا جرم نہیں فیشن بن گیا ہے اور مزید افسوس یہ کہ مسلمان بھی انہی انسان نما حیوانوں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کررہے ہیں۔

۳۔زنا کی ابتدائی سزا تو منسوخ ہوگئی لیکن ثبوتِ زنا کے لیے چار گواہوں کی جو شرط تھی وہ اب بھی باقی ہے۔

۴۔گواہوں کے لیے درجِ ذیل شرائط ہیں:

(۱)چار مرد ہوں (۲)مسلم ہوں (۳)آزاد ہوں (۴)عاقل ہوں (۵)بالغ ہوں

(۶)سنی سنائی گواہی نہ دیں بلکہ چشم دید گواہی دیں

چونکہ زنا کی سزا بڑی سخت ہے اس لیے زنا کے گواہوں کے لیے شرائط بھی سخت رکھی گئی ہیں۔

۵۔کوئی انسان کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو جب وہ توبہ کرلے اور اپنے احوال درست کرلے تو اسے سابقہ گناہوں پر شرمندہ کرنا جائز نہیں۔(۱۶)

{۳۵} الفاحشة ماعظم قبحه من الا فعال والاقوال (مفردات/۳۷۴)

{۳۶} واجمعوا علی ان الفاحشة ههنا الزنا(تفسیر کبیر۹/۲۳۰)

قبولِ توبہ کا وقت

(۱۷۔۱۸)

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ
توبہ قبول کرنی اللہ کو ضرور تو انکی ہے جو کرتے ہیں برا کام جہالت سے پھر توبہ کرتے ہیں جلدی سے تو اُن کو

يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا
اللہ معاف کر دیتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے حکمت والا اور الیسوں کی توبہ نہیں جو کیے جاتے ہیں بُرے کام یہاں تک جب

حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾
سامنے آجائے اُن میں سے کسی کی موت تو کہنے لگا میں توبہ کرتا ہوں اب اور نہ الیسوں کی توبہ جو مرتے ہیں حالت کفر میں اُن کیلئے تو ہم نے تیار کیا ہے عذاب دردناک

ربط: پچھلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ اگر بدکاری کا مرتکب توبہ کر لے اور اپنے حالات درست کر لے تو اسے نہ شرمندہ کرو نہ تکلیف دو......اسی مناسبت سے یہاں قبولِ توبہ کی شرائط اور وقت بیان کیا جا رہا ہے۔

تسہیل: اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے جو نادانی سے بری حرکت کر بیٹھتے ہیں پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کی اللہ توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا اور بڑا حکمت والا ہے ٥ اور ان لوگوں کو توبہ سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا جو گناہ کرتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت سامنے آ کھڑی ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ ہی ان لوگوں کو توبہ سے کچھ حاصل ہوتا ہے جو کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں، یہی ہیں وہ لوگ جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ٥

تفسیر

﴿۱۷﴾ خیر و شر کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے تین قسم کی مخلوق پیدا کی ہے: فرشتے جن سے کبھی گناہ صادر نہیں ہوتا، شیاطین جو سراپا شر ہیں اور ان سے خیر کا صدور ناممکن ہے، انسان جس کے اندر خیر اور شر دونوں کی صلاحیت ہے...... انبیاء کے علاوہ ہر انسان سے گناہ ہو سکتا ہے یہاں بتایا گیا ہے کہ اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جن سے جہالت اور نادانی کی وجہ سے اگر کبھی گناہ صادر ہو جائے تو وہ توبہ کرنے میں دیر نہیں کرتے کیونکہ گناہ پر اصرار کرنے اور توبہ میں دیر کرنے کی وجہ سے گناہ، طبیعت میں راسخ ہو جاتا ہے اور پھر توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔

''بِـــجَهَــالَةٍ'' جہالت یہاں لاعلمی کے معنی میں نہیں کیونکہ گناہ اور حرام کے حوالے سے لاعلمی کوئی عذر نہیں بلکہ جہالت کا معنی یہ ہے کہ شدتِ جذبات یا غلبۂ شہوت کی وجہ سے وقتی طور پر عقل اندھی ہو جائے اور اللہ کے عذاب سے انسان غافل ہو جائے، حقیقت میں ہر گناہ جہالت اور نادانی ہی کی وجہ سے ہوتا ہے حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اجمع اصحاب النبی ﷺ علی ان کل معصیة فهی بجهالة عمدا کانت اوجهلاً [۳۷]	نبی کریم ﷺ کے صحابہ کا اس پر اجماع ہے کہ ہر گناہ جہالت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے خواہ عمداً ہو یا جہالت سے ہو۔

گناہ گار کو ''جاہل'' اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ جاہلوں جیسا کام کرتا ہے اگر اسے ثواب اور عتاب کا علم ہوتا تو وہ ہرگز گناہ نہ کرتا اور انسان کا توبہ کرنا گویا اپنی جہالت کا اقرار کرنا ہے۔

﴿۱۸﴾ دو قسم کے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ایک تو وہ جن کے دل میں گناہ کا ملکہ ایسا راسخ ہو جائے کہ انہیں زندگی بھر توبہ کی توفیق نصیب نہ ہو یہاں تک کہ جب موت کی علامات ظاہر ہو جائیں اور غرغرہ کی حالت ان پر طاری ہو جائے تو وہ توبہ کریں۔ اس وقت کی توبہ کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ فرعون نے بھی اس وقت توبہ کی تھی لیکن اس کی توبہ قبول نہ ہوئی۔ [۳۸]

دوسرے وہ لوگ جو کافر ہوں اور غرغرہ کی حالت میں ایمان قبول کریں یا حالتِ کفر ہی میں ان کا انتقال ہو جائے۔

حکمت وہدایت:

۱۔ ہر مسلمان پر توبہ کرنا فرض ہے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَتُوبُوا اِلَى اللهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ [۳۹]

ہمارے آقا ﷺ معصوم اور مغفور ہونے کے باوجود کثرت سے توبہ اور استغفار کیا کرتے تھے۔

۲۔ ہر گناہ سے توبہ ہو سکتی ہے خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، عمداً ہو یا خطاً، علم سے ہو یا جہالت سے ہو (۱۷)

۳۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے قبولِ توبہ کا وعدہ فرمایا ہے اور یقیناً وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا لیکن عقلی طور پر توبہ کا قبول

{۳۷} الجامع لاحکام القرآن (قرطبی ۵۔۹۲)
{۳۸} سورہ یونس (۱۰/۹۰۔۹۱)
{۳۹} النور (۲۴/۳۱)

کرنا اللہ کے ذمہ واجب نہیں ہے جیسا کہ معتزلہ کا نظریہ ہے۔{۴۰}

۴۔قبولِ توبہ کی چار شرطیں ہیں۔قلبی ندامت، ترکِ گناہ، آئندہ نہ کرنے کا عزم، اور یہ کہ یہ سب کچھ صرف اللہ تعالیٰ سے حیا کی وجہ سے ہو......بعض حضرات نے دو شرطیں اور بھی ذکر کی ہیں یعنی گناہ کا اعتراف اور کثرتِ استغفار{۴۱}

۵۔قبولِ توبہ کے لیے حقوق العباد کی معافی تلافی اور (بعض) حقوق اللہ کی قضا میں ضروری ہے۔

۶۔توبہ کرنے میں ہرگز تاخیر نہیں کرنی چاہیئے ورنہ ہوسکتا ہے دل میں گناہ کی جڑیں مضبوط ہوجائیں جس سے توبہ کی توفیق سلب ہوجائے یا اچانک موت آجائے اور توبہ کا موقع ہی نہ ملے۔

۷۔غرغرہ کی حالت طاری ہونے کے بعد نہ توبہ قبول ہے نہ ایمان۔{۴۲} (۱۸)

حقوقِ نسواں

(۱۹۔۲۰)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ

اے ایمان والو حلال نہیں تم کو کہ میراث میں لے لو عورتوں کو زبردستی اور نہ روکے رکھو اُن کو اس واسطے کہ لے لو اُن سے کچھ اپنا دیا ہوا

اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ

مگر کہ وہ کریں بے حیائی صریح اور گذران کرو عورتوں کے ساتھ اچھی طرح پھر اگر وہ تم کو نہ بھاویں تو شاید تم کو

تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ

پسند نہ آوے ایک چیز اور اللہ نے رکھی ہو اُس میں بہت خوبی اور اگر بدلنا چاہو ایک عورت کی جگہ دوسری عورت کو اور

اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾ وَكَيْفَ

دے چکے ہو ایک کو بہت سا مال تو مت پھیر لو اُس میں سے کچھ کیا لیا چاہتے ہو اُس کو ناحق اور صریح گناہ سے اور کیونکر

تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾

اُس کو لے سکتے ہو اور پہنچ چکا ہے تم میں کا ایک دوسرے تک اور لے چکیں وہ عورتیں تم سے عہد پختہ

ربط: اوپر میراث میں عورت کا حصہ بیان کیا گیا، یہاں بتایا جارہا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عورت کو میراث میں تو حصہ کیا ملتا الٹا خود عورت ہی کو مالِ میراث سمجھ لیا گیا تھا۔

{۴۰} ولیس قبول التوبة واجبا علی الله من طریق العقل کما قال المخالف (المعتزلة) (قرطبی ۵/۹۰)

{۴۱} قرطبی (۵۔۹۰)

{۴۲} وبهذا قال ابن عباس وابن زید وجمهور المفسرین۔ (حوالہ مذکور)

تسہیل: اے ایمان والو! تمہارے لیے یہ حلال نہیں کہ تم جبراً عورتوں کے مالک بن جاؤ اور نہ اس غرض سے انہیں روکے رکھو تاکہ تم نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ حصہ واپس لے لو ہاں اگر وہ صریح بے حیائی کا ارتکاب کریں تو پھر لے سکتے ہو اور اپنی بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے گذر بسر کرو، اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں کوئی بڑی بھلائی رکھی ہو ٥ اور اگر تم پہلی بیوی کو چھوڑ کر دوسری سے نکاح کرنا چاہو تو اگر تم نے پہلی بیوی کو مال کا انبار بھی دیا ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم اس پر بہتان لگا کر اور صریح ظلم کر کے مال واپس لینا چاہتے ہو؟ ٥ تمہاری غیرت اس مال کو واپس لینا کیسے گوارا کرتی ہے جبکہ تم اس سے خلوت کر چکے ہو اور وہ تم سے پختہ قول و قرار لے چکی ہے ٥

تفسیر

﴿۱۹﴾ زمانہ جاہلیت میں عورت بہت مظلوم تھی، نہ صرف عربوں میں بلکہ رومیوں اور یونانیوں میں بھی دستور تھا کہ میت کی جائیداد کی طرح اس کی بیویاں بھی سوتیلے بیٹوں کو وراثت میں ملتی تھیں اور پھر وہ ان سے جیسا چاہتے سلوک کرتے تھے ایسا بھی ہوتا کہ وہ ان سے خود ہی نکاح کر لیتے اور ایسا بھی ہوتا کہ نکاح تو کسی اور سے کر دیتے مگر ان کا مہر خود وصول کر لیتے اور بعض اوقات اسے گھر میں محبوس رکھ کر اس کی موت کا انتظار کرتے تاکہ اس کے مال و متاع کے خود وارث بن جائیں۔

اہل تہامہ یوں بھی کرتے کہ اپنی بیوی کو خوب ستاتے یہاں تک کہ وہ طلاق کا مطالبہ کرنے پر مجبور ہو جاتی پھر اسے اس شرط پر طلاق دیتے کہ تم صرف اسی سے نکاح کرو گی جس سے ہم چاہیں گے پھر نکاح کے اس دوسرے امیدوار سے مہر وغیرہ میں دی ہوئی اپنی رقم وصول کرتے۔ {۴۳}

اسلام نے عورت کو ہر قسم کے مظالم سے نجات دلائی اور اسے اس کے جائز حقوق دیئے، مذکورہ آیات میں عورت کے جو حقوق مذکور ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

☆ عورت کو مالِ موروث سمجھنا، اسے نکاح سے روکنا، اس سے خود جبراً نکاح کرنا یا کسی اور سے کروانا جائز نہیں بلکہ

{۴۳} اس بارے میں متعدد روایات امام ابن کثیرؒ نے بخاری، ابوداود، نسائی، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ کے حوالے سے نقل کی ہیں (تفسیر ابن کثیر ۱/۶۰۷)

عاقلہ بالغہ کو اس معاملہ میں اپنے اوپر اختیار حاصل ہے۔

☆ ''وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ'' اپنی بیویوں سے محض مال ہتھیانے کے لیے انہیں تنگ کرنا، حقوق بھی ادا نہ کرنا اور دوسری جگہ نکاح بھی نہ کرنے دینا جائز نہیں۔

''اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ'' صرف اس صورت میں اسے محبوس رکھنا اور اس سے اپنا مہر واپس لینا جائز ہے جب کہ وہ شوہر کی نافرمان اور بدزبان ہو یا وہ زنا کا ارتکاب کرے۔{۴۴}

☆ ''وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ'' میاں بیوی کا تعلق مالک اور لونڈی کا نہیں بلکہ راہِ زندگی کے دو دوستوں اور شرکاءِ سفر کا ہے، پھر انسان ہونے کے ناطے عورت کے بھی ویسے ہی جذبات ہوتے ہیں جیسے مرد کے جذبات ہوتے ہیں بلکہ جذبات کے سلسلہ میں عورت زیادہ حساس اور ''نازک آبگینہ'' ہوتی ہے اس لیے اس کے ساتھ قول و عمل سے حسنِ سلوک ضروری ہے۔

زمانہ جاہلیت میں کیا عرب اور کیا عجم عورت کے کچھ بھی حقوق نہ تھے وہ محض قضائے شہوت اور توالد و تناسل کا ایک ذریعہ تھی قرآن نے عورت کے حقوق بیان کیئے اور صاحبِ قرآن ﷺ نے اپنے عمل سے اس کے نمونے پیش کیئے۔

آنحضرت ﷺ اپنی ازواج سے خوش اخلاقی سے پیش آتے، کام کاج میں ان کی مدد کرتے، دکھ درد میں شریک ہوتے، ان سے ہنسی مذاق کرتے، انہیں قصے کہانیاں سناتے، ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے، بڑی محبت اور چاہت سے ان کا بچا ہوا کھا لیتے۔

''وَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ'' اگر اپنی بیوی کی کوئی بات یا عادت تمہیں ناپسند ہو تو بھی اس سے جدائی اختیار کرنے یا اس پر ہاتھ اٹھانے میں جلدی نہ کرو، ممکن ہے اس کے ذریعہ تمہیں کوئی بڑی بھلائی حاصل ہونے والی ہو، مثلاً صبر کی وجہ سے اللہ کے ہاں اجرِ عظیم یا نیک اولاد۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''لا يفرك مؤمن مؤمنة، إن كره منها خلقا رضي منها آخر{۴۵}'' (کوئی مؤمن بیوی سے کلی طور پر نفرت نہ کرے ممکن ہے اس کی ایک عادت اگر تمہیں بری لگتی ہے تو اس کی دوسری عادت تمہیں اچھی لگے) مثلاً وہ زبان کی تیز

{۴۴} واختار ابن جریرؒ انه یعم ذلك كله الزنا والعصیان، والنشوز وبذاء اللسان وغیر ذلك (ابن كثير ۱/۶۰۸)

{۴۵} الصحيح للمسلم

ہے مگر عفیف اور پاکدامن ہے۔

﴿۲۰﴾عورتوں پر ظلم کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ جب مرد بیوی کو طلاق دینا چاہتا تو اس سے اپنا دیا ہوا مہر واپس لے لیتا اور بعض اوقات مہر کی واپسی کے لیے بہتان تراشی اور ظلم وزیادتی جیسے غلط ہتھکنڈے بھی اختیار کرتا، قرآن نے اس قبیح حرکت سے منع کیا اور ایمان والوں کو حکم دیا کہ اگر تم نے اپنی بیوی کو مال کا انبار بھی بطور مہر دے رکھا ہو تو بھی اس سے واپس نہ لو کیونکہ مہر عورت کا حق ہے، تمہاری یہ حرکت نہ صرف یہ کہ ایمانی غیرت کے خلاف ہے بلکہ تمہارے سابقہ تعلق اور باہمی قول وقرار کے بھی منافی ہے۔

﴿۲۱﴾تم عورت کے گناہ کے بغیر اس سے مہر کا واپس لینا کیسے جائز سمجھتے ہو جبکہ تم زندگی کے چند سال یا چند دن ان کے ساتھ گذار چکے ہو، خلوت بھی ہو چکی اور بیویاں تم سے قول وقرار بھی لے چکی ہیں۔{۴۶}

حکمت وہدایت:

۱۔عورت مالِ میراث نہیں بلکہ انسان ہے لہٰذا اس کے ساتھ مالِ متروکہ والا معاملہ کرنا حرام ہے۔(۱۹)

۲۔محض اپنے دیئے ہوئے مہر کی وصولی کے لیے عورت کو محبوس رکھنا اور دوسری جگہ نکاح سے روکنا جائز نہیں۔(۱۹)

۳۔اگر بیوی بدزبان اور بدکردار ہو تو خلع کی صورت میں اس سے مہر واپس لینا جائز ہے۔(۱۹)

۴۔بیویوں کے ساتھ حسنِ معاشرت اخلاقی طور پر شوہر پر فرض ہے۔(۱۹)

۵۔بیویوں کی صرف کمزوریوں پر نہیں بلکہ ان کی خوبیوں اور کمالات پر بھی نظر رکھنی چاہیئے۔(۱۹)

۶۔شریکِ سفر کی کمزوریوں کے باوجود نباہ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بھلائیاں نصیب کرتا ہے۔(۱۹)

۷۔(اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ)ان الفاظ سے اشارۃً ثابت ہوتا ہے کہ ایک جگہ طلاق ہونے کے بعد دوسری جگہ نکاح کر لینا مناسب ہے(۲۰) نکاح والی زندگی ہی فطرت کا تقاضا ہے۔

۸۔جو کچھ عورت کو دیا جائے وہ اس کی ملکیت بن جاتا ہے، مرد کے لیے اس کا واپس لینا جائز نہیں۔{۴۷}

۹۔زیادہ سے زیادہ مہر کی کوئی حد مقرر نہیں یہ الگ بات ہے کہ سادگی اور آسانی میں برکت زیادہ ہوتی ہے۔

{۴۶}"میثاقاً غلیظاً" سے مراد یا تو اللہ اور رسول کے وہ فرمان ہیں جن میں بیویوں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا خود عقدِ نکاح یا وہ اولاد جو پیدا ہو چکی (قرطبی ۱۰۳/۵)

{۴۷}یدل علی ان من وھب لامرأتہ ھبۃ لا یجوزلہ الرجوع فیھا لانھا مما آتاھا(جصاص ۱۱۰/۲)

جب ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجمع عام میں لوگوں کو بڑے بڑے مہر مقرر کرنے سے منع فرمایا تو ایک عورت نے سب کے سامنے اسی آیت کے حوالے سے کہا تھا "یا عمر یعطینا اللہ وتحرمنا" (اے عمر! اللہ ہمیں دیتا ہے اور آپ ہمیں محروم کرنا چاہتے ہو؟) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں اپنی غلطی کا اقرار کیا "اصابت امراۃ واخطأ عمر" (عورت درست کہتی ہے اور عمر نے غلط کہا) دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے سر جھکالیا اور خود اپنے آپ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا "کل الناس افقه منک یا عمر [۴۸]" (اے عمر سب لوگ تجھ سے زیادہ فقیہ ہیں)

۱۰۔ آنحضرت ﷺ نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ مہر زیادہ نہ ہو جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت ہے "إن من یمن المرأۃ تیسیر خطبتھاو تیسیر صداقھا [۴۹]" (منگنی کا سادہ ہونا اور مہر کا ہلکا پھلکا ہونا عورت کے لیے باعثِ برکت ہے) بعض دوسری احادیث میں آپ نے بڑے بڑے مہر رکھنے سے صاف طور پر منع فرمایا ہے اس پر اشکال ہوتا ہے کہ جب قرآن سے اس کا جواز ثابت ہے تو پھر آپ نے منع کیوں فرمایا؟

امام رازی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ "انبار" کا ذکر تو صرف فرض اور شرط کے طور پر ہے اس سے "انبار" کے دینے کا جواز ثابت نہیں ہوتا [۵۰] حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا ہے:

"یہ جواز مفہوم من القرآن بہ معنی صحتِ نفاذ ہے اور حدیث میں جواز بہ معنی اباحتِ مطلقہ وعدمِ کراہت کی نفی ہے بس کچھ تعارض نہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ میں زیادہ مہر کے جواز کو مان لینا اس لیے تھا کہ سامعین اس کو حرام نہ سمجھنے لگیں پس اس سے کراہت کا عدم ثابت نہیں ہوتا، نہ حضرت عمرؓ پر کوئی اعتراض لازم آتا ہے۔ [۵۱]"

۱۱۔ خلوتِ صحیحہ سے مہر واجب ہو جاتا ہے اگرچہ جماع کی نوبت نہ آئی ہو۔ [۵۲] (۲۱)

۱۲۔ قول وقرار اور وعدہ کا لحاظ اور پاسداری واجب ہے۔ (۲۱)

{۴۸} تفسیر القرطبی ۹۹/۵

{۴۹} رواہ احمد والحاکم والبیہقی، التفسیر المنیر ۳۰۷/۴

{۵۰} والحاصل انه لا یلزم من جعل الشیٔ شرطالشیٔ آخر کون ذالك الشرط فی نفسه جائزا الوقوع (تهذیب التفسیر الکبیر ۳۹۷/۶)

{۵۱} بیان القرآن ۱۱۱/۲

{۵۲} حصاص ۱۱۱/۲

محرمات

(۲۲۔۲۳)

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ؗ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ؗ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

اور نکاح میں نہ لاؤ جن عورتوں کو نکاح میں لائے تمہارے باپ مگر جو پہلے ہو چکا یہ بےحیائی ہے اور کام ہے غضب کا اور برا چلن ہے حرام ہوئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بیٹیاں بھائی کی اور بہن کی اور جن ماؤں نے تم کو دودھ پلایا اور دودھ کی بہنیں اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جن کو جنا ہے تمہاری ان عورتوں نے جن سے تم نے صحبت کی اور اگر تم نے اُن سے صحبت نہیں کی تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس نکاح میں اور عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ کہ اکٹھا کرو دو بہنوں کو مگر جو پہلے ہو چکا بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

ربط: عورتوں پر جو ظلم اور زیادتیاں ہوتی تھیں ان کی اصلاح کا سلسلہ چل رہا ہے۔گذشتہ آیات میں نکاحِ یتامیٰ، تعددِ ازواج اور حقوقِ نسواں کا بیان ہو چکا ہے جس میں یہ بھی فرمایا گیا کہ اپنے باپ کی بیویوں کو مالِ میراث سمجھ کر ان کا مالک بننا اور ان میں تصرف کرنا جائز نہیں، یہاں باپ کی منکوحہ سمیت ان تمام عورتوں کا بیان ہے جن سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

تسہیل: اور تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں مگر جو ہو چکا سو ہو چکا یہ بڑی بے حیائی اور نفرت کی بات ہے اور بہت برا طریقہ ہے ○ تمہارے اوپر حرام کر دی گئی ہیں تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری رضاعی مائیں اور رضاعی بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہوں اور تم ان بیویوں سے صحبت کر چکے ہو لیکن اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو پھر ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں بھی حرام ہیں اور دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا بھی حرام ہے مگر جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا بے شک اللہ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے ○

﴿تفسیر﴾

﴿۲۲﴾جن عورتوں کے ساتھ تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو ان کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں خود عرب بھی اس نکاح کو برا سمجھتے تھے اور اسے ''نکاح مقت'' کہتے تھے اور اس نکاح سے جو بچہ پیدا ہوتا تھا اسے مقیت کہا جاتا تھا۔ مقت، سخت بغض اور نفرت کے معنیٰ میں آتا ہے گویا یہ نکاح بھی قابلِ نفرت تھا اور وہ بچے بھی لیکن اس کے باوجود عربوں میں نکاح مقت ہوتے تھے۔

نکاح، عقدِ تزویج کے معنی میں بھی آتا ہے اور صحبت کے معنی میں بھی، احناف نے اسے عام رکھا ہے اور ان کے نزدیک بیٹے کا نکاح ہر ایسی عورت سے حرام ہے جس سے باپ نے خواہ نکاح کیا ہو یا صحبت کی ہو، پھر صحبت منکوحہ ہونے کی وجہ سے ہو یا لونڈی ہونے کی وجہ سے یا زنا کی وجہ سے۔[۵۳]

﴿۲۳﴾اس آیت کریمہ میں ان عورتوں کا بیان ہے جن سے نکاح کرنا حرام ہے ہم انہیں چھ قسموں پر تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) اصول......امھتکم (تمہاری مائیں)......اس میں مائیں، دادیاں اور نانیاں سب آ گئیں۔

(۲) فروع......بنتکم (تمہاری بیٹیاں)......اس میں بیٹیاں، پوتیاں اور نواسیاں آ گئیں۔

(۳) قریب اور بعید کا رشتہ اخوت......اپنی بہن، باپ کی بہن، ماں کی بہن، بھائی کی بیٹی، بہن کی بیٹی......ان میں سگی اور سوتیلی دونوں شامل ہیں۔

(۴) رضاعت......رضاعت سے بھی وہ حرمت ثابت ہوتی ہے جو نسب سے ثابت ہوتی ہے، رضاعی ماں کے اقارب رضاعی بیٹے کے اقارب بن جاتے ہیں۔ وہ خود، رضاعی ماں، اس کی بیٹی، بچے کی بہن، اس کا شوہر، بچے کا باپ اور اس کے بیٹے اس کے بھائی بن جاتے ہیں۔

حرمتِ رضاعت کے اثبات کے لیے احناف کے نزدیک تھوڑی سی رضاعت بھی کافی ہے[۵۴] لیکن یہ رضاعت دو

{۵۳} فیہ تحریم وطئ موطوئۃ الاب بنکاح او بملک یمین او بزنا کما ھو مذھبنا وعلیہ کثیر من المفسرین (مدارک ۱/۳۰۴)

{۵۴} قال اللیث اجتمع المسلمون علی ان قلیل الرضاع و کثیرہ یحرم فی المھد مایفطر الصائم (جصاص ۲/۱۲۴)

سال کی عمر میں ہونی چاہیئے، بڑی عمر میں دودھ پینے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

(۵) مصاھرت...... بیوی کے ساتھ رشتہ کے بعد تین حرمتیں ثابت ہوتی ہیں۔

☆ بیوی کی ماں کی حرمت......اس میں نانیاں، پرنانیاں سب آ گئیں، کسی عورت کے ساتھ محض عقدِ نکاح کرنے سے یہ حرمت ثابت ہوجاتی ہے{۵۵}

☆ ربیبہ......وہ لڑکی جو بیوی کے پہلے خاوند سے ہو، اس لڑکی سے نکاح تب حرام ہوگا جب اس کی ماں سے صحبت کی ہو لیکن اگر صرف عقدِ نکاح کیا ہو تو حرمت ثابت نہیں ہوگی......باقی گود اور پرورش میں ہونا یہ عام عادت کا بیان ہے قید اور شرط نہیں{۵۶}

☆ بیٹے اور پوتے کی بیوی باپ دادا پر حرام ہوگی۔

(۶) عارضی سبب سے حرمت......دو بہنوں، پھوپھی اور بھتیجی یا خالہ اور بھانجی کو جمع کرنا حرام ہے......اس میں قاعدہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایسی دو عورتیں جن میں سے ایک کو اگر مرد فرض کیا جائے تو ان کا آپس میں نکاح حرام ہو، انہیں ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے لیکن ایک کو طلاق دے دینے یا اس کے فوت ہوجانے کی صورت میں دوسری سے نکاح جائز ہوگا۔

حکمت وہدایت:

۱۔ زمانہ جاہلیت کے نکاح حرام ہیں (سوائے اس کے جو اسلام کے موافق ہوں) بالخصوص ''نکاح مقت'' یعنی اپنی سوتیلی والدہ سے نکاح کرنا کہ یہ عقل، شریعت اور عرف ہر اعتبار سے قبیح ہے......امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قبح کے تین درجے ہیں: قبح عقلی، قبح شرعی، قبح عرفی۔ مذکورہ آیت میں فاحشۃ سے اول کی جانب اشارہ ہے۔ مقتا میں دوم کی جانب اور ساء سبیلا میں سوم کی جانب{۵۷}

☆ نسبی محرمات سات ہیں:

مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، اور بھانجیاں۔

☆ رضائی محرمات بھی یہی سات ہیں۔

☆ مصاھرت یعنی جو عورتیں سسرالی رشتہ کی وجہ سے حرام ہوجاتی ہیں ان کی چار قسمیں ہیں ایک ساس یعنی بیوی کی

{۵۵} وعن عمران بن الحصين رضى الله عنهما ان الام تحرم بمجرد العقد (كشاف ۱/۵۲۷)

{۵۶} قال الطحاوی: واضافتهن إلى الحجور انما ذالك على الاغلب مايكون عليه الربائب لاانهن لايحرمن اذا لم يكن كذلك (قرطبى ۵/۱۱۲)

{۵۷} التفسير الكبير ۱۰/۲۴

ماں، دو یا ساس یعنی بیوی کی دادی، نینا ساس یعنی بیوی کی نانی اور اس سے اوپر کے درجہ کی مثلاً بیوی کے باپ اور ماں کی دادی وغیرہ، بیوی کی بیٹی اور بیوی کے بیٹوں کی اولاد اور اس سے نیچے کے درجہ کی مثلاً بیوی کی نواسی کی اولاد وغیرہ یہ سب حرام ہیں، بشرطیکہ بیوی سے جماع کرلیا ہو، خواہ وہ (بیوی کی) بیٹی اس مرد کی پرورش میں ہو یا نہ ہو۔{۵۸}

☆احناف کے نزدیک ''رشتہ مصاہرت'' زنا سے بھی ثابت ہو جاتا ہے لہٰذا مزنیہ کی ماں اور بیٹی زانی پر حرام ہوگی۔

نکاح کی حلت اور حرمت کے چند مزید احکام

(۲۴-۲۵)

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ

اور خاوند والی عورتیں مگر جن کے مالک ہو جائیں تمہارے ہاتھ حکم ہوا اللہ کا تم پر اور حلال ہیں تم کو سب عورتیں ان کے سوا

اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

بشرطیکہ طلب کرو ان کو اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو پھر جس کو کام میں لائے تم ان عورتوں میں سے تو ان کو دو ان کے حق

فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنْ

جو مقرر ہوئے اور گناہ نہیں تم کو اس بات میں کہ ٹھہرا لو تم دونوں آپس کی رضا سے مقرر کیے پیچھے بیشک اللہ ہے خبردار حکمت والا اور جو کوئی

لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ

نہ رکھے تم میں مقدور اس کا کہ نکاح میں لائے بیبیاں مسلمان تو نکاح کرے ان سے جو تمہارے ہاتھ کا مال ہیں جو تمہارے آپس کی لونڈیاں ہیں

الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

مسلمان اور اللہ کو خوب معلوم ہے تمہاری مسلمانی تم آپس میں ایک ہو سو ان سے نکاح کرو انکے مالکوں کی اجازت سے اور دو ان کے مہر

بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ

موافق دستور کے قید میں آنے والیاں ہوں نہ مستی نکالنے والیاں اور نہ چھپی یاری کرنے والیاں پھر جب وہ قید نکاح میں آ چکیں تو اگر کریں بے حیائی کا کام

فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا

تو ان پر آدھی سزا ہے بیبیوں کی سزا سے یہ اسکے واسطے ہے جو کوئی تم میں ڈرے تکلیف میں پڑنے سے اور صبر کرو تو

خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

بہتر ہے تمہارے حق میں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

{۵۸} تفصیل کے لیے مظاہر حق ۳/۲۸۵ ص ۲۸۶

تسہیل: اور شادی شدہ عورتیں بھی حرام ہیں سوائے ان کے جو تمہاری ملک میں آ جائیں، یہ احکام اللہ نے تم پر فرض کر دیئے ہیں اور ان کے علاوہ جو عورتیں ہیں وہ تمہارے لیے حلال کر دی گئی ہیں یہ کہ تم انہیں اموال کے ذریعہ حاصل کرو اس طور پر کہ تمہارا مقصد انہیں قیدِ نکاح میں لانا ہو، محض مستی نکالنا مقصد نہ ہو، اس مال کے ذریعہ ان میں سے جن سے تم نفع اٹھاؤ تو انہیں ان کا طے شدہ مہر دے دو اور مہر مقرر کرنے کے بعد اگر آپس کی رضا مندی سے کچھ گھٹا بڑھا لو تو اس میں کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ علم والا، حکمت والا ہے ٥ اور تم میں سے جو کوئی آزاد مؤمن عورتوں سے نکاح کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ تمہاری ان مؤمن لونڈیوں سے نکاح کر لے جو تمہاری ملک میں ہوں اور اللہ تمہاری ایمانی حالت کو خوب جانتا ہے، تم سب آپس میں ایک ہی ہو، ان کے مالکوں کی اجازت سے انہیں نکاح میں لے آؤ اور دستور کے موافق ان کے مہر انہیں دے دو بشرطیکہ وہ قیدِ نکاح میں لائی جائیں نہ زنا کرنے والی ہوں اور نہ ہی خفیہ آشنا بنانے والی ہوں، پھر اگر قیدِ نکاح میں آنے کے بعد وہ بے حیائی کا کام کریں تو جو سزا آزاد عورتوں کے لیے ہے اس کی آدھی سزا ان لونڈیوں کو دی جائے گی۔ یہ لونڈی سے نکاح کرنے کی اجازت تم میں سے اس شخص کے لیے ہے جسے زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اور اگر تم صبر کرو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ٥

﴿تفسیر﴾

﴿۲۴﴾ "والمحصنت"[۵۹] شادی شدہ عورت سے بھی نکاح حرام ہے جب تک وہ اپنے شوہر کے نکاح میں ہو سوائے ان شادی شدہ عورتوں کے جو شرعی جہاد کے نتیجے میں گرفتار ہو کر مسلمانوں کے ہاتھ لگ جائیں، (جبکہ ان کا شوہر دارالحرب ہی میں رہ جائے) ان کے سابقہ نکاح کو فسخ کر دیتا ہے اور ان سے استمتاع (نفع اٹھانا) جائز ہو جاتا ہے۔

"وَاُحِلَّ لَكُمْ" یہ محرمات جو اوپر صراحۃً مذکور ہوئیں یا جن کا ذکر یہاں تو اشارۃً ہے مگر احادیث میں انہیں صراحۃً ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ سب عورتوں سے نکاح کرنا حلال ہے تم انہیں اپنے اموال مہر کے طور پر دے کر قیدِ نکاح میں لا سکتے ہو۔

"غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ" عورت کے ساتھ مرد کے تعلق کا مقصد عفت و پاکدامنی کا حصول ہونا چاہیے، حیوانات کی طرح محض جنسی تقاضا کی تکمیل پر نظر نہیں ہونی چاہیے۔ عفت، حفاظت، دائمی محبت، سکون، گھر گرہستی، اولاد کا حصول، اس کی بہتر تربیت، احساسِ ذمہ داری، خاندان کی تشکیل اور معاشرہ کی تعمیر جیسے مقاصد نکاح ہی سے حاصل ہوتے ہیں زنا سے

{۵۹} والمحصنت عطف على المحرمات المذكورات قبل (قرطبی ۵/۱۲۰)

یہ مقاصد کسی طور پر بھی حاصل نہیں ہو سکتے۔

"فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ" جن عورتوں کو تم قیدِ نکاح میں لاؤ اور ان سے فائدہ اٹھاؤ انہیں ان کا اجر یعنی مہر ضرور دے دو۔

"استمتاع" متع سے ہے جس کا معنی ہے نفع اٹھانا، اہلِ تشیع ان الفاظ سے متعہ کے جواز پر استدلال کرتے ہیں، متعہ عارضی عقد یا محدود وقت کے نکاح کو کہتے ہیں، جس میں ایک مرد کسی عورت کو معین رقم کے معاوضہ میں مخصوص وقت تک کے لیے اپنی زوجیت میں لاتا ہے، جب وہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو دونوں کے درمیان طلاق کے بغیر خود بخود جدائی واقع ہو جاتی ہے۔{۲۰}

اس میں شک نہیں کہ زمانہ جاہلیت میں جو مختلف قسم کے نکاح ہوتے تھے ان میں سے ایک نکاحِ متعہ بھی تھا اور ابتداءِ اسلام میں اس کی اجازت مسلمانوں کو بھی دی گئی تھی اور بعض غزوات میں آنحضرت ﷺ نے مجاہدین کو غلبہءِ شہوت کی بناء پر اس کی اجازت دی لیکن بعد میں اسے دائمی طور پر حرام کر دیا گیا، درج ذیل آیت، متعہ کی حرمت پر واضح دلیل ہے:

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ{۲۱}

اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں الّا یہ کہ وہ اپنی بیویوں اور لونڈیوں سے جو شہوت کی تکمیل کرتے ہیں تو اس بارے میں ان پر کچھ الزام نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ متعہ نہ نکاح ہے نہ ملکِ یمین ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "رسول اللہ ﷺ نے متعہ سے منع فرما دیا ہے......اور متعہ کی اجازت تو صرف ان لوگوں کو تھی جو نکاح کی طاقت نہ رکھتے ہوں مگر جب نکاح، طلاق، عدت اور میاں بیوی کے درمیان میراث کے احکام نازل ہو گئے تو متعہ کا حکم منسوخ ہو گیا"{۲۲}

{۲۰} ومتعة النكاح هى ان الرجل ان يشارط المرأة بمال معلوم يعطيها الى احل معلوم فاذا انقضى الا جل فارقها من غير طلاق (مفردات /۴۶۱)

{۲۱} المؤمنون ۶/۲۳

{۲۲} دارقطنی

صحیحین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

نهى رسول الله ﷺ عن نكاح المتعة وعن لحوم الحمر الاهلية يوم خيبر[۶۳]

رسول اللہ ﷺ نے نکاح متعہ اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے غزوہ بدر میں منع فرمادیا تھا۔

حضرت سبرہ بن معبد جہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں فتح مکہ کے موقع پر آنحضور ﷺ کے ساتھ تھا آپ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا:

يٰايها الناس انى كنت اذنت لكم فى الاستمتاع من النساء وان الله قد حرم ذلك الى يوم القيٰمة فمن كان عنده منهن شئ فليخل سبيله ولا تاخذ وامما آتيتموهن شيأ[۶۴]

اے لوگو! میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کی اجازت دے رکھی تھی لیکن اب اسے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے حرام کردیا ہے اگر اب بھی کوئی اس میں مبتلا ہے تو وہ باز آجائے اور ایسی عورتوں کو جو معاوضہ دے رکھا ہے وہ ان سے واپس نہ لے۔

آنحضرت ﷺ کے انہی واضح ارشادات کی بناء پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ایک موقع پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذن لنا فى المتعة ثلاثاثم حرمها والله لا اعلم احدا تمتّع وهو محصن الارجمته[۶۵]

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تین بار متعہ کی اجازت دی پھر اسے حرام کردیا اور اللہ کی قسم! اگر مجھے پتہ چلا کہ کسی نے شادی شدہ ہونے کے باوجود متعہ کیا ہے تو میں اسے سنگسار کروں گا۔

{۶۳} ابن کثیر ۱/۶۱۹
{۶۴} صحیح مسلم ۱/۴۵۰
{۶۵} ابن ماجہ /۱۴۱

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف متعہ کے جواز کا قول منسوب ہے لیکن وہ صرف اس شخص کے لیے متعہ جائز قرار دیتے تھے جو بالکل مغلوب الشہوۃ ہو جائے اور اس کے زنا میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو بعد میں اس قول سے بھی انہوں نے رجوع کر لیا تھا۔ {۶۶}

صاحب ہدایہ نے امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں دعویٰ کیا ہے کہ وہ جوازِ متعہ کے قائل تھے لیکن ہدایہ کے شارح امام ابن ہمام رحمہ اللہ اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اس دعویٰ کی تردید کی ہے {۶۷} اور خود مالکیہ کی کتابوں سے بھی اس دعویٰ کی تائید نہیں ہوتی۔ {۶۸}

نکاح اور متعہ کو مقاصد کے اعتبار سے دیکھیں تو ان میں زمین آسمان کا فرق دکھائی دیتا ہے۔

نکاح میں مرد و زن کا تعلق زندگی بھر کے لیے ہوتا ہے ☆ کسی ایک کے انتقال کی صورت میں دوسرا وارث ہوتا ہے۔

☆ اولاد کا حصول ایک اہم مقصد ہوتا ہے۔ ☆ اولاد کی پرورش کی ذمہ داری باپ پر ہوتی ہے جبکہ متعہ میں ان میں سے کوئی ایک مقصد بھی پیشِ نظر نہیں ہوتا۔

"ولا جناح عليكم" مہر مقرر کیئے جانے کے بعد اس میں باہمی رضامندی سے کمی بیشی بھی کی جا سکتی ہے بلکہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ عورت شوہر کو پورا مہر ہی معاف کر دے اور یہ بھی ممکن ہے کہ عورت نصف مہر کی مستحق ہو مگر شوہر اسے پورا ہی دے دے مثلاً اس صورت میں جب کہ شوہر رخصتی سے قبل طلاق دے دے۔

﴿۲۵﴾ جو شخص مالی وسائل کی کمی یا اپنے دوسرے مخصوص حالات کی وجہ سے آزاد عورت {۶۹} سے نکاح نہ کر سکتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ کسی مسلمان لونڈی سے نکاح کر لے اس لیے کہ اس کا مہر، نفقہ اور دوسرے حقوق آزاد عورت کے مقابلے میں کم ہوتے ہیں۔

{۶۶} وقد رجع عنه حين استقر عنده تحريمها بتواتر الا خبار من جهة الصحابة (جصاص ۲/۵۲)

{۶۷} ونقل الحل عن مالك لا اصل له (روح المعانی جزء ۳/۹)

{۶۸} واما متعة النساء فهي من غرائب الشريعة لا نها ابيحت فى صدر الا سلام ......ثم حرمت بعد ذلك و استقر الأمر على التحريم (ابن العربی)

{۶۹} محصنت، محصنة کی جمع ہے، اس کے چار معنیٰ ہیں شادی شدہ، مسلمان، عفیفہ اور آزاد، گذشتہ آیت میں شادی شدہ کے معنی میں اور یہاں یہی لفظ آزاد عورت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

''وَاللہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِکُم'' یہ مت سوچو کہ ہوسکتا ہے یہ لونڈی صرف ظاہری طور پر مسلمان ہو اور اس کے دل میں ایمان نہ ہو اس لیے کہ تم صرف ظاہر پر نظر رکھنے کے مکلّف ہو، ممکن ہے کہ لونڈی کا ایمان آزاد عورت سے بھی زیادہ مستحکم ہو۔

''بَعْضُکُم مِّنْ بَعْضٍ'' آدم کی اولاد ہونے اور پھر مسلمان ہونے کی وجہ سے تم سب آپس میں ایک ہی ہو۔{۷۰}

''فَانْکِحُوهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ'' یہاں دوبارہ لونڈیوں سے نکاح کا حکم دیا جارہا ہے لیکن چونکہ وہ مملوک ہیں اس لیے ان سے نکاح کے لیے مالک کی اجازت کا ہونا ضروری ہے۔ البتہ نفس نکاح میں خود باندی کی رضامندی کا اعتبار ہوگا نہ کہ اس کے مالک کی۔{۷۱}

''وان تصبروا'' اگر تم لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنے میں جلدی نہ کرو اور اپنے آپ کو روک کر رکھو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ اس لونڈی سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ غلام ہوگی، نکاح کے باوجود مولیٰ کو ان لونڈیوں سے خدمت لینے کا حق حاصل ہوگا، وہ انہیں سفر میں اپنے ساتھ بھی لے جاسکتا ہے، انہیں بیچ بھی سکتا ہے، معاشرہ میں بھی انہیں وہ عزت حاصل نہیں ہوگی جو آزاد عورت کو حاصل ہوتی ہے، وہ پردے کا بھی زیادہ اہتمام نہیں کرسکتیں، پھر نزولِ قرآن سے پہلے انہیں جو پست مقام دیا گیا تھا اس کی وجہ سے ان کے اخلاق اور ان کی عادات بگڑ چکی تھیں اور ظاہر ہے ماں کے اخلاق وعادات کا اثر اولاد پر بھی پڑتا ہے اس لیے ہوسکتا ہے کہ آگے چل کر شوہر اس کی بے پردگی، مولیٰ کی خدمت، بازار میں آزادانہ آمدورفت اور گھٹیا اخلاق برداشت نہ کرسکے اور بات گھریلو فساد اور جدائی تک پہنچ جائے{۷۲} اس لیے فرمایا گیا کہ بہتر یہی ہے کہ لونڈیوں سے نکاح نہ کرو۔

حکمت وہدایت:

۱۔ جب تک عورت کسی مرد کے نکاح میں ہو اس سے دوسرے مرد کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ (۲۴)

۲۔ کفار کے ساتھ شرعی جہاد کی صورت میں جو عورت اکیلی گرفتار ہو یعنی اس کا شوہر دارالحرب میں رہ جائے

{۷۰} انتم واقار بکم متناسبون نسبکم من آدم ودینکم الاسلام (بیضاوی ۷۳/۲)

{۷۱} وھو حجۃ لنا فی ان لھن ان یباشرن العقد بانفسھن لانہ اعتبراذن الموالی لاعقد ھم (مدارک ۳۰۸/۱)

{۷۲} ہمارے آقا ﷺ کتنے دوراندیش تھے ایک حدیث میں آپ ؐ نے فرمایا'' الحرائر صلاح البیت والا ماء ھلاک البیت (مسند دیلمی عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بحوالہ التفسیر المنیر ۲۱/۵)

تو ''استبراء'' کے بعد اس سے نکاح جائز ہے، اگر وہ حاملہ ہے تو اس کا استبراء وضعِ حمل سے ہوگا اور اگر غیر حاملہ ہو تو ایک حیض آنے سے۔

۳۔(اَنْ تَبْتَغُوا) رشتہ تلاش کرنا اور نکاح کی درخواست کرنا (پرپوز کرنا) مرد کا کام ہے، عورت کا کام صرف قبول کرنا ہے۔(۲۴)

۴۔(باموالکم) مہر نکاح کا لازمی جزو ہے، مہر متعین کیئے بغیر عورت سے اجتماع جائز نہیں {۴۳}(۲۴)

۵۔متعہ، زمانہ جاہلیت کا ایک نکاح تھا جس کی ابتداءِ اسلام میں اجازت دی گئی تھی لیکن پھر اسے حرام کر دیا گیا اور اس کی حرمت پر تمام صحابہ اور ائمہ اہلسنت کا اجماع ہے۔

۶۔(وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُم) مہر بندھ جانے کے بعد بھی اس میں باہمی رضامندی سے کمی بیشی کی جاسکتی ہے(۲۴)

۷۔بعض ائمہ کے نزدیک باندی کے ساتھ نکاح کے لیے تین شرطیں ہیں۔

☆ آزاد عورت کے ساتھ نکاح کی قدرت نہ ہو۔

☆ زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔

☆ جس باندی سے نکاح کرنا چاہتا ہے وہ مؤمنہ ہو۔

لیکن احناف کے نزدیک ان میں سے کوئی ایک شرط بھی ضروری نہیں اس لیے کہ دوسری آیات میں باندیوں کے ساتھ نکاح کی مطلقاً اجازت دی گئی ہے۔{۴۴}

۸۔(وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيمَانِكُم) کسی کے مسلمان ہونے کے لیے ظاہری ایمان کافی ہے ہم دل کا حال جاننے کے مکلّف نہیں ہیں۔(۲۵)

۹۔آزاد عورت کی طرح لونڈی کو بھی مہر دینا واجب ہے(۲۵) اور یہ مہر اس کے مولیٰ کو دیا جائے گا۔

۱۰۔(وَلَا مُتَّخِذَاتِ اَخْدَان) زنا ہر صورت میں حرام ہے خواہ خفیہ ہو یا علانیہ، اہلِ عرب جاہلیت جدیدہ کی طرح علانیہ زنا کو تو برا سمجھتے تھے مگر خفیہ آشنائی کو برا نہیں جانتے تھے...... جاہلیتِ جدیدہ نے ترقی کرتے کرتے اب خفیہ اور علانیہ کا فرق بھی ختم کر دیا ہے۔

{۴۳} وفیه دلیل علی ان النکاح لایکون الا بمهر وانه یجب وان لم یسم (مدارک ۱/۳۰۷)

{۴۴} دیکھئے سورۃ النساء ۴/۳۔ سورۃ النور ۲۴/۳۲۔ المائدہ ۵/۵

۱۱۔ چونکہ خدمت میں مشغولیت، بے پردگی اور بازار میں آزادانہ آمد ورفت کی وجہ سے باندی کے زنا میں مبتلا ہونے کا زیادہ خطرہ ہے اس لیے اس کی سزا آزاد عورت کے مقابلہ میں نصف ہے، رجم تو نصف ہو نہیں سکتا اس لیے اس سے رجم کی سزا ساقط ہے لہٰذا زنا کے ارتکاب کی صورت میں اسے سو کے بجائے پچاس کوڑے لگائے جائیں گے۔

۱۲۔ جو شخص اپنے شہوانی جذبات کو قابو میں رکھ سکتا ہو اس کے لیے تجرد کی زندگی باندی کے ساتھ نکاح کرنے سے بہتر ہے۔ (۲۵)

۱۳۔ نکاح کا مقصد محض قضاءِ شہوت نہیں ہوتا بلکہ نیک اولاد کا حصول اور گھریلو سکون بھی اہم مقصد ہوتا ہے اس لیے بیوی کا انتخاب سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے...... (یونہی شوہر کا انتخاب بھی)

احکامِ شرعیہ کی حکمتیں

(۲۶۔۲۸)

ربط: ازدواجی اور خانگی زندگی کے جو احکام اوپر مذکور ہوئے ہیں یہاں ان کی بلکہ سارے احکامِ شرعیہ کی حکمتیں بیان کی جارہی ہیں تاکہ دل مطمئن ہوں اور عمل کرنے کا جذبہ بیدار ہو۔

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
اللہ چاہتا ہے کہ بیان کرے تمہارے واسطے اور چلائے تم کو پہلوں کی راہ اور معاف کرے تم کو اور اللہ جاننے والا ہے

حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَن يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَن تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ﴿٢٧﴾
حکمت والا اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر متوجہ ہووے اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو لگے ہوئے ہیں اپنے مزوں کے پیچھے کہ تم پھر جاؤ راہ سے بہت دور

يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُخَفِّفَ عَنكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْإِنسَانُ ضَعِيفًا ﴿٢٨﴾
اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان بنا ہے کمزور

تسہیل: اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے احکام تمہارے سامنے کھول کر بیان کردے اور پہلے لوگوں کے حالات تمہیں بتادے اور تمہیں معاف کردے اور اللہ بڑا علم والا اور بڑا حکمت والا ہے ٥ اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے حال پر توجہ فرمائے اور جو لوگ خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھے راستے سے بہت دور چلے جاؤ ٥ اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرے کیونکہ انسان خلقۃً کمزور ہے ٥

﴿تفسیر﴾

﴿۲۶﴾ان آیات کے نزول کا مقصد ایک تو یہ ہے کہ تمہارے سامنے حلال اور حرام، نیکی اور گناہ، اچھا اور برا واضح کر دیا جائے، دوسرا یہ کہ تمہیں گذشتہ انبیاء اور ان کی اقوام کے حالات بتا دیئے جائیں تا کہ ان میں سے جو صلحاء تھے تم ان کے راستے پر چلو اور گمراہوں کے راستے سے بچ کر رہو اور تیسرا یہ کہ اللہ گناہوں سے تمہاری توبہ قبول کرے اور تمہیں ایسے طریقے بتائے جن کے ذریعے تم گناہوں سے بچ سکتے ہو۔

﴿۲۷﴾اللہ تم پر رحم فرما کر تمہیں غلط راستوں پر چلنے سے بچانا چاہتا ہے تا کہ تمہیں دنیا اور آخرت میں عزت وعظمت نصیب ہو اور جو خواہشات کے بندے اور حرص وہوس کے غلام ہیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھی راہ سے ہٹ جاؤ اور بہت دور کی گمراہی میں جا پڑو۔

''وَيَتَّبِعُونَ الشَّهَوٰتِ'' قرآن کریم کے ان الفاظ کے مصداق یہود ونصاریٰ بھی ہیں، فساق وفجار بھی اور زانی اور بدکار بھی{۷۵} لیکن اس دور میں ان الفاظ کا واضح اطلاق یورپ کی بگڑی ہوئی اقوام اور ان کے نقش قدم پر چلنے والی دوسری قوموں اور افراد پر ہوتا ہے جن کے سب سے بڑے دیوتا کا نام ''شہوت اور خواہش'' ہے۔

﴿۲۸﴾ان آیات اور احکام کے نزول کا ایک بڑا مقصد تمہارے ساتھ تخفیف اور آسانی کا معاملہ کرنا بھی ہے، انسان چونکہ علم وعمل، فطرت اور طبعیت ہر اعتبار سے کمزور ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے نہ تو شریعت وضع کرنے کا بوجھ اس پر ڈالا ہے اور نہ ہی اسے ایسے مشکل احکام دیئے ہیں جن پر عمل کرنے سے اس پر نا قابلِ برداشت بوجھ پڑ جائے۔

شریعت کے اصول اور کلیات خود اللہ تعالیٰ نے وضع کیئے ہیں انہیں بندے کی عقل اور تجربات پر نہیں چھوڑا اور پھر شریعت کے سارے ہی مسائل میں چاہے وہ عبادات سے تعلق رکھتے ہوں یا معاملات سے، یسر اور آسانی کا پہلو ملحوظ رکھا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ{۷۶}'' اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے تنگی نہیں کرنا چاہتا)

{۷۵} كان داخلا فی الذين يتبعون الشهوات اليهود والنصارى والزناة و كل متبع باطل لان كل متبع مانهاه الله عنه فمتبع شهوة نفسه (جامع البيان۔ابن جرير طبری جزء۵/۱۹)

{۷۶} البقره ۲/ ۱۸۵

حکمت وہدایت:

۱۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ سورہ نساء میں آٹھ ایسی آیات ہیں جو اس امت کے لیے ان ساری چیزوں سے بہتر ہیں جن پر سورج طلوع اور غروب ہوتا ہے، ان آٹھ آیات میں تین آیات یہی ہیں جن کی تفسیر اوپر لکھی گئی ہے باقی پانچ آیات یہ ہیں۔۳۱، ۴۰، ۴۸، ۱۱۰، ۱۵۲۔

۲۔شریعت کا نزول اور احکام کی تفصیل اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے بڑا احسان ہے(۲۶)

۳۔گذشتہ اقوام کے واقعات اور صلحاء کی زندگی پر نظر رکھنے سے ہدایت پر چلنا آسان ہو جاتا ہے(۲۶)

۴۔اللہ تعالیٰ ماضی کو حال اور مستقبل کے ساتھ جوڑتا ہے کیونکہ ہدایت کا راستہ ہر دور میں ایک ہی رہا ہے اور ایک ہی رہے گا۔(۲۶)

۵۔اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو غلاظتوں اور خباثتوں سے پاک کرتا ہے۔(۲۶)

۶۔انسان کی نفسیات یہ ہے کہ وہ جیسا خود ہوتا ہے دوسروں کو بھی ویسا ہی بنانے کی کوشش کرتا ہے، جو شہوت کے بندے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ سارے ہی شہوت کے بندے بن جائیں اور جو واقعی اللہ کے بندے ہیں وہ دوسروں کو بھی بندگی کی صفت سے متصف دیکھنا چاہتے ہیں(۲۷) لیکن آج کی دنیا کا منظر بڑا حوصلہ شکن ہے کفر کے بندے تو کفر کی اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہیں لیکن ایمان والے اپنی ذمہ داری کما حقہ ادا نہیں کر رہے۔

۷۔اتباعِ شہوت اور فسق وفجور میں ایک آفت یہ بھی ہے کہ ایسے انسان کے گھر کے افراد بھی اس سے متاثر ہو جاتے ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

’’عفوا تعف نساؤ کم وبرو ا آباء کم تبرء کم ابناؤ کم[۷۷]‘‘ (تم عفت اختیار کرو گے تو تمہاری بیویاں بھی عفیف رہیں گی تم اپنے آباء سے حسنِ سلوک کرو گے تو تمہاری اولاد بھی تمہارے ساتھ حسنِ سلوک کرے گی)

۸۔شریعت کے ہر حکم میں تخفیف کا پہلو پایا جاتا ہے...... چند عورتوں کو حرام کر کے باقی کو حلال کرنا یہاں تک کہ لونڈیوں سے بھی نکاح کی اجازت دے دینا تخفیف کو ظاہر کرتا ہے۔(۲۸)

{۷۷} طبرانی بحوالہ التفسیر المنیر ۲۸/۵

۹۔انسان کمزور ہے(۲۸)اس کی کمزوری کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ غصہ اور شہوت کے سامنے مغلوب ہوجاتا ہے......اس کی کمزوری تخفیف کا تقاضا کرتی ہے......اسی لیے اللہ نے شرعی احکام میں تخفیف کوملحوظ رکھا ہے۔

اموال میں ناجائز اور جائز تصرف

(۲۹۔۳۰)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ

اے ایمان والو نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے

مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا

اور نہ خون کرو آپس میں بیشک اللہ تم پر مہربان ہے اور جو کوئی یہ کام کرے تعدی اور ظلم سے

فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾

تو ہم اس کو ڈالیں گے آگ میں اور یہ اللہ پر آسان ہے

ربط: یتیموں، وارثوں اور خواتین کے مالی حقوق بیان کرنے کے بعد اموال کے بارے میں ایک عام قاعدہ بیان کیا جارہا ہے......اور دیکھا جائے تو اس میں تخفیف اور انسان کے ضعف کا لحاظ بھی ہے۔

تسہیل: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ، ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کرو تو اس میں کچھ حرج نہیں اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو بے شک اللہ تمہارے حق میں بڑا مہربان ہے○اور جو کوئی ظلم اور زیادتی سے ایسا کرے گا ہم اسے عنقریب آگ میں ڈال دیں گے اور یہ اللہ کے لیے آسان ہے○

﴿تفسیر﴾

﴿۲۹﴾بعض علماء فرماتے ہیں کہ قرآن میں جہاں جہاں ''یاایھا الذین آمنوا'' کے ساتھ خطاب ہے اسے بہت توجہ سے پڑھنا اور سننا چاہیے {۷۸} یہ اللہ تعالیٰ کا بہت پیار اور اپنائیت کا خطاب ہوتا ہے، اس آیت میں بھی ''یاایھا الذین آمنوا'' فرما کر دو حکم دیے گئے ہیں۔

{۷۸} وان ھو مربّا یہ فیھا نداء للذین آمنوفقال "یایھا الذین آمنو" وقف عندھا وقد کان بعضھم یقول: لبیك ربی وسعدیك۔ ویتأمل مابعد ھا مماأمربہ ونھی عنہ فیعتقد قبول ذلك (البرھان فی علوم القرآن ۵۳۲/۱)

☆کسی بھی مال میں باطل اور ناجائز تصرف مت کرو، نہ اپنے مال میں نہ دوسرے کے مال میں[۷۹]، اپنے مال میں باطل تصرف یہ ہے کہ اسے معاصی میں خرچ کیا جائے اور دوسروں کے مال میں تصرف یہ ہے کہ اسے ایسے طریقے سے ہتھیایا جائے جس سے شریعت نے منع کیا ہو، مثلاً سود، جوا، غصب ونہب، چوری، ڈاکہ اور یونہی باطل اور فاسد بیوع بھی اس میں آجاتی ہیں البتہ باہمی رضامندی پر مبنی تجارتی لین دین سے جو نفع حاصل ہو اسے کھا سکتے ہیں بلکہ آنحضرت ﷺ نے اسے ''اطیب الکسب'' (سب سے پاکیزہ کسب اور کمائی) قرار دیا ہے۔[۸۰]

☆''وَلَا تَقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ'' ان الفاظ کے بھی دو معنی بن سکتے ہیں:

۱۔اپنے آپ کو قتل نہ کرو، کیسے ہی حالات کیوں نہ ہوں۔ مسلمان کو خودکشی نہیں کرنی چاہیئے یہ حرام ہے۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے اپنے آپ کو لوہے کے کسی آلے سے قتل کیا وہ قیامت کے دن جہنم میں ہمیشہ کے لیے اسے اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا۔''[۸۱]

۲۔جمہور مفسرین نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو قتل نہ کرو چونکہ اللہ کے نبی نے مسلمانوں کو ''جسد واحد''[۸۲] کی طرح قرار دیا ہے اس لیے کسی مسلمان کو قتل کرنا ایسا ہی ہے جیسے خود اپنے آپ کو قتل کرنا۔

☆عام طور پر افراد اور قوموں میں جنگیں مال ہی کی وجہ سے ہوتی ہیں اس لیے اکل بالباطل سے منع کرنے کے بعد قتل سے منع کیا گیا ہے یوں بھی بظاہر مال ہی جسم وجان کے قیام کا سہارا ہوتا ہے اس لیے مال اور جان کا اکٹھے ذکر کرنا مناسب ہے۔

﴿۳۰﴾ جو شخص حدود شرعی سے تجاوز کرتے ہوئے اور اپنی جان پر ظلم کرتے ہوئے[۸۳] قتل کا ارتکاب کرے گا یا دوسروں کا مال ہڑپ کرے گا اس کی سزا جہنم ہے۔

{۷۹} نهى لكل احد عن اكل مال نفسه و مال غيره بالباطل (جصاص ۱۷۲/۲)

{۸۰} أخرجه الا صبهانى عن معاذ بن جبل رضى الله عنه بحواله التفسير المنير ۳۱/۵

{۸۱} صحيح بخارى ۔صحيح مسلم

{۸۲} المؤمنون كرجل واحد ان اشتكى راسه اشتكى كله وان اشتكى عينه اشتكى كله (صحيح مسلم ۳۲۱/۲)

{۸۳} وقيل أرادبالعدوان التعدى على الغير وبالظلم ظلم النفس بتعريضها للعقاب (بيضاوى ۱۷۸/۲)

حکمت وہدایت:

۱۔باطل طریقے سے مال میں تصرف کرنا حرام ہے......باطل ہر وہ طریقہ ہے جوخلاف شرع ہو۔(۲۹)

۲۔فرد کا مال امت کا مال ہے اسی لیے اسے''اموالکم''(تمہارے اموال)سے تعبیر کیا گیا ہے(۲۹)

۳۔تجارت نہ صرف یہ کہ مباح ہے بلکہ اس کی ترغیب دی گئی ہے اوراس سے ان جاہل صوفیوں کی تردید ہوتی ہے جو توکل کا غلط مفہوم سمجھتے اور بیان کرتے ہیں(۲۹)

۴۔ہر وہ تجارت جس کی شریعت نے اجازت دی ہے وہ باہمی رضا مندی کی شرط کے ساتھ جائز ہے لیکن جن معاملات(مثلاً سود، جواوغیرہ)سے منع کیا گیا ہے وہ رضا مندی سے بھی حلال نہیں ہو سکتے۔(۲۹)

۵۔تجارت میں اکثر باطل کا عمل دخل ہوجاتا ہے مثلاً غلط بیانی اور جھوٹی قسمیں وغیرہ لہٰذا تاجروں کو چاہیے کہ وہ صدقہ کا اہتمام کریں[۸۴] تاکہ کچھ تلافی اور کفارہ ہوجائے۔

۶۔خودکشی اور دوسروں کو قتل کرنا حرام ہے(۲۹)

۷۔اکل بالباطل اور قتلِ ناحق کی سزا جہنم ہے۔(۳۰)

۸۔اگر قتل، خطا سے ہو یا شرعی قصاص کے لیے ہو تو اس پر کوئی وعید نہیں۔

کبائر سے بچنے کی جزاء

(۳۱)

إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا ﴿٣١﴾

اگر تم بچتے رہو گے ان چیزوں سے جو گناہوں میں بڑی ہیں تو ہم معاف کریں گے تم سے چھوٹے گناہ تمہارے اور داخل کریں گے تم کو عزت کے مقام میں

ربط: اکل بالباطل اور قتلِ ناحق کبائر میں سے ہیں ان کے ارتکاب پر جہنم ہے اور ان جیسے گناہوں سے اجتناب پر جنت ہے۔

تسہیل: اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ معاف کردیں گے اور تمہیں باعزت مقام میں ٹھکانہ دیں گے ٥

{۸۴} ترمذی ۱/۱۴۵

﴿تفسیر﴾

﴿۳۱﴾ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ گناہوں کی دو قسمیں ہیں کبیرہ اور صغیرہ..... علماء نے اپنے اپنے ذوق اور علم کے مطابق ان کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں حقوق العباد کا ضائع کرنا کبیرہ اور حقوق اللہ کا ضائع کرنا صغیرہ ہے۔

استاذ ابواسحاق اسفرائنی کہتے ہیں کہ ہر گناہ اپنے سے بڑے گناہ کے مقابلہ میں صغیرہ ہے مثلاً بوس وکنار زنا کے مقابلہ میں صغیرہ ہے۔{۸۵}

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہر وہ گناہ جس پر اللہ تعالیٰ نے دوزخ یا اپنے غضب، عذاب اور لعنت کی وعید سنائی ہے، وہ کبیرہ ہے۔{۸۶}

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو گناہ ندامت کے جذبات کے ساتھ کیا جائے وہ صغیرہ ہے اور جو دیدہ دلیری سے کیا جائے وہ کبیرہ ہے۔

آنحضرت ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف گناہوں کو کبیرہ قرار دیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کبائر کی کوئی متعین تعداد نہیں ہے۔ مختصر طور پر یوں کہہ سکتے ہیں کہ جن گناہوں پر کوئی شدید وعید آئی ہے یا جن کے ارتکاب پر حد لازم ہو جاتی ہے وہ کبیرہ ہیں اور جو ایسے نہیں وہ صغیرہ ہیں۔{۸۷}

جو شخص کبائر سے اجتناب کرے گا اس کے صغائر یونہی معاف کر دیئے جائیں گے۔

حکمت وہدایت:

۱. گناہ دو قسم کے ہیں کبائر اور صغائر، حتی الامکان ان کا علم ہونا ضروری ہے تاکہ ان سے بچا جا سکے۔

۲۔ مسلمان پر لازم ہے کہ وہ تازندگی کبائر سے بچتا رہے۔

۳۔ جنت میں وہی لوگ داخل ہوں گے جو کبائر کی غلاظت سے بچیں گے۔

{۸۵}قرطبی ۵/۱۵۹

{۸۶}حوالہ مذکورہ

{۸۷} انها المعصية التي يلحق صاحبها الوعيد الشديد بنص كتاب أو سنة وهذا اكثر مايوجد لهم (ابن كثير ۱/۶۳۶)

۴۔حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں ”کبیرہ پر عتاب کے ساتھ فضل کا احتمال اور صغیرہ پر عفو کے ساتھ ساتھ عتاب کا احتمال خاص اہلِ سنت کا مذہب ہے۔بخلاف معتزلہ کے جن کے نزدیک صغائر واجب المغفرۃ ہیں اور کبائر غیر مغفور ہیں (یعنی وہ معاف نہیں ہوں گے)۔{۸۸}

۵۔بعض عارفین فرماتے ہیں کہ گناہ کے چھوٹا ہونے کو مت دیکھو بلکہ یہ دیکھو کہ کس کی نافرمانی کر رہے ہو۔{۸۹}

۶۔بعض حضرات فرماتے ہیں کہ صغیرہ گناہ چنگاری کی طرح ہے جسے اگر بجھانے کی فکر نہ کی جائے تو وہ خطرناک آگ کی صورت اختیار کرسکتی ہے۔

۷۔جو شخص گناہوں سے بچتا رہے اس کی قوت مدافعت بہت مضبوط ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے اس کے لیے گناہوں سے بچنا آسان ہوجاتا ہے۔

حسد سے ممانعت

(۳۲)

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ۝

اور ہوس مت کرو جس چیز میں بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر مردوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے اور عورتوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے اور مانگو اللہ سے اس کا فضل بیشک اللہ کو ہر چیز معلوم ہے

ربط: ظاہری گناہوں کی حرمت بیان کرنے کے بعد ایک خطرناک باطنی گناہ سے منع کیا جارہا ہے تاکہ ایمان والوں کا ظاہر بھی پاک ہو اور باطن بھی پاک ہو۔

تسہیل: تم کسی ایسی چیز کی تمنا نہ کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، مردوں کو اپنے اعمال کا حصہ ملتا ہے اور عورتوں کو اپنے اعمال کا حصہ ملتا ہے، تم اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرتے رہو بے شک اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے ۝

شانِ نزول: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک موقع پر شکوہ سا کیا کہ مرد جہاد میں حصہ لیتے ہیں جبکہ ہم حصہ

{۸۸} بیان القرآن ۱/۱۱۲

{۸۹} قرطبی ۵/۱۵۹

نہیں لے سکتیں اور یہ کہ عورت کو میراث میں بھی نصف حصہ ملتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔{۹۰}

﴿۳۲﴾ اللہ تعالیٰ نے بندوں میں بڑا فرق رکھا ہے ایک غبی ہوتا ہے دوسرا ذہین، ایک غریب ہوتا ہے دوسرا امیر، ایک بدصورت ہوتا ہے دوسرا خوبصورت، اس میں یقیناً حکمت کارفرما ہے لیکن یہ فرق بعض اوقات انسان کو حسد جیسی مہلک بیماری میں مبتلا کر دیتا ہے، حسد حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر اعتراض کے مترادف ہے، حاسد یوں سوچتا ہے کہ اے کاش فلاں کو جو نعمت ملی ہے وہ اس کے پاس نہ رہے اور کبھی اس کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوتی ہے کہ فلاں کے بجائے مجھے عزت اور شہرت کیوں حاصل نہیں ہوتی اس آیت کریمہ میں منع کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو جو وہبی کمالات اور فضیلتیں عطا کی ہیں ان کی تمنا نہ کرو بلکہ اپنی طاقت کے مطابق ان اعمال میں لگے رہو جو تمہارے اختیار میں ہیں، اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کا عمل بھی ضائع نہیں فرمائے گا۔

''وَاسْـئَلُوا اللہَ'' حسد کرنے کے بجائے اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرتے رہو، اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں، وہ اللہ جو دوسرے کو دے سکتا ہے وہ تمہیں بھی دے سکتا ہے۔

''اِنَّ اللہَ کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیمًا'' اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تمہیں کون سی حالت میں رکھنا زیادہ بہتر ہے۔

حکمت و ہدایت:

۱۔ غیر اختیاری چیزوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا چاہیئے۔ (۳۲)

۲۔ حسد حرام ہے اور غبطہ (رشک) جائز ہے، حسد یہ ہے کہ دوسرے سے زوالِ نعمت کی آرزو کی جائے اور غبطہ یہ ہے کہ صاحبِ نعمت جیسا ہونے کی آرزو کی جائے۔

۳۔ عمل اور محنت کے بغیر آرزوؤں کے سہارے وہ لوگ جیتے ہیں جو ضعیف الھمت بھی ہوتے ہیں اور ضعیف الایمان بھی۔ (۳۲)

۴۔ مردوں اور خواتین دونوں کے لیے روحانی، علمی، عملی اور معاشی میدان میں ترقی کے یکساں مواقع موجود ہیں، یہ الگ بحث ہے کہ عام حالات میں عورت کو معاشی جدوجہد کی ضرورت نہیں اور اپنی صلاحیتوں کے لیے جس میدان کا بھی وہ انتخاب کرے اس پر اپنی نسوانیت کا تحفظ لازم ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا قرب، وہبی اور طبعی فضائل سے نہیں بلکہ کسبی اور اختیاری اعمال سے حاصل ہوتا ہے اور ان کا دروازہ ہر کسی کے لیے کھلا ہے۔ (۳۲)

۶۔ اللہ تعالیٰ سے مانگنا واجب ہے (۳۲) حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مانگنے کا حکم اسی

{۹۰} ترمذی ۲/۱۲۷

لیے دیا ہے تا کہ وہ عطا فرمائے۔

۷۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی رہنا چاہیئے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان ذلت سے نکلنے کی کوشش نہ کرے، اگر ایسا ہوتا تو اس آیت میں حسد سے منع کرنے کے ساتھ کسب و عمل کا ذکر نہ کیا جاتا۔

ترکہ میں ہر وارث کا حق

(۳۳)

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٣٣﴾

اور ہر کسی کے لئے ہم نے مقرر کر دیئے ہیں وارث اس مال کے کہ چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے اور جن سے معاہدہ ہوا تمہارا ان کو دے دو ان کا حصہ بیشک اللہ کے روبرو ہے ہر چیز

ربط: نہ تو باطل طریقے سے کسی کا مال کھایا جائے، نہ کسی پر حسد کیا جائے بلکہ جائز طریقوں سے جو کچھ حاصل ہو اسی پر قناعت کی جائے مثلاً کسب اور محنت (جس کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا) اور وراثت۔

تسہیل: ہم نے ہر ایک کے لیے اس مال کے وارث متعین کر دیئے ہیں، جو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں اور جن لوگوں سے تم عہد کر چکے ہو انہیں ان کا حصہ دے دو بے شک اللہ ہر چیز پر مطلع ہے ٥

﴿تفسیر﴾

﴿۳۳﴾ ہر انسان کے لیے متعین ورثہ ہیں جن میں ان کی میراث تقسیم کی جائے گی، ان ورثہ اور ان کے حصوں کی تفصیل اسی سورت کی ابتداء میں گذر چکی ہے۔

''وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُم'' ان الفاظ سے مراد حلفاء ہیں جنہیں اصطلاح میں ''موالی الموالاۃ'' کہا جاتا ہے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص دوسرے کے ساتھ یہ معاہدہ کر کے اسے اپنا حلیف بنا لیتا تھا کہ میرا خون تمہارا خون ہوگا، میری جنگ تمہاری جنگ اور میری صلح تمہاری صلح ہوگی، تم میرے وارث ہوگے میں تمہارا وارث ہوں گا، تم میری جانب سے دیت ادا کرو گے میں تمہاری جانب سے دیت ادا کروں گا، ایسے حلیف کو اپنے ساتھی کی وفات کی صورت میں میراث میں سے چھٹا حصہ ملا کرتا تھا لیکن جب سورہ انفال کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ. اللہ کے حکم میں رشتہ دار آپس میں زیادہ حقدار ہیں۔

تو یہ منسوخ ہوگیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ ہے کہ ان الفاظ سے اس رشتہ مواخات کی طرف اشارہ ہے جو آنحضرت ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان قائم کیا تھا[91] اور اس کی بناء پر وہ ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے تھے۔ بہر حال ان الفاظ سے زمانہ جاہلیت کا عقد۔ موالات مراد ہو یا کہ زمانہ اسلام کا رشتہ مواخات، جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ میراث کے تفصیلی احکام نازل ہونے کے بعد یہ منسوخ ہو چکے ہیں اور اب وارثت کی تقسیم، قرابت کی بناء پر ہوگی نہ کہ کسی معاہدہ کی بناء پر۔

البتہ احناف کے نزدیک ''ولاء'' کی ایک صورت اب بھی باقی ہے، وہ یہ کہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے اور اس کا کوئی والی وارث نہ ہو تو اس کے انتقال کی صورت میں اس کی میراث اس شخص کو ملے گی جس کے ہاتھ پر اس نے اسلام قبول کیا ہو۔[92]

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ جس شخص کے ساتھ معاہدہ ہوا ہو، اگر چہ میراث میں تو حقدار نہیں ہو سکتا لیکن اس کے لیے وصیت کی جا سکتی ہے اور ''فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ'' سے یہی مراد ہے کہ ان کے لیے کچھ وصیت کر جاؤ، اس صورت میں ان الفاظ کو منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں رہے گی۔[93]

حکمت وہدایت:

۱۔ اسلام میں میراث کی بنیاد قرابت پر ہے نہ کہ دوستی کے معاہدوں پر (۳۳)

۲۔ جس نے کسی کے ساتھ دوستی اور تعاون کا معاہدہ کیا ہوا سے چاہیئے کہ اس معاہدہ کو نبھائے اور ممکن ہو تو موت سے قبل اس کے لیے تہائی سے کم کی وصیت کر جائے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا مراقبہ واجب ہے اس لیے کہ ہمارے ہر قول اور عمل پر اس کی نظر ہے۔

{۹۱} ابن کثیر ۲/۶۳۹

{۹۲} جصاص ۲/۱۸۶

{۹۳} "فآتوهم نصيبهم" من النصرة والنصيحة والرفادة ويوصى لهم وقد ذهب الميراث وهو قول مجاهد والسدى (قرطبى ۵/۱۶۶)

مردوں کی قوامیت

(۳۴-۳۵)

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ﴿۳۵﴾

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس واسطے کہ بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر اور اس واسطے کہ خرچ کیے انہوں نے اپنے مال پھر جو عورتیں نیک ہیں سو تابعدار ہیں نگہبانی کرتی ہیں پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت سے اور جن کی بدخوئی کا ڈر ہو تم کو تو ان کو سمجھاؤ اور جدا کرو سونے میں اور مارو پھر اگر کہا مانیں تمہارا تو مت تلاش کرو ان پر راہ الزام کی بیشک اللہ ہے سب سے اوپر بڑا اور اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے اگر یہ دونوں چاہیں گے کہ صلح کرا دیں تو اللہ موافقت کر دے گا ان دونوں میں بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے

ربط: پہلے میراث میں مرد اور عورت کا حصّہ بیان کیا گیا پھر غیر اختیاری اوصاف و کمالات کی تمنا کرنے اور حسد کرنے سے منع کیا گیا۔ یہاں مردوں کو عورتوں پر جو فضیلت حاصل ہے اسے بیان کیا جا رہا ہے۔

تسہیل: مرد، عورتوں کے ذمّہ دار ہیں ایک تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور دوسرے اس لیے کہ مرد اپنے اموال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں، سو جو عورتیں نیک ہوتی ہیں وہ فرماں بردار ہوتی ہیں اور وہ پیٹھ پیچھے اس چیز کی حفاظت کرتی ہیں جس کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور تمہیں جن عورتوں کی سرکشی کا علم ہو جائے تو انہیں نصیحت کرو اور انہیں خواب گاہ میں تنہا چھوڑ دو، (پھر بھی نہ سمجھیں) تو انہیں مار بھی سکتے ہو، پھر اگر وہ تمہاری بات ماننا شروع کر دیں تو ان پر زیادتی کے لیے بہانے تلاش مت کرو بے شک اللہ بڑا عالی شان اور بڑا عظمت والا ہے O اور اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان کھٹ پٹ کا اندیشہ ہو تو ایک منصف مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے خاندان سے مقرر کر دو، اگر یہ دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت پیدا فرما دے گا بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے اور ہر چیز سے باخبر ہے O

﴿تفسیر﴾

﴿۳۴﴾ مرد، عورتوں کے ذمہ دار اوران پر حاکم اور نگران ہیں{۹۴} روحانی دنیا میں تو مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں بلکہ حسنِ نیت، تزکیہ نفس اور اعمالِ صالحہ کے اعتبار سے عورت بھی مرد سے آگے بڑھ سکتی ہے لیکن گھر کی چھوٹی سی مملکت کا نظم ونسق حسن وخوبی کے ساتھ چلانے کے لیے مرد کو عورت پر حکمران اور ذمہ دار بنایا گیا ہے کیونکہ جس مملکت میں نہ قانون ہو نہ قانون نافذ کرنے والی کوئی اتھارٹی، وہاں انارکی اور انتشار پھیل جاتا ہے۔

مرد کو عورت پر جو فضیلت اور قوامیت حاصل ہے اس کی دو وجوہات ہیں۔ایک وجہ فطری اور وہبی ہے اور دوسری وجہ کسبی اور اختیاری ہے۔فطری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت عطا کی ہے مثلاً عقل، قوت ارادی، عزم، جسمانی طاقت، جرأت اور نشانہ بازی ان میں سے ہر صفت میں مرد، عورت پر فائق ہوتا ہے جس کی وجہ سے نبوت، حکومت، امامت، جہاد، اذان، خطبہ، حدود وقصاص میں شہادت اور نکاح، طلاق اور رجعت میں ولایت اور یونہی تعددِ ازواج اور ثبوتِ نسب وغیرہ مرد ہی کے ساتھ خاص ہیں......(علامہ زمخشریؒ نے مرد کی خصوصیات اور وجوہِ فضیلت بتاتے ہوئے اس مقام پر داڑھی اور عمامہ کو بھی ذکر کیا ہے (فیا حسرتاہ){۹۵}

غرضیکہ تمام اعمالِ شاقہ اور اجتماعی امور اللہ تعالیٰ نے مردوں ہی کے سپرد کیئے ہیں۔حکومت اور خلافت کے معاملات کے لیے بھی بڑی محنت، جگر سوزی اور سوجھ بوجھ کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے یہ ذمہ داری بھی مردوں ہی کے سپرد کی گئی ہے۔جب ایرانیوں نے کسریٰ کی بیٹی بوران کو بادشاہ بنادیا تو ہمارے آقا ﷺ نے فرمایا ''لن یفلح قوم ولّوا امرھم امرأۃ'' (وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جو اپنا معاملہ عورت کے حوالے کردے)

''وبما انفقوا'' مرد کی فضیلت کی دوسری وجہ اختیاری ہے وہ یہ کہ عورت کا مہر، نان نفقہ اور دیگر اخراجات مرد کے ذمہ ہوتے ہیں۔

''فالصالحات'' مرد کی قوامیت اور حاکمیت بیان کرنے کے بعد ازدواجی زندگی کے اعتبار سے عورت کی دو

{۹۴} ''قوام'' محافظ، منتظم، حاکم اور ذمہ دار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے مفردات میں ہے قیام للشی ھو المراعاۃ للشی والحفظ لہ (۴۱۶) کسی چیز کی نگرانی اور حفاظت کرنا، لسان العرب میں ہے ''الرجال متکفلون بامور النساء'' تفسیر ابن جریر میں ہے۔''صاروا قواما علیھن، نافذ الامر علیھن''

{۹۵} وھم اصحاب اللحی والعمائم (کشاف ۱/۵۳۷)

حالتیں بیان فرمائی ہیں۔

۱۔صالحات (نیک عورتیں): صالحات کی دو بڑی صفات اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں ایک یہ کہ وہ اللہ کی، اللہ کے رسول کی اور پھر اپنے شوہر کی فرمانبردار ہوتی ہیں۔

دوسری یہ کہ وہ شوہر کی عدم موجودگی میں بھی ان چیزوں کی حفاظت کرتی ہیں جن کی حفاظت کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یعنی اپنی عزت وآبرو اور شوہر کے مال اور اولاد کی دل وجان سے حفاظت کرتی ہیں ''بما حفظ اللہ'' کا دوسرا معنٰی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے انہیں حقوق دلائے ہیں اور ان کی حفاظت کی ہے اسی طرح ان پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے خاوندوں کے حقوق کی حفاظت کریں۔{٩٦}

۲۔ناشزاتِ (نافرمان عورتیں): جو عورت بغاوت پر اُتر آئے اور حقوقِ زوجیت ادا نہ کرے، اس کے چار علاج ہیں۔

(۱) اسے سمجھایا جائے، شوہر کے حقوق بتائے جائیں، جدائی اور طلاق کے نقصانات سے اسے مطلع کیا جائے۔

(۲) اگر وعظ ونصیحت اس پر کچھ اثر نہ کرے تو اسے خواب گاہ میں تنہا چھوڑ دیا جائے۔

(۳) اگر ترکِ تعلق سے بھی وہ راہِ راست پر نہ آئے اور ضد پر اڑی رہے تو اسے ہلکی پھلکی پٹائی بھی لگائی جاسکتی ہے۔

پٹائی کا لفظ ہی ایسا ہے کہ بعض پڑھے لکھے اسے سن کر ہی ناک بھوں چڑھانے لگتے ہیں کہ قرآن نے پٹائی کی کیسے اجازت دے دی مگر درج ذیل باتیں ملحوظ رہیں تو ذہن صاف ہوجائے گا۔

۱۔قرآن کریم کے مخاطب ہر طبقہ ہر سطح اور ہر ذہنیت کے لوگ ہیں، شہری بھی، دیہاتی بھی، پڑھے لکھے بھی، جاہل بھی، نیک بھی، بد بھی، پہلی صدی کے بھی اور پندرھویں صدی کے بھی، جو تجویز اور علاج ایک طبقہ کے لیے مؤثر ثابت ہوسکتا ہے ضروری نہیں کہ دوسرے طبقہ کے لیے بھی کارگر ثابت ہو۔

۲۔مارنے کی اجازت صرف اس شخص کو ہے جو اس سے ہلکی تدبیریں آزما چکا ہو اور ان کا کوئی فائدہ ظاہر نہ ہوا ہو، ایسے لوگوں کو ہاتھ اٹھانے کی ہرگز اجازت نہیں جو مار پٹائی ہی کو پہلا اور آخری علاج سمجھتے ہیں۔

۳۔پٹائی کا مقصد عورت کی اصلاح ہو، شیطانی غصہ کی آگ کو ٹھنڈا کرنا پیش نظر نہ ہو۔

{٩٦} حفظن الله في مهورهن وعشرتهن (قرطبی ١٧٠/٥)

۴۔مارنا ہی پڑ جائے تو چہرے کو چوٹ سے بچایا جائے، مارنے کے لئے لاٹھی یا کوڑا استعمال نہ کیا جائے،حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس مقصد کے لیے مسواک استعمال کی جائے اور ایسی چوٹ ہرگز نہ لگائی جائے جس سے جسم پر نشان پڑ جائے۔{۹۷}

۵۔صرف ناشزہ یعنی بغاوت اور نافرمانی پر اتر آنے والی عورت کو مارنے کی اجازت ہے،لباس وطعام سے تعلق رکھنے والی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ڈنڈا اٹھالینا مؤمنوں کا نہیں جاہلوں کا کام ہے۔

۶۔بامر مجبوری پٹائی کی اجازت ہونے کے باوجود علماء پٹائی کے ترک ہی کو افضل قرار دیتے ہیں اس لیے کہ عورتوں پر ہاتھ اٹھانے والوں کے بارے میں آنحضورﷺ کا فرمان یہ ہے کہ ''وہ اچھے لوگ نہیں ہیں''{۹۸}۔خود ہمارے آقاﷺ نے زندگی بھر اپنی نو بیویوں میں سے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔

''فان اطعنکم ''اگر عورت فرمانبردار بن جائے اور ضد اور سرکشی چھوڑ دے تو پھر اس پر زیادتی کے لیے بہانے تلاش کرنا جائز نہیں۔

''ان اللہ کان علیا کبیرا'' جو بدبخت مرد عورت کو کمزور سمجھ کر خواہ مخواہ اس پر ظلم کرتے ہیں انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ ان سے بڑا ہے،وہ عورتوں پر کیئے جانے والے ظلم کا انتقام لے سکتا ہے۔{۹۹}

﴿۳۵﴾اس آیت کریمہ میں میاں بیوی کے اختلافات کا چوتھا علاج بتایا گیا ہے اور اس میں ان دونوں کے خاندانی سرپرستوں، مسلمانوں کی جماعت اور حکامِ وقت سے خطاب ہے کہ اگر مذکورہ بالا تینوں علاج غیر مؤثر ثابت ہوں اور ناچاقی ختم ہوتی نظر نہ آئے تو پھر میاں بیوی دونوں کے خاندان سے ایک ایک منصف اور مصالحت کنندہ مقرر کیا جائے، یہ دورکنی کمیٹی ان دونوں کا مؤقف سنے اور ان کے درمیان مصالحت کی کوشش کرے۔

اگر واقعی خلوصِ دل سے وہ ان کے درمیان مصالحت کرانا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی صورت نکال دے گا۔

مصالحت کنندہ کا میاں بیوی کے خاندان سے ہونا مستحب ہے تاکہ ازدواجی زندگی کے راز اور اختلافات منظر عام پر

{۹۷} عن عطاء قال الضرب غير المبرح بالسواك ونحوه ومثله عن ابن عباسؓ (جصاص ۱۸۹/۲)

{۹۸} ليس اولئك بخياركم (ابن كثير ۶۴۳/۱)

{۹۹} تهديد للرجال اذا بغوا على النساء من غير سبب فان الله العلى الكبير وليهن وهو ينتقم ممن ظلمهن وبغى عليهن (ابن كثير ۶۴۳/۱)

نہ آئیں۔یوں بھی خاندان والے ان کے مزاج اور نفسیات،خوبیوں اور کمزوریوں سے زیادہ واقف ہوتے ہیں اور اگر خاندان میں سے مناسب آدمی نہ مل سکیں تو پھر دوسرے اشخاص بھی مقرر کیئے جاسکتے ہیں۔

''ان اللہ کان علیما خبیرا''جیسے گذشتہ آیت کے آخر میں 'علیا کبیرا'' دو صفتیں لاکر شوہر کو تنبیہ تھی اسی طرح یہاں 'علیماً خبیرا'' دوصفات لاکر دونوں منصفوں کو تنبیہ ہے کہ اگر تم کسی کی بے جا طرفداری کروگے اور فیصلہ کرنے میں ظلم اور زیادتی کروگے تو یاد رکھو اللہ تمہاری نیتوں کو بھی جانتا ہے اور تمہاری حرکتوں سے بھی باخبر ہے۔

حکمت وہدایت:

۱۔مرد کو عورت پر قوامیت حاصل ہے بالخصوص شوہر کو بیوی پر(۳۴)

۲۔مرد کو کئی ایسی وہبی اور مذہبی خصوصیات اور فضیلتیں حاصل ہیں جو عورت کو حاصل نہیں۔(۳۴)

۳۔عورت کے نان نفقہ اور دیگر ضروری اخراجات کی ذمہ داری شوہر پر ہے۔(۳۴)

۴۔صالحات اور فرمانبردار عورتوں کا اکرام اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک واجب ہے۔(۳۴)

۵۔صالحہ بیوی میں دو صفتیں نمایاں ہوتی ہیں،فرمانبرداری اور عفت وعصمت،مال ودولت اور اولاد کی حفاظت اور اچھی تربیت۔

۶۔نافرمان عورت کی اصلاح کے لیے چار تدبیریں اختیار کی جاسکتی ہیں وعظ ونصیحت،ترکِ صحبت،پٹائی اور تحکیم

۷۔بیوی کو اذیت دینے کے لیے بہانے تلاش کرنا حلال نہیں ہے۔(۳۴)

۸۔شوہر کو دل سے اپنی بڑائی کا تصور نکال دینا چاہیئے اس لیے کہ سب سے بڑا اللہ ہے۔(۳۴)

۹۔ازدواجی اور خاندانی اختلافات،عدالتوں میں لے جانے کے بجائے تحکیم کے ذریعے حل کرنے چاہئیں(۳۵) آج کل اس قسم کے اختلافات عدالتوں میں لیجانے سے جو داستانیں زبان زدِ عام ہوتی ہیں اور اس سے جھوٹ اور فحاشی کو جو فروغ ملتا ہے وہ کسی بھی صاحبِ فہم سے مخفی نہیں۔

۱۰۔حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زوجین اگر حکام سے رجوع کریں تو ان پر فیصلہ کرنا واجب ہے اور دوسروں کے لیے مستحب ہے۔

قرآنی اخلاق

(۳۶۔۳۹)

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ

اور بندگی کرو اللہ کی اور شریک نہ کرو اس کا کسی کو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قرابت والوں کے ساتھ اور یتیموں اور فقیروں

وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا

اور ہمسایہ قریب اور ہمسایہ اجنبی اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر کے ساتھ اور اپنے ہاتھ کے مال یعنی غلام باندیوں کے ساتھ بیشک اللہ

يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۳۶ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَا اٰتٰىهُمُ

کو پسند نہیں آتا اترانے والا بڑائی کرنے والا وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اور سکھاتے ہیں لوگوں کو بخل اور چھپاتے ہیں جو ان کو دیا

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۳۷ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا

اللہ نے اپنے فضل سے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کیلئے عذاب ذلت کا اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کے دکھانے کو اور ایمان

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ۳۸ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ

نہیں لاتے اللہ پر اور نہ قیامت کے دن پر اور جس کا ساتھی ہوا شیطان تو وہ بہت برا ساتھی ہے اور کیا نقصان تھا ان کا اگر

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۳۹

ایمان لاتے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور خرچ کرتے اللہ کے دیئے ہوئے میں سے اور اللہ کو ان کی خوب خبر ہے

ربط: سورت کی ابتداء ہی سے خاندانی مسائل اور حقوق سے بحث ہو رہی ہے جس میں خاص طور پر عورتوں کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں دوسرے انسانوں کے ساتھ بھی احسان کرنے کا حکم ہے اور یہ قرآن کا خاص اسلوب ہے کہ وہ بات کا رخ خاص سے عام کی طرف اور عام سے خاص کی طرف موڑ دیتا ہے۔

تسہیل: اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کرو اور حسنِ سلوک کرو والدین کے ساتھ اور قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، قریبی پڑوسیوں، دور کے پڑوسیوں اور مسافروں کے ساتھ اور ان کے ساتھ بھی جو تمہاری ملک میں ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو متکبر اور شیخی باز ہیں ○ جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہیں اور اللہ نے انہیں جو اپنا فضل عطا کیا ہے اسے چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے ○ اور ان لوگوں کو بھی پسند نہیں کرتا جو لوگ اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ ہی قیامت کے دن پر جس کا ساتھی شیطان ہو تو وہ بہت ہی برا ساتھی ہے ○ ان کا کیا جاتا تھا اگر وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لے آتے اور جو کچھ اللہ نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے اور اللہ انہیں

خوب جانتا ہےo

﴿تفسیر﴾

﴿٣٦﴾ان آیات میں مختلف اخلاق کا بیان ہے ان میں وہ اخلاق بھی ہیں جن سے اللہ خوش ہوتا ہے اور وہ اخلاق بھی ہیں جن کی وجہ سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔

١۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم ہے اس لیے کہ عبادت اور اخلاص سارے دین اور اعمال واخلاق کی بنیاد ہے اس کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا علاوہ ازیں اخلاق سے پہلے عبادت کے ذکر سے خود ان اخلاق کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

٢۔ ''ولا تشر کوا بہ شیاً'' ان الفاظ کا معنی دو طریقے سے کیا جا سکتا ہے۔ ایک یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کرو، دوسرا یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کرو، نہ شرکِ جلی نہ شرکِ خفی، نہ دعا میں نہ خشیت میں، نہ نذر و نیاز میں نہ رکوع و سجود میں۔ {١٠٠}

٣۔ والدین کے ساتھ نیکی اور احسان کا معاملہ کرو، قرآن کریم میں متعدد مقامات پر والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم توحید اور عبادت کے ساتھ متصلاً مذکور ہے، ابن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک دین کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ {١٠١}

٤۔ قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی، جو کہ خاندانی نظام کو مضبوط بنانے کا مؤثر ذریعہ ہے۔

٥۔ یتیموں کے ساتھ احسان، والد کا سایہ اٹھ جانے کے بعد یتیم بچہ توجہ اور سرپرستی کا زیادہ محتاج ہوتا ہے۔

٦۔ مساکین کے ساتھ احسان...... وہ محتاج اور نادار لوگ جو معاشی اعتبار سے کمزور ہیں۔

٧۔ قریب کے پڑوسیوں کے ساتھ احسان...... وہ جو مکان کے اعتبار سے قریب ہوں یا نسب اور دین کے اعتبار سے قریب ہوں۔ {١٠٢}

{١٠٠} او شيامن الاشراك جليا او خفيا (بيضاوى ٢/١٨٧)

{١٠١} احکام القرآن ١/٤٢٨

{١٠٢} وقيل الذى له الجوارقرب واتصال بسبب او دين (بيضاوى ٢/١٨٧)

۸۔دور کے پڑوسی کے ساتھ احسان......جس کا مکان دور ہے یا جس کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں......اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ پڑوسی اگر غیر مسلم ہوتو اس کے ساتھ بھی احسان کرنا چاہیئے، آنحضورﷺ نے اپنے یہودی پڑوسی کے بیمار بیٹے کی عیادت فرمائی۔

بخاری اور مسلم میں ہے، ہمارے آقاﷺ نے فرمایا:

"من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم جاره"{۱۰۳}

(جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ اپنے پڑوسی کا اکرام کرے)۔

پڑوسی کے اکرام کی کئی صورتیں ہیں مثلاً یہ کہ اسے کبھی کبھار ہدیہ دیا جائے، اس کی دعوت کی جائے، بیماری کی صورت میں اس کی عیادت کی جائے، اسے تکلیف نہ دی جائے، اس کے بچوں کے ساتھ شفقت کا معاملہ کیا جائے، اگر وہ غریب ہوتو اس کے ساتھ مالی تعاون کیا جائے۔

۹۔پاس بیٹھنے والے کے ساتھ احسان......جو کہ مسجد میں، درسگاہ میں، مجلس میں، فیکٹری یا دفتر میں یا سفر میں کچھ وقت کے لیے پاس بیٹھے اس کے بھی کچھ حقوق ہیں۔

۱۰۔مسافر کے ساتھ احسان......جو زادِ راہ ختم ہو جانے یا کوئی دوسری مشکل پیش آ جانے کی وجہ سے تعاون کا مستحق ہو۔

۱۱۔جو تمہاری ملک میں اور تمہارے ماتحت ہیں وہ بھی تمہارے حسنِ سلوک کے مستحق ہیں......آنحضرتﷺ کو ان کے حقوق کا اس قدر خیال تھا کہ وفات سے چند لمحے قبل آپﷺ فرمارہے تھے "الصلاة وماملكت ايمانكم"{۱۰۴}

(نماز کا اہتمام کرنا اور جو لوگ تمہاری ملک میں ہیں ان کے حقوق کا خیال رکھنا)

۱۲۔مختال......وہ متکبر جس کی حرکات اور افعال سے کبر و غرور ظاہر ہو۔

۱۳۔فخور......وہ متکبر جو شیخی باز ہو اور جو اپنی زبان سے اپنی بڑائی بیان کرے۔{۱۰۵}......ان دونوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔

متکبر انسان کا کبر و غرور اسے نہ صرف والدین اور اقارب وغیرہ کے ساتھ حسنِ سلوک سے بلکہ اللہ کی عبادت سے بھی محروم کر دیتا ہے۔

{۱۰۳}

{۱۰۴} مسند احمد

{۱۰۵} والمختال ذو الخيلاء اى الكبر والفخور الذى يعدد مناقبه كبرا (قرطبی ۱۹۲/۵)

﴿۳۷﴾متکبر انسان میں جو اوصاف ذمیمہ پائے جاتے ہیں ان میں سے دو یہ ہیں۔

ا۔بخل......وہ خود بھی بخل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی بخل کی تلقین کرتا ہے۔

ہمارے آقا نے بخل کو بہت بڑی بیماری قرار دیا ہے۔{۱۰٦}

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

''ایّ داء ادوء من البخل''

(بخل سے بڑھ کر کون سی بیماری ہو سکتی ہے۔)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

''ایّاکم والشح فانہ أھلک من کان قبلکم بالبخل {۱۰۷}''

(بخل سے بچتے رہو اس لیے کہ تم سے پہلے لوگوں کو بخل نے ہلاکت میں ڈال دیا تھا)

ترمذی میں ہے:

''البخیل بعید من اللہ بعید من الناس بعید من الجنۃ''

(بخیل آدمی اللہ سے دور ہوتا ہے لوگوں سے دور ہوتا ہے اور جنت سے بھی دور ہوتا ہے)

۲۔متکبر کے اندر دوسری بری خصلت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر جو احسانات کیئے ہوتے ہیں وہ انہیں چھپاتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اظہار نعمت کو پسند فرماتا ہے، حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

''ان اللہ تعالیٰ یحب أن یری أثر نعمتہ علی عبدہ''{۱۰۸}

(اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھے)

﴿۳۸﴾اس آیت میں متکبرین کی ایک اور جماعت کا تذکرہ ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اموال دکھاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف دنیا کی جھوٹی عزّت کے طلبگار اور شہرت کے بھوکے ہوتے ہیں، یہ حقیقت میں مؤمن نہیں ہوتے اگر وہ حقیقی مؤمن ہوتے تو وہ اپنے اموال دکھاوے کے لیے

{۱۰٦} مسند احمد ۳/۳۰۸

{۱۰۷} ابو داود

{۱۰۸} ترمذی ۲/۱۸

نہیں بلکہ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو شیطان کے دوست ہیں اور شیطان ہی نے انہیں ان برے اعمال میں لگا رکھا ہے۔

﴿٣٩﴾اس آیت کریمہ میں تعجب کے اسلوب میں سوال کیا جارہا ہے کہ اگر یہ ریا سے بچتے اور انفاق اور دوسرے اعمال میں اخلاص اختیار کرتے تو ان کا کیا بگڑتا تھا...... ان کا بگڑتا تو کیا؟ سب کچھ سنور جاتا...... دنیا بھی سنور جاتی اور آخرت بھی سنور جاتی۔

حکمت وہدایت:

١۔ان آیات میں انسانی معاشرہ میں امن سکون اور محبت پیدا کرنے والے ایسے تیرہ بنیادی اخلاق بیان کیئے گئے ہیں جن کی تاکید ہر آسمانی کتاب میں کی جاتی رہی ہے اور اگر بالفرض یہ نازل نہ بھی ہوتے تو عقلِ سلیم ان کی اہمیت ضرور پہنچان لیتی۔

٢۔ہر قسم کے شرک سے بچنا ضروری ہے خواہ وہ شرکِ جلی ہو یا شرکِ خفی، شرک فی الذات ہو یا شرک فی الصفات (٣٦)

٣۔جس شخص کے اندر فخر اور غرور کا مرض ہو وہ اخلاقِ حسنہ اور حقوق العباد کی ادائیگی سے بھی محروم رہتا ہے (٣٦) بلکہ یہ بری صفت اسے اللہ کی عبادت اور ایمان سے بھی محروم کرسکتی ہے۔

٤۔ہر قسم کا بخل حرام ہے خواہ مال میں ہو یا علم میں۔

٥۔جسے اللہ تعالیٰ نے علم یا مال کی نعمت عطا کی ہو تو اس نعمت کا اثر اس پر ظاہر ہونا چاہیئے ۔(٣٧)

٦۔ریا اور دکھاوا حرام ہے اور دکھاوے کی نیت سے کیے گئے عمل سے کچھ بھی ثواب حاصل نہیں ہوتا۔

٧۔برے دوستوں سے بچنا چاہیئے کیونکہ انسان کے افکار ونظریات اور اخلاق واعمال پر اس کے دوستوں کا اثر ضرور پڑتا ہے (٣٨) عربی شاعر کہتا ہے۔

عن المرء لاتسأل وسل عن قرينه...فكل قرين بالمقارن يقتدى

(کسی انسان کے بارے میں تحقیق کرنے کے بجائے اس کے دوستوں کے بارے میں تحقیق کرو اس لیے کہ انسان اپنے دوست کی اقتدا کرتا ہے۔)

ترغیب وتحذیر
(۴۰۔۴۲)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِن تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِن لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾

بیشک اللہ حق نہیں رکھتا کسی کا ایک ذرہ برابر اور اگر نیکی ہو تو اس کو دونا کر دیتا ہے اور دیتا ہے اپنے پاس سے بڑا ثواب

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا

پھر کیا حال ہوگا جب بلاویں گے ہم ہر امت میں سے احوال کہنے والا اور بلاویں گے تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتانے والا اس دن آرزو کریں گے وہ لوگ جو کافر ہوئے تھے

وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿٤٢﴾

اور رسول کی نافرمانی کی تھی کاش برابر کئے جاویں وہ زمین میں اور نہ چھپا سکیں گے اللہ سے کوئی بات

ربط: ان آیات میں ان ماموُرات کو بجالانے اوران منھیات سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے جو گذشتہ آیات میں بیان ہوئے ہیں۔

تسہیل: بے شک اللہ کسی پر ذرّہ برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر ایک نیکی ہوگی تو وہ اسے دوگنا کردے گا اور اپنے پاس سے اجرِ عظیم دے گاo اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان پر گواہ کے طور پر طلب کریں گےo اس دن کافر اور نبی کے نافرمان آرزو کریں گے کہ اے کاش ہم پیوندِ خاک ہو جائیں اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گےo

﴿تفسیر﴾

﴿۴۰﴾ اس آیت میں نیکی کی ترغیب ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کا کوئی بھی عمل ضائع نہیں کرے گا اور نہ ہی کسی بے گناہ کو سزا دے گا، بلکہ نیکی کا اجر کئی گنا بڑھا کردے گا اور صرف اجر بڑھانے پر اکتفاء نہیں کرے گا بلکہ اعمال کا تقابل کیئے بغیر ''اجرِ عظیم'' عطا کرے گا۔

﴿۴۱﴾ اللہ تعالیٰ اپنے اجروثواب کا نظام بیان کرنے کے بعد لوگوں کے حال پر تعجب فرماتے ہیں کہ اس دن ان کا کیا حال ہوگا جب ہم قیامت کے دن ہر امت میں سے ان کے نبی کو گواہ کے طور پر لائیں گے جو ان کے رویئے اور اعمال پر گواہی دے گا۔[۱۰۹]

[۱۰۹] یعنی نبیهم یشهد علی فساد عقائدهم وقبح اعمالهم (بیضاوی ۲/۱۹۰)

"وجئنابک علی هولآء شهیدا"

اس کے تین مطلب بیان کیئے گئے ہیں۔

ایک یہ کہ حضور اکرم ﷺ تمام انبیاء کی صداقت کے گواہ کے طور پر پیش ہوں گے۔[110]

دوسرا یہ کہ آپ انہی کافروں کے خلاف گواہی دیں گے جن کی حالت پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تعجب کا اظہار فرمایا ہے۔[111]

تیسرا یہ کہ امت اسلامیہ پہلے انبیاء کی صداقت کی گواہی دے گی اور آنحضرت ﷺ اپنی امت کی صداقت پر شہادت دیں گے۔[112]

ایک موقع پر آنحضرت ﷺ کے حکم سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورہ نساء کی چند آیات تلاوت فرمائیں جب وہ اس آیت پر پہنچے تو دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں اور آپ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو تلاوت سے روک دیا۔[113]

﴿۴۲﴾ اس دن کافر اور نبی کے نافرمان یہ آرزو کریں گے کہ اے کاش زمین پھٹ جائے اور ہم اس میں سما جائیں یا یہ کہ ہم مٹی ہی میں ملے رہتے اور پیدا ہی نہ ہوتے جیسا کہ سورہ نباء میں ہے۔

"وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَالَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا"

(اور کافر کہے گا اے کاش میں مٹی ہوتا)

"ولایکتمون اللہ" اور وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہیں چھپا سکیں گے اس لئے کہ اگر وہ چھپانا چاہیں گے تو ان کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

حکمت وہدایت:

۔اللہ تعالیٰ عادل تو ہے ہی، بے حد مہربان اور قدردان بھی ہے، چھوٹی سے چھوٹی نیکی کی بھی قدر کرتا ہے یہاں تک کہ

{110} تشهد على صدق هؤلاء الشهداء لعلمك بعقائدهم واستجماع شرعك مجامع قواعدهم (بیضاوی ۱۹۱)

{111} وقيل هؤلاء اشارة الى لكزة المستفهم عن حالهم (حوالہ مذکورہ)

{112} وقيل الى المؤمنين كقوله تعالىٰ "لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا" (حوالہ مذکورہ)

{113} تفسیر ابن کثیر ۱/۲۵۱

اگر کسی کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا تو اسے جہنم سے نکال لیا جائے گا۔(۴۰)

۲۔نیکوکاروں کو"اجرِ عظیم" دے گا،حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جسے خود اللہ "عظیم" کہے اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔(۴۰)

(قارئین کو یاد ہوگا کہ یہ آیتِ کریمہ ان پانچ آیات میں سے ایک ہے جنہیں دنیا و مافیہا سے بہتر قرار دیا گیا ہے)

۳۔"شہادت علی الناس" بڑی نازک ذمہ داری ہے اسی لیے ہمارے آقا ﷺ کی آنکھوں سے متعلقہ آیت سن کر آنسو چھلک پڑے۔(۴۱)

۴۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ یہاں فرمایا گیا ہے کہ کافر کوئی بات نہیں چھپا سکیں گے جب کہ سورہ انعام میں ہے کہ وہ اپنے کفر کو چھپاتے ہوئے کہیں گے "واللہ ربنا ما کنا مشرکین" (ہمیں اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم مشرک نہیں تھے)

تو آپ نے جواب دیا کہ پہلے وہ اپنے کفر و شرک سے انکار کریں گے لیکن جب اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا تو پھر وہ نہ کوئی بات چھپا سکیں گے نہ کسی بات کا انکار کر سکیں گے۔[۱۱۴]

حالتِ سکر اور جنابت میں نماز

(۴۳)

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ
اے ایمان والو نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو اور نہ اس وقت کہ غسل کی حاجت

سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ
ہو مگر راہ چلتے ہوئے یہاں تک کہ غسل کرلو اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں یا آیا ہے کوئی شخص تم میں جائے ضرور سے یا پاس گئے ہو

النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
عورتوں کے پھر نہ ملا تم کو پانی تو ارادہ کرو زمین پاک کا پھر ملو اپنے منہ کو اور ہاتھوں کو بیشک اللہ ہے

عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾
معاف کرنے والا بخشنے والا

ربط: پچھلی آیت میں ان ناپاک لوگوں کا ذکر کیا گیا جو قیامت کے دن پیوندِ خاک ہو جانے کی آرزو کریں گے

{۱۱۴}تفسیر ابن کثیر ۱/۲۵۲

اور یہاں نماز کا ذکر کیا جا رہا ہے جو کہ طہارت اور تزکیہ کا مؤثر علاج ہے لیکن اس کے اندر یہ تاثیر تب ہوگی کہ جب اسے ہوش وحواس اور پاکی کے ساتھ ادا کیا جائے۔

تسہیل: اے ایمان والو! نشے کی حالت میں تم نماز کے قریب بھی نہ جاؤ یہاں تک کہ تم جو کچھ زبان سے کہتے ہو اسے سمجھنے لگو، یونہی ناپاکی کی حالت میں بھی غسل کیئے بغیر نماز کے قریب نہ جاؤ ہاں اگر تم سفر میں ہو تو پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم سے نماز پڑھ سکتے ہو۔ یا تم میں سے کوئی استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیوی سے صحبت کی ہو پھر تمہیں پانی میسر نہ آئے تو پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو، بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا بڑا بخشنے والا ہے ○
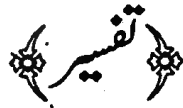
شانِ نزول:

﴿۴۳﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ہماری کھانے کی دعوت کی جس میں شراب بھی پیش کی گئی، اسی اثناء میں نماز کا وقت ہو گیا، صحابہ نے مجھے نماز پڑھانے کے لیے کہا میں نے سورہ کافرون کو یوں پڑھ دیا ''قل یاأیھا الکافرون لاأعبدما تعبدون ونحن نعبد ماتعبدون'' جس سے معنٰی کچھ کے کچھ ہو گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ {۱۱۵}، جس میں نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا بعد میں سورہ مائدہ کی آیت ۹۰ کے ذریعہ شراب کو مطلقاً حرام کر دیا گیا۔

نماز میں بندہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے، جس کا تقاضا ہے کہ بندہ پاک بھی ہو اور خوب متوجہ اور بیدار بھی ہو اس لیے مدہوشی اور ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔

البتہ اگر پانی میسر نہ ہو یا پانی کے استعمال سے اس کی بیماری میں اضافہ کا خطرہ ہو تو ایسے شخص کو تیمم کرنے کی اجازت ہے۔

حکمت وہدایت:

ا۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ شریعت کے احکام تدریجاً نازل ہوئے ہیں۔ (۴۳)

{۱۱۵} تفسیر ابن کثیر ۱/۳۵۲

۲۔نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی اصل وجہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو یہ علم نہیں ہوتا کہ میں زبان سے کیا کہہ رہا ہوں۔(۴۳)

۳۔جمہور کے نزدیک نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔یہ فتویٰ گویا کہ نشہ کی سزا کے طور پر دیا گیا ہے۔

۴۔جنابت کی حالت میں نماز حرام ہے، جنابت خروجِ منی سے ہوتی ہے یا جماع سے...... جماع میں خروجِ منی ضروری نہیں، محض شرمگاہوں کے ملنے سے انسان جنبی ہوجاتا ہے۔

۵۔حالتِ جنابت میں نماز بھی جائز نہیں اور مسجد میں داخل ہونا بھی جائز نہیں۔(۴۳)

۶۔غسلِ جنابت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے وضو کرے پھر پورے جسم پر پانی بہائے یہاں تک کہ ایک بال کی جگہ بھی خشک نہ رہ جائے۔

۷۔اگر بیماری کی وجہ سے پانی کا استعمال سخت مضر ہو یا سفر میں پانی دستیاب نہ ہو تو وضو اور غسل کے بجائے تیمم کیا جاسکتا ہے۔(۴۳)

۸۔"لامستم النساء" احناف کے نزدیک یہ جماع کے معنی میں ہے۔عورت کو ہاتھ لگانے کے معنی میں نہیں ہے لہٰذا عورت کو ہاتھ لگانے بلکہ بوس و کنار سے بھی احناف کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا۔(۴۳)

۹۔امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام کے بہت سارے خصائص میں سے ایک تیمّم کی مشروعیت بھی ہے۔

۱۰۔ہر اس چیز سے تیمم کیا جاسکتا ہے جو زمین کی جنس سے ہو۔

۱۱۔حنفیہ کے نزدیک تیمم کے لیے دوبار زمین پر ہاتھ مارا جائے گا ایک بار چہرے کے لیے اور دوسری بار کہنیوں سمیت ہاتھوں کے لئے۔

یہود کی حرکتیں

(۴۴۔۴۶)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَن تَضِلُّوا

کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جن کو ملا ہے کچھ حصہ کتاب سے خرید کرتے ہیں گمراہی اور چاہتے ہیں کہ تم بھی بہک

السَّبِيلَ ﴿٤٤﴾ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا وَكَفَىٰ بِاللَّهِ نَصِيرًا ﴿٤٥﴾ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا

جاؤ راہ سے اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ کافی ہے حمایتی اور اللہ کافی ہے مددگار بعضے لوگ یہودی پھیرتے

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّا

ہیں بات کو اسکے ٹھکانے سے اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا اور کہتے ہیں کہ سن، نہ سنایا جائیو لو کہتے ہیں راعنا

بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ

موڑ کر اپنی زبان کو اور عیب لگانے کو دین میں اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور مانا اور سن اور ہم پر نظر کر تو بہتر ہوتا ان کے حق میں اور

أَقْوَمَ وَلَٰكِن لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٤٦﴾

درست لیکن لعنت کی ان پر اللہ نے انکے کفر کے سبب سو وہ ایمان نہیں لاتے مگر بہت کم

ربط: احکامِ شرعیہ بیان کرنے کے بعد ایسا مضمون لانا جس سے دل میں عمل کا جذبہ پیدا ہو، یہ قرآن کا خاص انداز ہے، یہاں ان یہودیوں کا تذکرہ ہے جو احکامِ الٰہیہ سے اعراض کی وجہ سے اتنے دور چلے گئے کہ کتاب اللہ میں تحریف اور ضلالت پر اپنا مال خرچ کرنے جیسے جرائم میں مبتلا ہو گئے۔

تسہیل: کیا تم نے ان لوگوں کے بارے میں کبھی غور نہیں کیا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا وہ گمراہی کو خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی سیدھے راستے سے ہٹ جاؤ o اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ ہی کا حمایتی ہونا اور مددگار ہونا کافی ہے o یہودیوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کلام کو اس کے اصل معنی اور مقام سے پھیر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا مگر ہم نے مانا نہیں اور ہماری سنو اور تمہیں سنوایا نہ جائے اور تمہارے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے زبان کو مروڑ کر اور دین میں طعنہ زنی کی نیت سے ''راعنا'' کہتے ہیں اور اگر یہ کہتے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور ''راعنا'' کے بجائے ''اسمع'' اور ''انظرنا'' کہتے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر اور انتہائی درست بات ہوتی، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے کفر کی وجہ سے لعنت کر رکھی ہے اس لیے یہ بہت کم ایمان لاتے ہیں o

تفسیر

﴿۴۴﴾ کیا تم نے ان لوگوں کے حالات پر غور نہیں کیا جنہیں کتاب کا ''کچھ حصہ'' عطا کیا گیا...... ''کچھ حصہ'' اس لیے کہا گیا کیونکہ یہود و نصاریٰ کے پاس الفاظ تو تھے جن کی وہ تلاوت کرتے تھے مگر نہ تو فہم و تدبر کرتے تھے اور نہ ہی پوری کتاب پر عمل کر۔تے تھے۔

ان الفاظ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کی تحریفات کی وجہ سے ان کی کتابیں من و عن باقی نہیں رہیں تھیں بلکہ

ان کا کچھ حصہ ہی ان کے پاس باقی رہ گیا تھا۔{١١٦}

"یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ" ان کا گمراہی کو خریدنا بایں معنی بھی ہے کہ وہ ہدایت کا راستہ چھوڑ کر ضلالت کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور بایں معنی بھی کہ وہ اپنے اموال کفر وضلالت پر خرچ کرتے ہیں۔

﴿٤٥﴾ اے ایمان والو! اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے، دشمنوں کی نشاندہی اور تعیین کے سلسلہ میں بھی تم اسی پر اعتماد کرو اور ان کے مقابلہ کے سلسلہ میں بھی اسی پر بھروسہ رکھو۔

﴿٤٦﴾ وہ اہلِ عرب جو یہود کی صحبت سے متأثر ہو کر یہودی ہی بن چکے تھے وہ اللہ کے کلام میں مختلف طریقوں سے تحریف کرتے تھے مثلاً آنحضرت ﷺ کے بارے میں جو بشارتیں تورات میں تھیں ان کی غلط سلط تاویلیں کرتے، ایسا بھی ہوا کہ بشارتوں پر مشتمل کلمات اور الفاظ کو انہوں نے سرے سے غائب ہی کر دیا، کبھی الفاظ کو توڑ مروڑ کر ان کا مفہوم ہی بگاڑ دیتے یا ظاہری مفہوم کے بجائے ایسا مفہوم مراد لیتے جو ان کی خباثت اور بدباطنی کا آئینہ دار ہوتا مثلاً سمعنا وعصینا کا ظاہری مطلب یہ تھا کہ ہم نے آپ کی بات سن لی اور مان لی اور آپ کے مخالف کی بات نہیں مانی لیکن وہ اس کا یہ مطلب مراد لیتے کہ ہم نے آپ کی بات سن تو لی ہے لیکن قبول نہیں کی۔

"اسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ" کا ظاہری مفہوم یہ تھا کہ آپ کو کوئی تکلیف دہ بات نہ سننی پڑے لیکن ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ تمہیں کوئی خوشی کی بات سنائی نہ دے۔

"راعنا" کا معنی بظاہر یہ تھا کہ ہماری رعایت کرتے ہوئے یہ بات دوبارہ ارشاد فرمادیجیئے لیکن وہ اس لفظ کو اس طرح ادا کرتے جس سے احمق کا معنی اس میں پیدا ہو جاتا۔

"وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ" یہ حرکتیں ان سے یونہی بے خیالی میں سرزد نہیں ہو جاتیں بلکہ ان حرکتوں سے ان کا مقصد دین پر اعتراضات کرنا ہوتا ہے۔

حکمت وہدایت:

۱۔ جو لوگ کتاب اللہ کی خالی خولی تلاوت کرتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے وہ سمجھ لیں کہ ان کے پاس پوری کتاب نہیں بلکہ کتاب کا کچھ حصہ ہے(٤٤)

۲۔ یہودیوں کی شروع سے آج تک یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کو دین کے راستے سے ہٹا دیں۔(٤٤)

{١١٦} ملخص از معالم العرفان فی دروس القرآن ٢/٢٥٥

۳۔ جو سچے مؤمن ہیں ان کے لیے اللہ کی مدد کافی ہے انہیں کسی اور سے مانگنے کی ضرورت نہیں۔(۴۵)
۴۔ تحقیر اور استہزاء کے لیے ذومعنی الفاظ بولنا اور دین میں عیب نکالنا یہودیوں کی عادت ہے۔(۴۶) بحر محیط آٹھویں صدی ہجری کی تفسیر ہے اس میں ہے حضرت ابن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''یہودیوں میں یہ عادت آج تک موجود ہے وہ اپنے بچوں کی اس طرح تربیت کرتے ہیں اور انہیں مسلمانوں سے خطاب کرنے کا ایسا انداز سکھاتے ہیں جس میں بظاہر احترام ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس میں تحقیر چھپی ہوتی ہے۔[۱۱۷] جب آٹھویں صدی میں یہ حال تھا تو آج کیا خیال ہوگا جب کہ یہود کی مسلمانوں سے نفرت انتہا تک پہنچ چکی ہے۔
۵۔ دنیا اور آخرت میں کامیابی کے لیے کامل ایمان ضروری ہے ناقص ایمان کارآمد نہیں ہوتا۔(۴۶)

اہل کتاب کو ایمان بالقرآن کا حکم

(۴۷)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا

اے — کتاب — والو — ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا تصدیق کرتا ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے پہلے اس سے کہ ہم مٹا ڈالیں — بہت سے چہروں کو پھر الٹ دیں

عَلَى أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿۴۷﴾

انکو پیٹھ کی طرف — یا لعنت کریں ان پر — جیسے ہم نے لعنت کی ہفتہ کے دن — والوں پر — اور اللہ کا حکم تو ہو کر ہی رہتا ہے

تسہیل: اے اہلِ کتاب! اس کتاب پر ایمان لے آؤ جسے ہم نے اتارا ہے وہ اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو تمہارے پاس ہے قبل اس کے کہ ہم تمہارے چہروں کو مٹا ڈالیں اور انہیں پیچھے کی جانب الٹا دیں یا ہم ان پر اسی طرح لعنت کریں جس طرح ہم نے سبت والوں پر لعنت کی اور اللہ کا ہر حکم پورا ہو کر رہتا ہے ۝

تفسیر

﴿۴۷﴾ تحریف جیسے جرائم کے باوجود اہلِ کتاب کو اس بناء پر قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی جارہی ہے کہ قرآن بھی اسی اللہ کا نازل کردہ ہے جس نے تورات اور انجیل نازل فرمائی اور ان تمام اصولی باتوں کی تصدیق کرتا ہے جو سارے آسمانی ادیان میں پائی جاتی ہیں۔

''من قبل ان نطمس'' ان الفاظ کے ذریعہ یہود کو ڈرایا گیا ہے کہ اگر وہ اسی طرح انکار اور سرکشی پر اڑے رہے تو ہم انہیں ذلیل اور رسوا کردیں گے اور ان کے چہرے مسخ کردیں گے یا ان پر ویسے ہی لعنت کردیں گے

{۱۱۷} البحر المحیط ۲۶۴/۲

جیسے ''سبت'' والوں پر لعنت کی گئی یعنی ان یہودیوں پر جنہیں حکم دیا گیا کہ وہ ہفتے کا پورا دن عبادت کے لیے مخصوص رکھیں لیکن وہ حیلوں بہانوں سے مچھلی کے شکار میں ملوث ہو گئے۔{۱۱۸}

حکمت و ہدایت:

۱۔ ہونا تو یہ چاہیئے کہ جو صاحب علم ہو وہ ہدایت جلد قبول کرے لیکن جس پر شقاوت کا غلبہ ہوا سے علم کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا۔(۴۷)

۲۔ اللہ کا عذاب نازل ہونے سے پہلے ہی توبہ کرنے میں جلدی کرنی چاہیئے۔(۴۷)

۳۔ سرکش قوموں کی عقل وفکر اللہ تعالیٰ مسخ کر دیتا ہے اور بعض اوقات ان کی صورت اور شکل بھی مسخ کر دیتا ہے۔(۴۷)

مغفرت اور عدمِ مغفرت

(۴۸)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ﴿٤٨﴾

بیشک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک کرے اور بخشتا ہے اس سے نیچے کے گناہ جس کے چاہے اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا اس نے بڑا طوفان باندھا

ربط: دوسرے گناہوں کے علاوہ یہود شرک میں بھی مبتلا تھے حالانکہ یہ ناقابلِ معافی گناہ ہے۔

تسہیل: اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے کو تو وہ یقیناً نہیں بخشے گا لیکن اس کے علاوہ جسے چاہے گا بخش دے گا۔ جو شخص اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے وہ بہت بڑا گناہ سمیٹتا ہے ○

تفسیر

﴿۴۸﴾ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے پورے قرآن میں سے اس آیت کو محبوب ترین آیت بتایا ہے۔{۱۱۹} اس لیے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے شرک کے علاوہ ہر گناہ کی مغفرت کی گنجائش رکھی ہے، جس کسی

{۱۱۸} بعض مفسرین نے ''وجوھا'' سے مراد ان کے رؤساء لیے ہیں اور ''نطمس'' اور ''فنردھا'' کا معنی یہ کیا ہے کہ ان کے حالات بدل دیئے جائیں گے اور ان کے رؤساء کے اقبال کو ادبار میں اور عزت کو ذلت میں بدل دیا جائے گا (کشاف ۱/۵۵۱)
قیل عنی بالوجوہ الاعیان والرؤساء (مفردات فی غرائب القرآن)

{۱۱۹} مافی القرآن آیۃ احب الی من ھذہ الآیۃ (ترمذی ۲/۱۳۹)

کے حق میں اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی اسے معاف کر دیا جائے گا خواہ اس نے توبہ کی ہو یا نہ کی ہو۔[۱۲۰]

آیت کریمہ سے خوارج وغیرہ ان گمراہ فرقوں کی تردید ہوتی ہے جو کبیرہ گناہ کے مرتکب کو جہنمی قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ توبہ کے بغیر ان کی بخشش نہیں ہو سکتی جب کہ اہلسنت والجماعت کی رائے یہ ہے کہ ہر صغیرہ اور کبیرہ گناہ قابل معافی ہے۔ البتہ شرک ایک ایسا جرم ہے جس کی آخرت میں بخشش نہیں ہوگی۔ ہاں دنیا میں اگر کوئی توبہ کر لے تو اسے معافی مل سکتی ہے۔

''افتری'' شرک کو ''افتراء'' اس لیے قرار دیا گیا ہے کیونکہ عام طور پر جو مشرک ہوتے ہیں وہ اپنے شرک کی نسبت اللہ کے نیک بندوں اور انبیاء کی طرف کرتے ہیں۔

حکمت وہدایت:

۱۔ شرک سب سے بڑا گناہ ہے کیونکہ ایک تو یہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتا۔ دوسرے اس لیے کہ اس کی وجہ سے سارے اعمال باطل ہو جاتے ہیں۔ (۴۸)

۲۔ اگر شرک سے توبہ کیئے بغیر کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کی مغفرت کی کوئی صورت نہیں۔ (۴۸)

۳۔ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرنا، اس کے سامنے رکوع اور سجدہ کرنا، اس کے لیے نذر و نیاز ماننا، اس کے نام کی قسمیں اٹھانا، اس سے اللہ جیسی امیدیں قائم کرنا، اس کے لیے حلال اور حرام کا اختیار ثابت کرنا، اس کے لیے اللہ کی صفات ثابت کرنا، غیر اللہ کو حاضر ناظر سمجھ کر اسے پکارنا، اسے مختار کل سمجھنا، یہ سب شرک کی صورتیں ہیں۔

۴۔ شرک کے علاوہ ہر گناہ قابلِ معافی ہے، کسی بھی گناہ گار کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ (۴۸)

۵۔ شرک کی قباحت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ قطعی جھوٹ اور صریح افتراء ہوتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی اور اس کا مرتکب اپنے آپ کو ذلیل اور رسوا کرتا ہے۔

{۱۲۰} ای یغفر مادون الشرک وان کان کبیرة مع عدم التوبة (مدارک)

اہلِ کتاب کے اعمال کی چند جھلکیاں

(۴۹۔۵۵)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُم ۚ بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٤٩﴾ انظُرْ

کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں بلکہ اللہ ہی پاکیزہ کرتا ہے جس کو چاہے اور اُن پر ظلم نہ ہوگا تاگے برابر دیکھ

كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۖ وَكَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا ﴿٥٠﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ

کیسا باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور کافی ہے یہی گناہ صریح کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جن کو ملا ہے کچھ حصہ کتاب کا

الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا

جو مانتے ہیں بتوں کو اور شیطان کو اور کہتے ہیں کافروں کو کہ یہ لوگ زیادہ راہِ راست پر ہیں مسلمانوں

سَبِيلًا ﴿٥١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿٥٢﴾ أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ

سے یہی ہیں جن پر لعنت کی ہے اللہ نے اور جس پر لعنت کرے اللہ نہ پاویگا تو اس کا کوئی مددگار کیا ان کا کچھ حصہ ہے

الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ

سلطنت میں پھر تو یہ نہ دیں گے لوگوں کو ایک تل برابر یا حسد کرتے ہیں لوگوں کا اس پر جو دیا ہے ان کو اللہ نے اپنے فضل سے سو ہم نے

آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿٥٤﴾ فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم

تو دی ہے ابراہیم کے خاندان میں کتاب اور علم اور ان کو دی ہم نے بڑی سلطنت پھر ان میں سے کسی نے اس کو مانا اور کوئی

مَّن صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿٥٥﴾

اس سے ہٹا رہا اور کافی ہے دوزخ کی بھڑکتی آگ

ربط: گذشتہ آیات کی طرح مذکورہ بالا آیات میں بھی یہود کا تذکرہ ہے، اپنی تعریف، اللہ پر افتراء اور بغض وحسد یہ سب خرابیاں یہود میں پائی جاتی تھیں۔

تسہیل: کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر غور نہیں کیا جو اپنے آپ کو پاک ظاہر کرتے ہیں بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے اور ان پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا o دیکھیے یہ کیسے اللہ پر جھوٹ بناتے ہیں اور ان کا یہ جھوٹ صریح گناہ کے لیے کافی ہے o کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا لیکن اس کے باوجود وہ ساحروں اور شیطانوں پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ایمان والوں سے زیادہ راہِ ہدایت پر ہیں o یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کر دے تو تم کسی کو بھی اس کا مددگار نہیں پاؤ گے o اگر انہیں کچھ اقتدار دے دیا جائے تو پھر یہ لوگوں کو تل برابر بھی نہیں دیں گے o بلکہ یہ لوگوں پر ان

انعامات کی وجہ سے حسد کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیئے ہیں سو ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا کی ہے اور ہم نے انہیں عظیم الشان اقتدار بھی دیا ہے٥ ان میں سے بعض اس پر ایمان لے آئے اور بعض محروم ہی رہے ایسے لوگوں کے لیے دہکتی ہوئی جہنم کا عذاب کافی ہے٥

﴿تفسیر﴾

﴿۴۹﴾ یہودیوں میں خودستائی کا مرض خاص طور پر پایا جاتا تھا، وہ اپنے آپ کو اللہ کے چہیتے اور لاڈلے قرار دیتے تھے، ان کا دعویٰ تھا کہ جنت میں صرف ہم ہی جائیں گے اور جہنم میں جانا بھی پڑا تو محض چندروز کے لیے جائیں گے پھر ہمیشہ کے لیے جنت میں ہمارا ٹھکانہ ہوگا۔

"بل اللہ یزکی من یشاء" بتایا جا رہا ہے کہ کسی فرد کو تزکیہ اور پاکیزگی نسل اور نسب یا مخصوص فرقہ کے ساتھ تعلق کی بناء پر حاصل نہیں ہوتی بلکہ جسے اللہ تعالیٰ عقیدۂ صحیحہ، اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ کی توفیق دے دے، وہی پاک بھی ہے اور قابلِ تعریف بھی لیکن اس کے لیے بھی یہ مناسب نہیں کہ وہ خود اپنی زبان سے اپنی تعریف شروع کردے۔

﴿۵۰﴾ ان کے اپنی پاکیزگی اور بڑائی کے متکبرانہ دعوے کذب وافتراء کے سوا کچھ نہیں اور اگر بالفرض ان کے اندر کوئی دوسرا عیب اور گناہ نہ بھی ہوتا تو ان کا یہ کذب وافتراء اور غرور اور تکبر ہی ان کے گناہ گار ہونے کے لیے کافی تھا جبکہ یہاں یہ حال ہے کہ ان کا بال بال گناہوں کی غلاظت سے آلودہ ہے اور وہ دعوے کرتے ہیں تقدس مآبی کے!

﴿۵۱﴾ یہود کی ایک اور خرابی کا بیان ہے، مشرکین کے ساتھ رہتے رہتے وہ خود بھی مشرکانہ رسوم اور طور طریقوں سے متأثر ہو چکے تھے (جیسا کہ بعض مسلمان، عیسائیوں، انگریزوں اور ہندوؤں کے رسم ورواج سے متأثر ہو جاتے ہیں) اور جب ان سے سوال کیا جاتا کہ مومنوں اور مشرکوں میں سے کون زیادہ راہِ راست پر ہے تو وہ مشرکوں کو راہِ راست پر بتاتے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک بار یہود کا سردار کعب بن اشرف مکہ آیا تو اس سے قریش نے سوال کیا کہ ہم بہتر ہیں یا یہ مقطوع النسل شخص (یعنی حضرت محمد ﷺ) جبکہ ہم حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں اور کعبہ کی پاسبانی اور یہاں آنے والوں کو سیراب کرنے کی سعادت بھی ہمیں حاصل ہے؟ تو اس نے کہا تم اس سے بہتر ہو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں "ان شانئک ھو الابتر" اور "الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتب" الخ۔[۱۲۱]

{۱۲۱} تفسیر ابن کثیر ۱/۶۷۱

"یؤمنون بالجبت" جبت کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوسکتا ہے جسے اللہ کو چھوڑ کر پوجا جائے، ساحر اور کاھن کے لیے بھی جبت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔{۱۳۲}

"والطاغوت" ہر معبودِ باطل، شیطان، سرکش رئیس، نفسانی خواہشات اور اس روپے پیسے اور عہدہ و اقتدار پر بھی طاغوت کا اطلاق ہوتا ہے جو انسان کو سرکش بنادے۔{۱۳۳}

﴿۵۲﴾ اُن کی ان حرکتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیا اور جسے اللہ اپنی رحمت سے محروم کردے اس کا نہ کوئی مددگار ہوسکتا ہے اور نہ ہی اسے ہدایت اور رحمت سے فیضیاب کرسکتا ہے۔

﴿۵۳﴾ اخلاقی بیماریوں میں سے ایک متعدی اور خطرناک بیماری جو یہودیوں میں پائی جاتی تھی وہ بخل بھی تھا۔ ان کی فطرت اور طبیعت میں حبِ دنیا، حرص و طمع اور بخل پایا جاتا تھا، مادی مفاد کے بغیر وہ کسی کو ایک پائی دینے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے تھے۔

دینی عظمت اور روحانی منصب میں شراکت تو دور کی بات ہے اگر انہیں دنیوی اقتدار نصیب ہوجائے تو اس میں بھی کسی کی شراکت گوارا نہیں کریں گے حالانکہ دنیوی اقتدار کے لیے وسعتِ قلبی اور جود و سخا کی ضرورت ہوتی ہے، بخل اور اقتدار ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے اور منصبِ نبوت کے لیے تو دنیا کے بادشاہوں سے بھی بڑے دل کی ضرورت ہے، تنگ دلی اور نبوت یکجا جمع نہیں ہوسکتے۔

﴿۵۴﴾ جبکہ یہود عرصہ دراز سے سخت تنگدلی، بخل اور حسد میں مبتلا ہیں ان کی تمنّا یہ تھی کہ نبوت صرف بنی اسرائیل تک محدود رہے لیکن جب بنی اسمٰعیل کے ایک ممتاز فرد کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور نبوت سے سرفراز کر دیا تو یہود کا بغض و حسد کھل کر سامنے آ گیا حالانکہ جیسے بنی اسرائیل، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے اسی طرح بنی اسمٰعیل بھی انہیں کی نسل سے تھے اور آلِ ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے کتاب اور حکمت اور ملکِ عظیم عطا کیا تھا۔

"الکتب" قرآن کی طرح زبور، تورات اور انجیل بھی آلِ ابراہیمؑ کو عطا کی گئیں۔

"الحکمة" اسرارِ شریعت کا فہم اور علم بھی اسی خاندان کو عطا ہوا۔

{۱۳۲} ویقال لکل ما عبد من دون اللہ جبت وسمی الساحر والکاھن جبتا (المفردات /۸۵)

{۱۳۳} والطاغوت یطلق علی کل باطل من معبود أو غیرہ (روح المعانی ۸۲/۳) الطاغوت کل ما یطغی الانسان (قرطبی)

''ملکا عظیما ''اسی خاندان کے کئی افراد کو مثالی سلطنت بھی نصیب ہوئی چنانچہ حضرت یوسف، حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہم السلام کی بادشاہت کا حال ہر کسی کو معلوم ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عنقریب مسلمانوں کو دنیاوی اقتدار ملنے والا ہے۔

﴿۵۵﴾ یہ آیتِ کریمہ قرآن مجید کے اس اسلوب کی واضح مثال ہے کہ وہ کسی بھی جماعت کو کلی طور پر برا نہیں ٹھہراتا اور نہ ہی ان کے لیے ہدایت کا دروازہ بند کرتا ہے یہاں یہود کے بارے میں فرمایا کہ ان میں سے بعض آنحضرت ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں اور بعضوں نے اپنے آپ کو اس سعادت سے محروم رکھا ہوا ہے۔{۱۲۴}

حکمت وہدایت:

۱۔ اپنی زبان سے اپنی تعریف کرنا اور اس پر فخر کرنا حرام ہے۔ (۴۹) یہاں تک کہ آنحضور ﷺ نے ایسا نام رکھنا بھی پسند نہیں فرمایا جس سے اپنی بڑائی ظاہر ہوتی ہو۔{۱۲۵} (شاید عبداللہ اور عبدالرحمٰن جیسے ناموں کو بھی اس لیے پسند فرمایا گیا ہو کہ ان سے عبدیت اور بندگی ظاہر ہوتی ہے)۔

۲۔ آپس میں ایک دوسرے کی تعریف میں مبالغہ کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے انسان تکبر اور خود پسندی کا شکار ہوسکتا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک شخص کی بہت تعریف کی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''ویحک قطعت عنق صاحبک'' (تجھ پر افسوس تم نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی ہے۔)

البتہ حوصلہ افزائی اور ترغیب کے لیے تعریف کرنا جائز ہے۔

۳۔ کسی شخص کے ایسے اوصاف وکمالات بیان کرنا جو اس کے اندر موجود ہی نہ ہوں یہ جھوٹ بھی ہے اور دوسرے کو متکبر اور بے وقوف بنانے کی کوشش بھی۔ ہمارے آقا ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ''لا تطرونی'' (میری تعریف میں مبالغہ نہ کرو) تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ میرے ایسے اوصاف بیان نہ کرو جو میرے اندر نہیں ہیں مثلاً خدائی اوصاف۔

۴۔ اصل تو اللہ ہی کے تزکیہ اور تعریف کا اعتبار ہے، اللہ کا تزکیہ یہ ہے کہ وہ بندے کو قابلِ تعریف اعمال کی توفیق

{۱۲۴} ''فمنهم ''من اليهود''من آمن به'' بمحمد ﷺ او بماذكر من حديث آل ابراهيم (بیضاوی ۲/۲۰۳)

{۱۲۵} صحیح مسلم ۲/۲۰۸

دیتا ہے،اس کے نفس کو پاک کر دیتا ہے اور پھر ملاء اعلیٰ میں اس کی تعریف کرتا ہے۔(۴۹)

۵۔اللہ عادل ہے وہ کسی پر ذرّہ برابر ظلم بھی نہیں کرتا(۴۹)

۶۔یہود کا اپنے آپ کو اللہ کے محبوب قرار دینا جھوٹ اور افتراء ہے۔(۵۰) یونہی نقلی پیروں کا من گھڑت خوابوں اور کرامتوں کی بنیاد پر ولایت اور تقدس کے دعوے کرنا بھی افتراء ہے۔

۷۔ہر کفر حرام ہے مگر جبت اور طاغوت کا کفر (انکار) واجب ہے۔(۵۱)

۸۔اہلِ باطل کی دوستی اور صحبت اچھے لوگوں کو بھی باطل کے راستے پر ڈال دیتی ہے جیسا کہ مشرکین کی صحبت نے اہلِ کتاب کو غلط راستے پر ڈال دیا۔(۵۱)

۹۔حق کو باطل اور باطل کو حق کہنا یہ یہود کی پرانی عادت ہے۔(۵۱)

۱۰۔بری صفات والوں مثلاً ظالموں اور کافروں پر تو لعنت جائز ہے مگر کسی معین شخص پر اس وقت تک لعنت جائز نہیں جب تک یقینی طور پر یہ علم نہ ہو جائے کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے۔...... جب کافر پر اس کی زندگی میں لعنت جائز نہیں تو مسلمان پر لعنت کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ہمارے آقا علیہ السلام نے کثرت سے لعنت کرنے والوں کو جہنم کی وعید سنائی ہے۔

۱۱۔بخل، یہودی اخلاق میں سے ایک خلق ہے، مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہیئے۔(۵۳)

۱۲۔باطنی امراض میں سے حسد بھی بدترین بیماری ہے، حاسد ہمیشہ مغموم اور پریشان رہتا ہے، وہ نہ کسی کے پاس دنیاوی نعمت دیکھ کر خوش ہوتا ہے، نہ ہی دینی نعمت دیکھ کر خوش ہوتا ہے(۵۴) حسد نیکیوں کو ایسے ہی کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔{۱۲۶}

۱۳۔وہ حکومت و سلطنت جس کے ذریعہ اللہ کے بندوں کی خدمت کی جائے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے بڑی نعمت ہے۔

۱۴۔بری سے بری جماعت اور قوم میں بھی بعض لوگ اچھے ہوتے ہیں۔(۵۵)

{۱۲۶} ابن ماجہ/۳۱۰

کافروں کو عقاب اور مومنوں کو ثواب

(۵۶۔۵۷)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَّهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿٥٧﴾

بیشک جو منکر ہوئے ہماری آیتوں سے ان کو ہم ڈالیں گے آگ میں جس وقت جل جائے گی کھال ان کی تو ہم بدل دیں گے ان کو اور کھال تاکہ چکھتے رہیں عذاب بیشک اللہ ہے زبردست حکمت والا اور جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے نیک البتہ ان کو ہم داخل کرینگے باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں ان میں ہمیشہ ان کے لئے وہاں عورتیں ہیں ستھری اور ان کو ہم داخل کرینگے گھنی چھاؤں میں

ربط: قریبی آیت میں دو گروہوں کا ذکر تھا، مومن اور کافر...... یہاں ان دونوں گروہوں کا انجام بیان کیا جارہا ہے۔

تسہیل: بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا ہم انہیں عنقریب آگ میں داخل کریں گے، جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کی جگہ اور کھالیں دے دیں گے تا کہ وہ مسلسل عذاب کا مزہ چکھتے رہیں، یقیناً اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے ٥ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیئے ہم انہیں ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے ساتھ نہریں بہہ رہی ہوں گی، وہ ہمیشہ وہیں رہیں گے، وہاں ان کے لیے صاف ستھری بیویاں ہوں گی اور ہم انہیں گھنی چھاؤں میں جگہ دیں گے ٥

تفسیر

﴿۵۶﴾ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جب جسم کی کھال جل جائے تو پھر دماغ جو کہ شعور کا مرکز ہے وہاں جلنے کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی، اس لیے کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ عذاب کا اثر شاید ایک مخصوص مدت تک باقی رہے گا، جب کھال پک جائے گی تو الم کا ادراک باقی نہیں رہے گا، یوں گویا عذاب سے نجات مل جائے گی۔

یہاں اس خیال کی تردید کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ہم ایک کھال جلنے کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری کھال بدلنے پر قادر ہیں، اس لیے پہلی کھال کے جلنے سے نہ عذاب کا سلسلہ منقطع ہوگا اور نہ ہی عذاب کا احساس ختم ہوگا۔

"عزیز حکیم" ہم عزیز اور قادر ہیں، جو چاہیں کر سکتے ہیں لیکن چونکہ حکیم ہیں، اس لیے ہمارا ہر عمل حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔

﴿۵۷﴾ کافروں کے بالمقابل ایمان والوں کو ایسے باغات میں جگہ دی جائے گی جہاں راحت کا ہر سامان اور خوش کرنے والی ہر نعمت موجود ہوگی، نہ ان نعمتوں کے زوال کا خطرہ ہوگا اور نہ ہی جنتیوں کو موت کا اندیشہ ہوگا۔

"ازواج مطهرة" ان کی بیویاں ہر جسمانی، اخلاقی اور طبعی عیب سے پاک ہوں گی۔

حکمت و ہدایت:

۱۔ کفر اور معاصی، اخروی عذاب کا موجب ہیں (۵۶) اس لیے کہ کفر و شرک اور معاصی کی وجہ سے نفسِ انسانی نجاست آلود ہو جاتا ہے، جبکہ جنت صرف پاک انسانوں کے لیے بنائی گئی ہے، سورۂ شمس میں ہے "قد افلح من زکاها وقد خاب من دساها"

۲۔ عذاب، جسم اور روح دونوں کو ہوگا، جسم سواری ہے اور روح سوار ہے اور دونوں ہی گناہ میں شریک ہوتے ہیں، لہٰذا عذاب دونوں کو ہوگا۔

۳۔ کھالیں تبدیل کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ہمیشہ عذاب کا احساس ہوتا رہے۔ (۵۶)

۴۔ ایمان اور اعمالِ صالحہ اخروی نعمتوں کے حصول کا سبب ہیں۔ (۵۷)

حکومتِ اسلامی کا منہاج
(۵۸۔۵۹)

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا
بیشک اللہ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچا دو امانتیں امانت والوں کو اور جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو

بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
انصاف سے اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو بیشک اللہ ہے سننے والا دیکھنے والا اے ایمان والو

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ
حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اسکو رجوع کرو طرف اللہ

وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾
کے اور رسول کے اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر یہ بات اچھی ہے اور بہت بہتر ہے اس کا انجام

ربط : قریبی آیت میں ایمان اور اعمال صالحہ کی جزا مذکور ہے، یہاں ان اعمالِ صالحہ میں سے چند اہم اعمال ذکر کیئے جارہے ہیں......ایک اور اعتبار سے بھی ان آیات کی ماقبل سے مناسبت ہے، وہ یہ کہ گذشتہ آیات میں یہود کے عملی اور اخلاقی امراض بیان کیئے گئے۔خیانت، ظلم اور معصیت بھی ان کی بداخلاقیوں میں شامل تھے،ان کے بالمقابل مسلمانوں کو امانت، عدل اور اطاعت کا حکم دیا جارہا ہے۔

تسہیل: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو، یقیناً اللہ تمہیں انتہائی عمدہ بات کی نصیحت کرتا ہے، اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے ٥ اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور اپنے میں سے اربابِ اختیار کی، پھر اگر کسی بات میں تمہارا اختلاف ہوجائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لے جاؤ اگر تم اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ طریقہ بہتر بھی ہے اور انجام کے اعتبار سے اچھا بھی ہے ٥

شانِ نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے روایت ہے، جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح فرمالیا تو عثمان بن طلحہ (جو کہ کعبہ کے کلید بردار تھے) کو بلا کر ان سے کعبہ کی چابی مانگی، وہ چابی پیش کرنے لگے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں"سقایہ"(آب نوشی) کا منصب پہلے ہی ہمارے پاس ہے، کلید برداری کی سعادت بھی ہمیں عطا فرمادیجیئے۔

عثمان بن طلحہ نے اپنی مٹھی بند کرلی لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان سے چابی لے لی اور دروازہ کھول کر کعبہ میں داخل ہوگئے، وہاں سے نکل کر طواف کرنے لگے تو آپ کو جبرئیل علیہ السلام نے چابی واپس کرنے کا حکم دیا چنانچہ آپ نے وہ چابی عثمان بن طلحہ کے حوالے کردی، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی **"ان اللہ یا مرکم ان تؤدوا الأمانات الی اھلھا"** ﴿۵۸﴾ اگرچہ اس آیتِ کریمہ کا شانِ نزول یہی واقعہ ہے لیکن تمام مفسرین کا اس اصول پر اتفاق ہے کہ **"العبرۃ لعموم اللفظ لا بخصوص السبب"** (الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے، مخصوص سبب کا اعتبار نہیں ہوتا) اس اصول کے تحت امانت کی ادائیگی کا حکم ہر امانت کو شامل ہے خواہ وہ حقوق اللہ میں ہو یا حقوق العباد میں ہو یا حقِ نفس میں، تمام مفسرین

نے بھی آیت کے مفہوم کو وسیع اور جامع تسلیم کیا ہے۔{۱۲۷} یہاں تک کہ یہ آیت ہر نیک اور بد کو شامل ہے۔{۱۲۸} آیت کی وسعت اور جامعیت کی وجہ سے اہلِ علم نے اس آیت کو احکام کے باب میں اہم ترین آیتوں میں شمار کیا ہے۔{۱۲۹}

حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت براء بن عازب اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنھم جیسے بہت سے صحابہ فرماتے ہیں کہ ہر چیز میں امانت ہے۔ وضو اور نماز میں، زکوٰۃ اور روزہ میں، جنابت اور کیل و وزن میں، ودیعتوں اور امانتوں میں۔{۱۳۰}

حقوق اللہ کے اعتبار سے دیکھیں تو امانت کا تقاضا یہ ہے کہ اوامر کی اطاعت کی جائے اور نواہی سے بچا جائے اور اللہ کے دیئے ہوئے اعضاء، ظاہری اور باطنی صلاحیتوں اور اس کی نعمتوں کو اس کی رضا والے کاموں میں استعمال کیا جائے، آنکھ، کان، زبان، ہاتھ پاؤں اور دل و دماغ کو اس کی مرضیات میں لگایا جائے، مال وہیں خرچ کیا جائے جہاں اس نے حکم دیا ہے، اولاد کی تعلیم و تربیت اسی انداز میں کی جائے جس طرح وہ پسند کرتا ہے، انسان کی زندگی بھی بہت بڑی امانت ہے، اس میں بھی خیانت جائز نہیں۔

حقوق العباد میں امانت کی رعایت یوں ہوگی کہ دوسروں کی امانتیں اور عاریت میں لی ہوئی چیزیں واپس کر دی جائیں، معاملات میں کسی کو دھوکا نہ دیا جائے، کوئی مشورہ طلب کرے تو مناسب مشورہ دیا جائے اس لیے کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ بھی امین ہوتا ہے، لوگوں کے راز اور عیوب نہ کھولے جائیں، مجلس میں کی گئی باتوں کو عام نہ کیا جائے۔

اگر کوئی عہدہ او منصب اس کے سپرد کیا جائے تو اس کا حق ادا کرے، رشوت نہ لے، ناجائز سفارش قبول نہ کرے۔

اپنی جان اور ذات میں امانت کی رعایت یہ ہے کہ صرف ایسا کام کرے جو دین و دنیا اور آخرت میں نافع ہو، کوئی ایسا کام نہ کرے جس کی وجہ سے آخرت میں نقصان ہو، کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس کی وجہ سے اسے کوئی جسمانی بیماری لاحق ہو جائے یا زخم پہنچے، اسی لیے ماتم کرنا، خودکشی کرنا یا اپنا کوئی عضو کاٹنا حرام ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان

{۱۲۷} هو يعم جميع الامانات الواجبة على الانسان من حقوق الله على عباده ومن حقوق العباد بعضهم على بعض (ابن کثیر ۱/۶۷۵)

{۱۲۸} والامانة تؤدى الى البر والفاجر والعهد يو فى به البر والفاجر (روح المعانی ۳/۴۹)

{۱۲۹} هذه الآية من امهات الاحكام تضمنت جميع الدين و الشرع (قرطبی ۵/۲۵۵)

{۱۳۰} التفسير المنير ۶/۱۲۳

ہے۔''ان لنفسک علیک حقا'' (تمہاری جان کا بھی تمہارے اوپر حق ہے)۔

''واذا حکمتم'' امانتوں کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلے کیئے جائیں۔

حقیقت میں حکومتِ اسلامی کی دو بنیادیں ہیں، پہلی بنیاد امانت ہے اور دوسری بنیاد عدل ہے، عدل سے ملک کو استحکام حاصل ہوتا ہے، امن قائم ہوتا ہے، کمزور کو حق ملتا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''اس امت میں اس وقت تک خیر باقی رہے گی جب تک یہ بات چیت میں سچ بولے گی، فیصلوں میں عدل کرے گی اور اگر اس سے رحم کی درخواست کی جائے تو یہ رحم کرے گی۔''

﴿۵۹﴾ اس آیت میں حکومتِ اسلامی کی تیسری بنیاد بتائی جارہی ہے جس پر عمل کرنے سے امانت کی ادائیگی اور قیام عدل میں بھی مدد ملتی ہے۔ وہ یہ کہ اللہ اور رسول اور اربابِ اختیار کی اطاعت کی جائے۔

''اولی الامر'' سے کون لوگ مراد ہیں؟ علماء فقہاء؟ امراء اور حکام؟ اربابِ حل وعقد، یہ سب اقوال ہیں اور اگر ان سب ہی کو مراد لے لیا جائے تو بھی کوئی تضاد لازم نہیں آتا...... اصل میں ان میں سے کوئی بھی مستقل بالذات مطاع نہیں بلکہ ان کی اطاعت صرف اس اعتبار سے ہے کہ یہ لوگ احکامِ شریعت کی تفصیل اور تشریح یا تنفیذ کا کام کرتے ہیں۔

احکامِ شریعت کی تفصیل کی ذمہ داری علماء اور فقہاء ادا کرتے ہیں اور ان کے عملی نفاذ اور سیاسی اور شہری نظم ونسق کا بوجھ حکام کے کندھوں پر ہوتا ہے، اس وضاحت سے یہ اصول ثابت ہوگیا کہ ان سب کی اطاعت مطلق اور بلا قید نہیں بلکہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ان کا حکم اللہ اور رسول کی تعلیم کے خلاف نہ ہو۔

''فان تنازعتم'' اگر کسی شرعی مسئلہ میں اختلاف ہوجائے اور قرآن اور حدیث میں اس کا صریح جواب نہ ملے تو اس کے حل کے لیے ان قواعد کی طرف رجوع کیا جائے گا جو کتاب وسنت سے ثابت ہیں، اس کو اجتہاد اور قیاس کہا جاتا ہے۔

قیاس کی حجیت خود شارع علیہ السلام سے ثابت ہے جب آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو قاضی بنا کر یمن بھیجا تو ان سے سوال کیا کہ اگر کوئی مسئلہ پیش آیا تو تم کیسے فیصلہ کرو گے؟ جواب دیا کہ کتاب اللہ میں اس کا حل

تلاش کروں گا، فرمایا اگر کتاب اللہ میں اس کا حل نہ ملا تو پھر کیا کرو گے؟ عرض کیا کہ رسول اللہ کی سنت سے مدد لوں گا۔ ارشاد ہوا، اگر کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ دونوں میں اس کا جواب نہ ملا تو پھر کیا ہوگا؟ عرض کیا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا ''**الحمدللہ الذی وفق رسول رسول اللہ الی مایرضی رسول اللہ**'' (تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے رسول اللہ کے رسول کو ایسی چیز کی توفیق دی جسے رسول اللہ پسند فرماتے ہیں)

حکمت وہدایت:

۱۔ اہل علم کہتے ہیں کہ مذکورہ دو آیتیں حکومتِ اسلامی کی پوری بنیاد کا کام دے سکتی ہیں اور اگر قرآن مجید میں اس موضوع پر کچھ بھی نہ ہوتا تو احکام کے استنباط کے لیے یہی دو آیتیں ہی کافی تھیں۔ {۱۳۱}

۲۔ تمام حقوق اور شعبوں میں امانت کی رعایت اور حفاظت ضروری ہے (۵۸)

۳۔ اسلام میں امانت کی بے حد اہمیت ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''**لا ایمان لمن لا امانة له ولا دین لمن لا عهد له**'' (جس میں امانت نہ ہو اس میں ایمان نہیں اور جس میں عہد کی پاسداری نہ ہو اس میں دین نہیں) دوسری حدیث میں امانت میں خیانت کو آپ نے منافق کی نشانی بتایا ہے۔ {۱۳۱}

۴۔ اگر کسی کے پاس امانت رکھی جائے اور اس کی کسی کوتاہی کے بغیر وہ چوری یا ضائع ہو جائے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہوگا لیکن اگر اس کی اپنی غلطی سے ایسا ہو جائے تو اس پر ضمان لازم آئے گی۔

۵۔ عدل کرنا واجب اور ظلم کرنا حرام ہے۔ (۵۸) رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ قیامت کے دن عدل کرنے والے رحمٰن کے دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے...... اور رحمٰن کے تو دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں...... وہ جو عدل کرتے

{۱۳۱} هاتان الآیتان هما اساس الحکومة الاسلامیة ولولم ینزل فی القرآن غیر هما لکفتا المسلمین فی ذالك اذهم بنواجمیع الاحکام علیهما (المنار)

{۱۳۲} بخاری۔ مسلم ۱/۵۶۔ ترمذی ۲/۸۷

ہیں اپنے فیصلوں میں، اہلِ وعیال میں اور ذمہ داریوں میں۔ {۱۳۳}

۶۔ اللہ اور رسول کی اطاعت مطلقاً واجب ہے اور فقہاء اور امراء کے ایسے فتووں اور احکام کی اطاعت واجب ہے جو کتاب وسنت کے خلاف نہ ہوں۔ (۵۹)

۷۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ شریعت کے مصادر چار ہیں کتاب، سنت، اجماع اور قیاس۔ (۵۹)

منافقین کا رویہ

(۶۰۔۶۳)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن

کیا تو نے نہ دیکھا ان کو۔ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ایمان لائے ہیں اس پر جو اترا تیری طرف اور جو اترا تجھ سے پہلے چاہتے ہیں کہ

يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ

تصفیہ لے جائیں شیطان کی طرف اور حکم ہو چکا ہے ان کو کہ اس کو نہ مانیں اور چاہتا ہے شیطان کہ ان کو بہکا کر

ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ

دور جا ڈالے اور جب ان کو کہئے کہ آؤ اللہ کے حکم کی طرف جو اس نے اتارا اور رسول کی طرف تو دیکھے تو منافقوں کو کہ ہٹتے ہیں

عَنكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ

تجھ سے رک کر پھر کیا ہو کہ جب ان کو پہنچے مصیبت اپنے ہاتھوں کے کئے ہوئے سے پھر آویں تیرے پاس قسمیں کھاتے ہوئے

بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿٦٢﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ

اللہ کی کہ ہم کو غرض نہ تھی مگر بھلائی اور ملاپ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جانتا ہے جو ان کے دل میں ہے سو تو ان سے تغافل

عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾

کر اور ان کو نصیحت کر اور ان سے کہہ ان کے حق میں بات کام کی

ربط: اہلِ ایمان کو اللہ، رسول اور اولوالامر کی اطاعت کا حکم دینے کے بعد منافقوں کا رویہ بتایا جا رہا ہے کہ وہ اللہ اور رسول کی اطاعت نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے فیصلوں پر راضی ہوتے ہیں۔

تسہیل: کیا آپ نے ان لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جن کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی اور ان کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے نازل کی گئیں اور چاہتے یہ ہیں کہ

{۱۳۳} مسلم عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ

اپنے فیصلے شیطان کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کی بات نہ مانیں اور شیطان یہ چاہتا ہے کہ انہیں راہِ راست سے بہت دور لے جائے ٥ جب انہیں اللہ کے نازل کردہ احکام اور رسول کے فیصلوں کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ آپ سے اعراض کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں ٥ اس وقت ان کی ذلّت کا کیا عالم ہوتا ہے جب ان پر ان کی اپنی ہی کرتوتوں کی وجہ سے مصیبت آ پڑتی ہے تو وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے تیرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد بھلائی اور مصالحت کے سوا کچھ نہیں تھا ٥ یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلبی عزائم کو اللہ خوب جانتا ہے تو آپ ان سے اعراض کیجیے اور انہیں سمجھاتے رہیے اور انہیں ان کی ذات سے متعلق پراثر بات کہتے رہیئے ٥

شانِ نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک منافق اور یہودی کے درمیان کوئی خصومت تھی، یہودی حضور اکرم ﷺ سے فیصلہ کروانا چاہتا تھا جبکہ منافق کعب بن اشرف کے پاس مقدمہ لے جانا چاہتا تھا، یہودی کے اصرار کی وجہ سے مجبوراً وہ منافق حضور ﷺ کے پاس چلا آیا۔ مگر جب آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا تو منافق حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کے لیے اصرار کرنے لگا چنانچہ وہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلے آئے انہیں جب پتہ چلا کہ حضور اکرم ﷺ فیصلہ فرما چکے ہیں مگر اس منافق نے آپ کے فیصلے کو تسلیم نہیں کیا تو آپ نے تلوار سے اس کی گردن اڑا دی اور فرمایا "ھکذا أقضی لمن لم یرض بقضاء اللہ وقضاء رسولہ" (جسے اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ پسند نہیں اس کا فیصلہ میں یونہی کروں گا) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [۱۳۴]

﴿۶۰﴾ اس میں گویا ان لوگوں کے ایمان کا انکار ہے جو ایمان کے دعوے تو کرتے ہیں لیکن باہمی تنازعات کے فیصلے کتاب وسنت کی روشنی میں کرنے کے بجائے شیطانی طاقتوں اور ان کے خود ساختہ قوانین سے کروانا چاہتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شیطان انہیں راہِ راست سے اتنا دور لے جاتا ہے کہ پھر حق کی طرف واپسی کا کوئی راستہ باقی نہیں رہ جاتا۔

﴿۶۱﴾ اس پر ایک واضح دلیل یہ ہے کہ جب انہیں اللہ اور رسول کے راستے کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ عناد اور سرکشی کا

{۱۳۴} تفسیر القرطبی ۵/۲۶۴

مظاہرہ کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں۔

﴿۶۲﴾ جب ان کی منافقت کا راز فاش ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ کو ان کی دورنگی اور بدباطنی سے مطلع کر دیتا ہے اور وہ اپنے ہی اعمال کے ہاتھوں مصیبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں تو پھر قسمیں اٹھانے لگتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی حاکمیت کے منکر نہیں ہیں اور دوسری جگہ مقدمہ لے جانے میں ہمارا مقصد مصالحت کے سوا کچھ نہیں تھا۔

﴿۶۳﴾ حضور اکرم ﷺ اور تمام مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان منافقوں کے قلبی عزائم اور ان کے دلوں میں چھپے ہوئے کفر، حسد اور مکر کو خوب اچھی طرح جانتا ہے لیکن ان کی تمام تر خباثتوں اور شرارتوں کے باوجود آپ ان سے مؤاخذہ نہ فرمائیں بلکہ انہیں سمجھاتے رہیں، شاید ان میں سے کسی پر کوئی بات اثر کر جائے۔

حکمت وہدایت:

۱۔ جو شخص اللہ اور رسول کے احکام کو رد کر دے وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔(۶۰)

۲۔ کتاب وسنت کی عدالت چھوڑ کر کسی دوسری عدالت میں اپنے مقدمات لے جانا حرام ہے۔(۶۰)

۳۔ ہر وہ فتویٰ اور فیصلہ رد کر دینا واجب ہے جو قرآن اور حدیث سے ٹکراتا ہو۔(۶۰) اور جو حکم صراحۃً کتاب وسنت میں مذکور نہ ہو اس میں ائمہ مجتہدین کی رائے پر عمل کیا جائے گا۔

۴۔ ''طاغوت'' جس شکل میں بھی ہو اس کا کفر (انکار) واجب ہے۔(۶۰)

۵۔ لوگوں کو کتاب وسنت کے احکام ماننے کی دعوت دینا واجب ہے۔(۶۰)

۶۔ کتاب وسنت سے اعراض کرنا منافق ہونے کی علامت ہے۔(۶۱)

۷۔ جھوٹی قسمیں کھانا اور بات کہہ کر مکر جانا منافقوں کی عادت ہے۔(۶۲)

۸۔ منافقوں اور جاہلوں کی اصلاح کے لیے تین طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں:

(ا) ان سے اعراض اور ان کی معذرت کی قبولیت۔

(ب) انہیں وعظ ونصیحت۔

(ج) خفیہ اور علانیہ مؤثر انداز میں زجر وتوبیخ۔

اطاعتِ رسول کی فرضیت

(۶۴۔۶۵)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اس کا حکم بانیں اللہ کے فرمانے سے اور اگر وہ لوگ جس وقت انہوں نے اپنا برا کیا تھا آتے تیرے پاس

فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کو بخشواتا تو البتہ اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہونگے

حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾

یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے

تسہیل: ہم نے ہر رسول کو اس مقصد کے لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور جس وقت یہ اپنی جانوں پر زیادتی کر بیٹھے تھے کاش! یہ آپ کے پاس آ جاتے، پھر یہ خود بھی اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور اللہ کا رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتا تو یہ یقیناً اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بڑا مہربان پاتے ٥ تیرے رب کی قسم! یہ مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ آپس کے جھگڑوں میں آپ کو حکم تسلیم نہ کریں اور پھر آپ جو بھی فیصلہ کر دیں اس کی وجہ سے اپنے دلوں میں تنگی بھی محسوس نہ کریں اور اسے پوری طرح تسلیم کر لیں ٥

تفسیر

﴿۶۴﴾ گذشتہ آیات میں بتایا گیا تھا کہ منافق، رسول اللہ ﷺ کو فیصل (حکم) ماننے سے اور آپ ﷺ کی اطاعت سے اعراض کرتے ہیں یہاں قاعدہ کلیہ کے طور پر یہ بات بتائی جا رہی ہے کہ ہر رسول کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔

"بـاذن الله" مطاعِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، رسول کی اطاعت، اللہ کا نائب ہونے کی حیثیت سے کی جاتی ہے۔

"ولـوانهم اذ ظـلـموا" گناہ گاروں اور خطا کاروں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اگر ان سے رسول کی نافرمانی جیسا کوئی گناہ ہو جائے تو وہ توبہ کرنے میں دیر نہ کریں بلکہ خود بھی اللہ سے مغفرت طلب کریں اور حضور اکرم ﷺ سے بھی دعاءِ مغفرت کی درخواست کریں۔

﴿۶۵﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا رب ہونے کی قسم اٹھا کر فرمایا ہے کہ "یہ اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک ان کے اندر یہ تین صفات نہ پائی جائیں":

(۱) اپنے اختلافات اور تنازعات میں اللہ کے نبی کو حکم تسلیم کریں۔

(۲) نبی کے فیصلے کے بارے میں دل میں کوئی تنگی اور شک محسوس نہ کریں۔

(۳) ظاہر اور باطن میں اس فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔

حکمت و ہدایت:

۱۔ نبی انسانوں کے لیے مطاع ہوتا ہے ان کا مطیع نہیں ہوتا۔ (۶۴)

۲۔ اللہ کے نبی کے تمام اوامر و نواہی، احکام اور فیصلوں کی کلّی اطاعت واجب ہے۔ (۶۴)

۳۔ گناہوں سے استغفار اور پوری شرائط کے ساتھ توبہ کرنے کی وجہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (۶۴)

۴۔ کتاب و سنت کے ہر فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا اور دل و جان سے ان پر راضی ہونا واجب ہے۔ (۶۵)

۵۔ نبی اکرم ﷺ تبلیغ و دعوت میں بھی معصوم تھے اور فیصلے کرنے میں بھی معصوم تھے۔ (۶۵)

جان اور وطن کی محبت
(۶۶۔۶۸)

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ
اور اگر ہم ان پر حکم کرتے کہ ہلاک کرو اپنی جان یا چھوڑ نکلو اپنے گھر تو ایسا نہ کرتے مگر تھوڑے ان میں سے

وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ
اور اگر یہ لوگ کریں وہ جو انکو نصیحت کی جاتی ہے تو البتہ ان کے حق میں بہتر ہو اور زیادہ ثابت رکھنے والا ہو دین میں اور اس وقت البتہ دیں ہم ان کو

لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾
اپنے پاس سے بڑا ثواب اور چلادیں ان کو سیدھی راہ

ربط: کمالِ اسلام کے لیے اپنی خواہشات کی قربانی دے کر رسول کے ہر حکم کو ماننا ضروری ہے اسلام کا مطلب ہی یہ ہے کہ اپنی ہر مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دینا، لیکن اکثر لوگ اس معاملے میں کمزور ہیں۔

تسہیل: اور اگر ہم ان پر فرض کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اس حکم پر ان میں

سے چند ایک کے سوا کوئی بھی عمل نہ کرتا، حالانکہ اگر یہ لوگ اس حکم پر عمل کر ڈالتے جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یہ ان کے حق میں بہتر بھی ہوتا اور انہیں اس سے ثابت قدمی بھی حاصل ہوتی ○ اور ایسا کرنے کی صورت میں ہم انہیں اپنی جانب سے اجرِ عظیم دیتے ○ اور یقیناً ہم انہیں سیدھی راہ پر چلا دیتے ○

﴿تفسیر﴾

﴿٦٦﴾ مخصوص حالات میں اللہ کی رضا کے لیے اپنی جان قربان کرنا اور گھروں سے نکلنا یعنی جہاد و قتال اور ہجرت اب بھی فرض ہے، یہاں مراد یہ ہے کہ اگر بنی اسرائیل کی طرح قبولِ توبہ کے لیے اپنے گھروں سے نکلنا اور اپنے آپ کو قتل کرنا ہم انسانوں پر فرض کر دیتے تو ان میں سے چند ایک کے سوا کوئی بھی اس حکم پر عمل نہ کرتا۔

حدیث میں ہے کہ یہ آیت سن کر بعض صحابہ نے اس عزم کا اظہار کیا کہ اگر ہمیں یہ حکم دیا جاتا تو ہم اپنے آپ کو قتل کر دیتے، رسولِ اکرم ﷺ نے صحابہ کے یہ پاکیزہ جذبات سن کر فرمایا ''والذی نفسی بیدہ ان من امتی رجالا الایمان فی قلوبھم أثبت من الجبال الرواسی و ان الآیۃ نزلت فیھم [١٣٥]'' (اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان مضبوط پہاڑوں سے بھی زیادہ راسخ ہے اور یہ آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے)

''ولو انھم فعلوا '' اگر وہ اللہ کے اوامر و نواہی پر عمل کرتے تو یہ دنیا اور آخرت میں ان کے حق میں بہتر ہوتا اور مسلسل عمل میں لگے رہنے کی برکت سے انہیں ایمانی رسوخ اور ثابت قدمی بھی نصیب ہو جاتی۔

﴿٦٧﴾ ایمان میں رسوخ اور ثابت قدمی حاصل ہونے کی صورت میں انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجرِ عظیم دیا جاتا جس کی ابتدا اور انتہاء کوئی نہیں جان سکتا۔

﴿٦٨﴾ علم پر عمل کی برکت سے ہم انہیں دنیوی اور اخروی سعادتوں سے نواز دیتے، دنیا کی سعادت یہ کہ ان کے سامنے علم و عمل کی شاہراہ کھل جاتی ہے [١٣٦] اور آخرت کی سعادت یہ کہ وہ بلا روک ٹوک سیدھے جنت میں داخل ہو جاتے۔

حکمت وہدایت:

ا۔ اللہ تعالیٰ انسان کو آزمانے کے لیے بعض اوقات مشکل کام کا حکم دے دیتا ہے لیکن ایسے کسی عمل کا حکم نہیں دیتا جو

{١٣٥} روح المعانی پ٥/١٠٧

{١٣٦} عن انس رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ ﷺ ''من عمل بما علم أورثہ اللہ تعالیٰ مالم یعلم''

انسان کی طاقت اور قدرت میں نہ ہو۔(۶۶)
۲۔تجربہ سے ثابت ہے کہ دین کا کام کرتے رہنے سے اعتقاد و یقین کی باطنی کیفیت کو بھی ترقی ہوتی رہتی ہے (حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ)
۳۔علم پر عمل کی برکت سے دنیوی اور اخروی سعادتیں حاصل ہوتی ہیں۔(۶۸)

اللہ اور رسول کی اطاعت کی جزا

(۶۹-۷۰)

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ
اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا سو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا کہ وہ نبی اور صدیق

وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾
اور شہید اور نیک بخت ہیں اور اچھی ہے ان کی رفاقت یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کافی ہے جاننے والا

تسہیل: جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے وہ قیامت کے دن ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے اپنا خصوصی انعام کیا یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صلحاء اور یہ کیا ہی اچھے رفیق ہیں ○ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ ہی کا علم کافی ہے ○

شانِ نزول: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز ایک صحابی رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے دل میں آپ کی محبت اپنی جان، اپنی بیوی اور اولاد سے بھی زیادہ ہے۔ میں جب گھر میں ہوتا ہوں تو بے چین رہتا ہوں، یہاں تک کہ جب آپ کی زیارت کر لوں تب مجھے سکون ملتا ہے، اب مجھے یہ پریشانی ستا رہی ہے کہ وفات کے بعد آپ تو جنت کے درجات عالیہ میں ہوں گے اور اگر خوش قسمتی سے اللہ نے مجھے جنت میں جگہ عنایت فرما بھی دی تو بھی میں نچلے درجہ میں ہونے کی وجہ سے آپ کی زیارت سے محروم رہوں گا۔

نبی کریم ﷺ نے اسے کچھ جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی (اور اس میں اس کے سوال کا جواب اور پریشانی کا علاج بتا دیا گیا) ومن یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ الخ[۱۳۷]

{۱۳۷} تفسیر ابن کثیر ا/۶۸۳ مطبوعہ موسسۃ الریان، بیروت، لبنان

﴿تفسیر﴾

﴿۶۹﴾ گذشتہ آیات میں اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والوں کے لیے چار انعامات ذکر کیئے گئے ہیں:

۱۔ دنیا اور آخرت کی سعادت اور خیر ۲۔ ایمانی پختگی اور ثابت قدمی

۳۔ اجرِ عظیم ۴۔ صراط مستقیم کی ہدایت

اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا پانچواں انعام مذکور ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کی معیت اور رفاقت جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی انعامات کیئے اور ان کے چار مراتب ہیں:

۱۔ انبیاء جو کہ علم وعمل کے سب سے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتے ہیں اور حد کمال سے بڑھ کر حد تکمیل تک پہنچ جاتے ہیں۔{۱۳۸}

۲۔ صدیق جو کہ اپنے قول، عمل اور عقیدے میں سچے ہوتے ہیں، سچائی ان کی فطرت بن جاتی ہے اور دین کی کسی بھی بات میں ان کے دل میں شک پیدا نہیں ہوتا۔{۱۳۹}

۳۔ شہید میں علمی قوت تو صدیق جیسی نہیں ہوتی لیکن عملی قوت کامل درجہ کی ہوتی ہے۔ وہ اپنے عمل سے ثابت کر دیتا ہے کہ میں جن حقائق پر ایمان رکھتا ہوں وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔

۴۔ صالحین وہ افراد ہیں جو اپنی عمریں اللہ کی اطاعت میں اور اپنے اموال اس کی رضا میں خرچ کر دیتے ہیں{۱۴۰} وہ نہ تو حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں اور نہ ہی حقوق العباد کی ادائیگی میں ڈنڈی مارتے ہیں۔

﴿۷۰﴾ اطاعت کرنے والوں کو اس کی جزاء کا ملنا، اللہ کا بہت بڑا فضل ہے اور اللہ ہی زیادہ جانتا ہے کہ اس کے مستحق کون ہیں۔

حکمت وہدایت:

۱۔ اطاعت، محبت کی علامت ہے اور قیامت کے دن انسان کا حشر انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت

{۱۳۸} الا نبیاء الفائزون بکمال العلم والعمل المتجاوزون من حدا لکمال الی درجة التکمیل (بیضاوی ۲/۲۱۴)

{۱۳۹} کل مَن صدق بکل الدین لایتخالجه فیه شك فهو صدیق(تفسیر کبیر)

{۱۴۰} الصالحون الذین صرفوا اعمارهم فی طاعته وأموالهم فی مرضاته(بیضاوی ۲/۱۲۴)

کرتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "المرء مع من احب [۱۴۱]" (انسان انہی کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت کرتا ہے)

۲۔ انعام دو قسم کے ہیں مادی اور روحانی، اصلی اور حقیقی انعام روحانی ہے، جن چار قسم کے لوگوں کا اس آیت میں ذکر ہے ان پر روحانی انعامات کیئے گئے یہ وہ مرد وزن ہیں جو اپنے اعمال کی وجہ سے روحانی انعاما کے مستحق ٹھہرے۔

۳۔ یہ آیت سورہ فاتحہ کی اس آیت کی تفسیر ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے "انعام یافتہ" بندوں کے راستے کی درخواست کی گئی ہے۔

۴۔ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی دلیل ہے، اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اولیاء کے مراتب ذکر فرمائے تو انبیاء کے بعد صدیقین کو ذکر فرمایا اور ان دونوں کے درمیان کوئی واسطہ نہیں رکھا اور جیسے حضرت محمد ﷺ کو نبی اور رسول کہنے پر مسلمانوں کا اجماع ہے اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق کہنے پر اجماع ہے تو جب آپ صدیق ہیں تو آپ سے افضل اور مقدم کوئی نہیں ہوسکتا۔

جہاد وقتال کے لئے ہدایات

(۷۱۔۷۶)

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ خُذُوا۟ حِذْرَكُمْ فَٱنفِرُوا۟ ثُبَاتٍ أَوِ ٱنفِرُوا۟ جَمِيعًا ﴿٧١﴾ وَإِنَّ مِنكُمْ لَمَن

اے ایمان والو لے لو اپنے ہتھیار پھر نکلو جدی جدی فوج ہوکر یا سب اکٹھے اور تم میں بعضا ایسا ہے کہ البتہ

لَّيُبَطِّئَنَّ فَإِنْ أَصَٰبَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ ٱللَّهُ عَلَىَّ إِذْ لَمْ أَكُن مَّعَهُمْ شَهِيدًا ﴿٧٢﴾ وَلَئِنْ

دیر لگائے گا پھر اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچے تو کہے اللہ نے مجھ پر فضل کیا کہ میں نہ ہوا ان کے ساتھ اور اگر تم کو

أَصَٰبَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ ٱللَّهِ لَيَقُولَنَّ كَأَن لَّمْ تَكُنۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُۥ مَوَدَّةٌ يَٰلَيْتَنِى كُنتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ

پہنچا فضل اللہ کی طرف سے تو اس طرح کہنے لگے گا کہ گویا نہ تھی تم میں اور اس میں کچھ دوستی اے کاش کہ میں ہوتا انکے ساتھ تو پاتا

فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧٣﴾ فَلْيُقَٰتِلْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱلَّذِينَ يَشْرُونَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا بِٱلْءَاخِرَةِ ۚ وَمَن

بڑی مراد سو چاہیے لڑیں اللہ کی راہ میں وہ لوگ جو بیچتے ہیں دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے اور جو کوئی

يُقَٰتِلْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٧٤﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَٰتِلُونَ فِى

لڑے اللہ کی راہ میں پھر مارا جائے یا غالب ہووے تو ہم دیں گے اس کو بڑا ثواب اور تم کو کیا ہوا کہ نہیں لڑتے

سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱلْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ ٱلرِّجَالِ وَٱلنِّسَآءِ وَٱلْوِلْدَٰنِ ٱلَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا

اللہ کی راہ میں اور ان کے واسطے جو مغلوب ہیں مرد اور عورتیں اور بچے جو کہتے ہیں اے رب ہمارے نکال ہم کو

---

[۱۴۱] بخاری، مسلم

مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿٧٥﴾

اس بستی سے کہ ظالم ہیں یہاں کے لوگ اور کردے ہمارے واسطے اپنے پاس سے کوئی حمایتی اور کردے ہمارے واسطے اپنے پاس سے مددگار

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ

جو لوگ ایمان والے ہیں سو لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جو کافر ہیں سو لڑتے ہیں شیطان کی راہ میں سو لڑو تم شیطان کے

الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿٧٦﴾

حمایتیوں سے بیشک فریب شیطان کا سست ہے

ربط: اللہ اور رسول کی اطاعت پر انعامات بیان کرنے کے بعد اب یہاں بتایا جا رہا ہے کہ وہ حکم جو بظاہر بڑا مشکل اور کٹھن ہے یعنی کافروں سے جہاد، اس میں بھی اطاعت ضروری ہے۔

تسہیل: اے ایمان والو! اپنے بچاؤ کا سامان لے لو، پھر تمہیں اختیار ہے، چاہے الگ الگ جماعتوں کی شکل میں نکلو یا اکٹھے ہو کر نکلو ٥ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو ضرور پیچھے رہ جاتا ہے، پھر اگر تم پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو وہ کہتا ہے اللہ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا ٥ اور اگر تم پر اللہ کا فضل ہو جائے تو وہ اس بے تعلقی سے بول اٹھتا ہے گویا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی رشتہ اور تعلق تھا ہی نہیں کہ اے کاش! میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کرتا ٥ چاہیئے کہ وہ لوگ اللہ کے راستے میں جنگ کریں جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے فروخت کر چکے ہیں اور جو شخص اللہ کی راہ میں جنگ کرے، پھر وہ مارا جائے یا غالب آ جائے ہم اسے عنقریب اجر عظیم دیں گے ٥ تمہارے پاس اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کی مدد کے لیے جنگ نہ کرنے کے بارے میں کیا عذر ہے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے بڑے ظالم ہیں اور اپنی قدرت سے ہمارا کوئی سرپرست بنا دے اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی مددگار بنا دے ٥ ایمان والے اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور کافر شیطان کی راہ میں جنگ کرتے ہیں تو اے ایمان والو! شیطان کے حمایتیوں سے جنگ کرو، بیشک شیطان کی تدبیر کمزور ہی ہوتی ہے ٥

﴿۷۱﴾ ایمان والوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ حالات کے مطابق اسلحہ فراہم رکھیں اور جنگ کے لیے تیار رہیں۔

اسلحہ فراہم کرنا توکل اور تقدیر کے منافی نہیں، بلکہ یہ خود تقدیر میں داخل ہے یونہی توکل کا مطلب ترک اسباب نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسباب پر اعتماد نہ کیا جائے، بلکہ صرف اللہ کی ذات پر اعتماد کیا جائے۔

''**فانفروا ثبات**''جنگی صورتحال کے پیش نظر چھاپہ مار ٹکڑیوں کی صورت میں بھی جہاد کے لیے نکل سکتے ہیں اور بڑے لشکر کی صورت میں بھی دشمن پر حملہ آور ہوا جاسکتا ہے لیکن اکیلا نکلنے سے احتراز کرنا چاہیئے کیونکہ اس صورت میں دشمن سے نقصان پہنچنے کا قوی اندیشہ رہتا ہے۔

اگر جنگ کے حالات نہ ہوں تو بھی اکیلے سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔{۱۴۲}

﴿۷۲﴾ یہاں ان منافقین کا تذکرہ ہے جو حیلے بہانے سے لشکرِ اسلام کے ساتھ روانہ ہونے میں دیر کر دیتے ہیں تاکہ کسی طرح جنگ میں شریک ہونے سے بچ جائیں پھر وہ میدانِ جنگ سے دور بیٹھ کر تماشا دیکھتے ہیں اور نتائج کا انتظار کرتے ہیں، اگر مسلمانوں کو شکست ہو جائے یا کچھ مجاہدین شہید ہو جائیں تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں اور اپنے بچ جانے کو اللہ کا فضل بتاتے ہیں، حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ وہ کتنے بڑے اجر سے محروم رہ گئے اور مجاہدین کے ساتھ شریک نہ ہو کر انہوں نے کتنے بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔{۱۴۳}

﴿۷۳﴾ اور اگر مسلمانوں کو فتح اور مالِ غنیمت نصیب ہو جائے تو حسرت سے آہیں بھرتے ہیں کہ کاش! ہم بھی جہاد میں شریک ہوتے تو ہمیں بھی دنیا کے کچھ ٹکڑے مل جاتے۔

﴿۷۴﴾ ان بزدلوں، دنیا پرستوں اور کوتاہ نظر انسانوں کا حال بتانے کے بعد اللہ تعالیٰ ان بہادروں، مخلصوں اور آخرت کے طلبگاروں سے خطاب فرماتے ہیں جو دنیا کی فانی لذتوں کو آخرت کی دائمی نعمتوں پر قربان کر چکے ہیں......انہیں کہا جا رہا ہے کہ تم فتح یا شکست اور مادی نفع یا نقصان پر نظر رکھے بغیر خالص اللہ کی رضا کے لیے لڑو، اس لیے کہ شہادت یا فتح دونوں صورتوں میں تم اجرِ عظیم کے مستحق ہو گے۔

﴿۷۵﴾ قتال کا اجر و ثواب بیان کرنے کے بعد سامنے نظر آنے والے حقائق کی روشنی میں جہاد کی ترغیب دی جا رہی ہے، فرمایا گیا ہے کہ تم اللہ کی رضا کے لیے اور اپنے ان مظلوم مسلمان بھائیوں کو ظالموں کے پنجے سے چھڑانے کے لیے

{۱۴۲} ان رسول ﷺ قال الراکب شیطان والراکبان شیطانان والثلثة رکب (مشکوۃ/۳۳۹)

{۱۴۳} قرطبی ۲۷۵/۵

قتال کیوں نہیں کرتے جو دارالکفر میں بے یارومددگار پڑے ہوئے ہیں اور رورو کر اللہ سے دعائیں کر رہے ہیں۔ کہ "اے اللہ ہمیں ظالموں کی بستی سے نکال دے اور کسی کو ہمارا مددگار اور حمایتی بنا کر بھیج دے۔"

﴿۷۶﴾ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ مومنوں اور کافروں کے جنگی مقاصد میں بڑا فرق ہے۔

ایمان والوں کی جنگ ملک وملت، نسل اور قوم، دولت اور سلطنت، ظلم اور زیادتی کے لئے نہیں ہوتی بلکہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے ہوتی ہے، جبکہ کافروں کی جنگ فاسد اغراض، مادی مفادات اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے ہوتی ہے۔

اگر مسلمان واقعی مسلمان ہوں تو شیطانوں کی چالیں اور کافروں کی تدبیریں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں کیونکہ ان کی تدبیریں ضعیف اور لغو ہوتی ہیں۔

حکمت وہدایت:

۱۔ امتِ اسلامیہ پر لازم ہے کہ حالتِ امن اور جنگ دونوں میں لڑائی کے لیے تیار رہے (۷۱)

۲۔ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ جدید اسلحہ اور عسکری معلومات پر نظر رکھیں۔ (۷۱)

۳۔ جائز اسباب کو اختیار کرنا اور اسلحہ حاصل کرنا توکل کے منافی نہیں (۷۱)

۴۔ جب امیر المؤمنین جہاد وقتال کے لیے بلائے تو اس کی دعوت پر لبیک کہنا واجب ہے (۷۱)

۵۔ ہر دور میں کچھ منافق، بزدل اور دنیا پرست لوگ بھی ہوتے ہیں، ان کی وجہ سے دل چھوٹا نہیں کرنا چاہیئے۔ (۷۲)

۶۔ جہاد میں عدمِ شرکت کی وجہ سے تکلیف اور پریشانی سے محفوظ رہنے کو اللہ کا فضل کہنا منافقوں کا کام ہے (۷۳)

۷۔ مجاہدین، دنیا کی عیش وراحت کے بدلے آخرت خرید لیتے ہیں (۷۴)

۸۔ مجاہد ہر حالت میں نفع میں رہتا ہے، زندہ رہے تو بھی اور شہید ہو جائے تو بھی (۷۴)

۹۔ اعلاء کلمۃ اللہ اور مسلمانوں کو ظلم سے نجات دلانے کیلئے قتال فرض ہے (۷۵)

۱۰۔ مسلمان کی جنگ صرف اللہ کی رضا کے لیے ہوتی ہے۔ (۷۶)

فرضیتِ قتال کے وقت لوگوں کے احوال

(۷۷۔۷۹)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ

کیا تو نے نہ دیکھا ان لوگوں کو جن کو حکم ہوا تھا کہ اپنے ہاتھ تھامے رکھو اور قایم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ پھر جب حکم ہوا ان پر

الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ

لڑائی کا اسی وقت ان میں ایک جماعت ڈرنے لگی لوگوں سے جیسا ڈر ہو اللہ کا یا اس سے بھی زیادہ ڈر اور کہنے لگے اے رب ہمارے کیوں فرض کی

عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ

ہم پر لڑائی کیوں نہ چھوڑے رکھا ہم کو تھوڑی مدت تک کہہ دے کہ فائدہ دنیا کا تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے پرہیزگار کو

وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٧٧﴾ أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ وَإِن تُصِبْهُمْ

اور تمہارا حق نہ رہے گا ایک تاگے برابر جہاں کہیں تم ہو گے موت تم کو آ پکڑے گی اگرچہ تم ہو مضبوط قلعوں میں اور اگر پہنچے لوگوں کو

حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ

کچھ بھلائی تو کہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر ان کو پہنچے کچھ برائی تو کہیں یہ تیری طرف سے ہے کہہ دے کہ سب

عِندِ اللَّهِ ۖ فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ﴿٧٨﴾ مَّا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۖ وَمَا

اللہ کی طرف سے ہے سو کیا حال ہے ان لوگوں کا ہرگز نہیں لگتے کہ سمجھیں کوئی بات جو پہنچے تجھ کو کوئی بھلائی سو اللہ کی طرف سے ہے اور

أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ ۚ وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿٧٩﴾

جو پہنچے تجھ کو کوئی برائی، سو تیرے نفس کی طرف سے ہے اور ہم نے تجھ کو بھیجا پیغام پہنچانے والا لوگوں کو اور اللہ کافی ہے سامنے دیکھنے والا

تسہیل: کیا تم نے ان لوگوں کا حال نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ فی الوقت اپنے ہاتھ روکے رکھو، نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو، پھر جب ان پر قتال فرض کر دیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ، انسانوں سے ایسے ڈرنے لگا جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیئے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر، اور وہ بولے کہ اے ہمارے رب تو نے ہم پر قتال کیوں فرض کر دیا، کاش تو ہمیں تھوڑی سی مہلت اور دے دیتا۔ آپ کہہ دیجیے کہ دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے اور اس شخص کے لیے آخرت کہیں بہتر ہے، جو تقویٰ اختیار کرے اور تم پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا ○ تم جہاں کہیں بھی ہو گے تمہیں موت آ لے گی، خواہ تم مضبوط قلعوں ہی میں کیوں نہ ہو، اگر انہیں کوئی خوشی حاصل ہوتی ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں یہ تمہاری وجہ سے ہے، فرما دیجیے کہ خوشی اور تکلیف سب اللہ کی طرف سے ہے، پھر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ بات سمجھنا ہی نہیں چاہتے ○ تمہیں جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ اللہ کی طرف سے

ہے اور تم پر جو دکھ آتے ہیں صرف تمہارے اپنے ہی سبب سے ہیں اور ہم نے آپ کو تو صرف تمام انسانوں کی بھلائی کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کی گواہی کافی ہے ٥

﴿تفسیر﴾

﴿۷۷﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور ان کے چند ساتھی نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: ''اے اللہ کے نبی ہم جب مشرک تھے تب بھی عزت کے ساتھ رہتے تھے تو کیا ایمان لانے کے بعد ہم ذلت کے ساتھ رہیں گے'' آپ ﷺ نے فرمایا مجھے معاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا تم کافروں کے ساتھ فی الحال قتال نہ کرو، جب آپ مکہ سے مدینہ تشریف لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو قتال کا حکم اور اجازت دے دی، اب بعض لوگ قتال سے جی چرانے لگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ {۱۴۴}

جب تک مسلمان مکہ میں رہے انہیں انتہائی ظلم وستم کے باوجود قتال کی اجازت نہیں دی گئی، اس کی بنیادی وجہ تو یہ تھی کہ اللہ چاہتا تھا کہ ان کی خوب اچھی طرح تربیت اور باطنی تزکیہ ہوجائے اور وہ اعلیٰ اسلامی اخلاق سے متصف ہوجائیں، دوسری وجہ یہ تھی کہ اس وقت مسلمان تعداد میں بھی بہت تھوڑے تھے، اس لیے مکہ میں ان کے لیے حکم بس یہ تھا کہ وہ نماز پڑھتے رہیں، زکوٰۃ دیتے رہیں اور مشرکوں کی زیادتیوں کے جواب میں عفو ودرگذر سے کام لیتے رہیں۔

جب مدینہ منورہ میں انہیں ایک مضبوط مرکز میسّر آ گیا اور تعداد بھی معتد بہ ہوگئی تو اب انہیں قتال کی اجازت بلکہ اس کا حکم دے دیا گیا، لیکن بعض ضعیف الایمان مسلمانوں اور منافقوں پر یہ حکم بڑا گراں ثابت ہوا اور وہ کہنے لگے کہ اے کاش، فی الوقت جہاد فرض نہ کیا جاتا اور ہمیں مزید مہلت دے دی جاتی، اس لیے کہ جہاد میں جانیں تلف ہوتی ہیں، مال لگتا ہے اور بچے یتیم ہوتے ہیں۔ {۱۴۵}

''قل متاع الدنیا قلیل '' تمہارا جہاد سے اعراض اور مزید زندہ رہنے کی تمنا یہ ظاہر کرتی ہے کہ تمہیں دنیا اور دنیا کے مال ومتاع سے بڑی محبت ہے حالانکہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ قلیل اور حقیر بھی ہے عارضی اور فانی بھی ہے۔

{۱۴۴} التفسیر المنیر ۵/۱۶۱ بحوالہ نسائی وحاکم

{۱۴۵} یہ تفسیر امام قرطبی رحمہ اللہ کی توجیہ کے مطابق کی گئی ہے، دیکھئے قرطبی ۵/۲۸۱، امام رازی اور مفسّر ابوسعود رحمۃ اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ اہل ایمان ہی کا قول ہے لیکن اولاً تو یہ حدیث نفس اور خیال کے طور پر تھا اور اگر یہ زبان سے تھا بھی تو یہ بہ طور تمنا کے تھا، بہ سبیل اعتراض نہ تھا (تفصیل کے لئے دیکھیے بیضاوی ۲/۶۸ ۵ تفسیر کبیر۔ تفسیر ابوسعود)

طلب کرنے کی چیز تو آخرت ہے جہاں کی نعمتوں اور لذتوں کے لیے نہ فنا ہے نہ انتہاء۔

﴿۷۸﴾ ترکِ جہاد کی وجہ سے تم موت سے نہیں بچ سکتے، وہ تو بہر حال آ کر رہے گی، خواہ کوئی جہاد میں جائے یا نہ جائے، مضبوط اور بلند و بالا قلعے اور محلات بھی موت کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ جب موت ایسی یقینی چیز ہے تو اس کے ڈر سے جہاد جیسے عمل سے محروم رہنا حماقت ہے۔

"وان تصبھم حسنة" ان منافقوں کی کج فکری کا حال یہ ہے کہ اگر جنگ میں فتح، مالِ غنیمت اور معاشی خوشحالی حاصل ہوتی ہے تو اسے ایک اتفاق قرار دیتے ہیں جو اللہ کی طرف سے ہو گیا اور اگر شکست ہو جائے یا قحط سالی اور کوئی دوسری آفت اور مصیبت آ پڑے تو اسے معاذ اللہ آنحضور ﷺ کی بدتدبیری قرار دیتے ہیں، حالانکہ فتح اور شکست، خوشحالی اور بدحالی سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

"لا یفقھون حدیثا" منافق نہ قرآن سمجھتے ہیں اور نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، اگر وہ قرآن سمجھتے تو ایسی باتیں ہرگز نہ کرتے۔[۱۴۶]

﴿۷۹﴾ اے انسان![۱۴۷] تجھے جو بھی بھلائی حاصل ہوتی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے یہاں تک کہ جنت بھی جسے ملے گی وہ اللہ کے فضل و کرم سے ملے گی اور اگر تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ تمہارے اپنے اعمال اور حرکتوں کی وجہ سے آتی ہے۔

"وارسلناک" یہ جو دعویٰ کیا گیا ہے کہ ہر بھلائی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، اس دعویٰ پر ایک دلیل یہ ہے کہ اے محمد ﷺ ہم نے آپ کو محض لوگوں کی بھلائی کے لیے بھیجا ہے۔

"وکفی باللہ شھیدا" آپ کی نبوت کی صداقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے اور وہی اللہ آپ کی اطاعت کے عمدہ نتائج سے ثابت کردے گا کہ آپ سچے ہیں اور محض انسانوں کی بھلائی کے لیے ہیں۔

حکمت وہدایت:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ہو اس کی تعمیل میں لگے رہنا چاہیئے اور جلد بازی نہیں کرنی چاہیئے۔ (۷۷)

{۱۴۶} وھو القرآن فانھم لوفھموا وتدبروا معانیه لعلموا ان الکل من عنداللہ سبحانه و تعالیٰ (بیضاوی ۲/۲۲۱)

{۱۴۷} "ما اصا بك" یا انسان (بیضاوی ۲/۲۲۱)

۲۔مسلمان نہ بزدل ہوتا ہے نہ انسانوں سے ڈرتا ہے۔(۷۷)

۳۔دنیا اور دنیا کی ساری لذتیں، محدود اور فانی ہیں اور آخرت اور آخرت کی ساری نعمتیں لامحدود اور دائمی ہیں۔(۷۷)

۴۔کوئی تدبیر اور کوئی محل اور قلعہ انسان کو موت سے نہیں بچاسکتا۔(۷۸)

۵۔موت کے یقینی ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان موت سے بچاؤ کی تدابیر اختیار نہ کرے۔

۶۔خیر اور شر، صحت اور بیماری، خوش حالی اور بدحالی سب کا خالق اور موجد اللہ تعالیٰ ہے۔(۷۸)

۷۔جنہیں اللہ تعالیٰ قرآن کا فہم عطا فرمادیتا ہے وہ ہر حال میں تقدیر پر راضی رہتے ہیں۔

۸۔انسان پر جو بھلائی آتی ہے وہ اللہ کی رضا اور حکم سے آتی ہے اور جو برائی آتی ہے وہ اللہ کی تقدیر سے آتی ہے۔(۷۹)

تنبیہ: ظاہری الفاظ کے اعتبار سے دونوں آیتوں میں منافات اور تضاد محسوس ہوتا ہے، اس لیے کہ پہلی آیت میں فرمایا گیا کہ اچھائی اور برائی سب اللہ کی طرف سے ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ برائی انسان کے اپنے نفس کی جانب سے ہوتی ہے تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف ہر چیز کی نسبت خلق وایجاد کے اعتبار سے ہے اور دوسری آیت میں انسان کی طرف نسبت سببیت کے اعتبار سے ہے۔[۱۴۸]

امام راغب رحمہ اللہ نے ''من اللہ'' اور ''من عند اللہ'' میں فرق کیا ہے، وہ یہ کہ ''من عند اللہ'' تمام افعال تکوینی کے لیے استعمال ہوتا ہے، خواہ ان میں اللہ کی رضا ہو یا نہ ہو اور ''من اللہ'' صرف محل رضا میں استعمال ہوتا ہے۔[۱۴۹]

۹۔انسان کا جنت میں داخل ہونا اپنے اعمال کی بناء پر نہیں ہوگا، بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی وجہ سے ہوگا۔[۱۵۰]

۱۰۔اللہ کے نیک بندوں پر جو مصیبتیں آتی ہیں وہ مصیبتوں کی صورت میں حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہوتی ہیں جو ان کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بنتی ہیں۔(۷۹)

{۱۴۸} "فمن نفسك" لانها السبب فيها لا ستجلا بها بالمعاصی وھو لا ینافی قوله سبحانه و تعالیٰ قُل کل من عند الله فان الکل منه ایجاد ا و ایصالا (بیضاوی ۲/۲۲۲)

{۱۴۹} روح المعانی ۵/۱۳۲

{۱۵۰} حوالہ مذکورہ

اللہ اور رسول کی اطاعت اور تدبرِ قرآن

(۸۰۔۸۲)

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۖ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ﴿٨٠﴾ وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۖ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ ۖ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿٨١﴾ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾

جس نے حکم مانا رسول کا اس نے حکم مانا اللہ کا اور جو الٹا پھرا تو ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا ان پر نگہبان اور کہتے ہیں کہ قبول ہے پھر جب باہر گئے تیرے پاس سے تو مشورہ کرتے ہیں بعضے بعضے ان میں سے رات کو اس کے خلاف جو تجھ سے کہہ چکے تھے اور اللہ لکھتا ہے جو وہ مشورہ کرتے ہیں سو تو تغافل کر ان سے اور بھروسہ کر اللہ پر اور اللہ کافی ہے کارساز کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوا اللہ کے تو ضرور پاتے اس میں بہت تفاوت

ربط: اوپر سے اللہ اور رسول کی اطاعت کا مضمون چلا آ رہا ہے اور قریبی آیات میں منافقوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے، ان آیات میں بھی یہی مضمون ہے۔

تسہیل: جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے اطاعت سے منہ پھیرا تو آپ سے اس کے بارے میں سوال نہیں ہوگا کیونکہ ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا ٥ اور یہ لوگ منہ سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم فرمانبرداری کریں گے لیکن جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو جو کچھ آپ سے کہہ چکے تھے، رات کو اس کے برخلاف مشورے کرتے ہیں، اللہ ان کے مشوروں کو لکھتا جاتا ہے تو آپ ان کی طرف توجہ ہی نہ کیجیے اور اللہ پر بھروسہ رکھیئے اور اللہ ہی کافی کارساز ہے ٥ کیا یہ لوگ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے، اگر یہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ اس میں بہت سا اختلاف پاتے ٥

تفسیر

﴿۸۰﴾ شریعت کا اصل واضع اللہ تعالیٰ ہے، حقیقت میں وہی کسی چیز کا حکم دیتا ہے اور وہی کسی بات سے منع کرتا ہے، اللہ کا نبی تو اس کے احکام کو اس کے بندوں تک پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے لہٰذا نبی کی اطاعت اصل میں اللہ کی اطاعت ہے۔ صحیحین میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی''

﴿۸۱﴾ منافقین جب حضور اکرم ﷺ کے سامنے ہوتے تو اطاعت اور فرمانبرداری کرتے لیکن پیٹھ پیچھے بالخصوص راتوں کو آپ کو، مسلمانوں کو اور اسلام کو نقصان پہنچانے کی تدبیریں کرتے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیروں کے شر اور ضرر سے بچانے کے لیے آپ کو دو حکم دیئے ہیں ایک یہ کہ آپ درگذر سے کام لیجیے اور ان کی شرارتوں کو کچھ اہمیت ہی نہ دیجیے، دوسرا یہ کہ ان سے خائف نہ ہوجیئے بلکہ اللہ پر توکل کیجیے ۔

﴿۸۲﴾ آنحضرت ﷺ کے بارے میں منافق لوگ یہ تدبیریں اور مشورے اس لئے کرتے تھے کیونکہ وہ آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان نہیں رکھتے تھے اس لئے انہیں قرآن کریم میں غور وتدبر کا مشورہ دیا گیا، اگر قرآن حق ہے تو آپ کی نبوت بھی حق ہے اور قرآن کی حقانیت اور صداقت کے بہت سارے دلائل میں سے ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ باوجودیکہ قرآن کریم ایک ضخیم کتاب ہے اس میں کہیں کوئی اختلاف نہیں ہے، نہ تو فصاحت وبلاغت میں اور نہ ہی معانی اور مضامین میں ۔

اول سے آخر تک اس کی فصاحت حدِّ اعجاز تک پہنچی ہوئی ہے، ایسا نہیں ہے کہ اس کی کوئی سورت یا کوئی آیت فصاحت کے معیار سے گری ہوئی ہو، حالانکہ بڑے بڑے ادیبوں اور شاعروں کے کلام میں ایسی عبارتیں اور اشعار پائے جاتے ہیں جو ان کے دوسرے کلام کے مقابلے میں بہت ہلکے ہوتے ہیں ۔

مضامین کے اعتبار سے دیکھیں تو یہ کتاب متنوع مضامین پر مشتمل ہے اس میں انسانیت کے آغاز سے لے کر آنحضور ﷺ کے دور تک تاریخی واقعات ہیں، مستقبل کی پیشنگوئیاں ہیں، انسانی نفسیات اور اخلاقیات ہیں، معاشی، معاشرتی اور سیاسی تعلیمات ہیں، عقائد اور عبادات کا ایک پورا نظام ہے، عالمِ بالا اور عالمِ آخرت کے حقائق ہیں لیکن اتنے متنوع مضامین کے باوجود ان میں کہیں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ۔

پھر یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی جوانی سے بڑھاپے تک، گم نامی سے شہرت تک، مظلومیت اور مغلوبیت سے غلبہ تک، تجرّد سے نکاح تک، تجارت سے سپہ سالاری تک، وعظ ونصیحت سے حکومت وسلطنت تک مختلف مراحل سے گذری اور ظاہر ہے انسان پر وارد ہونے والے حالات کا اس کے خیالات اور کلام پر بھی اثر پڑتا ہے اگر یہ قرآن معاذ اللہ آپ کا خودساختہ کلام ہوتا تو آپ کے مختلف حالات کا اس پر ضرور اثر پڑتا، کہیں بشاشت ہوتی،

کہیں غم و غصے اور پریشانی کا اظہار ہوتا، کہیں مظلومیت کا تذکرہ ہوتا، کہیں قوت و طاقت کے دعوے ہوتے لیکن قرآن کریم کی مکی اور مدنی سورتوں پر نظر ڈالنے والا ہر انصاف پسند انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ ایک ہی چشمے سے پھوٹا ہوا آب حیات اور ایک ہی رنگ میں رنگا ہوا کلام ہے۔

حکمت و ہدایت:

۱۔ رسول اکرم ﷺ کی اطاعت واجب ہے اس لئے کہ آپ کی اطاعت حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔(۸۰)

۲۔ اغراض کے بندے اور خواہشات کے غلام آنحضرت ﷺ کی اطاعت سے اعراض کرتے ہیں۔(۸۰)

۳۔ زبان سے محبت اور اطاعت کے دعوے اور عملی طور پر مخالفت، منافقوں کا شیوہ ہے۔(۸۱)

۴۔ ہر مسلمان کو اپنی اپنی استعداد کے مطابق قرآن کریم میں غور و تدبر کرنا چاہیے۔(۸۲)

۵۔ قرآن کے وحیِ الٰہی ہونے کی ایک دلیل اس کا اختلاف اور تناقض سے محفوظ ہونا بھی ہے۔(۸۲)

۶۔ اختلاف سے مراد قراءتوں کے الفاظ اور سورتوں اور آیات کی مقدار نہیں ہے بلکہ اس سے مراد فصاحت و بلاغت، معانی اور مضامین اور قصص و اخبار میں اختلاف ہے۔

افواہوں سے اجتناب اور ترغیبِ قتال
(۸۳۔۸۴)

وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰٓ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ

اور جب ان کے پاس پہنچتی ہے کوئی خبر امن کی یا ڈر کی تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں۔ اور اگر اس کو پہنچا دیتے رسول تک اور اپنے حاکموں تک تو تحقیق کرتے

لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنۢبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَٰنَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٣﴾

اسکو جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں اس کی اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی مہربانی تو البتہ تم پیچھے ہو لیتے شیطان کے مگر تھوڑے

فَقَٰتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ ۚ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ عَسَى اللَّهُ أَن يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ

سو تو لڑ اللہ کی راہ میں تو ذمہ دار نہیں مگر اپنی جان کا اور تاکید کر مسلمانوں کو قریب ہے کہ اللہ بند کر دے لڑائی

كَفَرُوا ۚ وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنكِيلًا ﴿٨٤﴾

کافروں کی اور اللہ بہت سخت ہے لڑائی میں اور بہت سخت ہے سزا دینے میں

ربط: منافقوں کی بری باتوں اور عادتوں میں سے افواہوں کا پھیلانا اور جہاد و قتال سے پیچھے رہنا بھی ہے۔

تسہیل: جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو وہ بلا تحقیق اسے مشہور کر دیتے ہیں اگر یہ لوگ اسے

اپنے اربابِ اختیار کے سامنے پیش کرتے تو ان میں سے جو لوگ بات کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ اس کی حقیقت جان لیتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند ایک کے سوا تم سب شیطان کی پیروی کرنے لگ جاتے ۝ پس آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجیے، آپ اپنی ذات کے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں ہیں البتہ مسلمانوں کو قتال کی ترغیب دیتے رہیں، اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ کافروں کا زور توڑ دے اور اللہ طاقت میں سب سے قوی اور سزا دینے میں سب سے سخت ہے ۝

تفسیر

شانِ نزول: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب نبی کریم ﷺ نے اپنی بیویوں سے (ایک ماہ کے لئے) علیحدگی اختیار فرمائی تو میں مسجد میں آیا جہاں لوگ کنکریاں ہاتھوں میں پکڑے ہوئے تھے اور بتا رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ میں مسجد کے دروازہ پر کھڑا ہو گیا اور میں نے زور سے پکار کر کہا کہ آپ نے اپنی ازواج کو طلاق نہیں دی تو یہ آیت نازل ہوئی ''واذاجاء ھم الخ ......'' تو میں وہ ہوں جو اس معاملہ کی تہہ تک پہنچ گیا۔ {۱۵۱}

﴿۸۳﴾ علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ان کمزور ایمان والے مسلمانوں کا تذکرہ ہے جنہیں نہ حقیقت کی خبر ہوتی تھی نہ ہی بات کی تہہ تک پہنچنے کی ان کے اندر صلاحیت تھی۔ ان کے کانوں تک آنحضرت ﷺ کے چھاپوں اور جنگوں کے بارے میں اچھی یا بری جو بھی خبر پہنچتی وہ اسے فوراً اِدھر اُدھر اڑا دیتے جس کی وجہ سے لوگوں میں فساد اور انتشار پھیل جاتا۔ {۱۵۲}

اللہ اور اس کے رسول ﷺ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ محض سن کر تحقیق کیے بغیر کوئی بات مشہور کر دی جائے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات دوسروں کو بتائے'' {۱۵۳}

{۱۵۱} تفسیر ابن کثیر ۱/۲۹۲ صحیح مسلم

{۱۵۲} الکشاف ۱/۳۱۲

{۱۵۳} صحیح مسلم

ایک دوسری حدیث میں ہے''جو شخص کسی بات کو جھوٹا سمجھتے ہوئے بھی آگے بیان کرتا ہے وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک ہے۔''

''اولی الامر'' اسی سورہ نساء کی آیت ۵۹ کی تفسیر میں یہ بات گذر چکی ہے کہ ''اولوالامر'' کی تعیین میں متعدد اقوال ہیں......علماء،فقہاء،امراء اور اربابِ حل وعقد...... یہ سب اقوال ہیں اور اگر ان سب ہی کو مراد لے لیا جائے تو بھی کوئی تضاد لازم نہیں آتا۔ اگر کسی کو یہ اشکال ہو کہ لفظی معنیٰ کے اعتبار سے ''اولوالامر'' وہ لوگ ہیں جن کا حکم چلتا ہو اور بظاہر فقہاء کا حکم کسی پر نہیں چلتا تو امام ابوبکر جصّاص رحمہ اللہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ حکم چلنے کی دو صورتیں ہیں ایک جبر و تشدد سے......اس کا اختیار تو صرف حکام کے پاس ہی ہوتا ہے، دوسرے اعتقاد اور اعتماد کی وجہ سے اور یہ چیز عوام کی نظروں میں حکام سے کہیں زیادہ علماء اور فقہاء کو حاصل ہوتی ہے۔ {۱۵۴}

حکام کا اقتدار جسموں پر ہوتا ہے تو باعمل علماء اور فقہاء کا اقتدار دلوں اور دماغوں پر ہوتا ہے۔

''یستنبطونہ'' استنباط، نبط سے ماخوذ ہے اور نبط کا معنی ہے زمین کی تہہ میں موجود پانی کو آلات کی مدد سے نکالنا، شرعی اصطلاح میں استنباط کا معنی یہ ہوتا ہے کہ شرعی دلائل میں غور وفکر کے ذریعہ سے کسی مسئلے کا حل نکالنا، ایسا کرنے کو اجتہاد بھی کہتے ہیں، اجتہاد اور استنباط ہر عالم اور فقیہ کے بس کی بات نہیں، اس کے لئے مخصوص شرائط ہیں، اگر ہر کسی کو اجتہاد کی اجازت دے دی جائے تو فتنے کے کئی دروازے کھل جائیں گے اور بہت سے لوگ حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرانے لگیں گے۔

اجتہاد اور استنباط کی بنیاد غور وفکر پر ہوتی ہے، اس لئے ائمہ مجتہدین میں آراء کا اختلاف بھی ہو جاتا ہے یہ اختلاف اگر دلائل پر مبنی ہو تو مذموم نہیں بلکہ امت کے لئے باعثِ رحمت ہے۔

چونکہ ہر شخص اجتہاد کا اہل نہیں اس لئے عام لوگوں پر ان اہلِ علم کی تقلید واجب ہے جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتے تھے اور انہوں نے کتاب وسنت میں غور وفکر کے ذریعے امت کو درپیش ہزاروں مسائل کا حل پیش کیا ہے۔

''ولولا فضل اللہ علیکم'' اگر قرآنی ہدایات اور نبوی تعلیمات کی صورت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم شیطان کے پیچھے لگ کر کفر وضلالت میں پڑے رہتے، ہاں تم میں سے چند ایک جو عقلِ سلیم کے حامل

{۱۵۴} احکام القرآن ۲/۲۱۵

ہوتے صرف وہی گمراہ ہونے سے بچے رہتے۔ {۱۵۵}

﴿۸۴﴾ آپ سارے کلمہ گو انسانوں کو جہاد و قتال کی ترغیب تو ضرور دیں لیکن اگر وہ آپ کا ساتھ دینے کے لئے آمادہ نہ ہوں تو آپ ان کی پرواہ نہ کیجیے اس لئے کہ آپ صرف اپنی ذات کے لئے مکلّف ہیں دوسروں کے لئے مکلّف نہیں۔ ہمارے آقا ﷺ نے ان دونوں حکموں پر عمل کیا، اللہ کی راہ میں مال جان کی قربانی کے فضائل بیان فرما کر جہاد کی ترغیب بھی دی اور اگر کچھ لوگوں نے کفار کے ساتھ ٹکر لینے میں سستی دکھائی تو آپ اکیلے ہی نکل کھڑے ہوئے۔ غزوہ بدر صغریٰ ۴ھ کے موقع پر ایسا ہی ہوا۔ آپ نے مسلمانوں کو غزوہ احد میں ابوسفیان کے اعلان کے مطابق بدرِ صغریٰ میں شرکت کی دعوت دی لیکن عام لوگوں نے تازہ زخموں اور قریش کی تیاری کی افواہ سن کر اس دعوت پر لبیک کہنے میں پس و پیش کی تو آپ ستّر افراد کے ساتھ بدر کی طرف چل کھڑے ہوئے اور مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ کون ساتھ دیتا ہے اور کون نہیں دیتا، دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان اور دوسرے قریشیوں کے دل میں ایسا رعب ڈال دیا کہ ان میں سے کوئی بھی مقابلہ میں نہ آیا اور آپ اپنے ساتھیوں سمیت سلامتی کے ساتھ واپس تشریف لے آئے۔ {۱۵۶}

حکمت و ہدایت:

۱۔ ہر بات ہر کسی کے سامنے بیان کرنے کی نہیں ہوتی (۸۳) (یہاں تک کہ خواب بھی ہر کسی کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہیئے)

۲۔ دوررس نتائج رکھنے والی بات کو شائع کرنے سے پہلے تحقیق کر لینی چاہیئے۔ (۸۳)

۳۔ اہلِ علم، ذمہ دار اور تجربہ کار افراد کے سامنے حوادث و مسائل کا بیان کرنا زیادہ مناسب ہے۔ (۸۳)

۴۔ جن مسائل کے بارے میں کتاب و سنت کا کوئی نص موجود نہ ہو ان میں اجتہاد کرنا جائز ہے۔ (۸۳)

۵۔ شریعت کے چار بنیادی مآخذ میں سے ایک اجتہاد اور قیاس بھی ہے۔ (۸۳)

۶۔ آیات (اور احادیث) دو قسم کی ہیں، ایک وہ جو بالکل صریح اور واضح ہیں، دوسری وہ جو مبہم ہیں اور ان کے حقیقی معنی تک پہنچنے کے لئے گہرے غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔

{۱۵۵} بیضاوی ۲/۲۲۶

{۱۵۶} قرطبی ۵/۲۹۳

۷۔ یہ اہلِ علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ اجتہاد اور قیاس کے ذریعے مبہمات کے معانی کو ظاہر کریں۔ (۸۳)

۸۔ عوام کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان مسائل میں علماء کی تقلید کریں۔

۹۔ خود نبی اکرم ﷺ بھی دلائل کی بنیاد پر استدلال اور استنباط کے مکلف تھے۔ {۱۵۶}

۱۰۔ اربابِ علم وعقل کے سوا اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ سنی سنائی باتوں سے فوراً متاثر ہو جاتے ہیں اور ان کی تہ تک پہنچنے کی تکلیف قطعاً گوارا نہیں کرتے۔ (۸۳)

۱۱۔ ہمارے آقا ﷺ دوسرے اخلاق کی طرح شجاعت میں بھی سب سے پیش پیش تھے، قلت اور کثرت کی پرواہ کیئے بغیر آپ دشمن کے مقابلہ میں نکل کھڑے ہوتے تھے۔ (۸۴)

۱۲۔ حاکم کو چاہیئے کہ وہ جبری فوجی بھرتی کے بجائے اہلِ ایمان کو فضائل اور اہمیت بتا کر جہاد کی ترغیب دیتا رہے۔ (۸۴)

شفاعتِ حسنہ، سلام کا جواب اور اثباتِ بعث وتوحید
(۸۵-۸۷)

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ

جو کوئی　سفارش کرے　نیک بات میں　اسکو بھی ملے گا　اس میں سے ایک حصہ　اور جو کوئی　سفارش کرے　بری بات میں　اس پر بھی ہے ایک بوجھ اس

مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۗ اِنَّ

میں سے　اور اللہ ہے　ہر چیز پر　قدرت رکھنے والا　اور جب　تم کو دعا دیوے کوئی تو تم بھی دعا دو　اس سے بہتر　یا وہی کہو الٹ کر　بیشک

اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۗ

اللہ ہے　ہر　چیز کا حساب کرنے والا　اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں　بیشک تم کو جمع کریگا　قیامت کے دن　اس میں کچھ شبہ نہیں

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾

اور اللہ سے　سچی　کس کی بات

ربط: جیسے جہاد کی ترغیب سے اجر وثواب حاصل ہوتا ہے اسی طرح شفاعتِ حسنہ اور کارِ خیر کی ترغیب سے بھی اجر وثواب حاصل ہوتا ہے۔

تسہیل: جو کوئی اچھی سفارش کرے گا تو اسے ثواب میں حصہ ملے گا اور جو کوئی بری بات کی سفارش کرے گا تو اس کے وبال میں وہ بھی شریک ہوگا اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ۞ اے مسلمانو! جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے

{۱۵۶} احکام القرآن للجصاص ۲/۲۱۵

اچھے الفاظ میں سلام کرو یا اسی کو لوٹا دو، بے شک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے o اللہ کے سوا کوئی بھی معبود نہیں ہے وہ تم سب کو یقیناً قیامت کے دن جمع کرے گا، اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہو سکتی ہے؟ o

﴿تفسیر﴾

﴿۸۵﴾ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

''الدّال علی الخیر کفاعله''

(نیک کام کی طرف رہنمائی کرنے والے کو بھی اتنا ہی اجر ملتا ہے جتنا کرنے والے کو ملتا ہے۔)

اس اصولی حدیث کے مطابق اگر کسی شخص نے نیک کام کی سفارش کی جس پر عمل درآمد کی صورت میں اس پر اچھے نتائج مرتب ہوئے تو شفاعت کنندہ بھی اجر و ثواب میں برابر کا شریک ہوگا اور اگر اس نے غلط کام کی ترغیب دی تو اس کے برے نتائج اور گناہ میں اس کا بھی حصہ ہوگا۔

اس آیتِ کریمہ سے شفاعت کی دو قسمیں ثابت ہوئیں، حسنۃ اور سیئۃ۔ شفاعتِ حسنہ وہ ہے جس کا مقصد محض اللہ کی رضا ہو۔ اس پر اجرت (رشوت) نہ لی جائے، اس کے ذریعہ مسلمان کو کسی شر سے بچایا جائے یا اس تک کسی خیر کو پہنچایا جائے، یہ سفارش کسی جائز کام میں ہو، اس کے ذریعہ نہ تو کسی کی حق تلفی کی جائے اور نہ ہی حدود اللہ کو پامال کیا جائے۔[۱۵۸]

مسلمان بھائی کے لئے دعا کرنے کو بھی ''شفاعت حسنہ'' کہا گیا ہے کیونکہ یہ اس کے لئے سب سے بڑی بارگاہ میں سفارش ہے اور ایسا سفارش کنندہ خود بھی اجر اور نیک انجام کا مستحق ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''من دعا لاخیه المسلم بظهر الغیب استجیب له وقال له الملک ولک مثل ذلک''[۱۵۹]

(جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کے لئے اس کی عدم موجودگی میں دعا کرتا ہے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور فرشتہ اس

{۱۵۸} رواہ مسلم ۲/۳۵۱

{۱۵۹} کشاف ۱/۲/۵۷

کے حق میں دعا کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اللہ تجھے بھی وہی کچھ عطا فرمائے جو تو نے اس کے لئے مانگا ہے۔")

شفاعتِ سیئہ کی حقیقت اور مسلمان کے لئے بددعا کا نتیجہ مذکورہ تفصیل کے برعکس ہوتا ہے۔

﴿۸۶﴾ شفاعتِ حسنہ کے بعد تحیہ اور سلام کا ادب سکھایا جا رہا ہے، اس لئے کہ شفاعتِ حسنہ کی طرح یہ بھی مکارمِ اخلاق میں سے ہے اور اس سے بھی باہمی الفت اور مودّت کا مقصد حاصل ہوتا ہے۔

آپس میں ملاقات کے موقع پر مختلف قوموں اور مذاہب میں مختلف دعائیہ کلمات کا رواج رہا ہے اور آج بھی ہے، زمانہ جاہلیت میں "تحیہ" (زندہ رہنے کی دعا) کا رواج تھا، اہلِ عرب یوں کہا کرتے تھے "حیّاک اللہ" (اللہ تمہیں زندہ رکھے)۔

اسلام چونکہ امن اور سلامتی کا دین ہے اور ہر پہلو سے مستقل اور خود کفیل بھی ہے اس لئے اسلام نے ایک دوسرے کے ساتھ اظہارِ محبت کے لئے "سلام" کا انتخاب کیا یہ لفظ اسلامی تعلیمات کا ترجمان ہونے کے ساتھ کہنے والے کے قلبی جذبات کا آئینہ دار بھی ہوتا ہے اور یہ ایک جامع ترین دعا بھی ہے..... سلام کہنے والا اپنے مخاطب کو یقین دلاتا ہے کہ میں تمہارا مسلمان بھائی ہوں لہٰذا تم میری جانب سے ہر قسم کے شر اور ایذاء سے محفوظ ہو اور یہ کہ میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ کفر سے، بیماری سے، نقصان اور پریشانی سے تمہاری حفاظت فرمائے۔

آنحضرت ﷺ نے سلام کو اسلام کے افضل اعمال میں سے قرار دیا ہے۔

صحیحین کی حدیث میں ہے:

انّ أفضل الاسلام وخیره اطعام الطعام وأن تقرأ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف[۱۶۰]

("اسلام کے بہترین اعمال میں سے یہ ہے کہ تم بھوکوں اور محتاجوں کو کھانا کھلاؤ اور ہر شخص کو سلام کرو خواہ تم اسے پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔")

خود آپ کا معمول یہ تھا کہ چھوٹے بچوں کے پاس سے گذرتے تو ان کو بھی سلام کرتے۔ اس آیت کریمہ میں سلام کے مختلف آداب میں سے ایک اہم ادب یہ سکھایا گیا ہے کہ اگر تمہیں کوئی مسلمان سلام کرے تو اسے اس سے بہتر الفاظ اور انداز میں سلام کا جواب دو، ورنہ کم از کم خود اسی کے الفاظ اس پر لوٹا دو، انہی الفاظ کا لوٹا دینا واجب ہے اور ان پر اضافہ کرنا مستحب ہے اور اس سے زیادہ ثواب ملتا ہے۔ مثلاً السلام علیکم کے جواب میں وعلیکم السلام کہنا واجب ہے اور

{۱۶۰} صحیح مسلم ۱/۴۸۔صحیح بخاری ۲/۹۲۱

اگر ''ورحمۃ اللہ'' کا اضافہ کردیا تو دس نیکیاں مزید ملیں گی اور ''وبرکاتہ'' کے اضافہ سے مزید دس نیکیوں کا اضافہ ہو جائے گا۔

سلام کی تکمیل مصافحہ سے ہوتی ہے، مصافحہ کرنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں اس لئے اگر ممکن ہو تو سلام کے ساتھ مصافحہ بھی کرلینا چاہیئے۔

﴿۸۷﴾ سلام ہو یا شفاعتِ حسنہ یا دوسرے نیک اعمال ان سب کا ثواب اللہ کی طرف سے ملتا ہے اور ثواب ملنے کی جگہ آخرت ہے اس لئے اس آیت کریمہ میں دین کے دو بنیادی ارکان ذکر کئے گئے ہیں یعنی توحید اور قیامت۔

حکمت وہدایت:

۱۔ شفاعتِ حسنہ نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ اس پر اجر وثواب بھی ملتا ہے۔(۸۵)

۲۔ مسلمان بھائی کے لئے پسِ پشت دعا کرنا بھی شفاعتِ حسنہ میں شامل ہے۔

۳۔ شفاعتِ سیئہ وہ ہے جسے شریعت نے ناپسند کیا ہے اس کا کرنے والا گناہ میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔

۴۔ سفارش خواہ جائز ہو یا ناجائز ہو اس پر اجرت لینا حرام ہے اس لئے کہ جائز سفارش عبادت کا درجہ رکھتی ہے اور عبادت پر اجرت لینا حرام ہے اور ناجائز سفارش پر اجرت اس لئے حرام ہے کہ وہ بذاتِ خود معصیت ہے۔

۵۔ ہمارا دور رشوت اور سفارش کا دور ہے، ان دو بیماریوں کے جراثیم انتظامیہ سے عدلیہ تک ہر محکمہ میں سرایت کر گئے ہیں حد یہ کہ بعض دینی ادارے اور شخصیات بھی ان کے مہلک اثرات سے محفوظ نہیں رہے۔

۶۔ سفارش کا مقصد محض خیر کی ترغیب ہوتا ہے اسے جبر واکراہ کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیئے اور سفارش قبول نہ ہونے کی صورت میں ناراض بھی نہیں ہونا چاہیئے، آنحضرت ﷺ کی ایک خادمہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی سفارش قبول کرنے سے انکار کردیا، لیکن آپ نے ذرہ برابر ناراضگی محسوس نہ فرمائی بلکہ خود انہیں قبول اور عدمِ قبول کا اختیار دیا۔[۱۶۱]

۷۔ آج کل اکثر سفارش کرانے والے غیر مستحق ہوتے ہیں اس لئے سفارش سے احتراز ہی بہتر ہے...... ہمارے

{۱۶۱} حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ حدیث کی مختلف کتابوں کے علاوہ صحیح مسلم ۱/۴۹۴ میں بھی اختصار کے ساتھ آیا ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے اس سے تیس مسائل اخذ کیے ہیں۔

بزرگوں کا اب یہی طریقہ ہے{۱۶۲}

۸۔ابتداءً سلام کرنا سنت اور اس کا جواب دینا واجب ہے لیکن یہ ایسی سنت ہے جس کا ثواب واجب سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں ابتداء کرے''{۱۶۳}

۹۔سلام کے جواب میں اضافہ مستحب ہے لیکن یہ اضافہ تین کلمات تک ہی مسنون ہے ایک صاحب نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی موجودگی میں تین کلمات سے بھی سلام کو بڑھانا چاہا تو آپ نے فرمایا

ان السلام قد انتهى الى البركة.{۱۶۴}

''سلام لفظِ برکت پر ختم ہو جاتا ہے'' (یعنی اس سے زیادہ کرنا مسنون نہیں ہے)۔

خود نبی اکرم ﷺ سے بھی اس سے زیادہ ثابت نہیں۔{۱۶۵}

۱۰۔سلام کا ثواب حاصل کرنے کے لیے ''السلام علیکم'' کے الفاظ ہی ضروری ہیں، آداب وغیرہ جیسے الفاظ سے سلام کی فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔

۱۱۔سلام کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ سوار، پیادے کو، چلنے والا، بیٹھے ہوئے کو، قلیل کثیر کو اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔

۱۲۔اجنبی عورت کو سلام نہ کیا جائے، البتہ شوہر کو چاہیے کہ بیوی کو سلام کرے۔

۱۳۔ایسا شخص جو قضائے حاجت میں مصروف ہو، غسل کر رہا ہو، کسی بھی وجہ سے ننگا ہو، گا نا گا رہا ہو یا کسی بھی گناہ میں مشغول ہو اسے سلام نہیں کرنا چاہیئے۔

۱۴۔جو شخص قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہو، درس وتدریس میں مصروف ہو، نماز ادا کر رہا ہو، خطبہ سن رہا ہو یا اذان اور

{۱۶۲} تفصیل کے لئے دیکھئے آپ بیتی حضرت شیخ الحدیثؒ ج ۲/ ۳۶

{۱۶۳} ترمذی۔ ۲/ ۹۴

{۱۶۴} صحیح بخاری ۲/ ۹۲۱

{۱۶۵} لوشرع اكثر من ذلك لزاده رسول الله صلى الله عليه وسلم (ابن كثير ۱/ ۶۹۵)

اقامت کہہ رہا ہو تو اسے سلام نہیں کرنا چاہیئے۔

۱۵۔ دور سے ہاتھ کا اشارہ بھی کیا جا سکتا ہے مگر سلام کے الفاظ زبان سے ادا کرنے ضروری ہیں۔ صرف ماتھے پر ہاتھ لگانے سے سلام نہیں ہوگا، بلکہ بلا مجبوری سلام کے وقت ماتھے پر ہاتھ نہیں لگانے چاہئیں۔

۱۶۔ بعض حضرات نے ضرورت کی بناء پر کافر کو سلام کہنے کی اجازت دی ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک یہ جائز نہیں اور اگر وہ خود سلام کرے تو جواب میں صرف ''وعلیکم'' کہنے پر اکتفاء کیا جائے۔

۱۷۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام سے زیادہ سچا کلام کسی کا نہیں ہو سکتا، نہ کسی مؤرخ کا، نہ ڈاکٹر کا، نہ سائنسدان کا، نہ انجینئر کا، نہ پروفیسر کا۔ (۸۷)

منافقین کے اوصاف اور ان کے ساتھ معاملہ کی کیفیت

(۸۸۔۹۱)

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ

پھر تم کو کیا ہوا کہ منافقوں کے معاملے میں دو فریق ہو رہے ہو اور اللہ نے ان کو الٹ دیا بسبب ان کے اعمال کے کیا تم چاہتے ہو کہ راہ پر لاؤ جس کو

اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا

گمراہ کیا اللہ نے اور جس کو گمراہ کرے اللہ ہرگز نہ پاویگا تو اس کے لئے کوئی راہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے تو پھر تم سب

فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰي يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْھُمْ

برابر ہو جاؤ سو تم ان میں سے کسی کو دوست مت بناؤ یہاں تک کہ وطن چھوڑ آویں اللہ کی راہ میں پھر اگر اس کو قبول نہ کریں تو ان کو پکڑو

وَاقْتُلُوْھُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ

اور مار ڈالو جہاں پاؤ اور نہ بناؤ ان میں سے کسی کو دوست اور نہ مددگار مگر وہ لوگ جو ملاپ رکھتے ہیں

اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَاۗءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُھُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ

ایک قوم سے کہ تم میں اور ان میں عہد ہے یا آئے ہیں تمہارے پاس کہ تنگ ہو گئے ہیں دل ان کے تمہاری لڑائی سے

اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَھُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَھُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ

اور اپنی قوم کی لڑائی سے بھی اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر زور دے دیتا تو ضرور لڑتے تم سے سو اگر یکسو رہیں وہ تم سے پھر تم

يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ

سے نہ لڑیں اور پیش کریں تم پر صلح تو اللہ نے نہیں دی تم کو ان پر راہ اب تم دیکھو گے ایک اور قوم کو جو

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَھُمْ ۭ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْھَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ

چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے بھی اور اپنی قوم سے بھی جب کبھی لوٹائے جاتے ہیں وہ فساد کی طرف تو اس کی طرف لوٹ جاتے ہیں پھر اگر وہ تم سے یکسو نہ رہیں

وَيُلْقُوٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾

اور نہ پیش کریں تم پر صلح اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو ان کو پکڑو اور مار ڈالو جہاں پاؤ اور ان پر ہم نے تم کو دی ہے کھلی سند

رابط: آیت ۶۰،۶۳،۶۴،۶۸،۷۲،اور ۷۳ کی طرح یہ آیات بھی منافقوں کے احوال واوصاف اور ان کے نظریات کی مذمت کے بارے میں ہیں۔

تسہیل: کیا وجہ ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی کرتوتوں کی وجہ سے اوندھا کر دیا ہے کیا تم ان لوگوں کو ہدایت دینا چاہتے ہو جنہیں اللہ نے گمراہ کر دیا ہے اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لئے ممکن نہیں کہ تم اس کے لئے کوئی راستہ پاسکو○ منافق یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جیسے وہ خود کفر کر رہے ہیں تا کہ تم سب ایک جیسے ہو جاؤ، سو جب تک وہ اللہ کی رضا کی لئے ہجرت نہ کریں تم ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ اور اگر وہ ہجرت کے لئے آمادہ نہ ہوں تو انہیں پکڑو اور انہیں جہاں بھی پاؤ قتل کر دو اور ان میں سے کسی کو بھی اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ○ سوائے ان لوگوں کے جو کسی ایسی جماعت سے جا ملیں جس کے ساتھ تم نے صلح کا کوئی معاہدہ کر رکھا ہو یا وہ ایسے ہوں جن کے دل تمہارے ساتھ بھی اور اپنی قوم کے ساتھ بھی جنگ کرنے سے تنگ آ چکے ہوں، اگر اللہ چاہتا تو انہیں تمہارے اوپر مسلط کر دیتا پھر وہ تم سے ضرور لڑتے تو اگر وہ تمہارے ساتھ لڑنے سے کنارہ کشی کریں اور تمہاری جانب صلح کا پیغام بھیجیں تو اللہ کی طرف سے تمہیں ان کو ستانے کی ہرگز اجازت نہیں○ البتہ تمہیں کچھ ایسے لوگ بھی ملیں گے جو تم سے بھی محفوظ رہنا چاہتے ہیں اور اپنی قوم سے بھی بچاؤ چاہتے ہیں لیکن انہیں جب کبھی فتنہ انگیزی کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اس میں اوندھے منہ گر پڑتے ہیں، پس یہ لوگ اگر لڑائی سے الگ تھلگ نہ رہیں اور نہ ہی تمہیں صلح کا پیغام بھیجیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو روکیں تو انہیں پکڑو اور انہیں جہاں کہیں بھی پاؤ قتل کر ڈالو اور یہی تو وہ لوگ ہیں جن کے خلاف ہم نے تمہیں واضح اختیار دیا ہے○

ان آیات میں منافقوں کے مختلف گروہوں کا ذکر ہے۔

﴿۸۸﴾ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ غزوہ احد کے لئے تشریف لے

گئے تو کچھ لوگ راستے سے واپس آگئے ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے، بعض انہیں کافر سمجھ کر ان کے قتل کو جائز قرار دیتے تھے اور بعض کا خیال اس کے برعکس تھا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ''فما لکم فی المنفقین''[۱۶۶]

شانِ نزول کے بارے میں کچھ دوسری روایات بھی مروی ہیں مگر ان سب کا حاصل یہی ہے کہ یہ آیات ایسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے لیکن حقیقت میں وہ کافر تھے، وہ اپنی ٹیڑھی فطرت کی وجہ سے ہمیشہ الٹے ہی چلتے تھے جس کی وجہ سے ان کی قبولِ ہدایت کی استعداد ختم ہو گئی تھی اور اب انہیں ہدایت دینا کسی انسان کے بس میں نہیں رہا تھا۔ ان میں سے بعض ایسے تھے جنہوں نے قدرت کے باوجود مکّہ سے مدینہ ہجرت نہ کی اور بعض ہجرت کرنے کے بعد مرتد ہو کر دارالاسلام سے دارالحرب میں چلے گئے۔

﴿۸۹﴾ وہ خود تو ہدایت کیا قبول کریں گے ان کی کوشش اور خواہش یہ ہے کہ کسی طرح مخلص مسلمانوں کو بھی کفر وضلالت میں مبتلا کردیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے شر اور مکروفریب سے بچانے کے لئے حکم دیا ہے کہ ان کے ساتھ اس وقت تک قلبی تعلق اور دوستی نہ لگائیں جب تک کہ کوئی ایسی واضح دلیل نہ پائی جائے جو ان کے ایمان پر دلالت کرتی ہو مثلاً یہ کہ وہ اللہ کی رضا کے لئے ہجرت کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

﴿۹۰﴾ اس آیت میں منافقوں کے ایک دوسرے گروہ کا ذکر ہے، یہ وہ لوگ تھے جو اسلام قبول کرنے کے بعد علی الاعلان کافر تو ہو گئے مگر وہ کسی ایسی قوم کے ساتھ جا ملے جن کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ صلح ہو چکا تھا، تو مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کرو جو معاملہ تم اپنے معاہدین کے ساتھ کرتے ہو، جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں اور قریش کے درمیان جو معاہدہ طے پایا تھا اس میں ایک شق یہ بھی تھی کہ ''جو قبیلہ چاہے تو وہ قریش کے معاہدہ میں داخل ہو جائے اور جو محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے معاہدہ میں داخل ہونا پسند کرے تو اسے بھی اختیار ہے''[۱۶۷]

''او جاؤکم حصرت صدورھم'' یہاں ایک تیسرے گروہ کا ذکر ہے یہ وہ لوگ ہیں، جو جنگ سے تنگ آچکے ہیں اور کسی کے ساتھ بھی لڑنا نہیں چاہتے، نہ تمہارے ساتھ، نہ ہی اپنی کافر قوم کے ساتھ، اگر یہ مسلمانوں سے صلح کی

{۱۶۶} ابن کثیر بحوالہ صحیحین ۱/۶۹۶

{۱۶۷} ابن کثیر ۱/۶۹۷ بحوالہ صحیح بخاری

درخواست کریں تو ان کے ساتھ جنگ کرنا جائز نہیں، مثلاً حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے بعض ساتھی غزوۂ بدر کے موقع پر مشرکین کے ساتھ شامل تو ہو گئے تھے لیکن وہ جنگ کو پسند نہیں کرتے تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو ان کے قتل سے منع فرمادیا اور انہیں گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ {۱۶۸}

﴿۹۱﴾ اس آیت میں چوتھے گروہ کا ذکر ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو حقیقت میں فتنہ باز اور شرارتی ہیں لیکن اپنے ذاتی مفادات کے تحفظ کے لئے اس طرح کی دوغلی پالیسی اختیار کرتے ہیں کہ کوئی بھی انہیں اپنا دشمن نہ سمجھے لیکن جب کبھی انہیں مسلمانوں کے خلاف جنگ کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ بلا تامّل اس میں کود جاتے ہیں {۱۶۹} چونکہ اسلام صلح اور سلامتی کا دین ہے اس لئے ان کی بدباطنی اور شرارت پسندی کے باوجود حکم یہ ہے کہ اگر وہ مسلمانوں سے صلح کی درخواست کریں اور عملاً جنگ سے کنارہ کشی اختیار کریں تو انہیں کچھ نہ کہا جائے، بصورت دیگر ان کی سرکوبی کی جائے۔

حکمت و ہدایت:

۱۔ جن لوگوں کا منافق ہونا واضح ہو چکا، ان کے کفر اور قتل کے جواز کے بارے میں مسلمانوں کی دو رائیں نہیں ہونی چاہئیں۔ (۸۹)

۲۔ کافر، منافق اور فاسق کی دوستی سے احتراز کرنا چاہیئے کیونکہ وہ مسلمانوں کو بھی اپنے جیسا بنا دینا چاہتے ہیں۔ (۸۹)

۳۔ ہجرت کی کئی قسمیں ہیں، ابتداء اسلام میں دارالکفر سے تمام مسلمانوں پر ہجرت فرض تھی لیکن جب مکہ فتح ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''لا ھجرۃ بعد فتح مکۃ'' {۱۷۰} (فتح مکہ کے بعد اب ہجرت فرض نہیں رہی)

ہجرت کے اس حکم کی منسوخی کی وجہ یہ تھی کہ مکہ دارالاسلام بن گیا تھا، اللہ نہ کرے اگر اب بھی کوئی ایسا ملک یا شہر ہو جہاں ایمان بچانا مشکل ہو جائے تو وہاں سے ہجرت کرنا مسلمانوں پر فرض ہوگا۔

ہجرت کی دوسری اور کبھی نہ ختم ہونے والی قسم گناہوں کا چھوڑنا ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت

{۱۶۸} ابن کثیر ۱/۶۹۷

{۱۶۹} ''کل ماردوا الی الفتنۃ'' ای دعوا الی الشرک کما روی عن السدی وقیل الی قتال المسلمین (روح المعانی ۳/۱۶۳) ھم قوم من بنی اسد وغطفان، کانو اذا اتوا مدینۃ اسلموا وعاھدوا لیأمنوا المسلمین فاذا رجعوا الی قومھم کفروا ونکثوا عھودھم (کشاف ۱/۵۷۹)

{۱۷۰} صحیح بخاری ۱/۴۳۳

ہے ''والمھاجر من ھجر ما نھی اللہ عنہ ''{۱۷۱} (مہاجر وہ ہے جو ان کاموں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع کیا ہے)

ہجرت کی تیسری قسم یہ ہے کہ کسی شخص کی تادیب اور اصلاح کی خاطر اس کی غلطیوں اور گناہوں کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا جائے اور اس سے قطع تعلقی کر لی جائے۔

۴۔ معاہد کے معاہد کا بھی وہی حکم ہے جو معاہد کا ہے۔(۹۰)

۵۔ جو لوگ جنگ و جدل سے کنارہ کشی کا فیصلہ کر چکے ہوں انہیں خواہ مخواہ جنگ کی آگ میں گھسیٹنا جائز نہیں۔(۹۱)

۶۔ اسلام امن اور سلامتی کا دین ہے اس لئے کسی ایسی قوم کے ساتھ جنگ کی اجازت نہیں جو صلح جو ہو اور صلح کی درخواست بھی کرے۔(۹۱)

قتلِ خطا اور قتلِ عمد کی جزاء

(۹۲۔۹۳)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ

اور مسلمان کا کام نہیں کہ قتل کرے مسلمان کو مگر غلطی سے اور جو قتل کرے مسلمان کو غلطی سے تو آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی

وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ

اور خونبہا پہنچائے اسکے گھروالوں کو مگر یہ کہ وہ معاف کردیں پھر اگر مقتول تھا ایسی قوم میں سے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں اور خود وہ مسلمان تھا تو آزاد کرے

رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَ

گردن ایک مسلمان کی اور اگر وہ تھا ایسی قوم میں سے کہ تم میں اور ان میں عہد ہے تو خونبہا پہنچائے اس کے گھروالوں کو اور

تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ

آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی پھر جس کو میسر نہ ہو تو روزے رکھے دو مہینے کے برابر گناہ بخشوانے کو اللہ سے اور اللہ جاننے والا

عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ

حکمت والا ہے اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا دوزخ ہے پڑا رہے گا اسی میں اور اللہ کا اس پر

عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿٩٣﴾

غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب

ربط: اوپر کی آیات میں منافقوں اور ایسے معاہدین سے قتال کا حکم تھا جو بدعہدی کے مرتکب ہوں اب یہاں ایسے

{۱۷۱} صحیح بخاری ۹۶۰/۲

لوگوں کے قتل کی جزاء بیان کی جارہی ہے جنہیں قتل کرنا جائز نہیں۔

تسہیل: کسی مسلمان کو یہ زیب ہی نہیں دیتا کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کردے بجز اس کے کہ غلطی سے ایسا ہوجائے اور جو کوئی کسی مومن کو غلطی سے قتل کرڈالے اس پر واجب ہے کہ وہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کرے اور اس کے وارثوں کو خون بہا بھی دے ہاں اگر وہ معاف کردیں تو انہیں اس کا اختیار ہے، اور اگر وہ مقتول مسلمان تو تھا مگر اس کا تعلق تمہارے دشمنوں کی جماعت سے تھا تو پھر صرف مسلمان غلام کا آزاد کرنا ہی واجب ہوگا اور اگر وہ ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہو جن کے ساتھ تم نے صلح کا معاہدہ کررکھا ہو، یعنی ذمّی یا مصالح ہو تو پھر اس کے وارثوں کو خون بہا دینا اور مسلمان غلام آزاد کرنا دونوں واجب ہوں گے، پھر جو شخص غلام آزاد نہ کرسکے اس پر مسلسل دو مہینے روزے رکھنا واجب ہے، یہ اللہ کی طرف سے توبہ کا ایک طریقہ ہے اور اللہ بڑا علم والا، بڑا حکمت والا ہے ٥ اور جو کوئی کسی مسلمان کو قصداً قتل کردے اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہوتی ہے اور اس کے لئے اللہ نے بڑا عذاب تیار کررکھا ہے ٥

﴿تفسیر﴾

﴿۹۲﴾ مومن کا قتل اتنا بڑا گناہ اور جرم ہے کہ ایک سچا مؤمن اس کا ارتکاب کرہی نہیں سکتا، البتہ قتلِ خطاء اس سے صادر ہوسکتا ہے۔ قتل خطاء وہ ہے جس میں قاتل کا ارادہ قتل کا ہرگز نہیں ہوتا، مثلاً اتفاقیہ طور پر گولی چل گئی اور کسی مسلمان کو جالگی یا اپنے خیال میں کسی حربی کافر یا شکاری جانور کو نشانہ بنایا مگر مسلمان اس کا نشانہ بن گیا، مومن کے قتلِ خطا کی صورت میں دو چیزیں واجب ہوتی ہیں، مومن غلام آزاد کرنا اور دیت۔

غلام کا آزاد کرنا تو اس عظیم گناہ کے کفارہ کے طور پر ہے جو اس سے صادر ہوگیا ہے، کیونکہ قاتل کی طرف سے بہر حال کچھ نہ کچھ بے احتیاطی اور کوتاہی پائی گئی ہوگی، اگر وہ احتیاط کرتا تو ممکن تھا قتل تک نوبت نہ پہنچتی۔

اور دیت اس لئے واجب ہوتی ہے تاکہ ایک شخص کے قتل ہونے سے اس کے اہلِ خانہ کو جو نقصان پہنچا ہے اس کی کچھ نہ کچھ تلافی ہوجائے، یہی وجہ ہے کہ اس کے اہلِ خانہ کو دیت معاف کرنے کا اختیار رہتا ہے۔

﴿۹۳﴾ مسلمان کا قتلِ عمد کبائر میں سے ایک شدید کبیرہ ہے اس لئے اس کی سزا انتہائی سخت بیان کی گئی ہے، شاید ہی کسی دوسرے گناہ کی اتنی سخت سزا بیان کی گئی ہو جتنی سزا مسلمان کے ناحق قتل کی بیان فرمائی گئی ہے، احادیث بھی اس کی قباحت اور مذمّت سے بھری پڑی ہیں۔ بیہقی میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے نزدیک پوری دنیا کا زوال ایک مسلمان کے قتل کے مقابلے میں ہلکی چیز ہے۔''

کتاب وسنت کے ان نصوص ہی کے پیشِ نظر بعض صحابہ اور تابعین نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ قاتلِ عمد کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔

لیکن جمہور کی رائے قبولِ توبہ کی ہے کیونکہ صحیحین کی روایت میں سو مقتولوں کے قاتل کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے علاوہ ازیں کفر وشرک، قتل سے بھی بڑا گناہ ہے جب اس سے توبہ ہوسکتی ہے تو قتلِ عمد سے بھی توبہ ہوسکتی ہے۔

باقی جہاں تک آیتِ کریمہ کا تعلق ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ واقعی سزا دے تو قتلِ عمد کی سزا یہی ہے لیکن وہ توبہ کرنے والے کو معاف کرنے پر بھی قادر ہے۔ {۱۷۲}

حکمت وہدایت:

۱۔ سچے مؤمن سے کسی مومن کا عمداً قتل نہیں ہوسکتا۔ (۹۲)

۲۔ قتل کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم، عمد: جو قصداً کسی ایسے آلہ سے کیا جائے جسے عام طور پر قتل ہی کے لئے استعمال کیا جاتا ہو مثلاً کوئی آہنی آلہ یا دھاری دار پتھر وغیرہ۔

دوسری قسم، شبہ عمد: جو قصداً تو ہو لیکن وہ آلہ عام طور پر قتل کے لئے استعمال نہ ہوتا ہو۔

تیسری قسم، خطاء: جس میں قاتل کا ارادہ قتل کا ہرگز نہیں ہوتا۔

۳۔ قتلِ عمد کی اصل سزا قصاص ہے لیکن اگر مقتول کے ورثہ قصاص معاف کردیں اور قاتل دیت دینے پر راضی ہو تو دیت لازم ہوگی۔

۴۔ قتلِ خطا اور شبہ عمد دونوں میں دیت بھی واجب ہوتی ہے اور کفارہ بھی واجب ہوتا ہے۔

۵۔ اگر مقتول مومن تو تھا مگر وہ مسلمانوں کی دشمن جماعت (حربی کافروں) سے تعلق رکھتا تھا تو کفارہ واجب ہوگا مگر دیت واجب نہیں ہوگی۔

۶۔ دیت سو اونٹ یا دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار ہے۔ آج کل ان کی قیمت اور مالیت کا اعتبار ہوگا۔

{۱۷۲} ان جازا بذلك ای هو اهل لذلك ومستحقه لعظيم ذنبه (قرطبی ۳۳۴/۵)

۷۔عورت کی دیت مرد کے مقابلہ میں نصف ہوتی ہے کیونکہ اس کی میراث بھی نصف ہوتی ہے۔

۸۔مسلمان اور ذمی دونوں کی دیت برابر ہوگی۔

۹۔کفارہ تو قاتل کو خود ہی ادا کرنا پڑتا ہے مگر دیت اس کے اہلِ نصرت پر آئے گی جنہیں شریعت کی اصطلاح میں عاقلہ کہا جاتا ہے، ان کا قصور یہ ہے کہ انہوں نے قاتل کو بے احتیاطی سے نہیں روکا، جب ان پر تاوان آئے گا، تو وہ آئندہ نگرانی میں کوتاہی نہیں کریں گے۔

۱۰۔وراثت کی طرح دیت بھی مقتول کے شرعی ورثہ میں تقسیم کی جائے گی اور جو اپنا حصہ معاف کر دے گا اس قدر معاف ہو جائے گی اور اگر سب نے معاف کر دیا تو سب معاف ہو جائے گی۔

۱۱۔اگر کسی بیماری کی وجہ سے روزوں میں تسلسل باقی نہ رہا تو نئے سرے سے روزے رکھنے پڑیں گے، البتہ عورت کے حیض کی وجہ سے تسلسل ختم نہیں ہوگا۔

۱۲۔قتلِ عمد کی اصل سزا اخروی ہی ہے اور یہ اللہ کی مشیت پر منحصر ہے کہ وہ چاہے تو سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔

۱۳۔قتلِ عمد میں کفارہ لازم نہیں ہوتا بس توبہ کرنا چاہیئے۔

تحقیق کے بغیر حکم لگانا جائز نہیں

(۹۴)

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا ضَرَبْتُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَتَبَيَّنُواْ وَلَا تَقُولُواْ لِمَنْ أَلْقَىٰٓ إِلَيْكُمُ ٱلسَّلَٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا فَعِندَ ٱللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ۚ كَذَٰلِكَ كُنتُم مِّن قَبْلُ فَمَنَّ ٱللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوٓاْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٩٤﴾

اے ایمان والو جب سفر کرو اللہ کی راہ میں تو تحقیق کر لیا کرو اور مت کہو اس شخص کو جو تم سے سلام علیک کرے کہ تو مسلمان نہیں تم چاہتے ہو اسباب دنیا کی زندگی کا سو اللہ کے ہاں بہت غنیمتیں ہیں تم بھی تو ایسے ہی تھے اس سے پہلے پھر اللہ نے تم پر فضل کیا سو اب تحقیق کر لو بیشک اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے

ربط: تحقیق کے بغیر کسی پر کفر کا حکم لگا دینا بھی قتل کا سبب بن سکتا ہے اس لئے قتلِ خطا اور عمد کے بعد اس کا ذکر مناسب ہے۔

تسہیل: اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں باہر نکلا کرو تو لوگوں کے بارے میں اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو اور

جوکوئی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کے لئے تمہیں سلام کرے اسے یہ مت کہہ دیا کرو کہ تم مسلمان نہیں ہو جبکہ اس سے تمہارا مقصد دنیا کی زندگی کے فوائد ہوں، یاد رکھو اللہ کے پاس کثرت سے مالِ غنیمت ہے، تم بھی اس سے پہلے ایسے ہی تھے پھر اللہ نے تم پر فضل فرمادیا، بے شک تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے خوب باخبر ہے ۝

﴿تفسیر﴾

﴿۹۴﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بنو سلیم کا ایک شخص جو کہ بکریاں چرا رہا تھا اس کی ملاقات صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے ہوگئی اس نے (اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کے لیے) انہیں سلام کیا، صحابہ کرام نے سمجھا کہ اس نے محض اپنے بچاؤ کے لئے ہمیں سلام کیا ہے، چنانچہ انہوں نے اسے قتل کردیا اور اس کی بکریاں ہنکا کر آنحضرت ﷺ کے پاس لے آئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (یایھا الذین آمنوا إذا ضربتم [۱۷۳])

اس آیت کے شانِ نزول کے حوالے سے اور بھی کئی واقعات نقل کئے گئے ہیں۔ ممکن ہے جب بھی کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہو، آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھ دی ہو اور سننے والے یہ سمجھے ہوں کہ یہ آیت اسی واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جو کام بھی کریں وہ خوب تحقیق اور سوچ بچار کے بعد کریں کیونکہ محض خیال اور گمان کی بناء پر کیئے گئے کام میں غلطی کا امکان بہر حال رہتا ہے۔

سوچ بچار کا حکم سفر میں بھی ہے اور حالتِ قیام میں بھی ہے لیکن یہاں سفر کی قید اس لئے لگائی ہے کیونکہ عام طور پر جان پہچان میں دورانِ سفر ہی شبہات پیش آتے ہیں ورنہ شہر میں تو لوگ ایک دوسرے کے عقائد وغیرہ سے واقف ہوتے ہیں۔

''کذلک کنتم من قبل'' تم اپنے ماضی کو نہ بھول جاؤ ایک وقت تھا کہ تم بھی ایسے ہی تھے اور تم مشرکوں سے اپنا ایمان چھپاتے پھرتے تھے، پھر اللہ نے تم پر اپنا احسان فرمادیا، تمہیں قوت واستقامت اور دین کو شان وشوکت عطا کردی، جس کی وجہ سے تمہارے لئے ایمان کا اظہار آسان ہوگیا، تو ممکن ہے یہ مقتول بھی ایسا ہی ہو کہ وہ ایمان تو قبول کرچکا تھا مگر کفار کے خوف سے اسلام کا اظہار نہیں کر پا رہا تھا اب جو اس نے تمہیں دیکھا تو اسے اظہارِ اسلام کی جرأت مل گئی مگر تم نے اس کے اظہار کی سزا اسے قتل کی صورت میں دی۔

{۱۷۳} بخاری ۲/۶۶۰ ترمذی ۲/۱۲۷

حکمت وہدایت:

۱۔شرعی اور جائز مقاصد کے لئے سفر کرنا جائز ہے۔(۹۴)

۲۔ایسے معاملات میں تحقیق کرنا واجب ہے جن میں خطا کی صورت میں ضرر کا اندیشہ ہو۔(۹۴)

۳۔مالِ دنیا کی ایسی حرص جو تقویٰ کے منافی ہو سخت مذموم ہے۔(۹۴)

۴۔احکام کا مدار ظاہر پر ہوتا ہے، قطعیت اور باطن کی اطلاع پر ان کا مدار نہیں ہوتا۔

۵۔دوسروں کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرنی چاہیئے اور اپنے حالات کو یاد کر لینا چاہیئے۔

۶۔جو شخص کسی بھی طریقہ سے اپنے آپ کو مسلمان بتلائے اسے قانونی اعتبار سے مسلمان ہی سمجھا جائے گا بلکہ اگر وہ بعض گناہوں میں بھی ملوث ہو تو بھی اس پر کفر کا فتویٰ لگانا جائز نہیں۔

۷۔اگر کوئی شخص ایمان کا اقرار بھی کرے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس سے کسی ایسے قول و فعل کا صدور ہو جو کفر کی یقینی علامت ہو مثلاً وہ زبان سے کفریہ کلمات بکے، یا کسی بت کو سجدہ کرے یا اسلام کے کسی قطعی حکم کا انکار کر دے تو اسے کافر قرار دیا جائے گا۔

مجاہدین اور قاعدین میں تفاوت

(۹۵۔۹۶)

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾

برابر نہیں بیٹھ رہنے والے مسلمان جن کو کوئی عذر نہیں اور وہ مسلمان جو لڑنے والے ہیں اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے اللہ نے بڑھا دیا لڑنے والوں کا اپنے مال اور جان سے بیٹھ رہنے والوں پر درجہ اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے بھلائی کا اور زیادہ کیا اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں سے اجر عظیم میں جو کہ درجے ہیں اللہ کی طرف سے اور بخشش ہے اور مہربانی ہے اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان

ربط: گذشتہ آیت میں ان مجاہدین کا ذکر تھا جنہوں نے غلطی سے ایک مسلمان کو قتل کر دیا، یہاں گھروں میں بیٹھ رہنے والوں کے مقابلہ میں مجاہدین کی فضیلت کا بیان ہے گویا تنبیہ کے بعد تعریف ہے۔

تسہیل: مسلمانوں میں سے کسی عذر کے بغیر گھروں میں بیٹھ رہنے والے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ مال اور جان کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے بیٹھ رہنے والوں پر درجہ کے اعتبار سے فضیلت عطا کر رکھی ہے، البتہ بھلائی کا وعدہ اس نے سب ہی سے کر رکھا ہے، اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجرِ عظیم عطا کر کے فضیلت دے رکھی ہے٥ یعنی ان کے لئے اللہ کے ہاں مرتبے، بخشش اور رحمت ہے اور اللہ ہے ہی مغفرت کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا٥

تفسیر

﴿۹۵﴾ جو لوگ کسی عذر کے بغیر جہاد میں شریک نہیں ہوتے وہ مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے عملی مجاہدین کے برابر نہیں ہو سکتے لیکن اگر وہ جہاد میں شریک نہ ہونے کے باوجود کسی انداز میں دین اور مسلمانوں کی خدمت میں لگے ہوئے ہوں تو پھر وہ اجر و ثواب سے یکسر محروم نہیں رہیں گے، جنت اور مغفرت ان کو بھی حاصل ہوگی لیکن مجاہدین کے درجات یقیناً ان سے بلند ہوں گے۔

''غیر اولی الضرر'' حضرت عبداللہ بن جحش اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہما جو کہ نابینا تھے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے جیسوں ہی کی رعایت کرتے ہوئے ''غیر اولی الضرر'' کی قید لگائی ہے۔{۱۷۴}

گویا جو لوگ کسی حقیقی عذر کی بناء پر جہاد میں شریک نہ ہو سکیں لیکن ان کی نیت اور جذبہ یہ ہو کہ اگر ہم معذور نہ ہوتے تو ہم بھی شریک ہوتے وہ جہاد کے اجر و ثواب سے محروم نہیں رہیں گے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں داخل ہو رہے تھے، آپ نے فرمایا: ''مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ ہر اس راستے اور وادی میں تمہارے ساتھ ہوتے ہیں جہاں تم سفر کر رہے ہوتے ہو، عرض کیا گیا کہ مدینہ میں ہونے کے باوجود وہ ہمارے ساتھ کیسے ہوتے ہیں؟ فرمایا اس لئے کہ عذر نے انہیں شرکت سے روک دیا تھا''۔{۱۷۵}

قابلِ مذمت صرف وہ لوگ ہیں جنہیں کوئی عذر بھی لاحق نہ ہو اور لشکرِ اسلام کو ان کی ضرورت بھی ہو مگر وہ محض بزدلی

{۱۷۴} ترمذی ۲/۱۲۷

{۱۷۵} صحیح بخاری، ابو داؤد

اور خوف کی بناء پر جہاد میں شرکت نہ کریں۔

حکمت و ہدایت:

۱۔ چونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو زیادہ غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی اس لئے تفرّد پسندوں نے اس آیت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے افضل ہونے پر استدلال کیا ہے لیکن ان کا یہ استدلال باطل ہے، کیونکہ اگر غزوات میں شرکت کی کثرت ہی کو افضل ہونے کا معیار مان لیا جائے تو پھر حضرت علیؓ کا خود رسول اللہ ﷺ سے بھی افضل ہونا لازم آتا ہے، اس لئے کہ سارے غزوات میں تو آپ بھی شریک نہیں ہوئے۔ علاوہ ازیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی جو دوسری دینی خدمات ہیں مثلاً اقامتِ دین، انفاقِ مال اور استحکامِ ملّت وغیرہ، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمات سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ {۱۷۶}

۲۔ جنہیں کوئی شرعی عذر لاحق ہو اگر ان کی نیت اچھی ہو تو انہیں عمل کے بغیر ہی اجر و ثواب عطا کر دیا جاتا ہے۔

۳۔ جہاد، فرضِ کفایہ ہے اگر بعض مسلمان اسے ادا کر لیں تو باقی مسلمان اس سے سبکدوش ہو جاتے ہیں لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ کچھ لوگ دشمن کی مدافعت کے لئے کافی ہوں اور اگر وہ کافی نہ ہوں تو پہلے قرب و جوار کے مسلمانوں پر جہاد فرض ہوگا، وہ بھی کافی نہ ہوں تو جہاد کا دائرہ وسیع ہوتا جائے گا یہاں تک کہ مشرق سے مغرب تک ہر مسلمان پر جہاد فرض ہو جائے گا۔

مستضعفین کی ہجرت

(۹۷-۱۰۰)

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي

وہ لوگ کہ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اس حالت میں کہ وہ برا کر رہے ہیں اپنا کہتے ہیں ان سے فرشتے تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں ہم تھے بے بس اس

الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ

ملک میں کہتے ہیں فرشتے کیا نہ تھی زمین اللہ کی کشادہ جو چلے جاتے وطن چھوڑ کر وہاں سو ایسوں کا ٹھکانا ہے دوزخ اور وہ بہت بری

مَصِيرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ

جگہ پہنچے مگر جو ہیں بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو نہیں کر سکتے کوئی تدبیر اور نہ جانتے ہیں کہیں کا

{۱۷۶} تفسیر کبیر ۴/۱۹۴

سَبِيلًا ﴿٩٨﴾ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَن يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٩٩﴾ وَمَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
راستہ سو ایسوں کو امید ہے کہ اللہ معاف کرے اور اللہ ہے معاف کرنے والا بخشنے والا اور جو کوئی وطن چھوڑے اللہ کی راہ میں

يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ
پاوے گا اس کے مقابلہ میں جگہ بہت اور کشایش اور جو کوئی نکلے اپنے گھر سے ہجرت کرکے اللہ اور رسول کی طرف پھر آ پکڑے

يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٠﴾
اسکو موت تو مقرر ہو چکا اس کا ثواب اللہ کے ہاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

ربط : اوپر ان لوگوں کا حکم بیان کیا گیا جو کسی عذر کے بغیر جہاد میں شرکت نہیں کرتے اور یہاں ان لوگوں کا بیان ہے جو اپنے آپ کو معذور اور بے بس سمجھ کر ہجرت نہیں کرتے حالانکہ نہ وہ بے بس ہیں اور نہ ہی معذور۔

تسہیل : جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، جب ان کی جانیں فرشتے نکالتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں ہم اس ملک میں مغلوب اور بے بس تھے، فرشتے کہتے ہیں، کیا اللہ کی زمین اتنی کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے ٥ ہاں وہ مرد اور عورتیں اور بچے جو واقعی بے بس ہوں، نہ تو وہ کوئی تدبیر کر سکتے ہوں اور نہ ہی وہ راستہ جانتے ہوں ٥ تو ایسے لوگوں کو امید ہے کہ اللہ معاف کر دے گا اور اللہ تو ہے ہی معاف کرنے والا اور بخشنے والا ٥ اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا اسے زمین میں رہنے کی بہت سی جگہ اور رزق میں وسعت حاصل ہو گی اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کرتا ہوا نکلا پھر اسے موت نے آ لیا تو اس کا اجر یقیناً اللہ کے ذمے ہو چکا اور اللہ تو ہے ہی بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ٥

﴿تفسیر﴾

﴿۹۷﴾ اس آیتِ کریمہ میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو دار الکفر سے ہجرت نہیں کرتے اور اس سلسلہ میں اپنے آپ کو مجبور اور بے بس سمجھتے ہیں حالانکہ وہ بے بس نہیں ہوتے۔

اصل بات یہ ہے کہ اگر کسی ملک یا شہر میں کفار کا ایسا غلبہ ہو کہ مسلمان اپنے دین پر عمل نہ کر سکیں تو وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے، اور اس عمل کی فضیلت بھی بے پناہ ہے، ہمارے حضور علیہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو شخص اپنا دین بچانے کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا گیا اگر چہ وہ ایک بالشت جگہ ہو تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے، اور وہ

اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ اور اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کا ساتھی ہوگا۔{۱۷۷}''

ابتداءِ اسلام میں مکہ میں کفر کا غلبہ تھا اور مدینہ منورہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو امن اور سکون کی جگہ عطا فرمادی تھی، اس لئے مکہ سے مدینہ ہجرت کرنا فرض تھا۔

جو لوگ قدرت کے باوجود دارالکفر سے ہجرت نہیں کرتے ان سے موت کے وقت فرشتے سرزنش کے طور پر سوال جواب کرتے ہیں اور آخرت میں ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

﴿۹۸﴾ البتہ جو لوگ واقعی بے بس اور کمزور ہوں، بڑھاپے، بیماری اور غربت کی وجہ سے ہجرت نہ کرسکیں ان سے باز پرس نہیں ہوگی...... بعض روایات میں اس موقع پر مردوں میں سے عیاش بن ابی ربیعہ اور سلمہ بن ہشام، عورتوں میں اُمّ فضل اور بچوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھم کے نام مذکور ہیں۔{۱۷۸}

﴿۱۰۰﴾ اس آیتِ کریمہ میں دو قسم کے افراد کے لئے بشارت ہے، ایک تو وہ جو محض ایمان اور دین بچانے کے لئے اپنے وطن سے ہجرت کرتا ہے، اس کے بارے میں فرمایا کہ اسے رہنے کے لئے کشادہ جگہ اور رزق میں وسعت نصیب ہوگی۔{۱۷۹}

دوسرا وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول کی خاطر دارالکفر سے نکل کھڑا ہو لیکن دارالاسلام تک پہنچنے سے پہلے ہی اسے موت آگئی تو ایسا شخص ہجرت کے ثواب سے محروم نہیں رہے گا۔

حضرت ابن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت جندب بن ضمرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، وہ بہت بوڑھے انسان تھے، انہوں نے جب وہ آیت سنی جس میں ہجرت نہ کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے (آیت ۹۷) تو اپنے بیٹوں سے کہا کہ میں بے بس بھی نہیں ہوں اور مدینہ کا راستہ بھی جانتا ہوں اس لئے میں ایک رات بھی مکہ میں نہیں گذارنا چاہتا مجھے فوراً مدینہ لے چلو۔ فرمانبردار بیٹے انہیں چارپائی پر ڈال کر مدینے کی طرف چل پڑے، راستے ہی میں انہیں موت آگئی، موت سے پہلے انہوں نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے اللہ یہ ہاتھ تیرا ہے اور یہ تیرے رسول ﷺ کا ہے میں اسی بات پر بیعت کرتا ہوں جس پر تیرے رسول نے بیعت کی۔

{۱۷۷} کشاف ۱/۴۱۹

{۱۷۸} روح المعانی ۳/۱۸۶

{۱۷۹} "وسعة" أی من الرزق وعلیه الجمهور، وعن مالك سعةمن البلاد (روح المعانی ۳/۱۸۷)

جب صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کی موت کی اطلاع ملی تو انہوں نے افسوس کرتے ہوئے کہا: ''اے کاش انہیں مدینہ میں موت آتی'' اس پر یہ آیت نازل ہوئی{۱۸۰} جس میں ایک عام قانون کے رنگ میں بتادیا گیا کہ جو کوئی بھی صحیح نیت کے ساتھ دارالکفر سے ہجرت کرے گا وہ اگر بالفرض دارالاسلام میں نہ بھی پہنچ سکا، اسے ہجرت کا ثواب ضرور مل جائے گا۔

حکمت وہدایت:

۱۔ جو شخص استطاعت کے باوجود دارالکفر سے ہجرت نہ کرے وہ سخت گناہ گار ہے۔(۹۷)

لغت میں ہجرت اور ہجر کا لفظی معنی ہے ''کسی چیز سے بیزار ہو کر اسے چھوڑ دینا'' شریعت کی اصطلاح میں دارالکفر کو چھوڑ کر دارالاسلام میں چلے جانے کو ہجرت کہتے ہیں۔

علامہ ابن عربی رحمہ اللہ نے ہجرت کی چھ اقسام بیان فرمائی ہیں:

(۱) دارالکفر کو چھوڑ کر دارالاسلام میں سکونت اختیار کر لینا۔

(۲) ایسے شہر اور جگہ سے نکل جانا جہاں گناہوں اور بدعات کا غلبہ ہو۔

(۳) ایسے ملک کو چھوڑ دینا جہاں حرام روزی کا غلبہ ہو۔

(۴) جسمانی تکلیف اور بیماری کی وجہ سے کسی علاقے کو چھوڑ دینا۔

(۵) جس شہر کی آب وہوا موافق نہ آئے وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہو جانا۔

(۶) جس جگہ مالی نقصان اور چوری ڈکیتی کا اندیشہ ہو وہاں سے چلے جانا۔{۱۸۱}

ہجرت کی قسمیں:

بعض جدید علماء نے بڑے جامع انداز میں ہجرت کی تین قسمیں بیان کی ہیں، ہجرتِ مکان، ہجرتِ عامل اور ہجرتِ عمل۔

ہجرتِ مکان:

ہجرتِ مکان یہ ہے کہ انسان ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ سکونت اختیار کر لے، ایک مسلمان کے لئے ترکِ سکونت کی بنیادی وجہ صرف ایمان اور ایمانی تقاضوں کا تحفظ ہی ہونا چاہیئے۔ جبکہ آج یہ ہو رہا ہے کہ مسلمان کثرت سے

{۱۸۰} روح المعانی ۱۸۸/۳

{۱۸۱} احکام القرآن ۴۸۴/۱۔۴۸۶

دارالاسلام سے دارالکفر کی طرف منتقل ہونا چاہتے ہیں۔حالانکہ اس کی وجہ سے دین،اخلاق اور اولاد کا مستقبل سب کچھ خطرے سے دوچار ہوجاتا ہے اور اس کی وجہ سے کافروں کی اقتصادیات مضبوط ہوتی ہیں، کتنے ہی مسلمان تاجر،سائنسدان،صنعت کار،انجینئر،ڈاکٹر،پروفیسر اور صاحبِ علم ایسے ہیں جن کی صلاحیتیں کافر ملکوں کی اقتصادی، دفاعی، سائنسی اور علمی ترقی کے لئے وقف ہوکر رہ گئی ہیں اور اسلامی ممالک ان کی صلاحیتوں سے استفادہ سے یکسر محروم ہیں۔

بنابریں ایک مسلمان کو دارالکفر میں جانے کی اجازت تین شرطوں کے ساتھ دی جاسکتی ہے۔

۱۔اس کے پاس اتنا علم ہو جس کے ذریعہ وہ کافروں کی طرف سے دین اسلام پر کیئے جانے والے اعتراضات اور شکوک وشبہات کا مقابلہ کرسکے، کیونکہ کفار کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایک مسلمان اگر یہودی یا عیسائی نہ بھی بنے تو کم از کم ان کے مسموم پروپیگنڈا سے متاثر ہوکر مسلمان بھی نہ رہے اور وہ قرآن،حضور اکرم ﷺ،ازواجِ مطہراتؓ،صحابہ کرامؓ اور اسلامی تاریخ کے بارے میں بدگمانی اور شکوک وشبہات کا شکار ہوجائے۔

۲۔وہ تدین وتقویٰ کی ایسی قوت سے آراستہ ہو جو اسے شہوت پرستی سے بچائے رکھے، کیونکہ یورپ والوں کے نئے خدا کا نام سفلی خواہشات اور نفسانی شہوات ہے،وہ خود بھی اس کی پرستش میں مبتلا ہیں اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو بھی اس کی پرستش میں مصروف دیکھنا چاہتے ہیں۔

۳۔کافر ملک کی طرف سفر کرنے کی کوئی حقیقی وجہ اور واقعی مجبوری ہو مثلاً کوئی ایسی بیماری جس کا علاج صرف وہیں ہوتا ہو،کسی ایسے جائز علم اور فن میں مہارت جس کی تحصیل وہاں جائے بغیر ممکن نہ ہو،کوئی معاشی اور تجارتی مجبوری جس کے لئے دارالکفر کا سفر ضروری ہوجائے،اسلام کی دعوت وتبلیغ جب کہ اس کا جذبہ بھی ہو اور صلاحیت بھی،اور اگر وہاں جانے والا ہر مسلمان ہی داعی بن جائے تو پھر کہنا ہی کیا ہے۔لیکن افسوس یہ کہ کافر ممالک کی طرف سفر کرنے والے اکثر مسلمان داعی نہیں ہوتے، مدعو ہوتے ہیں، وہ کافروں کی ہر چیز سے متاثر ہوجاتے ہیں، ان کی تہذیب وثقافت سے،ان کی تجارت اور سیاست سے،ان کی معاشرت اور عیش وعشرت سے بلکہ بہت سارے تو سفر ہی اس مقصد کے لئے کرتے ہیں، وہ عیاشی ہی کی خاطر وہاں جاتے ہیں اور عیاشی پر ہی لاکھوں روپیہ پانی کی طرح بہاتے ہیں، ان کی حرکتیں دیکھ کر مسلمان تو مسلمان، کافر بھی انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں ۔ یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

ہجرتِ عمل:

ہجرتِ عمل یہ ہے کہ انسان گناہوں کو چھوڑ دے، خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے مثلاً گالی گلوچ، غصب ونھب، ظلم اور زیادتی اور والدین کی نافرمانی وغیرہ۔

ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا فرمان ہے:

''المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده والمهاجر من هجر مانهی الله عنه''{۱۸۲}

(مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کے شر سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو ان کاموں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے)

ہجرتِ عامل:

ہجرتِ عامل کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی اصلاح کے لئے یا اس کے شر سے بچنے کے لئے اس سے قطع تعلقی کر لی جائے مثلاً اگر کوئی شخص علانیہ گناہوں میں مبتلا ہے تو اس سے بات چیت نہ کی جائے تا کہ وہ توبہ کرنے پر مجبور ہو جائے یا نافرمان اولاد اور شاگرد سے علیحدگی اختیار کر لی جائے تا کہ اس کی سرزنش ہو۔

لیکن کسی مصلحت اور اصلاح کی نیت کے بغیر محض بغض اور حسد کی بناء پر کسی مسلمان سے قطعِ تعلق حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطعِ تعلق کرے، اور یوں ہو کہ جب دونوں کا آمنا سامنا ہو تو یہ اِدھر منہ کر لے اور وہ اُدھر منہ کر لے اور ان دونوں میں سے بہتر وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔''{۱۸۳}

غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم سے جو وقتی طور پر قطع تعلقی کی تھی وہ اسلامی تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے۔{۱۸۴}

۲۔ اصحابِ عذر پر جیسے جہاد فرض نہیں اسی طرح ہجرت بھی فرض نہیں ہے۔

{۱۸۲} صحیح بخاری کتاب الرقاق ۲/۹۶۰/مسلم کتاب الایمان ۱/۴۸

{۱۸۳} بخاری کتاب الادب ۲/۸۹۷مسلم کتاب البر والصلة و الادب ۲/۳۱۶

{۱۸۴} ہجرت کی مذکورہ بالا قسمیں ریاض الصالحین کی اس شرح کے ص۔۱۵ سے ص ۶۱ تک میں مذکور ہیں جو شیخ محمد بن صالح عثیمین کے درسی افادات پر مشتمل ہے

۳۔اللہ کی رضا کے لئے ہجرت کرنا بڑا فضیلت والا عمل ہے،اس کی برکت سے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں اور فقر وفاقہ اور تنگی سے بھی نجات مل جاتی ہے۔حضرت ابراہیم،حضرت موسیٰ اور خود ہمارے آقا علیہم الصلوٰۃ والسلام،ان سب نے ہجرت کی اور ہجرت کی وہ ساری برکات انہیں حاصل ہوئیں جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وعدہ فرمایا ہے۔

۴۔ہر ایسا سفر جو رضاءِ الٰہی کے لئے ہو مثلاً سفرِ حج یا طلبِ علمِ دین کے لئے سفر، وہ بھی ہجرت کے حکم میں داخل ہے۔{۱۸۵}

۵۔جس شخص کا ہجرت کی راہ میں انتقال ہو جائے وہ ہجرت کے پورے اجر کا حقدار ہوگا۔

۶۔حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عدمِ ہجرت حقیقت میں اتنا بڑا گناہ ہے کہ ''غفوراً'' لاکر اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ اگرچہ عذر بھی تھا اور اس لئے گناہ بھی نہیں ہوا مگر پھر بھی یہ گناہ کے مشابہ ہے جسے اللہ نے معاف کر دیا ہے۔

صلاۃِ سفر اور صلاۃِ خوف
(۱۰۱-۱۰۳)

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ
اور جب تم سفر کرو ملک میں تو تم پر گناہ نہیں کہ کچھ کم کرو نمازمیں سے اگر تم کو ڈر ہو کہ ستاویں

يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا ﴿١٠١﴾ وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ
گے تم کو کافر البتہ کافر تمہارے صریح دشمن ہیں اور جب تو ان میں موجود ہو پھر نماز میں کھڑا کرے

فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ
تو چاہیے ایک جماعت ان کی کھڑی ہو تیرے ساتھ اور ساتھ لے لیویں اپنے ہتھیار پھر جب یہ سجدہ کریں تو ہٹ جاویں تیرے پاس سے

وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ الَّذِينَ
اور آوے دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ نماز پڑھیں تیرے ساتھ اور ساتھ لیویں اپنا بچاؤ اور ہتھیار کافر چاہتے ہیں

كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
کسی طرح تم بے خبر ہو اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے تا کہ تم پر حملہ کریں یکبارگی اور تم پر کچھ گناہ نہیں

{۱۸۵} قالوا كل هجرة لطلب علم او حج او جهاد او فرار الى بلد يرادفيه طاعة او قناعة او زهد او ابتغاء رزق طيب فهي هجرة الى الله ورسوله (مدارك)

إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰ أَن تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ
اگر تم کو تکلیف ہو مینہ سے یا تم بیمار ہو کہ اتار رکھو اپنے ہتھیار اور ساتھ لے لو اپنا بچاؤ بیشک اللہ نے تیار کر رکھا

لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٠٢﴾ فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ
ہے کافروں کے واسطے عذاب ذلت کا پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو یاد کرو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے

فَإِذَا اطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾
پھر جب خوف جاتا رہے تو درست کرو نماز کو بیشک نماز مسلمانوں پر فرض ہے اپنے مقرر وقتوں میں

ربط: جہاد اور ہجرت کا مضمون چل رہا ہے، جہاد کے لئے سفر بھی ضروری ہے، سفر یا جہاد کی وجہ سے نماز ساقط تو نہیں ہوتی، البتہ اس کی کمیت اور کیفیت میں قصر ہو جاتا ہے، یہاں اسی قصر کا بیان ہے۔

تسہیل: اور جب تم سفر کرو تو تم پر نماز میں کمی کرنے کی صورت میں کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ جبکہ تمہیں کافروں کی جانب سے ستائے جانے کا اندیشہ ہو، بے شک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں ٥ اے میرے نبی! اگر آپ ان کے درمیان موجود ہوں اور انہیں نماز پڑھانے لگیں تو چاہیئے کہ ان میں سے ایک گروہ اپنے ہتھیاروں کو لئے ہوئے آپ کے ساتھ کھڑا ہو جائے، پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو یہ پیچھے چلے جائیں اور ان کی جگہ دوسرا گروہ آ جائے جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی اور وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اور انہیں بھی چاہیئے کہ اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار ساتھ لئے رہیں، کافر تو یہ تمنا کرتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور ساز و سامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں، البتہ اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو پھر ہتھیار کھول دینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں مگر پھر بھی ہوشیار ضرور رہنا، بے شک اللہ نے کافروں کے لئے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے ٥ پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرتے رہو پھر جب مطمئن ہو جاؤ تو ویسے ہی نماز پڑھو جیسے امن کی حالت میں پڑھتے تھے، بے شک ایمان والوں پر نماز پابندیٔ وقت کے ساتھ فرض ہے ٥

تفسیر

﴿۱۰۱﴾ اس آیت کریمہ میں سفر کی صورت میں نماز کی رکعات میں قصر کی اجازت دی گئی ہے، یعنی چار رکعت والی نماز کی صرف دو رکعت ادا کی جائیں گی اور یہ قصر، امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک واجب ہے، کیونکہ نبی

کریمﷺ سفر میں قصر ہی فرماتے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ میں سفر میں رسول اللہﷺ کے ساتھ رہا ہوں آپ دو رکعات سے زائد نہیں پڑھتے تھے، یونہی مجھے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھی سفر کرنے کا اتفاق ہوا، یہ حضرات بھی پوری زندگی سفر میں دو رکعات ہی ادا فرماتے رہے۔{۱۸۶}

بعض حضرات کو ''لیس علیکم جناح'' (تم پر کوئی گناہ نہیں) کے الفاظ سے یہ شبہ ہوا ہے کہ قصر واجب نہیں ہے بلکہ اختیاری چیز ہے۔

امام زمخشری رحمہ اللہ نے جواب دیا ہے کہ صحابہ کرام پوری نماز پڑھنے کے عادی تھے تو کسی کو یہ اشکال ہو سکتا تھا کہ شاید قصر کی وجہ سے ثواب میں کوئی کمی واقع ہو جائے گی اس لیے ''لیس علیکم جناح'' (تم پر کوئی گناہ نہیں) فرما کر اس اشکال کو دور کر دیا گیا۔{۱۸۷}

''ان خفتم'' (اگر تمہیں ڈر ہو) ان الفاظ سے بعض حضرات نے یہ سمجھا کہ یہ آیت صلاۃ خوف کے بارے میں ہے اور قصر سے مراد قصر کیفیت ہے یعنی جنگ اور دشمن کے خوف کی صورت میں نماز کی رکعات میں تو کوئی تبدیلی نہیں آئے گی البتہ اس کی کیفیت بدل جائے گی اور دورانِ نماز چلنے پھرنے کی اجازت ہوگی لیکن یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے اور آیت میں خوف کی قید احترازی نہیں بلکہ اتفاقی اور اس وقت کے حالات کی مناسبت سے ہے، کیونکہ اس وقت مسلمانوں کو دورانِ سفر کافروں کی طرف سے ظلم اور زیادتی کا خوف رہتا تھا۔

صحیح مسلم میں ہے: یعلی بن امیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اب جبکہ ہمیں دشمنوں کا خوف نہیں تو ہم کیوں قصر کرتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے وہی اشکال ہوا تھا جو تمہیں اشکال ہوا ہے اور میں نے اس بارے میں رسول اللہﷺ سے سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا ''صدقة تصدق اللہ بھا علیکم فاقبلوا صدقتہ''{۱۸۸} (یہ اللہ نے تم پر ایک صدقہ کیا ہے تو تم اس کے صدقہ کو قبول کرلو۔)

﴿۱۰۲﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر صلاۃِ خوف کی کیفیت بیان فرمائی ہے اور بظاہر حضور اکرمﷺ ہی

{۱۸۶} بخاری ۱/۱۴۹ مسلم

{۱۸۷} کشاف ۱/۴۲۰

{۱۸۸} صحیح مسلم ۱/۲۴۱

سے خطاب ہے، لیکن جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حکم قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے عام ہے۔ {۱۸۹}

نمازِ خوف عام طور پر اس وقت ادا کی جاتی ہے جب لشکرِ اسلام میں کوئی ایسی محترم اور بزرگ شخصیت موجود ہو جس کے پیچھے ہر کوئی نماز پڑھنا چاہتا ہو اور دوسری جانب دشمن کی نگرانی اور اس سے بچاؤ بھی ضروری ہو، لیکن اگر سب لوگ کسی خاص امام کے پیچھے نماز پڑھنا نہ چاہتے ہوں نہ ہو تو پھر صلاۃ خوف کی ضرورت نہیں، بلکہ ٹولیوں کی شکل میں مختلف ائمہ کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے نمازِ خوف کے جس طریقے کو پسند کیا ہے اور قرآن کے ظاہری الفاظ سے بھی جس کی تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ایک گروہ امام کے پیچھے نماز کے لئے کھڑا ہو اور دوسرا دشمن پر نظر رکھے، پہلا گروہ ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ پڑھ کر دشمن کے مقابلے میں چلا جائے اور دوسرا گروہ امام کے پیچھے آ جائے۔ امام ان کے ساتھ دوسری رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے گا لیکن یہ لوگ سلام نہیں پھیریں گے اور دشمن کے مقابلے میں چلے جائیں گے، پھر پہلا گروہ بغیر قراءت کے اپنی نماز پوری کرلے گا، اس لئے کہ وہ لاحق کے حکم میں ہے اور لاحق پر قراءت نہیں ہے، پھر دوسرا گروہ اپنی نماز سورت اور فاتحہ کے ساتھ پوری کرے گا، اس لئے کہ وہ مسبوق کے حکم میں ہے۔

یہ طریقہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھم سے بھی مروی ہے {۱۹۰}

''ودالذین کفروا'' مسلمانوں کو بار بار تاکید کی گئی ہے کہ کسی صورت بھی اسلحہ سے اور اپنے بچاؤ کے سامان سے غافل نہ ہو جانا، کافروں کی یہ دلی آرزو ہے کہ تم اپنے بچاؤ سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر یکبارگی حملہ کر کے تمہیں ختم کر دیں۔

﴿۱۰۳﴾ اے مسلمانو! جب تم نماز ادا کر چکو خواہ وہ سفر کی نماز ہو یا خوف کی یا عام حالت کی تو پھر اللہ کے ذکر پر مداومت کیا کرو، دلوں میں اس کی نعمتوں کو یاد کرو اور زبان سے اس کی حمد و تسبیح بیان کرو۔ اللہ کا ذکر ایسی چیز ہے جو مشکلات اور پریشانیوں میں دل کو تقویت دیتا ہے اور ہمت بڑھا دیتا ہے۔ ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ باوجودیکہ مخلوقِ خدا

{۱۸۹} ھذہ الآیۃ خطاب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یتناول الامر الی یوم القیمۃ، ھذا قول کافۃ العلماء۔ (قرطبی ۵/۳۶۴)

{۱۹۰} بخاری ۱/۶۲۸

کے ساتھ بے حد مصروف رہتے تھے، آپ کا کوئی وقت اللہ کے ذکر سے خالی نہیں ہوتا تھا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے:

''کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ فی کل احیانہ'' (رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے) {۱۹۱}

''فاذا اطمأننتم'' جب سفر یا جنگ ختم ہو جانے کی وجہ سے تمہیں اطمینان نصیب ہو جائے تو پھر اسی طریقے سے نماز ادا کرو جس طرح عام حالات میں کرتے ہو یعنی رکعات بھی پوری ہوں اور ارکان اور شروط کا بھی پورا پورا لحاظ ہو۔

حکمت وہدایت:

۱۔ سفر میں قصر کرنا احناف کے نزدیک واجب ہے، اگر کسی نے پوری چار رکعات پڑھ لیں اور درمیان میں قعدہ کر لیا تو آخر میں سجدہ سہو کرنے کی صورت میں دو رکعت فرض اور دو رکعت نفل شمار ہوں گی اور اگر درمیان میں قعدہ نہ کیا تو نئے سرے سے پڑھنا ضروری ہوگا۔

۲۔ جو سفر ۴۸۔۷۷ کلومیٹر سے کم ہو اس میں پوری نماز پڑھی جائے گی۔

۳۔ جب مسافر منزل پر جا پہنچے تو اگر وہاں پندرہ دنوں سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو قصر کرے گا اور اگر پندرہ دن یا زیادہ رہنے کا ارادہ ہو تو پوری نماز پڑھے گا۔

۴۔ قصر، صرف ظہر، عصر اور عشاء کے فرائض میں ہے مغرب، فجر، سنتوں اور وتر میں قصر نہیں ہے۔

۵۔ سفر میں اگرچہ خوف، پریشانی اور تھکاوٹ نہ ہو تو بھی قصر ہی کیا جائے گا۔

۶۔ قصر کی اجازت چونکہ خود شارع نے دی ہے، اس لئے قصر کی وجہ سے ثواب میں کمی کا اندیشہ بے جا ہے۔

۷۔ صلاۃِ خوف جائز ہے اور اس میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

۸۔ جیسے انسانوں سے خوف کے وقت نمازِ خوف پڑھنا جائز ہے، ایسے ہی اگر درندوں کے حملے کا خوف ہو اور نماز کا وقت بھی تنگ ہو، اس وقت بھی جائز ہے۔

۹۔ جماعت کی نماز کی اس قدر اہمیت اور فضیلت ہے کہ حالتِ جنگ میں بھی اس کا حکم ہے۔

۱۰۔ اللہ کا ذکر نماز کے بعد اور ہر حال میں مستحب ہے، اس کے لئے وضو بھی ضروری نہیں ہے۔

{۱۹۱} ابو داؤد: ۱/۴

۱۱۔ ذکر اللہ میں قرآن کا اصل مطالبہ دوام اور کثرت کا ہے۔ حالتِ جنگ میں بھی مسلمانوں کو اللہ کے ذکر سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔

۱۲۔ نماز کا اپنے معین وقت میں ادا کرنا ضروری ہے۔ اس کی ادائیگی میں تاخیر کرنا مسلمان کی شان نہیں ہے۔

ترغیبِ قتال

(۱۰۴)

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ

اور ہمت نہ ہارو ان کا پیچھا کرنے سے اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں جس طرح تم ہوتے ہو اور تم کو اللہ سے امید ہے

مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾

جو ان کو نہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے

ربط: ہجرت اور جہاد و قتال ہی کے مضمون کا تسلسل ہے۔

تسہیل: دشمنوں کے تعاقب میں کمزوری نہ دکھاؤ، اگر تمہیں دکھ پہنچا ہے تو وہ بھی دکھ اٹھائے ہوئے ہیں جیسے تم دکھ اٹھائے ہوئے ہو اور تم اللہ سے اس چیز کی امید رکھتے ہو جس کی وہ امید نہیں رکھتے اور اللہ تو ہے ہی بڑا علم والا، بڑا حکمت والا ٥ ﴿۱۰۴﴾ یہ آیت غزوہ حمراء الاسد کے بارے میں نازل ہوئی جب مسلمان زخمی تھے اور آپ ﷺ نے انہیں مشرکین کے تعاقب میں نکلنے کی ترغیب دی تھی۔

فرمایا گیا مسلمانو! تمہیں چاہیئے کہ مشرکین کا مقابلہ اور تعاقب کرنے کے لئے ہمیشہ مستعد رہو اور اس سلسلہ میں کبھی بھی سستی نہ دکھاؤ، نہ ہی زخموں، بھوک پیاس اور قید و بند سے دل چھوٹا کرو، اس لئے کہ یہ سب کچھ تو جنگ کا حصہ ہے، تمہارے دشمنوں کو بھی ان مسائل اور مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن کا تمہیں سامنا کرنا پڑتا ہے، حالانکہ ان کے سامنے کوئی اعلیٰ مقصد نہیں ان کی جنگ نسل، نسب، وطن، دولت، شہرت اور اقتدار کے لئے ہوتی ہے، جبکہ تم اعلاءِ کلمۃ اللہ، ظلم و ستم کے خاتمہ اور رضاءِ الٰہی کے حصول کے لئے لڑتے ہو، تم اللہ تعالیٰ کی نصرت، رحمت اور جنت کی امید رکھتے ہو جبکہ وہ اس کی امید نہیں رکھتے، تمہاری فتح تو فتح شکست بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے گویا حضرت کیفی رحمہ اللہ کے الفاظ میں۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے کہ یہ آئینہ ہے وہ آئینہ
شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

حکمت وہدایت:

۱۔ مسلمان مجاہدین کو دشمنانِ اسلام سے مقابلہ کے لئے ہمیشہ مستعد رہنا چاہیئے۔ (۱۰۴)

۲۔ فتح ہو یا شکست، زندگی ہو یا شہادت مسلمان کسی حال میں بھی محروم نہیں رہتا۔

قضاءِ حق وعدل

(۱۰۵۔۱۱۳)

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰىكَ اللّٰهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ

بیشک ہم نے اتاری تیری طرف کتاب سچی کہ تو انصاف کرے لوگوں میں جو کچھ سجھاوے تجھ کو اللہ اور تو مت ہو دغابازوں کی طرف سے

خَصِيمًا ﴿۱۰۵﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿۱۰۶﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ

جھگڑنے والا اور بخشش مانگ اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور مت جھگڑ ان کی طرف سے جو اپنے جی میں دغا رکھتے ہیں

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ﴿۱۰۷﴾ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ

اللہ کو پسند نہیں جو کوئی ہو دغاباز گنہگار شرماتے ہیں لوگوں سے اور نہیں شرماتے اللہ سے اور وہ ان

مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿۱۰۸﴾ هَٰٓأَنتُمْ هٰٓؤُلَآءِ

کے ساتھ ہے جب کہ مشورہ کرتے ہیں رات کو اس بات کا جس سے اللہ راضی نہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کے قابو میں ہے سنتے ہو تم لوگ

جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَن يُجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَم مَّن يَكُونُ عَلَيْهِمْ

جھگڑا کرتے ہو ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں پھر کون جھگڑا کرے گا ان کے بدلے اللہ سے قیامت کے دن یا کون ہوگا ان کا

وَكِيلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَن يَعْمَلْ سُوٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُۥ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿۱۱۰﴾

کارساز اور جو کوئی کرے گناہ یا اپنا برا کرے پھر اللہ سے بخشواوے تو پاوے اللہ کو بخشنے والا مہربان

وَمَن يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُۥ عَلٰى نَفْسِهِۦ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَن يَكْسِبْ

اور جو کوئی کرے گناہ سو کرتا ہے اپنے ہی حق میں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے اور جو کوئی کرے

خَطِيٓئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِۦ بَرِيٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتٰنًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿۱۱۲﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ

خطا یا گناہ پھر تہمت لگادے کسی بے گناہ پر تو اس نے اپنے سر دھرا طوفان اور گناہ صریح اور اگر نہ ہوتا تجھ پر

اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُۥ لَهَمَّت طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ أَن يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ ۖ وَمَا

اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تو قصد کر ہی چکی تھی ان میں ایک جماعت کہ تجھ کو بہکادیں اور بہکا نہیں سکتے مگر اپنے آپ کو اور تیرا کچھ

يَضُرُّونَكَ مِن شَيْءٍ ۚ وَأَنزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ

نہیں بگاڑ سکتے اور اللہ نے اتاری تجھ پر کتاب اور حکمت اور تجھ کو سکھائیں وہ باتیں جو تو نہ جانتا تھا اور

فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿۱۱۳﴾

اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے

ربط: ان آیات میں مسلمانوں کو منافقوں سے بچنے اور ان کے ساتھ جہاد کے لئے تیار رہنے کا حکم دیا گیا ہے، احتیاط اور بچاؤ کا سب سے اہم موقع وہ ہوتا ہے جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے، منافقین اس موقع پر جادۂ حق سے ہٹانے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

تسہیل: یقیناً ہم نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب اتاری ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو سمجھا دیا ہے اور آپ خیانت کرنے والوں کی طرفداری نہ کریں٥ اور اللہ سے مغفرت طلب کرتے رہیں بے شک اللہ بڑا مغفرت والا اور بڑا رحم والا ہے٥ اور آپ ان لوگوں کی وکالت نہ کیجیے جو اپنے آپ سے خیانت کرتے ہیں، یقیناً اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو بڑا خائن اور گناہ گار ہو٥ یہ لوگ انسانوں سے تو شرماتے ہیں مگر اللہ سے نہیں شرماتے حالانکہ اللہ اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب یہ راتوں کو ایسے مشورے کرتے ہیں جو اللہ پسند نہیں کرتا اور وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ اس کا احاطہ کیئے ہوئے ہے٥ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر تم لوگ دنیا میں ان کی وکالت کرلوگے تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے ان کی طرف سے کون وکالت کرے گا یا کون ان کا (بگڑا ہوا) کام بنانے والا ہوگا٥ اور جو کوئی بھی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے، پھر وہ اللہ سے مغفرت طلب کرے تو وہ اللہ کو بڑا مغفرت والا اور بڑا مہربان پائے گا٥ اور جو کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے اور اللہ بڑا علم والا اور بڑا حکمت والا ہے٥ اور جو کوئی کسی خطا یا گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دیتا ہے تو حقیقت میں وہ اپنے اوپر ایک بڑا بہتان اور واضح گناہ لے لیتا ہے٥ اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے تو ارادہ کرلیا تھا کہ وہ آپ کو بہکا ہی دیں گے حالانکہ وہ اپنے آپ ہی کو بہکائے ہوئے ہیں اور وہ آپ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت اتاری ہے اور آپ کو وہ کچھ سکھا دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے٥

تفسیر

شانِ نزول: یہ آیات طعمہ بن ابیرق کے بارے میں نازل ہوئیں جو ایک منافق تھا، اس کے چچا کے پاس کسی نے ایک زرہ امانت کے طور پر رکھوائی تھی جو کہ اس نے آٹے کی بوری میں رکھی ہوئی تھی، طعمہ نے آٹے کی وہ بوری چوری کرلی اور اسے زید بن سمین نامی یہودی کے پاس جا کر چھپا دیا، اتفاق سے بوری میں سوراخ تھا جس کی وجہ سے

پورے راستے میں نشان پڑ گیا، طعمہ سے جب پوچھا گیا تو اس نے قسم اٹھائی کہ نہ میں نے زرہ لی ہے اور نہ ہی مجھے اس کا علم ہے، تلاش کرنے والے یہودی کے گھر تک پہنچے تو اس نے طعمہ کی نشاندہی کردی مگر طعمہ اپنے انکار پر قائم رہا اس کی قوم بنوظفر نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ طعمہ کا دفاع فرمائیں اور زید بن سمین یہودی کو متہم فرمادیں، اپنا مدعا انہوں نے اس انداز میں بارگاہِ رسالت میں پیش کیا کہ قریب تھا کہ آنحضرت ﷺ ان کی بات سے متأثر ہوجاتے {۱۹۲} لیکن اللہ نے اپنا فضل فرمایا اور آپ نے بنوظفر کا مدعا پورا کرنے کے بجائے وہی فیصلہ فرمایا جو حق اور عدل کا تقاضا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ طعمہ بن ابیرق مرتد ہو کر مکّہ چلا گیا، وہاں جا کر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا، ایک دفعہ چوری کرتے ہوئے اس کے اوپر دیوار گر پڑی اور وہ اس کے نیچے دب کر مر گیا۔

﴿۱۰۵﴾ فرمایا گیا کہ اس کتاب کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ آپ لوگوں کے درمیان عدل اور انصاف کے مطابق فیصلے کریں اور اگر کوئی حکم کتاب اللہ میں صراحۃً موجود نہ ہو تو آپ اجتہاد کریں اور کسی صورت بھی خیانت پیشہ لوگوں کی طرفداری اور ان کی جانب سے دفاع نہ کریں۔

اس آیت سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ خائنوں کی طرفداری فرماتے تھے۔ بات صرف اتنی تھی کہ آپ نے طعمہ کو مسلمان سمجھ کر اس کے بارے میں حسنِ ظن سے کام لیا کہ یہ سچ بولتا ہوگا اور آپ نے محض دل میں اس کا ساتھ دینے کے بارے میں سوچا، لیکن جب آپ پر حقیقت واضح ہوئی تو آپ نے طعمہ کے خلاف فیصلہ فرمایا اور یہودی کو بری الذمہ قرار دیا۔

﴿۱۰۶﴾ ''واستغفر اللہ'' آپ سے کوئی گناہ نہیں ہوا، اس کے باوجود آپ کو استغفار کا حکم آپ کے درجات کی بلندی اور ''حسنات الابرار سیأت المقربین '' (نیکوں کی نیکیاں مقربین کی برائیاں شمار ہوتی ہیں) کے قبیل سے تھا اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو استغفار کا حکم ان مسلمانوں کے حق میں دیا جو محض رشتہ داری اور برادری کی بنیاد پر طعمہ کا ساتھ دے رہے تھے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے جمع کا لفظ (خائنین) استعمال کیا ہے، حالانکہ چوری اور خیانت تو صرف طعمہ نے کی تھی، مگر بنوظفر کے جن لوگوں نے طعمہ کی برأت اور سچائی کی گواہی دی، قرآن نے

{۱۹۲} اسباب النزول للواحدی ۲/۱۲۸ ترمذی

ان کو بھی گناہ میں شریک کرلیا۔[۱۹۳]

﴿۱۰۷﴾ دوبارہ تاکید فرمائی کہ خیانت کرنے والوں کی طرف سے آپ کوئی جواب دہی نہ کریں، کیونکہ یہ اللہ کو پسند نہیں۔

"یختانون انفسھم" خیانت کا وبال اور نقصان بالآخر خائن پر ہی پڑتا ہے، اس لئے خیانت کو خیانتِ نفس سے تعبیر فرمایا ہے۔[۱۹۴]

﴿۱۰۸﴾ ان خیانت پیشہ لوگوں کا حال یہ ہے کہ جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے لوگوں سے حیا کرتے اور خوف کھاتے ہیں لیکن اللہ سے نہ تو ڈرتے ہیں اور نہ ہی شرماتے ہیں، حالانکہ لوگ تو ہر وقت ان کے ساتھ نہیں ہوتے جبکہ اللہ تعالیٰ ہر وقت ان کے ساتھ ہوتا ہے یعنی وہ ان کی حرکتوں کو دیکھ رہا ہوتا ہے اور ان کی باتوں کو سن رہا ہوتا ہے۔[۱۹۵]

﴿۱۰۹﴾ اے مسلمانو! اگر تم نے دنیا میں کسی چور اور خائن کی حمایت اور طرفداری کرلی تو قیامت کے دن جب معاملہ اللہ کے روبرو پیش ہوگا اور اللہ مجرموں کو پکڑے گا تو وہاں ان کا ساتھ دینے اور ان کی وکالت کرنے کی کسے جرأت ہوگی؟

﴿۱۱۰﴾ اوپر کی تنبیہوں اور وعیدوں کے بعد گناہ گاروں اور ان کے حمایتیوں کو ناامیدی سے بچانے کے لئے سمجھایا جارہا ہے کہ گناہ کیسا ہی کیوں نہ ہو، خواہ متعدّی ہو جیسے ظلم، دھوکہ فریب اور رشوت خوری وغیرہ یا ایسا گناہ ہو جس کا اثر اپنے تک محدود ہو مثلاً ترکِ نماز، شراب نوشی وغیرہ...... جب اس سے توبہ کرلی جائے تو اللہ معاف فرمادیتا ہے۔[۱۹۶]

﴿۱۱۱﴾ اس آیت کریمہ میں ایک عام اصول کے انداز میں گناہ کے ارتکاب سے ڈرایا جارہا ہے کہ جو کوئی بھی گناہ کرتا ہے تو اس کا وبال خود اس پر پڑتا ہے اور اس کی سزا اسی کو بھگتنی ہوتی ہے۔

﴿۱۱۲﴾ گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ یہ ہے کہ انسان کسی گناہ کا ارتکاب تو خود کرے، لیکن اس کا بہتان کسی بے گناہ پر لگادے ایسا شخص حقیقت میں دو جرموں کا ارتکاب کرتا ہے ایک نفسِ گناہ، دوسرے بہتان تراشی۔

{۱۹۳} کشاف ۱/۴۲۳

{۱۹۴} جعل خیانة الغیر خیانة لانفسھم لان وبالھا وضررھا عائد علیھم (روح المعانی ۳/۲۰۶)

{۱۹۵} ای بالعلم والرؤیة والسمع ھذا قول اھل السنة (قرطبی)

{۱۹۶} "فمن یعمل سوء" قبیحا یسوء به غیره" اویظلم نفسه" بما یختص به ولا یتعداه (بیضاوی ۱/۲۵۰)

﴿۱۱۳﴾اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی عصمت اور حفاظت کو بیان کیا ہے۔
بنوظفر کے بعض لوگوں نے پوری کوشش کی تھی کہ آپ حق اور عدل کا فیصلہ نہ کر سکیں اور مجرم کے بجائے غیر مجرم کو مورد الزام ٹھہرادیں لیکن چونکہ حق تک رسائی اور نبوت وعصمت کی صورت میں آپ پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور رحمت تھی اس لئے وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوسکے۔

''وانزل اللہ علیک'' اللہ نے آپ پر کتاب نازل کی اور آپ کو حکمت کی تعلیم دی یعنی اس کتاب کے حقائق اور اسرار آپؐ پر کھولے اور آپ کو وہ علوم ومعارف سکھائے جو آپ نبوت ملنے سے پہلے نہیں جانتے تھے اور خاتم النبیین ہونے اور دوسری بہت ساری نعمتوں کے اعتبار سے آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل تھا۔

حکمت وہدایت:

۱۔کتاب اللہ کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنے فیصلے اسی کے مطابق کریں۔(۱۰۵)

۲۔جولوگ کسی مجرم کا ساتھ دیں وہ بھی قابلِ مذمّت ہوتے ہیں......اسی لئے قرآن نے طعمہ بن ابیرق کا ساتھ دینے والوں یعنی بِشر، بشیر اور مبشر اور اُسَیر بن عروہ کو بھی ''خائنین'' کہا ہے۔

۳۔جس شخص کا کسی جرم میں مبتلا ہونا یقینی طور پر معلوم ہوجائے اس کی وکالت اور نیابت جائز نہیں۔(۱۰۵)(جبکہ آج کل پیشہء وکالت سے وابستہ لوگ چور، ڈاکو اور قاتل کی طرف سے وکالت کے لئے بلا جھجک تیار ہوجاتے ہیں)

۴۔اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں کو ایسے کاموں سے بھی استغفار کا حکم دیا جاتا ہے جو حقیقت میں گناہ نہیں ہوتے۔(۱۰۶)

۵۔ہر گناہ سے استغفار واجب ہے خواہ وہ کبیرہ ہو یا صغیرہ۔(۱۰۶)

۶۔خیانت پیشہ اور گناہ کے عادی لوگوں سے محبت جائز نہیں۔(۱۰۷)

۷۔انسان کی فکر ونظر کی کوتاہی میں سے یہ بھی ہے کہ یہ انسانوں سے تو شرماتا ہے مگر اللہ سے نہیں شرماتا۔(۱۰۸)

۸۔قیامت کے احوال یاد کر کے نصیحت حاصل کرنا مستحب ہے۔(۱۰۹)

۹۔توبہ کا دروازہ ہر چھوٹے بڑے گناہ گار کے لئے کھلا ہوا ہے۔(۱۱۰)

۱۰۔دنیا اور آخرت میں بالآخر گناہ کا وبال گناہ گار پر ہی پڑتا ہے۔(۱۱۱)

۱۱۔وہ شخص بدترین ہے جو کسی پاکباز پر گناہ کی یا امین پر خیانت کی تہمت لگاتا ہے خواہ یہ تہمت قصداً ہو یا بغیر قصد کے ہو۔{۱۹۷} (۱۱۲)

۱۲۔اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال نہ ہو تو نیک لوگ بھی چالاک لوگوں کی باتوں سے متأثر ہو جاتے ہیں۔(۱۱۳)

۱۳۔ظالم کے ظلم اور گمراہ کنندہ کی گمراہی کا وبال خود اسی پر پڑتا ہے۔(۱۱۳)

رسول ﷺ اور اجماع کی مخالفت کی سزا

(۱۱۴۔۱۱۵)

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ
کچھ اچھے نہیں ان کے اکثر مشورے مگر جو کوئی کہ کہے صدقہ کرنے کو یا نیک کام کو یا صلح کرانے کو لوگوں میں اور جو کوئی

يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ
یہ کام کرے اللہ کی خوشی کے لئے تو ہم اس کو دیں گے بڑا ثواب اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی

مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ
جب کہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے رستہ کے خلاف تو ہم حوالہ کریں گے اس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے ہم اس کو دوزخ میں

وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾
اور وہ بہت بری جگہ پہنچا

ربط: طعمہ بن ابیرق اور اس کے ساتھیوں نے ایک غلط مقصد کے لئے خفیہ مشورے کیئے یہاں ایسے مشوروں کی مذمت ہے ساتھ ہی یہ بھی بتادیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور اجماعِ امت کا ترک بہت بڑا گناہ ہے۔

تسہیل: عام لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر نہیں ہوتی، البتہ جو لوگ صدقہ خیرات کی یا کسی اچھے کام کی یا آپس میں صلح کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، ان کی خفیہ تدبیروں اور مشوروں میں خیر ہوتی ہے اور جو کوئی یہ کام محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرے گا ہم اسے عنقریب اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے ٥ اور جو شخص حق اور ہدایت کا راستہ واضح ہو جانے کے بعد اللہ کے رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر کسی دوسرے راستے پر چلے گا تو ہم اسے دنیا میں وہ کچھ کرنے دیں گے جو کچھ وہ کر رہا ہے پھر آخرت میں اسے جہنم میں داخل کردیں گے اور وہ جانے کی بہت بری جگہ ہے ٥

{۱۹۷}قال الطبری :انما فرق بین الخطیئة والاثم :ان الخطیة تکون عن عمد وعن غیر عمد، والاثم لایکون الا عن عمد

﴿تفسیر﴾

﴿۱۱۴﴾ اکثر سرگوشیوں اور خفیہ مشوروں میں خیر نہیں ہوتی اس لئے کہ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ اچھی بات اور بھلائی کے مشورہ کو چھپانے کی کوشش نہیں کی جاتی اور شر، دھوکہ، ضرر اور گناہ کی بات چھپ چھپا کر کی جاتی ہے، ہمارے آقا ﷺ کا فرمان ہے:

الإثم ما حاك في النفس وتردد في الصدر وكرهت أن يطلع عليه الناس {۱۹۸}

گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے اور جس کے بارے میں تردد ہو اور تم اس پر لوگوں کے مطلع ہونے کو ناپسند کرو۔

البتہ تین چیزوں کے بارے میں سرگوشی کی اجازت دی گئی ہے۔

(۱) غرباء، مساکین اور نیک کاموں میں خرچ کرنے کا مشورہ...... اس لئے کہ صدقہ خیرات میں اخفاء افضل ہے۔

(۲) کسی بھی اچھے کام کی ترغیب جس میں عام لوگوں کی بھلائی اور مصلحت ہو۔

(۳) جن لوگوں کے درمیان کوئی خصومت یا تنازع ہو ان میں مصالحت اور صلح صفائی کے لئے بھی بسا اوقات دونوں فریقوں سے الگ الگ خفیہ بات کرنی پڑتی ہے، اس لئے اس کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔

''ومن یفعل'' ان تینوں کاموں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجرِ عظیم دیئے جانے کا وعدہ ہے مگر شرط یہ ہے کہ جو کچھ کیا جائے وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا جائے۔

﴿۱۱۵﴾ نیک لوگوں کے لئے اجرِ عظیم کے وعدہ کے بعد ان لوگوں کی مذمت ہے جو ایسی سازشیں اور خفیہ مشورے کرتے ہیں جن کے نتیجے میں وہ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور اجماعِ امت کی مخالفت کے مرتکب ہو جاتے ہیں، ایسے لوگوں کو اپنی سازشیں، کاوشیں اور نظریات بڑے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں اور اللہ کی طرف سے انہیں ان پر عمل پیرا ہونے کی ڈھیل دے دی جاتی ہے، لیکن ان کا اخروی انجام بہت برا ہوگا۔

حکمت وہدایت:

۱۔ خفیہ اجتماعات میں عام طور پر کوئی خیر نہیں ہوتی، اس لئے کہ زیادہ تر ان کا مقصد شر اور ضرر ہی ہوتا ہے۔ (۱۱۴)

۲۔ جب تین افراد ہوں تو دو کو تیسرے کے بغیر کانا پھوسی نہیں کرنی چاہیئے، کیونکہ وہ تیسرا سوچے گا شاید میرے بارے

{۱۹۸} مسند احمد

میں کوئی بات کر رہے ہیں۔{۱۹۹}

۳۔صدقہ خیرات، امر بالمعروف اور لوگوں کے درمیان صلح صفائی کی بڑی فضیلت ہے، اسی لئے ان میں سرگوشی کی اجازت دی گئی ہے۔(۱۱۴) صلح صفائی تو ایسا عمل ہے کہ اس کے لئے ایسی بات کہنے کی بھی اجازت ہے جو بظاہر جھوٹ ہو اور ایسی بات کہنے والے کو اللہ کے ہاں جھوٹا نہیں سمجھا جاتا۔{۲۰۰}

۴۔امتِ اسلامیہ کے مجتہدین کا کسی شرعی مسئلہ پر متفق ہو جانا مستقل حجت ہے جسے اجماعِ امت کہا جاتا ہے۔{۲۰۱}

۵۔اجماعِ امت اور اہلِ سنت والجماعت کے طریقے سے نکلنا حرام ہے۔(۱۱۵)

۶۔جو شخص گمراہی پر چلنے کا فیصلہ کرلے، اس کے لئے گمراہی پر چلنا آسان کردیا جاتا ہے۔(۱۱۵)

۷۔حق واضح ہو جانے کے بعد باطل کو اختیار کرنے والے کے لئے زیادہ سخت وعید ہے۔(۱۱۵)

شرک کی سزا، شیطان کی شرارتیں اور ایمان کی جزاء

(۱۱۶۔۱۲۲)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ

بیشک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک کرے کسی کو اور بخشتا ہے اس کے سوا جس کو چاہے اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا وہ بہک کر

ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿۱۱۶﴾ إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ﴿۱۱۷﴾ لَعَنَهُ اللَّهُ ۘ وَ

دور جا پڑا اللہ کے سوا نہیں پکارتے مگر عورتوں کو اور نہیں پکارتے مگر شیطان سرکش کو جس پر لعنت کی اللہ نے اور

قَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ﴿۱۱۸﴾ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ

کہا شیطان نے کہ میں البتہ لونگا تیرے بندوں سے حصہ مقررہ اور ان کو بہکاؤں گا اور ان کو امیدیں دلاؤں گا اور ان کو سکھلاؤں گا کہ چیریں

آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ

جانوروں کے کان اور ان کو سکھلاؤں گا کہ بدلیں صورتیں بنائی ہوئی اللہ کی اور جو کوئی بنا دے شیطان کو دوست اللہ کو چھوڑ کر تو وہ پڑا

خُسْرَانًا مُبِينًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ﴿۱۲۰﴾ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ

صریح نقصان میں ان کو وعدہ دیتا ہے اور ان کو امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ وعدہ دیتا ہے ان کو شیطان سو سب فریب ہے ایسوں کا ٹھکانا ہے دوزخ

وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ

اور نہ پاویں گے وہاں سے کہیں بھاگنے کو جگہ اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے اچھے ان کو ہم داخل کرینگے باغوں میں کہ جن کے نیچے

{۱۹۹}عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال' اذا کان ثلاثۃ فلایتنا جی اثنان دون واحد فان ذلک یحزنہ "(بخاری ۹۳۰/۲مسلم)

{۲۰۰} عن ام کلثوم بنت عقبۃ رضی اللہ عنہا انہا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول" لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس فینمی خیرا اویقول خیرا"(مسند احمد)

{۲۰۱} تفسیر قرطبی ۳۸۶/۵

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿١٢٢﴾

بہتی ہیں نہریں رہا کریں ان میں ہی ہمیشہ وعدہ ہے اللہ کا سچا اور اللہ سے سچا کون

ربط: علماء کہتے ہیں کہ آیت ۱۱۵ اور ۱۱۶ دونوں طعمہ ہی کے قصہ میں نازل ہوئیں، اگر وہ مرتد نہ ہو جاتا اور اپنے گناہ سے توبہ کر لیتا تو اس کی مغفرت ہو جاتی، اس لئے کہ شرک کے سوا ہر گناہ قابلِ معافی ہے......اس کے بعد شیطان کی شرارتیں اور عزائم ذکر کیئے گئے ہیں اور اس کی شرارت یہی ہے کہ وہ شرک اور معاصی کی طرف دعوت دیتا ہے پھر قرآن کے عام اسلوب کے مطابق شرک کے مقابلے میں ایمان اور اعمالِ صالحہ، اور جہنم کے مقابلے میں جنت کا ذکر کیا گیا ہے۔

تسہیل: بے شک اللہ تعالیٰ اس جرم کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے لیکن اس کے سوا جتنے بھی جرائم ہیں ان کے مجرموں میں سے جسے چاہے گا بخش دے گا، کیونکہ جو شخص کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑتا ہے ٥ یہ مشرک لوگ اللہ کو چھوڑ کر صرف زنانی چیزوں اور صرف سرکش شیطان ہی کی عبادت کرتے ہیں ٥ جس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، اس نے ملعون ہوتے وقت کہا تھا کہ میں تیرے بندوں میں سے اپنا متعین حصہ ضرور لے کر رہوں گا ٥ جس کی صورت یہ ہوگی کہ میں ان کے عقائد خراب کردوں گا اور انہیں حرص و ہوس میں مبتلا کردوں گا اور انہیں ایسی ترغیب دوں گا کہ وہ چوپاؤں کے کان کاٹنے لگیں اور ایسی تعلیم دوں گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت بگاڑنے لگیں......شیطان کے ارادے تو اپنی جگہ مگر یاد رکھو کہ جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنالے گا وہ صریح نقصان میں پڑے گا ٥ شیطان لوگوں سے جھوٹے وعدے کرتا ہے اور انہیں فضول امیدوں اور آرزوؤں میں ڈال دیتا ہے، شیطان ان سے جو بھی وعدے کرتا ہے وہ سب فریب ہیں ٥ شیطان کے وعدوں پر یقین کر لینے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور انہیں جہنم سے بچنے کی کوئی جگہ نہیں ملے گی ٥ لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیئے ہم انہیں ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے ساتھ ساتھ نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور اللہ سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے؟ ٥

تفسیر

﴿۱۱۶﴾ شرک ایسا جرم اور مشرک ایسا مجرم ہے جس کی معافی کی کوئی صورت نہیں، مشرک حق اور ہدایت سے بہت دور

چلا جاتا ہے اور وہ اپنی عقل کو فساد سے اور روح کو غلاظت سے آلودہ کر لیتا ہے۔

شرک کے علاوہ جتنے بھی گناہ ہیں سب قابلِ معافی ہیں مگر معاف کرنا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے قرآن کریم کی یہ آیت سب آیتوں سے زیادہ محبوب ہے{۲۰۲}(کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے ہر گناہ کو قابلِ معافی قرار دیا ہے)

﴿۱۱۷﴾ اول تو شرک کرنا ہی حماقت ہے مگران مشرکوں کی حماقت پر حماقت یہ ہے کہ انہوں نے ایسے مُردوں اور پتھروں کو معبود قرار دے رکھا ہے جو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان دے سکتے ہیں{۲۰۳} اور وہ عورتوں کے نام سے موسوم ہیں مثلاً لات، عزّیٰ، مناۃ اور نائلہ وغیرہ یہ سب نسوانی نام ہیں، یوں بھی ہر قبیلہ کے بت کو ''انثی بنی فلان'' (فلاں قوم کی عورت) کہا جاتا تھا۔

''الا شیطانا'' بتوں کی عبادت حقیقت میں شیطان کی عبادت ہے، اس لئے کہ ساری شرکیہ حرکتیں اور عبادتیں وہ شیطان ہی کے بہکاوے میں آ کر کرتے ہیں۔

﴿۱۱۸﴾ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے ملعون ٹھہرا کر اپنی رحمت اور فضل سے محروم کر رکھا ہے اور اس نے ملعون ہوتے وقت قسم اٹھا کر کہا تھا۔

(الف)''لاتخذن'' میں تیرے بندوں میں سے بہت ساروں کو گمراہ کر کے اپنے ساتھ جہنم میں لے جاؤں گا۔

(ب)''ولا ضلنھم'' میں انہیں حق سے ہٹادوں گا اور توحید، نبوت اور قیامت وغیرہ کے بارے میں ان کے عقائد خراب کردوں گا۔

(ج)''ولا مرنھم'' انہیں ایسا گمراہ کروں گا کہ وہ جانوروں کے کان کاٹ کر انہیں بتوں کے لئے مخصوص کر دیں گے۔

(د)''فلیغیرن'' انہیں ایسی تعلیم اور ترغیب دوں گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بناوٹ اور فطرت کو بدل دیں گے۔

بناوٹ اور فطرت کو بدلنے کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ دین کو بدل دیا جائے اور دینِ اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا دین اختیار کر لیا جائے جیسا کہ سورۂ روم میں ہے۔''**فاقم وجھک للدین حنیفا فطرة الله التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق الله**{۲۰۴}''

{۲۰۲}مافی القرآن آیة احب الی من ھذہ الآیة(ترمذی)

{۲۰۳}قال الحسن الاناث کل شئ میت لیس فیه روح اِما خشبة یابسة واما حجر یا بس(بحوالہ التفسیر المنیر ۵/۲۶۷)

{۲۰۴} الروم ۳۰/۳۰

اسی طرح صحیحین کی حدیث میں ہے''ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا لیتے ہیں، جیسا کہ جانور صحیح سالم پیدا ہوتے ہیں، کیا تم ان میں سے کسی کو کٹے ہوئے اعضاء والا پاتے ہو؟''{۲۰۵}

فطرت کو بدلنے کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ کسی حیوان یا انسان کو خصی کر دیا جائے یا شکل وصورت کو بگاڑ دیا جائے۔

چہرے پر بدنما داغ لگانا، جسم کو گدوانا اور داڑھی منڈوانا یہ سب''اللہ کی تخلیق کو بگاڑنے'' کے عموم میں شامل ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے''لعن الله الواشمات و المستوشمات والنامصات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله عز وجل''{۲۰۶} (اللہ لعنت کرتا ہے ان عورتوں پر جو جسم گوندتی ہیں اور گدواتی ہیں، بال نوچتی ہیں اور نچواتی ہیں اور حسن و جمال کی خاطر دانتوں کے درمیان خلا پیدا کرتی ہیں اور اللہ عز وجل کی تخلیق کو بدل دیتی ہیں)

﴿۱۲۰﴾ شیطان کا سب سے مؤثر ہتھیار یہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو وساوس میں مبتلا کر دیتا ہے، وہ انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی صورت میں فقر و فاقہ سے اور جہاد کی صورت میں موت سے ڈراتا ہے اور سود خوری اور جوئے وغیرہ سے مالدار ہونے کے سبز باغ دکھاتا ہے، اسی طرح انہیں امید دلاتا ہے کہ دنیا اور آخرت میں کامیابی تمہیں ہی نصیب ہوگی اور جتنے بھی گناہ ہیں وہ ان سب کو بہت خوبصورت بنا کر ان کے سامنے پیش کرتا ہے۔

حکمت وہدایت:

۱۔ یہاں سے خوارج کی تردید ہوتی ہے جو کبیرہ کے مرتکب کو کافر کہتے ہیں، جبکہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک کے سوا ہر گناہ قابلِ معافی ہے (۱۱۶)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بتوں کو''اناث''(عورتیں) قرار دیا ہے اس لئے کہ:

(الف) ان کے بتوں کے نام عورتوں جیسے تھے مثلاً لات، عزّیٰ، مناۃ۔

(ب)''اناث''مُردوں کو بھی کہا جاتا ہے اور انہوں نے لکڑی اور پتھر سے جو بت بنا رکھے تھے وہ بھی بے جان تھے۔

(ج) مشرکین، ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں اور اللہ کے ہاں اپنا سفارشی قرار دیتے تھے۔

۳۔ بتوں، اوہام وخیالات، خواہشات اور شہوات کی اتباع کرنے والے حقیقت میں شیطان کے بندے ہیں، کیونکہ وہ یہ سب کچھ اسی کے کہنے کی بناء پر کرتے ہیں (۱۱۷)

{۲۰۵} صحیح بخاری ۲/۷۰۴

{۲۰۶} صحاح ستہ

۴۔صغیرہ اور کبیرہ گناہ بھی شیطان کی اطاعت کے مظاہر میں سے ہیں، کیونکہ وہی ان کا حکم دیتا ہے۔

۵۔اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنا حرام ہے خواہ ظاہری طور پر ہو مثلاً جسم کا گودنا یا داغنا یا کسی عضو کا کاٹنا یا مرد کو خصی کرنا یا معنوی طور پر ہو جیسے عقائد کا بدلنا اور حرام کو حلال یا حلال کو حرام قرار دینا (۱۱۹) البتہ حیوان کو خصی کرنا جائز ہے۔

۶۔جھوٹے وعدے، باطل آرزوئیں اور خوبصورت باتیں شیطان کا مؤثر ہتھیار ہیں۔(۱۲۰)

۷۔شیطان کی اطاعت میں خسارے کے سوا کچھ نہیں۔

۸۔شیطان کے وعدے اور آرزوئیں دھوکے کے سوا کچھ نہیں، ظاہر میں وہ پرکشش ہوتے ہیں، لیکن ان کی تہہ میں ضرر ہی ضرر ہوتا ہے۔

حضرت ابن عرفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"غرور وہ ہے جس کا ظاہر تمہیں پسند آئے لیکن اس کا باطن مکروہ ہوگا۔"

۹۔دنیا اور آخرت میں اللہ سے زیادہ سچی بات کسی کی نہیں ہوسکتی، رسول اللہ ﷺ اپنے خطبہ میں فرمایا کرتے تھے "ان اصدق الحدیث کلام اللہ" (سب سے سچا کلام، اللہ کا ہوتا ہے)۔{۲۰۷}

جنت کا حصول آرزوؤں سے ممکن نہیں

(۱۲۳۔۱۲۶)

لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَآ أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتٰبِ ۗ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

نہ تمہاری امیدوں پر مدار ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر جو کوئی برا کام کرے گا اس کی سزا پاویگا اور نہ پاوے گا اللہ کے سوا اپنا کوئی

وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ

حمایتی اور نہ کوئی مددگار اور جو کوئی کام کرے اچھے مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان رکھتا ہو سو وہ لوگ داخل ہونگے

الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ

جنت میں اور ان کا حق ضائع نہ ہوگا تل بھر اور اس سے بہتر کس کا دین ہوگا جس نے پیشانی رکھی اللہ کے حکم پر اور نیک کاموں میں لگا ہوا ہے اور چلا دین

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ

ابراہیم پر جو ایک ہی طرف کا تھا اور اللہ نے بنا لیا ابراہیم کو خالص دوست اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور سب چیزیں

بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾

اللہ کے قابو میں ہیں

{۲۰۷}۔ ترمذی

ربط: گزشتہ آیات میں شیطان کی پیدا کردہ جھوٹی آرزوؤں کا بیان تھا جن سے بہت سے کمزور ایمان والے مسلمان بھی متأثر ہو جاتے تھے، یہاں بتایا جارہا ہے کہ محض آرزوؤں سے جنت نہیں مل سکتی، اس کے لئے عمل کی ضرورت ہے۔

تسہیل: کامیابی نہ تمہاری آرزوؤں سے حاصل ہوسکتی ہے اور نہ ہی اہلِ کتاب کی آرزوؤں سے حاصل ہوسکتی ہے جو کوئی بھی برے عمل کرے گا اسے ان کا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ کے سوا اسے نہ کوئی حمایتی ملے گا اور نہ ہی مددگار ملے گا O اور جو کوئی نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت بس شرط یہ ہے کہ وہ مؤمن ہو تو یہی وہ لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا O اور اس شخص سے زیادہ کس کا دین اچھا ہوسکتا ہے جس نے اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکا دیا اور وہ مخلص بھی ہے اور اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب کی پیروی کی جو ایک اللہ کے ہو گئے تھے اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنالیا تھا O اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور ہر چیز اللہ کے قابو میں ہے O

تفسیر

شانِ نزول: حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں اور اہلِ کتاب نے آپس میں تفاخر کیا، اہلِ کتاب نے دعویٰ کیا، ہمارا نبی تمہارے نبی سے پہلے اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے ہوئی ہے، اس لئے ہم تم سے زیادہ اللہ کے قریب ہیں، مسلمانوں نے کہا ہم اللہ کے زیادہ قریب ہیں اس لئے کہ ہمارے نبی خاتم النبیین ہیں اور ہماری کتاب ان تمام کتابوں پر حجت ہے جو اس سے پہلے ہوئی ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ {۲۰۸}

﴿۱۲۳﴾ جس میں بتایا گیا کہ یہ تفاخر مناسب نہیں اور محض تمناؤں اور دعوؤں سے نہ کسی کو فضیلت حاصل ہوسکتی ہے اور نہ ہی نجات مل سکتی ہے، بلکہ اس کا مدار اللہ کی اتباع اور رسولِ اکرم ﷺ کی اطاعت پر ہے۔

حضرت حسنؒ کا قول ہے "کچھ لوگوں کو مغفرت نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے وہ دنیا سے اس حال میں جاتے ہیں کہ ان کا بال بال گناہوں کی گندگی سے آلودہ ہوتا ہے، اگر وہ سچے ہوتے تو اچھے اعمال ضرور کرتے" {۲۰۹}

{۲۰۸} ابن کثیر ۱/۷۶۹

{۲۰۹} التفسیر المنیر ۵/۶۸۵

تفسیر حسن بصری میں ہے آپ فرماتے ہیں ''ایمان صرف ظاہری زیب وزینت اور آرزوؤں کا نام نہیں بلکہ ایمان وہ ہے جو دل میں قرار پکڑ جائے اور عمل جس کی تصدیق کرے۔''[۲۱۰]

مسلم، ترمذی، نسائی اور مسند احمد کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام پر بڑی شاق گذری، اس لئے کہ اس میں فرمایا گیا ہے کہ جو کوئی بھی گناہ کرے گا اسے اس کی جزا مل کر رہے گی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ان صحابہ میں سے تھے جنہیں سخت پریشانی ہوئی اور بارگاہِ رسالت میں عرض کیا یارسول اللہ! اگر ہر گناہ کی سزا ملی تو پھر ہمیں فلاح کیسے حاصل ہوسکے گی؟ آپؐ نے فرمایا اے ابوبکر! اللہ تمہاری مغفرت فرمائے کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تمہیں تھکاوٹ نہیں ہوتی؟ کیا تمہیں کبھی غم لاحق نہیں ہوتا؟ کیا تمہیں کوئی مشکل پیش نہیں آتی؟ عرض کیا، اللہ کے رسول! یہ سب کچھ پیش آتا ہے، فرمایا یہ پریشانیاں اور بیماریاں تمہارے گناہوں کی جزا بن جاتی ہیں۔[۲۱۱]

﴿۱۲۴﴾ گناہوں کے مقابلے میں نیک اعمال کے لئے اللہ کا قانونِ عدل یہ ہے کہ جو صاحبِ ایمان نیک عمل کرے وہ جنت کی نعمتوں کا حقدار ہوگا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اعمال کے نتائج کے لحاظ سے مرد و زن میں کامل مساوات ہے۔

﴿۱۲۵﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں افضل اور مقبول ہونے کا معیار بتایا گیا ہے وہ یہ کہ دین میں اس سے بہتر کوئی نہیں ہوسکتا جو:

(الف) اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کے سپرد کردے، اس کی دعا اور عبادت اور ہر نیک عمل خالص اللہ کے لئے ہو۔

(ب) ''وھو محسن'' اس کا ہر عمل اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو...... کسی بھی عمل کی مقبولیت کے لئے ان دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے ایک اخلاص اور دوسرے اس کا شریعت کے مطابق ہونا۔

پہلی شرط کا تعلق انسان کے باطن یعنی دل سے ہے اور دوسری کا تعلق انسان کے ظاہر سے ہے اگر ان میں سے ایک بھی شرط مفقود ہوئی تو عمل فاسد ہو جائے گا، اخلاص نہ ہو تو انسان عملی منافق بن جاتا ہے اور شریعت کی اتباع نہ ہو تو گمراہ اور جاہل شمار ہوتا ہے۔[۲۱۲]

(ج) اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کرے جو ہر قسم کے شرک سے بیزار اور پاک تھے اور سب

{۲۱۰} تفسیر الحسن البصری ۳۶۸/۲

{۲۱۱} ابن کثیر ۷۶۹/۱

{۲۱۲} فمتی فقد الا خلاص کان منافقا وھم الذین یراؤن الناس ومن فقد المتابعۃ کان ضالا جاھلا (ابن کثیر ۷۳۲/۱)

سے کٹ کر صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، وہ اپنے حقیقی مولیٰ کی خاطر ہر قربانی کے لئے آمادہ رہتے تھے، ان پر جتنی بھی آزمائشیں آئیں وہ سب میں کامیاب ثابت ہوئے یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خلیل بنالیا تھا۔

﴿۱۲۶﴾ ہر انسان پر اخلاص اور اللہ کے حکموں کی اطاعت اس لئے ضروری ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہے اس کا مالک وہی اکیلا ہے...... سب کچھ پیدا بھی اسی نے کیا ہے اور ہر چیز پر حکم بھی اسی کا چلتا ہے لہٰذا عبادت اور اطاعت بھی خالص اسی کی ہونی چاہیئے۔

حکمت وہدایت:

۱۔صرف امیدوں، آرزوؤں اور دعوؤں سے نہ اللہ کا قرب حاصل ہوسکتا ہے اور نہ ہی جنت حاصل ہوسکتی ہے بلکہ اس کے لئے ایمان اور عمل کی ضرورت ہے۔(۱۲۳)

۲۔ہر برے عمل کی سزا مل کر رہتی ہے مگر ایک سچے مسلمان پر آنے والے مختلف مصائب، اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔

۳۔اعمالِ صالحہ کے نتائج کے اعتبار سے اللہ کے ہاں مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں۔(۱۲۴)

۴۔ایمان، نیک اعمال کی قبولیت کے لئے بنیادی شرط ہے۔(۱۲۴)

۵۔اللہ تعالیٰ کا قرب اور فضیلت حاصل کرنے کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ایک اخلاص اور دوسرے اتباعِ شریعت۔(۱۲۵)

۶۔جو بندہ اپنی ساری مرضیات اور تعلقات پر اللہ کی مرضی اور تعلق کو غالب کردے وہ اللہ کا دوست بن جاتا ہے۔(۱۲۵)

۷۔جو کوئی اللہ سے سچی محبت کرتا ہے، اللہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔(۱۲۵)

یتیموں کی رعایت، زوجین میں صلح اور عورتوں کے درمیان عدل

(۱۲۷۔۱۳۰)

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَآءِ ۖ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِي يَتٰمَى النِّسَآءِ

اور تجھ سے رخصت مانگتے ہیں عورتوں کے نکاح کی کہہ دے اللہ تم کو اجازت دیتا ہے ان کی اور وہ جو تم کو سنایا جاتا ہے قرآن میں سو حکم ہے ان یتیم عورتوں کا

الّٰتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَأَنْ

جن کو تم نہیں دیتے جو ان کے لئے مقرر کیا ہے اور چاہتے ہو کہ ان کو نکاح میں لے آؤ اور حکم ہے ناتوان لڑکوں کا اور یہ کہ

تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِـيْمًا ﴿١٢٧﴾ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا

قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف پر اور جو کرو گے بھلائی سو وہ اللہ کو معلوم ہے اور اگر کوئی عورت ڈرے اپنے خاوند کے

نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ

لڑنے سے یا جی پھر جانے سے تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر کہ کرلیں آپس میں کسی طرح صلح اور صلح خوب چیز ہے اور دلوں کے سامنے موجود ہے حرص

وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٢٨﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ

اور اگر تم نیکی کرو اور پرہیزگاری کرو تو اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے اور تم ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے

النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْھَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ

عورتوں کو اگرچہ اس کی حرص کرو سو بالکل پھر بھی نہ جاؤ کہ ڈال رکھو ایک عورت کو جیسے اَدھر میں لٹکتی اور اگر اصلاح کرتے رہو اور پرہیزگاری کرتے رہو

اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٢٩﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِـيْمًا ﴿١٣٠﴾

تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر دونوں جدا ہو جاویں تو اللہ ہر ایک کو بے پروا کر دیگا اپنی کشائش سے اور اللہ کشائش والا تدبیر جاننے والا ہے

ربط: سورت کی ابتداء میں بھی عورتوں اور یتیموں کے حقوق بیان کیئے گئے تھے یہاں دوبارہ ان کی طرف متوجہ کیا جارہا ہے۔

تسہیل: لوگ آپ سے عورتوں کی میراث اور مہر کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرمادیجیئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے بارے میں حکم دیتا ہے، اسی طرح وہ آیات بھی ان کے احکام کو واضح کرتی ہیں جو ان یتیم عورتوں کے بارے میں نازل ہو چکی ہیں، جن کا طے شدہ حق تم نہیں دیتے ہو اور ان کے ساتھ نکاح بھی نہیں کرنا چاہتے ہو، یونہی وہ آیات جو کمزور بچوں کے بارے میں ہیں اور وہ آیات جن میں یتیموں کے معاملے میں انصاف پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا ہے.....تو تمہیں ان تمام آیات پر عمل کرنا چاہیئے اور یاد رکھو کہ تم جو بھی کوئی نیک عمل کرو گے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے O اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا غالب احتمال ہو تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس میں مخصوص شرائط پر صلح کرلیں اور صلح بہر حال اچھی چیز ہے اور انسانی طبیعتوں میں حرص تو ہوتی ہی ہے، اور اگر تم اچھا سلوک کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے O اگرچہ تمہارا دل چاہتا بھی ہو پھر بھی یہ تو کبھی نہیں ہو سکتا کہ تم بیویوں میں ہر اعتبار سے عدل کرسکو لیکن تم پر لازم ہے کہ بالکل ہی ایک کی طرف نہ جھک جاؤ جس کی وجہ سے دوسری ایسی ہو جائے کہ نہ وہ اِدھر کی رہے اور نہ اُدھر کی اگر تم اصلاح کرلو اور آئندہ احتیاط سے چلو تو اللہ بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے O اور اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنی قدرت سے

مستغنی کردے گا اور اللہ بڑی وسعت والا اور بڑی حکمت والا ہے ٥

﴿تفسیر﴾

﴿۱۲۷﴾ اے محمد ﷺ! یہ لوگ آپ سے عورتوں کے مالی اور ازدواجی حقوق کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ میراث میں ان کا کتنا حصہ ہوگا؟ انہیں کیا کیا ازدواجی حقوق حاصل ہوں گے؟ اور باہمی تعلقات کی خرابی کی صورت میں کیا کیا جائے گا؟ {۲۱۳}

ظاہر ہے یہ سوالات اسی وقت پیدا ہوئے جب عورتوں کے حقوق ادا کرنے پر زور دیا گیا، ورنہ زمانہ جاہلیت میں نہ عورتوں کے حقوق کا کوئی تصور تھا اور نہ ہی ان کی ادائیگی کی کوئی فکر تھی۔

"قـــل اللہ" فرمادیجیے کہ عورتوں کے حقوق کے بارے میں تمہیں جو اشکالات پیش آرہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی وضاحت کرتا ہے اسی طرح اس سورت کی دوسری آیات میں بھی ان حقوق کی وضاحت اور تمہاری غلط رسموں کی تردید کی جاچکی ہے۔ مثلاً تمہاری یہ غلط رسم کہ یتیم بچیاں اگر مال و جمال والی ہوں تو تم ان سے عقدِ نکاح تو کر لیتے {۲۱۴} ہو لیکن نان نفقہ اور میراث میں ان کے جو حقوق ہیں وہ ادا نہیں کرتے اور اگر وہ سادہ صورت اور غریب ہوں تو ان سے نفرت کرتے ہو اور اگر مالدار تو ہوں مگر خوبصورت نہ ہوں تو نہ ان سے خود نکاح کرتے ہو نہ کسی سے کراتے ہو تا کہ ان کا مال ہتھیا سکو۔ {۲۱۵}

"والـمستـضعفین" یونہی ان آیات میں بھی وضاحت کی جاچکی ہے جو ان کمزور اور نوعمر یتیموں کے بارے میں نازل ہوئیں جنہیں تم میراث میں کوئی حق نہیں دیتے تھے۔

"وان تـقـومـوا" اور ان آیات میں بھی ان احکام کی وضاحت کی جاچکی ہے جن میں یتیموں کے ساتھ انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

{۲۱۳} نزلت بسبب سوال قوم من الصحابة امرا لنساء و احکا مهن فی المیراث و غیرذلك (قرطبی ۴۰۶/۵)

{۲۱۴} قال سعید بن جبیرو مجاهدؒ ویرغب فی نکاحها اذاکانت کثیرة الـ [illegible] (قرطبی)

{۲۱۵} وروی ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه کان اذ جاء ه ولی الیتیمة نظر ، فان کانت جملیة غنیة قال زوجها غیرك۔ والتمس لها من هو خیر منك وان کانت دمیمة ولا مال لها قال تزوجها فأنت احق بها (کشاف ۲۰۴/۱) وقال عبد الله الشیرازی البیضاوی رحمه الله "وترغبون ان تنکحوهن" فی ان تنکحوهن أوعن أن تنکحوهن (بیضاوی ۲۶۱/۲)

علامہ زمخشریؒ کی رائے یہ ہے کہ ان آخری الفاظ میں ورثہ کے بجائے اسلامی حکومت کے ذمہ داروں سے خطاب ہے کہ تم یتیموں کے حقوق کے نگہبان بن جاؤ اور کسی کو ان پر ظلم کرنے کی اجازت نہ دو{۲۱۶} گویا یتیموں کے حقوق کا تحفظ اور ادائیگی، امت کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔

﴿۱۲۸﴾ اگر عورت کو شوہر کی جانب سے زیادتی اور بے توجہی کا غالب احتمال ہو مثلاً وہ اسے نان نفقہ نہیں دیتا یا گالی گلوچ اور ہاتھا پائی کرتا ہے یا اس سے بات چیت نہیں کرتا یا کسی دوسری عورت کی طرف میلان کی وجہ سے اس سے لاتعلق رہتا ہے تو پھر اگر میاں بیوی ازدواجی تعلق برقرار رکھنے کے لئے مخصوص شرائط پر صلح کرلیں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور ''کچھ لو اور کچھ دو'' کی بنیاد پر ہونے والی اس صلح کو رشوت نہیں کہا جاسکتا۔ مثلاً بیوی اپنے بعض حقوق سے دست بردار ہوجائے، اپنا مہر معاف کردے یا اس میں کمی کردے یا اپنی باری کا دن دوسری بیوی کو دیدے یا اپنے مصارف اور ماہانہ خرچ کا بوجھ ہلکا کردے، لیکن یہ صلح جائز شرطوں پر ہونی چاہیئے، ہر وہ صلح جو کسی حرام شرط کے ساتھ مشروط ہوگی وہ باطل ہوگی مثلاً شوہر نے صلح کے لئے یہ شرط لگادی کہ وہ بیوی کے ساتھ اس کی بہن کو بھی نکاح میں رکھے گا اور بیوی نے اسے منظور بھی کرلیا تو بھی یہ صلح باطل ہوگی، اس لئے کہ دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا شرعاً حرام ہے۔

یہاں یہ بھی جان لینا مناسب ہے کہ شوہر پر بیوی کے دو قسم کے حقوق ہوتے ہیں ایک ثابت اور مستقل جو کہ اس صلح سے پہلے ہی شوہر کے ذمہ واجب ہوچکے ہیں، دوسرے غیر مستقل جو کہ وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہتے ہیں اور صلح کے وقت ان کی ادائیگی شوہر پر واجب نہ تھی، مثلاً آئندہ زمانہ کا نفقہ یا ہمبستری، صلح کے لئے عورت دونوں قسم کے حقوق سے دست بردار ہوسکتی ہے، البتہ یہ فرق ہے کہ پہلی قسم کے حقوق ہمیشہ کے لئے ساقط ہوجائیں گے اور صلح کے بعد عورت کو ان کے مطالبہ کا حق باقی نہیں رہے گا، لیکن دوسری قسم کے حقوق میں بیوی کو یہ اختیار ہے کہ وہ جب چاہے کسی چھوڑے ہوئے حق کی ادائیگی کا مطالبہ کردے۔{۲۱۷}

''والصلح خیر'' ماقبل کی مناسبت سے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ طلاق اور جدائی، نفرت اور اعراض، اور گھریلو لڑائی

{۲۱۶} ويجوز أن يكون منصوباً بمعنى: ويامركم أن تقوموا، هو خطاب للائمة في أن ينظروا لهم ويستوفوا لهم حقوقهم ولا يخلوا احدا يهتضمهم (كشاف ۱/۲۰۴)

{۲۱۷} وعموم الآية يقتضي جواز اصطلاحهما على ترك المهر والنفقة والقسم وسائر ما يجب لها بحق الزوجية الّا انه انما يجوز لها اسقاط ما وجب من النفقة للماضي فاما المستقبل فلا تصح البراة منه (احكام القرآن للجصاص ۲/۲۸۳)

جھگڑوں سے صلح کر لینا بہتر ہے، لیکن قرآن نے اسے ایک عمومی اصول کی طرح بیان کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی بھی معاملہ میں جھگڑا کرنے سے صلح کر لینا بہتر ہے۔ {۲۱۸}

''واحضرت الانفس الشح'' {۲۱۹} حرص، بخل اور خود غرضی انسانی مزاج اور فطرت میں داخل ہے۔ اس فطرت کی بناء پر عورت یہ چاہتی ہے کہ شوہر کی محبت اور سارے ازدواجی اور مالی حقوق مجھے حاصل رہیں، ان حقوق سے دستبردار ہونا اس پر بڑا شاق گزرتا ہے اور جب مرد کا دل بیوی کی بداخلاقی، بدصورتی یا کسی دوسری عورت کی طرف میلان کی وجہ سے اٹھ چکا ہو تو پہلی بیوی کو گھر میں رکھنا اور اس پر خرچ کرنا اس کے لئے بہت مشکل ہوتا ہے۔

ان فطری میلانات اور جذبات کے باوجود اگر دونوں چشم پوشی، مصالحت، صبر اور ایثار سے کام لیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا، اس لئے کہ جذبات اور عجلت میں کیئے گئے اکثر فیصلے بعد میں ندامت کا سبب ثابت ہوتے ہیں۔

''وان تحسنوا'' اگر عورت کو کسی وجہ سے ناپسند کرنے کے باوجود تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے اور تقویٰ اختیار کرتے ہوئے ظلم اور زیادتی سے بچو گے تو اللہ تمہیں اس کا اچھا بدلہ دے گا، کیونکہ تمہارا یہ احسان اور تقویٰ اس سے مخفی نہیں...... یہ بدلہ دنیا میں گھریلو سکون اور نیک اولاد کی صورت میں مل سکتا ہے اور آخرت میں جنت کی ابدی نعمتوں اور راحتوں کی صورت میں۔

﴿۱۲۹﴾ اسلام میں چار بیویاں رکھنے کی اجازت تو ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ سب بیویوں میں عدل اور مساوات قائم رکھنا فرض ہے اور اس کے خلاف کرنا سخت قسم کا گناہ ہے۔

یہ حکم اپنے ظاہری الفاظ کے اعتبار سے اختیاری اور غیر اختیاری تمام امور کو شامل ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ جیسے شب باشی، نفقہ، لباس اور رہائش میں مساوات ضروری ہے اسی طرح قلبی محبت میں بھی مساوات ضروری ہے، حالانکہ قلبی محبت ایک ایسی چیز ہے جو انسان کے اختیار میں نہیں ہے، بعض اوقات والدین کو اپنی اولاد میں سے کسی ایک کے ساتھ زیادہ محبت ہوتی ہے، یونہی شوہر کو بھی اپنی متعدد بیویوں میں سے کسی ایک کے ساتھ اس کی صورت وسیرت اور اخلاق کی وجہ سے زیادہ محبت ہو سکتی ہے تو اگر قلبی میلان اور محبت میں بھی مساوات فرض کر دی جائے تو حرج لازم آئے گا، جب کہ

{۲۱۸} "والصلح خير" من الفرقة أو من النشوز والاعراض وسوء العشرة اوهو خير من الخصومة فى كل شئى أو الصلح خير من الخيور كما ان الخصومة شر من الشرور (كشاف ۱/۲۰۵)

{۲۱۹} الشحّ بخل مع حرص وذلك فيما كان عادةً (المفرادات فى غريب القرآن ۲۵۶)

دینِ اسلام کے کسی حکم میں بھی حرج اور تنگی نہیں اور کوئی ایک حکم ایسا نہیں دیا گیا جو انسان کی طاقت اور اختیار میں نہ ہو اسی لئے یہاں فرمایا گیا کہ اگر تم چاہو بھی تو بھی تم بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل نہیں کر سکتے ہو، کیونکہ قلبی میلانات پر تمہارا اختیار نہیں۔

ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جو کہ ازواج مطہرات کے درمیان برابری اور عدل کا ازحد اہتمام فرماتے تھے آپ نے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا۔

"اللهم هذا قسمي فيما أملك فلا تلمني فيما تملك ولا أملك"

(اے اللہ میں اپنے اختیاری معاملات میں تو عدل کی تقسیم کرتا ہوں لیکن جو چیز تیرے اختیار میں ہے اور میرے اختیار میں نہیں اس میں اگر عدل نہ ہو سکے تو مجھے ملامت نہ فرمانا)

اللہ کے نبی نے اپنی امت کی تعلیم اور سہولت ہی کے لئے یہ ارشاد فرمایا جس کا حاصل وہی ہے جو مذکورہ آیت میں بیان فرمایا گیا ہے یعنی اگر غیر اختیاری چیز میں عدل اور برابری نہ ہو سکے تو کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، اس لئے کہ ایسا کرنا تمہاری طاقت میں نہیں ہے، لیکن حاشا وکلا اختیاری چیزوں میں عدل کا دامن ہرگز نہ چھوڑنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی ایک بیوی سے یکلخت منہ پھیر لو، وہ بیچاری بیچ میں لٹکی ہوئی رہ جائے، نہ تو اسے شوہر والیوں کی طرح حقوق ہی ملیں اور نہ ہی طلاقنوں کی طرح وہ آزاد اور خود مختار ہو جائے......ایسا کرنے والا اللہ کے ہاں بڑا ظالم شمار ہوتا ہے۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من كان له امرأتان، فمال إلى إحداهما، جاء يوم القيمة، وأحد شقيه ساقط" {۲۲۰}

(جس شخص کے نکاح میں دو بیویاں ہوں پھر وہ ان میں سے ایک کی طرف پوری طرح مائل ہو جائے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو مفلوج ہوگا)

"وان تصلحوا وتتقوا" ماضی میں تم سے جو کچھ حق تلفی اور زیادتی ہو چکی اگر اس کی اصلاح کر لو اور مستقبل میں اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ تمہاری ماضی کی غلطیوں کو معاف کر دے گا۔

﴿۱۳۰﴾ اگر صلح اور موافقت کی کوئی تدبیر بھی کارگر ثابت نہ ہو اور جدائی کے علاوہ کوئی راستہ باقی نہ رہے تو پھر مستقبل کے حوالے سے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت بڑی وسیع ہے، وہ مرد اور عورت دونوں کے

{۲۲۰} ترمذی ۱/۱۳۶

لئے کوئی دوسرا اہم سفر مہیا فرما سکتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ دوسرا ساتھی پہلے سے بہتر ثابت ہو،اس لئے ان میں سے کسی کو یہ گھمنڈ نہیں ہونا چاہیئے کہ میری ظالمانہ جدائی کے بعد دوسرے کا مستقبل تاریک ہوجائے گا۔

''واسعاً حکیماً'' اللہ تعالیٰ کی قدرت،رحمت اور فضل بڑا وسیع ہے اور اس کے ہر حکم اور فیصلے میں کوئی نہ کوئی حکمت پائی جاتی ہے،ممکن ہے اس جدائی میں بھی کوئی حکمت ہو،اس لئے مصالحت کی تدبیریں کرنے کے بعد چنداں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

حکمت وہدایت:

۱۔دینی مسائل میں استفتاء اور سوال کرنا شرعاً پسندیدہ ہے(۱۲۷)ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''فاسئلوا اھل الذکر إن کنتم لاتعلمون''{۲۲۱} (اگر تم کوئی بات نہ جانتے ہوتو اہلِ علم سے سوال کرلیا کرو)

۲۔قرآنی تعلیمات نے قرنِ اوّل کے مسلمانوں کوعورتوں،یتیموں اور کمزوروں کے حقوق کے بارے میں حساس اور محتاط بنادیا تھا،اسی لئے وہ ان کے بارے میں بار بار سوال کرتے تھے۔(۱۲۷)

۳۔کمزورطبقات کوعدل وانصاف کی فراہمی حکومتِ وقت اور مسلمان امہ کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔(۱۲۷)

۴۔شوہر کی بے توجہی کی صورت میں اگر عورت اپنے پورے یا بعض حقوق سے دستبردار ہوجائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں......جیسے حضرت سودہ بن زمعہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کے عقدِ نکاح میں رہنے کے لئے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کودے دی تھی۔{۲۲۲}

۵۔طلاق سے حتی الامکان بچنا چاہیئے،کیونکہ خاندانی اور معاشرتی مقاصد کے علاوہ یہ اللہ کے ہاں بھی سخت ناپسندیدہ چیز ہے،حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا''ابغض الحلال الی اللہ الطلاق{۲۲۳}''(حلال چیزوں میں سے اللہ کے نزدیک سب سے قابلِ نفرت چیز طلاق ہے)

۶۔خواہ کوئی خاندانی تنازع یا مالی جھگڑا ہو،ہر حال میں صلح بہتر ہے۔(۱۲۸)

{۲۲۱}سورۃ النحل ۱۶/۴۳

{۲۲۲} صحیح بخاری ۲/۷۸۵

{۲۲۳} ابو داود

۷۔صلح میں کوئی بھی ایسی شرط لگانا جائز نہیں جس سے حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرنا لازم آئے۔

رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

’’کل صلح جائز بین المسلمین الاّ صلحا احل حراما او حرم حلالا والمسلمون علی شروطھم الاشرطا حرم حلالا{۲۲۴}‘‘

مسلمانوں کے درمیان ہر طرح کی صلح جائز ہے،لیکن ایسی صلح جائز نہیں جس میں کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام ٹھہرایا گیا ہو یونہی مسلمانوں کو آپس کی طے کردہ شرطوں کو پورا کرنا چاہیئے سوائے ایسی شرائط کے جن کے ذریعہ کسی حلال کو حرام قرار دیا گیا ہو۔

۸۔آپس کے معاہدہ سے دائمی طور پر عورت کے صرف وہ حقوق ساقط ہوں گے جو صلح سے پہلے شوہر کے ذمہ ثابت ہو چکے تھے،لیکن جو حقوق مستقبل میں ثابت ہونے والے ہیں ان کا مطالبہ کرنے کا عورت کو ہر وقت اختیار ہوگا۔

۹۔خود غرضی،راحت پسندی اور حرص انسان کی فطرت میں داخل ہے،اگر یہ چیزیں حد کے اندر ہوں تو جائز ہیں،ورنہ نہیں(۱۲۸)

۱۰۔خلافِ طبیعت ہونے کے باوجود میاں بیوی کا ایک دوسرے کو برداشت کرنا اور ظلم اور زیادتی کے بجائے حسنِ سلوک کرنا اللہ کو بڑا پسند ہے۔(۱۲۸)

۱۱۔ایک سے زیادہ بیویوں کی صورت میں اختیاری معاملات میں ان کے درمیان عدل اور مساوات فرض ہے لیکن اگر ان میں سے کسی ایک سے قلبی محبت زیادہ ہو جائے تو یہ چیز قابلِ مواخذہ نہیں ہے،کیونکہ قلبی جذبات پر کسی کا اختیار نہیں(۱۲۹) چونکہ اس سورہ کے شروع میں فرمایا گیا ہے کہ’’اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تعددِ ازواج کی صورت میں تم عدل نہیں کرسکو گے تو پھر ایک ہی عورت سے نکاح کرو۔{۲۲۵}‘‘اور یہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ’’اگر تم چاہو بھی تو بھی تم بیویوں میں عدل نہیں کرسکتے ہو‘‘اس لئے بعض مغرب پرستوں اور محرّفین نے دونوں آیتوں کو ملا کر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ایک سے

{۲۲۴} تفسیر مظھری

{۲۲۵} سورۃ النساء

زیادہ نکاح کرنا جائز ہی نہیں، حالانکہ تعدد ازدواج کے جواز پر اور مصلحتوں کے بارے میں عقلی اور نقلی بہت سارے دلائل ہیں جن میں غور وفکر کرنے والے کو ان مغرب پرستوں کے انکار اور کج فکری پر حیرت ہوتی ہے، ان دلائل سے قطع نظر خود ان آیات پر بلا تعصب نظر ڈالنے سے ہر قسم کے اشکالات خود بخود رفع ہو جاتے ہیں۔

آیت ۳ میں عدل سے مراد معاملات اور اختیاری امور میں عدل ہے یعنی ہر بیوی کے ازدواجی اور مالی حقوق ادا کرنا اور اس کی ضروریات اور مزاج ومذاق کا لحاظ رکھنا، جب کہ آیت ۲۹ میں جس عدل کی نفی کی جارہی ہے اس سے مراد غیر اختیاری امور میں عدل ہے یعنی قلبی میلان اور محبت وغیرہ۔[۲۲۶]

۱۲۔ جو شخص اپنی ماضی کی غلطیوں کی اصلاح کرلے اور مستقبل میں گناہوں سے بچتا رہے اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا ہے۔(۱۲۹)

۱۳۔ اگر زوجین کے درمیان جدائی کی بنیاد اصلاح اور تقویٰ پر ہو تو جلد یا بدیر اللہ تعالیٰ اس کے اچھے نتائج ظاہر فرماتا ہے۔(۱۳۰)

۱۴۔ میاں بیوی میں سے جس نے مصالحت کی تدبیروں کے بعد مجبور ہو کر جدائی اختیار کی ہوگی اللہ تعالیٰ اسے غنا عطا فرمائے گا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک شخص نے حضرت جعفر بن محمد رحمہ اللہ کے سامنے فقر وفاقہ کی شکایت کی، آپ نے اسے نکاح کرنے کا حکم دیا، چنانچہ اس نے جا کر شادی کرلی، وہ کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ آیا اور اپنی گھریلو پریشانیوں اور غربت کا ذکر کیا، آپ نے اسے بیوی کو طلاق دینے کا مشورہ دیا، لوگوں نے اس کی وجہ اور حکمت جاننی چاہی تو فرمایا کہ میں نے اسے پہلے نکاح کا مشورہ اس لئے دیا کیونکہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے:

”ان یکونوا فقراء یغنھم اللہ من فضلہ[۲۲۷]“	اگر وہ فقیر ہوں گے تو (نکاح کی صورت میں) اللہ تعالیٰ انہیں غنی کر دے گا۔

میں نے سوچا شاید یہ شخص بھی ان لوگوں میں سے ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نکاح کی صورت میں غنا کا وعدہ کیا

{۲۲۶}اخبر تعالیٰ بنفی الاستطاعة فی العدل بین النساء وذلك فی میل الطبع فی المحبة والجماع والحظ فی القلب (قرطبی)

{۲۲۷} سورة النور ۳۲/۲۴

ہے لیکن جب ایسے نہ ہوا تو میں نے یہ سوچ کر اسے طلاق کا مشورہ دیا کہ شاید یہ ان لوگوں میں سے ہو جن کے ساتھ اللہ نے سورۂ نساء میں جدائی کی صورت میں غنا کا وعدہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور کمالِ قدرت اور مشیّت

(۱۳۱۔۱۳۴)

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور ہم نے حکم دیا ہے پہلے کتاب والوں کو اور تم کو کہ ڈرتے

اتَّقُوا اللّٰهَ ۗ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾

رہو اللہ سے اور اگر نہ مانوگے تو اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور اللہ ہے بے پرواہ سب خوبیوں والا

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور اللہ کافی ہے کارساز اگر چاہے تو تم کو دور کر دے اے لوگو اور

وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ

لے آئے اور لوگوں کو اور اللہ کو یہ قدرت ہے جو کوئی چاہتا ہو ثواب دنیا کا سو اللہ کے یہاں

ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

ہے ثواب دنیا کا اور آخرت کا اور اللہ سب کچھ سنتا دیکھتا ہے

ربط: یتیموں کے ساتھ عدل واحسان کا حکم دینے کے بعد بتایا جا رہا ہے کہ تمہیں ان اعمال کا حکم دینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ بندوں کی عبادت اور نیک اعمال کا محتاج ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا مالک اور سب سے بے نیاز ہے۔

تسہیل: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے یہ سب اللہ ہی کا ہے اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہم نے ان کو بھی یہی حکم دیا تھا اور تمہیں بھی یہی حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر تم انکار کرو گے تو اس سے اللہ کا کچھ بھی نقصان نہیں ہوگا، اس لئے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کی ملک ہے اور اللہ بڑا بے نیاز اور قابلِ تعریف صفات کا مالک ہے ○ پھر سن لو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے اور اللہ ہی سب کا کارساز ہے ○ وہ ایسا بے نیاز ہے کہ اگر چاہے تو تم سب کو ختم کر دے اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ اس پر قادر ہے ○ جو شخص دینی کام کا دنیاوی معاوضہ چاہتا ہو اسے سوچنا چاہیئے کہ اللہ دنیا اور آخرت دونوں کا معاوضہ دے سکتا ہے تو وہ اللہ سے

آخرت کا معاوضہ کیوں نہیں مانگتا اور اللہ خوب سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے O

﴿تفسیر﴾

﴿۱۳۱﴾ چونکہ زمین وآسمان کا مالک اکیلا اللہ ہے، لہٰذا اسی کا حق ہے کہ سارے انسان اس کی اطاعت کریں اور اس کی سزا سے ڈریں، اس سے ڈرنے کا حکم صرف مسلمانوں کو نہیں دیا گیا بلکہ ان سے پہلے بھی جو آسمانی کتابوں کے حامل گزرے ہیں ان سب کو یہ حکم تھا کہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں، کیونکہ ایک سچے اور باعمل انسان کی ایمانی زندگی کا سنگِ بنیاد یہی تقویٰ ہے۔

مسیحیوں کا دعویٰ ہے کہ ان کے مذہب کی بناء خوفِ خدا پر نہیں بلکہ محبت الٰہی پر ہے اور ان کے پادری اسے بہت فخر سے پیش کرتے رہتے ہیں حالانکہ ان کی انجیل ان وعیدوں سے خالی نہیں مثلاً:

''اس سے ڈرو جو روح اور بدن دونوں کو جہنم میں ہلاک کرسکتا ہے (متی ۱:۲۸)

''اس سے ڈرو جس کو قتل کرنے کے بعد اختیار ہے کہ جہنم میں ڈالے، ہاں میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی سے ڈرو'' (لوقا ۱۲:۵)[۲۲۸]

''غنیاً حمیداً'' وہ ساری مخلوق سے اور ان کی عبادت سے بے نیاز ہے اور اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی ذات وصفات اور کمالات کی تعریف کی جائے، کسی کے تعریف نہ کرنے سے اس کے مقام اور مرتبہ میں کمی واقع نہیں ہوتی، یہ عقیدہ تو بعض مشرک اور جاہل قوموں کا ہے کہ ان کے دیوی دیوتا اپنی صفات میں ناقص ہوتے ہیں اور ان کے پجاریوں کی عبادت اور حمد وثنا سے ان کے نقائص کی تکمیل ہوتی ہے اور ان کا مرتبہ بڑھتا ہے۔

﴿۱۳۳﴾ اللہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ تمہیں فنا کردے اور تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو پیدا کردے جیسا کہ سورۂ محمد میں ہے:

''وان تتولّوا یستبدل قوما غیر کم ثم لایکونوا امثالکم[۲۲۹]''

(اگر تم اعراض کروگے تو وہ تمہارے بدلے کسی دوسری قوم کو لے آئے گا، پھر وہ تمہارے جیسے نہیں ہوں گے۔)

{۲۲۸} تفسیر ماجدی ۱/۲۰۸

{۲۲۹} سورۃ محمد ۴۷/۳۸

اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ انسانوں کی جگہ کوئی دوسری مخلوق زمین میں بسانے پر قادر ہے۔{٢٣٠} مطلب خواہ کچھ بھی ہو اصل مقصود اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت کا بیان ہے۔

﴿١٣٤﴾ اللہ تعالیٰ کسی کے عمل کا بدلہ دنیا میں بھی دے سکتا ہے اور آخرت میں بھی دے سکتا ہے مگر وہ شخص جو اپنے نیک اعمال کا بدلہ صرف دنیا ہی میں لینا چاہتا ہے وہ بڑا احمق ہے، اس لئے کہ وہ ادنی چیز تو مانگتا ہے مگر اعلیٰ نہیں مانگتا مثلاً وہ مجاہد جو جہاد جیسا عظیم عمل کرے مگر اس کی نظر مالِ غنیمت پر ہو یا وہ حاجی جو بڑی مشقت سے حج کرے مگر اسے محض حاجی بننے یا کہلوانے کا شوق ہو یا وہ حافظ اور عالم جو علمِ دین کے ذریعے دنیا کے دو ٹکے کمانا چاہتا ہو یا وہ سخی جو مال لٹا کر شہرت کمانا چاہتا ہو یہ سب وہ لوگ ہیں جنہوں نے اعلیٰ پر ادنیٰ کو ترجیح دی۔{٢٣١}

حکمت و ہدایت:

١۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اس کا مالک اور خالق بھی اللہ ہے اور اس میں تصرف بھی صرف اللہ کا چلتا ہے۔ (١٣١)

٢۔ اللہ کی نظر میں تقویٰ کی بے حد اہمیت ہے اسی لئے قرآن کریم میں اس کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔

بعض عارفین نے اس آیت کو قرآن کریم کی تمام آیات کا محور قرار دیا ہے، اس لئے کہ پورا قرآن تقویٰ ہی کے اردگرد گھومتا ہے......تقوی کی ابتدا ہوتی ہے شرک سے بچنے سے اور تقوی کا کمال ہے دل سے اللہ کے ماسوا کا خیال نکال دینا اور ظاہر ہے قرآن کی ساری تعلیمات کا حاصل یہی ہے۔

٣۔ ان آیات میں تین بار "للہ مـافی السموت وما فی الارض" کے الفاظ آئے ہیں، علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں چونکہ ہر خیر کی بنیاد تقویٰ ہے اور دل میں اللہ کے مالک ہونے کا جتنا زیادہ یقین ہوگا اتنا ہی زیادہ تقویٰ پیدا ہوگا اور نیکی کرنا اور گناہوں سے بچنا بھی آسان ہوگا، اس لئے بار بار اللہ کے مالک ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔{٢٣٢}

بعض حضرات نے تین مرتبہ دہرانے کی ایک اور وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ "اوّل سے کشائش اور وسعت مقصود ہے کہ اس کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں، دوسرے سے بے نیازی اور بے پرواہی کا بیان مقصود ہے کہ اس کو کسی کی پرواہ نہیں اگر تم منکر ہو، تیسری دفعہ میں رحمت اور کارسازی کا اظہار ہے کہ اگر تقویٰ اور اطاعت اختیار کرو تو وہ تمہارے سارے

{٢٣٠} جوزالزمخشری وابن عطية ومقلدو هما ان يكون المراد جنسا غير جنس الناس (روح المعانی)

{٢٣١} سورۂ بقرہ کی آیت ٢٠٠۔٢٠٢ اور شوری کی آیت ٢٠ میں یہی مضمون بیان ہوا ہے۔

{٢٣٢} تقرير لما هو موجب تقواه ليتقوه فيطيعوه ولا يعصوه لان الخشية والتقوى اصل الخير كله (كشاف ٤٢٩/١)

کام بنادے گا۔{۲۳۳}

۴۔ ہر عمل میں اخلاص کا ہونا ضروری ہے (۱۳۴) وہ شخص احمق ہے جو دینی اعمال اور فرائض کی ادائیگی کا اجر دنیا میں لے لینا چاہتا ہے۔

عدل، سچی گواہی اور ایمان

(۱۳۵۔۱۳٦)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ

اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف کی اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا یا

وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا

قرابت والوں کا اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ ان کا خیرخواہ تم سے زیادہ ہے سو تم پیروی نہ کرو دل کی خواہش کی انصاف کرنے میں اور اگر تم زبان ملوگے

اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٣٥﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

یا بچا جاؤگے تو اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے اے ایمان والو یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر

وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ

اور اس کتاب پر جو نازل کی ہے اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی تھی پہلے اور جو کوئی یقین نہ رکھے اللہ پر اور اسکے فرشتوں پر اور کتابوں

وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿١٣٦﴾

پر اور رسولوں پر اور قیامت کے دن پر وہ بہک کر دور جا پڑا

ربط: یتیموں اور عورتوں کے بارے میں عدل کا حکم دینے کے بعد اب عمومی طور پر عدل کا حکم دیا جارہا ہے، اس لئے کہ کوئی ملک، معاشرہ اور قوم عدل کے بغیر باقی نہیں رہ سکتی۔

تسہیل: اے ایمان والو! خوب مضبوطی کے ساتھ انصاف پر قائم رہو اور اللہ کی رضا کے لئے سچی گواہی دیا کرو اگر چہ وہ گواہی خود تمہارے یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، جس کے خلاف تمہیں گواہی دینی پڑے وہ امیر ہو یا فقیر بہر حال اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے، تو تم خواہشِ نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا، اگر تم گواہی دینے میں ہیر پھیر کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو جان لو کہ اللہ تمہارے سارے کاموں سے خوب واقف ہے ۞ اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل کر چکا ہے اور جو شخص انکار کرے اللہ کا، اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور

{۲۳۳} معارف القرآن ۲/۵۷۰

آخرت کے دن کا تو وہ گمراہی میں بہت دور جا پڑا○

﴿تفسیر﴾

﴿۱۳۵﴾اس آیت میں ایمان والوں کو دو باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔

ا۔''خوب مضبوطی کے ساتھ عدل وانصاف پر قائم رہو'' عدل کی حقیقت یہ ہے کہ ہر صاحب حق کا حق پورا ادا کیا جائے، اس میں اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی داخل ہیں اور بندوں کے حقوق بھی۔

عدل کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ حدید میں انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت اور ان کے ساتھ آسمانی کتابیں بھیجنے کا مقصد ہی یہ بتایا ہے کہ دنیا میں عدل وانصاف کا نظام قائم ہو[۲۳۴] اور انصاف قائم کرنا اور اس پر قائم رہنا صرف حکومت اور عدلیہ کا کام نہیں بلکہ ہر انسان اس کا مکلف ہے کہ وہ خود بھی انصاف پر قائم رہے اور دوسروں کو بھی انصاف پر قائم رکھنے کے لئے کوشش کرے۔

عدل ہی سے ارض وسماء قائم ہیں، نہ کوئی ملک عدل سے انحراف کر کے باقی رہ سکتا ہے اور نہ ہی یہ دنیا ظلم کی اندھیر نگری میں قائم رہ سکتی ہے۔

عدل وانصاف کے حوالے سے ہمارے اسلاف کے واقعات کثرت سے کتابوں میں منقول ہیں، وہ کسی حالت میں بھی عدل کا دامن نہیں چھوڑتے تھے۔ کسی کے ساتھ دشمنی یا محبت انہیں جادۂ عدل سے نہیں ہٹا سکتی تھی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ نے جب (عشر کے تعین کے لیے) خیبر کے پھلوں کا اندازہ لگانے کے لئے بھیجا تو یہودیوں نے انہیں رشوت کی پیشکش کی تا کہ وہ ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں۔

حضرت عبداللہؓ نے فرمایا:

میں ایسے شخص (حضور اکرم ﷺ) کی طرف سے آیا ہوں جس کے ساتھ مجھے مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبت ہے اور تم میرے نزدیک بندروں اور خنزیروں سے بھی زیادہ قابلِ نفرت ہو لیکن حضور کی محبت اور تمہاری نفرت مجھے عدل کرنے سے نہیں روک سکتی۔ یہودیوں نے ان کی بات سن کر کہا، ہاں اسی سے ارض وسماء قائم ہیں۔[۲۳۵]

{۲۳۴} سورۃ الحدید ۲۵/۵۷

{۲۳۵} التفسیر المنیر ۳۱۴/۵

۲۔''اللہ کی رضا کے لئے سچی گواہی دیا کرو''۔

سچی گواہی دینے سے عام طور پر چار چیزیں رکاوٹ بنتی ہیں۔محبت،عداوت،مرعوبیت اور ترس۔قرآن کریم نے سورۃ النساء کے علاوہ سورۂ مائدہ[۲۳۶] میں بھی ان چاروں رکاوٹوں کو دور کر دیا ہے،خوب تاکید کر دی گئی کہ اگر تم واقعی مسلمان ہو تو اپنوں کی محبت ،دشمنوں کی عداوت،اغنیاء سے مرعوبیت،اور غریبوں پر ترس اور ہمدردی تمہیں ہر گز جھوٹی گواہی دینے پر آمادہ نہ کرے،اللہ تم سے زیادہ ان کی مصلحت کو جانتا ہے۔

﴿۱۳۶﴾ آیت میں ان لوگوں سے خطاب ہے جو کلمہ پڑھ کر اجمالی طور پر ایمان لا چکے ہیں،انہیں حکم دیا جارہا ہے کہ تفصیل کے ساتھ ایمانیات کے ایک ایک جزء پر ایمان لے آؤ۔[۲۳۷]

دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم اپنے ایمان پر ثابت قدم رہو[۲۳۸] جیسا کہ ہر مسلمان نماز میں کہتا ہے''اھدنا الصراط المستقیم''تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اے اللہ ہمیں ہدایت پر ثابت قدم رکھنا۔

حکمت وہدایت:

۱۔مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ہر حال میں اور ہر وقت عدل وانصاف پر قائم رہے۔(۱۳۵) کبھی کبھار عدل کرنے والے لوگ اس آیت کے مقتضی پر عمل کرنے والے شمار نہیں ہوں گے۔

۲۔جھوٹی گواہی کبیرہ گناہ ہے صحیح بخاری میں ہے کہ ایک بار آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کیا میں تمہیں سب سے بڑے کبیرہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ضرور بتائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک اور والدین کی نافرمانی،(یہ فرماتے ہوئے) آپ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے پھر آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا سن لو جھوٹی گواہی،ارے سن لو جھوٹی گواہی(سب سے بڑا گناہ ہے) یہ بات آپ بار بار ارشاد فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم سوچنے لگے کہ کاش آپ خاموش ہو جاتے۔[۲۳۹]

{۲۳۶} سورۃ المائدہ ۵/۸

{۲۳۷} بیان القرآن ۲/۱۶۴

{۲۳۸} اثبتو اعلی الایمان بذلك وداوموا علیه او آمنوا به بقلوبکم کما آمنتم بالسنتکم او آمنو ایمانا عاما بعم الکتب والرسل (بیضاوی ۲/۲۶۶)

{۲۳۹} صحیح بخاری ۱/۳۶۲

۳۔اگر کسی معاملے کا کوئی ایک ہی گواہ ہو تو اس پر گواہی دینا لازم ہو جاتا ہے۔(۱۳۵)

۴۔موت تک ایمان پر قائم رہنا واجب بھی ہے(۱۳۶)اور بہت بڑی سعادت بھی۔

۵۔یہاں ایمان کے ارکان بیان ہوئے ہیں یعنی اللہ پر،فرشتوں،کتابوں،رسولوں اور آخرت پر ایمان۔

منافقین کی صفات اور ان کی جزاء

(۱۳۷۔۱۴۱)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ

جو لوگ مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر بڑھتے رہے کفر میں تو اللہ ان کو ہرگز بخشنے والا نہیں اور نہ دکھلاوے ان کو

سَبِيلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن

راہ خوشخبری سنا دے منافقوں کو کہ ان کے واسطے ہے عذاب دردناک وہ جو بناتے ہیں کافروں کو اپنا رفیق

دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ

مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا ڈھونڈتے ہیں ان کے پاس عزت سو عزت تو اللہ ہی کے واسطے ہے ساری اور حکم اتار چکا تم پر قرآن میں

أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ

کہ جب سنو اللہ کی آیتوں پر انکار ہوتے اور ہنسی ہوتے تو نہ بیٹھو ان کے ساتھ یہاں تک کہ مشغول ہوں کسی دوسری بات میں نہیں تو تم بھی

إِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿۱۴۰﴾ الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِن

انہی جیسے ہو گئے اللہ اکٹھا کرے گا منافقوں کو اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ وہ منافق جو تمہاری تاک میں ہیں پھر اگر

كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ وَإِن كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ

تم کو فتح ملے اللہ کی طرف سے تو کہیں کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ اور اگر نصیب ہو کافروں کو تو کہیں کیا ہم نے گھیر نہ لیا تھا تم کو

وَنَمْنَعْكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۚ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

اور بچا دیا تم کو مسلمانوں سے سو اللہ فیصلہ کرے گا تم میں قیامت کے دن اور ہرگز نہ دے گا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی

سَبِيلًا ﴿۱۴۱﴾

راہ

ربط: ایمان کے ارکان بتانے کے بعد ان لوگوں کا ذکر ہے جو ایمان سے نکل گئے ان میں مرتد بھی ہیں اور منافق بھی۔

تسہیل: جو لوگ ایمان لائے،پھر کافر ہو گئے،پھر ایمان لائے،پھر کافر ہو گئے،پھر کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے،

ایسے لوگوں کو اللہ ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ ہی انہیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق دے گاo ان منافقوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادیجئےo جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں، کیا یہ ان کے ہاں عزّت چاہتے ہیں؟ خوب سمجھ لو کہ ساری کی ساری عزّت اللہ ہی کے لئے ہےo اللہ تمہیں قرآن میں یہ حکم پہلے ہی دے چکا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار اور استہزاء کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ کوئی دوسری بات نہ شروع کردیں، اگر تم یونہی بیٹھے رہے تو پھر تم بھی انہی جیسے ہوگئے، یقیناً اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں سب کو دوزخ میں جمع کردے گاo یہ منافق ایسے ہیں کہ تم پر حوادث کے منتظر رہتے ہیں، اگر تمہیں اللہ کے فضل سے فتح حاصل ہوجائے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر اتفاق سے کافروں کو کچھ غلبہ حاصل ہوجائے تو ان سے کہتے ہیں کہ کیا ہم مسلمانوں کا ساتھ دے کر تم پر غالب نہیں آسکتے تھے اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچا نہیں لیا؟ قیامت کے دن اللہ ہی تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ کافروں کا مسلمانوں پر غلبہ نہیں رہنے دے گاo

تفسیر

﴿۱۳۷﴾ اس آیت میں منافقین {۲۴۰} اور مترددین کا ذکر ہے اور ایمان لانے پھر کافر ہونے، پھر ایمان لانے اور کافر ہونے سے دو دفعہ کا عدد مراد نہیں بلکہ ان کے تردد اور تذبذب کو بیان کرنا مقصود ہے، بعض منافق ایسے تھے جو واقعۃً ایسا ہی کرتے تھے، وہ کبھی مسلمان ہوجاتے تھے اور کبھی کافروں سے جا ملتے تھے اور بعض بظاہر تو ایسا نہیں کرتے تھے لیکن ان کے دل میں کفر اور ایمان کے بارے میں کشمکش جاری رہتی تھی اور وہ فیصلہ نہیں کر پاتے تھے کہ کفر اور ایمان میں سے کس کا ساتھ دینا ہمارے لئے زیادہ بہتر ہے لیکن ان کی آخری حالت یہ ہوئی کہ انہوں نے کفر کی نجاست کو اختیار کرلیا اور اسی میں ترقی کرتے چلے گئے اور ظاہر ہے جو کوئی اپنے اختیار سے کفر کا ساتھ دینے کو پسند کرلے تو اللہ بھی اسے ایمان کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔

﴿۱۳۹﴾ ان منافقین کی ایک علامت اور صفت یہ بھی ہے کہ وہ ایمان والوں کے بجائے کافروں سے دوستی رکھتے ہیں جس کی وجہ ان کی یہ ناقص سوچ ہے کہ چونکہ ظاہری عزّت اور قوت کفار کو حاصل ہے تو ان کے ساتھ دوستی رکھنے سے ہمیں بھی عزت اور قوّت حاصل ہوجائے گی لیکن یہ ان کی خام خیالی ہے، کیونکہ اصلِ عزّت اور قوت وغلبہ صرف اللہ

{۲۴۰} وجعلها ابن عباس رضي الله عنهما لكل منافق في عهده ﷺ في البر و البحر (روح المعاني جزء۵/۲۵۰)

کے لئے خاص ہے اور وہ اپنے اولیاء کو عزّت عطا کرتا ہے، آخرت میں تو بہرحال اللہ کی بندگی اختیار کرنیوالوں ہی کو عزّت حاصل ہوگی۔ دنیا میں بھی جو فرد اور معاشرہ اور قوم صحیح معنوں میں بندگی اختیار کرلیتی ہے اسے ہی عزّت حاصل ہوتی ہے، آج اگر مسلمانوں کو اجتماعی عزّت حاصل نہیں تو اس لئے کہ وہ اجتماعی سطح پر بندگیِ رب سے بہت دور جاچکے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہنوں میں نبی اکرم ﷺ نے یہ بات خوب اچھی طرح بٹھادی تھی کہ عزّت صرف ایمان، اسلام اور بندگی میں ہے، کفر، شرک اور تکبر میں کوئی عزّت نہیں ہے یونہی مادی چیزوں میں عزت تلاش کرنے والے ذلیل وخوار ہی رہتے ہیں، انہیں حقیقی عزت کبھی حاصل نہیں ہوتی۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر شام کے گورنر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"کنتم اقل الناس فکثر کم بالاسلام و کنتم اذل الناس فاعزّ کم اللہ بالا سلام مهما تطلبوا العزّة بغیر اللہ یذلکم اللہ{۲۴۱}"

(اے ابوعبیدہ تم لوگ تعداد میں سب سے کم تھے اللہ نے اسلام کی وجہ سے تمہیں زیادہ کردیا، تم لوگوں میں سب سے زیادہ ذلیل اور کمزور تھے اللہ نے اسلام کی برکت سے تمہیں عزت اور قوت عطا فرمادی، اب اگر تم نے اسلام کے سوا کسی دوسرے ذریعہ سے عزت حاصل کرنا چاہی تو اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل کردے گا)

﴿۱۴۰﴾ یہاں بتایا جارہا ہے کہ حصولِ عزت کے لئے کافروں کے ساتھ دوستی رکھنا تو دور کی بات ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ایسے کافروں کی مجلسوں میں بھی ہرگز شرکت نہ کریں جو اللہ کے احکام اور آیات کا مذاق اڑاتے ہیں، مسلمانوں کو یہ حکم اللہ تعالیٰ نے مکّہ میں دیا تھا، چنانچہ سورۃ الانعام جو کہ مکی ہے اس میں ہے:

"واذارأیت الذین یخوضون فی آیاتنا فاعرض عنهم حتی یخوضوا فی حدیث غیره واماّ ینسینک الشیطن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین{۲۴۲}"

(جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے متعلق بے ہودہ باتیں کرتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لو یہاں تک کہ وہ کسی

{۲۴۱} مستدرک حاکم ۸۶

{۲۴۲} سورۃ الانعام ۶/۶۸

دوسری بات میں مشغول ہو جائیں اور اگر تمہیں شیطان بھلا دے تو یاد آ جانے کے بعد ظالموں کے ساتھ مت بیٹھو۔)

اگر اللہ کے احکام کا مذاق اڑانے والے کافروں اور منافقوں کی مجلس میں تم خاموشی سے بیٹھے رہے تو تم بھی گناہ میں شریک ہو گئے اگر چہ دونوں کی نوعیت میں فرق ہوگا انہیں کفر کا گناہ ہوگا اور تمہیں فسق کا، انہیں زبان سے بکنے کا گناہ ہوگا اور تمہیں کانوں سے سننے اور خاموش رہنے کا، اس لئے کہ جس مجلس میں کوئی گناہ ہو رہا ہو تو مسلمان پر لازم ہے کہ اگر ہاتھ سے روکنے یا زبان سے ٹوکنے کی قدرت رکھتا ہو تو روک ٹوک کرے اور اس کی قدرت نہ ہو تو کم از کم اس گناہ سے اپنی ناراضگی کا اظہار کرے جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ مجلس سے اٹھ کر چلا جائے، یہی وجہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو اس جرم میں گرفتار کیا کہ وہ شراب پی رہے تھے ان میں سے ایک شخص کے بارے میں ثابت ہوا کہ وہ روزہ رکھے ہوئے ہے، اس نے شراب نہیں پی لیکن ان کی مجلس میں شریک تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو بھی سزا دی کہ وہ ان کی مجلس میں کیوں بیٹھا ہوا تھا۔[۲۴۳]

﴿۱۴۱﴾ ان منافقوں کا یہ حال ہے کہ یہ ہر وقت اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی مصیبت یا کوئی حادثہ آ پڑے[۲۴۴] لیکن اگر تمہیں فتح ہو جائے تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں لہٰذا مالِ غنیمت میں سے ہمیں بھی حصّہ دو اور اگر بالفرض کافروں کا داؤ چل جائے تو ایک دم پینترا بدل لیتے ہیں اور کافروں پر احسان جتلانے لگتے ہیں کہ تمہیں ہماری وجہ سے ہی فتح حاصل ہوئی ہے، جنگ میں فلاں فلاں موقع ایسا تھا کہ تم ہمارے قابو میں تھے اور ہم چاہتے تو تمہیں قتل کر سکتے تھے، اگر ہم دل سے مسلمانوں کا ساتھ دیتے تو تمہیں کوئی بھی شکست سے نہیں بچا سکتا تھا یہ ہم ہی تھے جو مسلمانوں کی مخبری اور جاسوسی کرتے رہے لہٰذا اب ہمارا حصّہ دلواؤ۔

''ولن یجعل اللہ للکفری علی المؤمنین سبیلا'' (اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر ہرگز غلبہ نہیں دے گا)

چونکہ جو سامنے کے زمینی حقائق ہیں وہ بظاہر اس کے برعکس ہیں یعنی مسلمان مغلوب ہیں اور کافر غالب اس لئے اکثر مسلمانوں کے ذہنوں میں اشکال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ نے اپنا وعدہ پورا نہیں فرمایا؟ اس اشکال کے کئی جواب علماء نے دیئے ہیں[۲۴۵] ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

{۲۴۳} بحر محیط ۳/۳۷۵ بحوالہ معارف القرآن ۲/۵۸۶

{۲۴۴} ای ینتظرون بکم الدوائر والشدۃ (ابن عباسؓ)

{۲۴۵} مزید تفصیل کے لئے دیکھیے تفسیر قرطبی ۵/۴۱۹ اور احکام القرآن لابن العربی ۱/۵۰۹

۱۔مسلمان اگر واقعی مسلمان رہیں تو کافران پر کبھی غالب نہیں آسکیں گے لیکن اگر انہوں نے باطل کے طور طریقے اختیار کرلیے، منکرات میں منہمک ہوگئے اور گناہوں سے توبہ کرنا انہیں یاد نہ رہا تو پھر کافروں کو ان پر غالب آنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔

۲۔علمی دلائل اور براہین کے میدان میں کافران پر غالب نہیں آسکیں گے اور کون نہیں جانتا کہ اگر کہیں مسلمان سیاسی طور پر مغلوب بھی ہیں تو اپنے مذہب اور کتاب کی صداقت کے دلائل کے اعتبار سے ہرگز مغلوب نہیں ہیں۔

۳۔کافروں کو مسلمانوں پر ایسا غلبہ کبھی حاصل نہیں ہوسکے گا کہ وہ دنیا سے ان کا نام ونشان ہی مٹادیں جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں ''میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ مسلمانوں پر کوئی ایسا دشمن مسلط نہ کرنا جو ان کا کلی خاتمہ کردے۔{۲۳۶}

حکمت وہدایت:

۱۔مؤمن ہر قسم کے حالات میں یکسو اور ایمان پر قائم رہتا ہے جبکہ منافق ہمیشہ تذبذب کا شکار رہتا ہے۔(۱۳۷)

۲۔اگر کافر اسلام قبول کرلے تو اس کا کفر اور زمانۂ کفر کے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں{۲۴۷} اور اگر وہ دوبارہ کافر ہوجائے تو اس کا سابقہ کفر بھی معاف نہیں ہوتا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ان گناہوں پر بھی ہمارا مواخذہ ہوگا جو ہم زمانۂ جاہلیت میں کرتے رہے ہیں تو آپ نے فرمایا جو اسلام میں اچھا ثابت ہوا اس سے تو مواخذہ نہیں ہوگا لیکن اگر اس نے (بظاہر اسلام قبول کرنے کے بعد بھی) ''برائی'' ہی کی تو اس سے زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں کے گناہوں پر مواخذہ ہوگا۔{۲۴۸}

علماء فرماتے ہیں کہ یہاں ''برائی'' سے مراد کفر ہے کیونکہ مسلمان ہوجانے کے بعد گناہ ہوجانے کی صورت میں امت میں سے کسی کے نزدیک بھی زمانہ کفر کے گناہوں پر مواخذہ نہیں ہوتا جبکہ صحیح حدیث سے بھی ثابت ہے کہ اسلام قبول کرنے سے زمانہ کفر کے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

{۲۴۶} صحیح مسلم

{۲۴۷} عن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بلفظ أ ماعلمت ان الاسلام یهدم ما کان قبله(صحیح مسلم۱/۷۶)

{۲۴۸} صحیح مسلم۱/۷۵

۳۔ مرتد کے سارے نیک اعمال باطل ہو جاتے ہیں اور اسے تین دن کی مہلت دی جاتی ہے اگر وہ توبہ کر لے تو فبہا ورنہ اسے قتل کر دیا جاتا ہے...... مرتد کی مثال جسم کے سڑے ہوئے اور کینسر زدہ عضو کی ہے جسے باقی اعضاء کی حفاظت اور صحت کے لئے کاٹ دینا ہی بہتر ہے۔

۴۔ منافقین کا دردناک عذاب سے دوچار ہونا یقینی ہے۔(۱۳۸)

۵۔ کافروں سے قلبی دوستی لگانا منافقین کا شیوہ ہے۔(۱۳۹)

۶۔ حقیقی عزت اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ سے سچا تعلق قائم کرنے والوں ہی کو حاصل ہوتی ہے۔(۱۳۹)

۷۔ مادی چیزوں...... سونا، چاندی، گاڑی، مکان، لباس اور عہدہ و منصب میں عزت تلاش کرنا مسلمان کا کام نہیں، مسلمان کی اصل عزت ایمان سے تعلق، قرآن کی محبت، اللہ کی بندگی اور حضور اکرم ﷺ کی غلامی میں ہے۔

۸۔ ایسی کوئی بھی مجلس جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات کا مذاق اڑایا جاتا ہو، بدعات اور منکرات کا ارتکاب کیا جاتا ہو یا قرآن کی غلط تفسیر بیان کی جاتی ہو اور احادیث کا انکار کیا جاتا ہو، یا سلف صالحین پر سب وشتم کیا جاتا ہو اس میں شرکت کرنا جائز نہیں خواہ وہ شادی یا غمی کے نام پر منعقد ہو یا وعظ اور میلاد کے نام پر اس کا اہتمام کیا گیا ہو، کیونکہ خوبصورت نام رکھ دینے سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدل جاتی اور خوشبو کا لیبل لگا دینے سے غلاظت کی بدبو ختم نہیں ہو سکتی......

۹۔ اگر کسی غلط مجلس کو چھوڑ دینے کی وجہ سے کوئی گناہ لازم آتا ہو مثلاً مسجد میں جماعت کی شرکت ضروری ہے، اگر وہاں کوئی خلافِ شرع کام ہونے لگے تو اس کی وجہ سے جماعت کی نماز ترک نہ کی جائے بلکہ صرف زبانی روک ٹوک اور قلبی ناراضگی پر اکتفاء کیا جائے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اگر ہم لوگوں کے گناہ کی وجہ سے اپنے ضروری کام ترک کر دیا کریں تو ہم فساق وفجار کے لئے سنت اور شریعت کے مٹانے کا راستہ ہموار کر دیں گے۔

”خلاصہ یہ ہوا کہ اہلِ باطل کے ساتھ مجالست کی چند صورتیں ہیں:

اوّل: ان کفریات پر رضا کے ساتھ، یہ کفر ہے۔

دوم: اظہارِ کفریات کے وقت کراہیت کے ساتھ یہ بلا عذر فسق ہے۔

سوم: کسی ضرورتِ دنیوی کے واسطے مباح ہے۔

چہارم: تبلیغِ احکام کے لئے عبادت ہے۔

پنجم: اضطرار اور بے اختیاری کے ساتھ اس میں معذور ہے۔ {۲۳۹}"

۱۰۔ جو شخص قدرت کے باوجود کسی کو گناہ سے نہ روکے اور خاموشی اختیار کرے وہ بھی گناہ گار ہوگا۔ (۱۴۰) یاد رکھیں کفر پر راضی ہونا کفر اور گناہ پر راضی ہونا گناہ ہے۔

۱۱۔ امتِ مسلمہ پر حوادث و مصائب کا انتظار اور ان پر خوش ہونا منافقین کا شعار ہے۔ (۱۴۱)

۱۲۔ اگر مسلمان واقعی اور حقیقی مسلمان بن جائیں تو کافران پر کبھی بھی غالب نہیں آسکتے۔ (۱۴۱)

منافقوں کی چند مزید علامات اور کفار سے دوستی کی ممانعت

(۱۴۲۔۱۴۷)

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ
البتہ منافق دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دیگا اور جب کھڑے ہوں نماز کو تو کھڑے ہوں ہارے جی سے لوگوں کے

النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۗ
دکھانے کو اور یاد نہ کریں اللہ کو مگر تھوڑا سا ادھر میں لٹکتے ہیں دونوں کے بیچ نہ اِن کی طرف اور نہ اُن کی طرف

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ أَوْلِيَآءَ
اور جس کو گمراہ کرے اللہ تو ہرگز نہ پاوے گا تو اسکے واسطے کہیں راہ اے ایمان والو نہ بناؤ کافروں کو اپنا رفیق

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ أَتُرِيْدُوْنَ أَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ
مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا لیا چاہتے ہو اپنے اوپر اللہ کا الزام صریح بیشک منافق ہیں سب سے نیچے

الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَأَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَأَخْلَصُوْا
درجہ میں دوزخ کے اور ہرگز نہ پاوے گا تو انکے واسطے کوئی مددگار مگر جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کی اور مضبوط پکڑا اللہ کو اور خالص حکم

دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ أَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ
بردار ہوئے اللہ کے سو وہ ہیں ایمان والوں کے ساتھ اور جلد دے گا اللہ ایمان والوں کو بڑا ثواب کیا کرے گا اللہ

بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾
تم کو عذاب کر کے اگر تم حق کو مانو اور یقین رکھو اور اللہ قدردان ہے سب کچھ جاننے والا

ربط: یہ آیات، سابقہ آیات کا تکملہ اور تتمہ ہیں۔

تسہیل: منافق لوگ اپنے خیال میں اللہ کو دھوکا دیتے ہیں، اللہ انہیں ان کے دھوکے کی سزا ضرور دے گا چونکہ ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہے اس لئے جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بے دلی اور کاہلی سے کھڑے ہوتے

{۲۳۹} معارف القرآن ۵۸۶/۲

ہیں، محض دکھاوا کرنا چاہتے ہیں اور اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں ○ یہ کفر اور ایمان کے درمیان متذبذب ہیں نہ پورے اِدھر ہیں اور نہ ہی اُدھر ہیں اور جسے اللہ گمراہ کردے تو ایسے شخص کے راہِ راست پر آنے کے لئے تم کوئی راستہ نہیں پاؤ گے ○ اے ایمان والو تم مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم ان سے دوستی لگا کر یہ چاہتے ہو کہ اپنے مجرم ہونے پر اللہ تعالیٰ کو واضح حجت فراہم کردو ○ بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں جائیں گے اور تم کسی کو بھی ان کا مددگار نہیں پاؤ گے ○ لیکن منافقوں میں سے جو لوگ توبہ کرلیں، اپنے رویے کی اصلاح کرلیں، اللہ سے اپنا تعلق مضبوط کرلیں اور خالص اللہ کے فرمانبردار ہوجائیں تو یہی لوگ ہیں جو دنیا اور آخرت میں ایمان والوں کے ساتھ ہوں گے اور ایمان والوں کو تو اللہ اجر عظیم دینے والا ہے جس میں یہ بھی یقیناً شریک ہوں گے ○ اگر تم اللہ کا شکر ادا کرو اور اس پر واقعی ایمان لے آؤ تو اللہ کو تمہیں سزا دینے کی کیا ضرورت ہے اور اللہ بڑا قدر کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے ○

تفسیر

﴿۱۴۲﴾ اللہ تعالیٰ دلوں کے رازوں اور خیالات وجذبات کو جانتا ہے اسلیے اللہ کو کوئی بھی دھوکا نہیں دے سکتا لیکن چونکہ اللہ اور اللہ کے بندے تحمل اور عفو ودرگذر سے کام لیتے ہیں اس لئے منافق یہ سمجھتا ہے کہ میری چال اور دھوکا کامیاب جارہا ہے اور کسی کو میرے قلبی عزائم اور خفیہ سازشوں کا علم نہیں۔

"وھو خادعھم" اللہ تعالیٰ منافقوں کو فوراً نہیں پکڑتا بلکہ انہیں ڈھیل دیتا چلا جاتا ہے جیسا کہ دنیا میں بعض مجرموں کے جرائم سے بظاہر چشم پوشی کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے اس ڈھیل دینے ہی کو "خداع" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یا "خادعھم" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ انہیں ان کے خداع (دھوکا) کی سزا دے گا مگر عربی قاعدہ کے مطابق خداع کی سزا کو بھی خداع کہا گیا ہے اس عربی قاعدہ کو "مشاکلہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔[۲۵۰]

"واذا قاموا الی الصلوۃ" ان منافقوں کی ظاہری حالت یہ ہوتی ہے کہ بے دلی سے نماز پڑھتے ہیں اور باطنی حالت یہ ہوتی ہے کہ ان کے دلوں میں اخلاص نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں اگر کوئی دیکھ رہا ہو تو ذکر بھی کرلیتے ہیں نماز بھی پڑھ لیتے ہیں ورنہ نہ ذکر کرتے ہیں نہ نماز پڑھتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "عشاء اور فجر کی نماز منافقوں پر سب سے زیادہ بھاری ہوتی ہے[۲۵۱]" ان نمازوں کے بھاری ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ منافقوں کا مقصد چونکہ محض دکھاوا ہوتا ہے جبکہ تاریکی کی وجہ سے ان دو نمازوں میں غیر حاضری پوشیدہ رہ سکتی ہے اس

{۲۵۰} والخداع من اللہ مجاز اتھم علی خداعھم اولیاء ہ ورسلہ (قرطبی ۵/۴۲۲)

{۲۵۱} صحیح مسلم

لئے وہ مسجد میں حاضر نہیں ہوتے۔

﴿۱۴۳﴾ان منافقوں میں سے اکثر تذبذب کا شکار ہیں، جہاں مادّی مفادات کا تحفظ دکھائی دیتا ہے وہاں مسلمانوں کا ساتھ دیتے ہیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو بظاہر ایمان والوں کے ساتھ ہیں لیکن اندر سے کافروں کے ساتھ ہیں۔

﴿۱۴۴﴾کافروں کے ساتھ قلبی دوستی رکھنا اور انہیں مسلمانوں کے خفیہ راز بتانا، منافقوں کی علامت ہے، مخلص مسلمان ایسا نہیں کر سکتے، اس لئے منافقوں کے ذکر میں ایمان والوں کو کافروں سے دوستی رکھنے سے سخت الفاظ میں منع کیا گیا ہے۔

﴿۱۴۵﴾مفسرین نے دوزخ کے سات طبقے بیان کیئے ہیں۔ پہلا جہنم، دوسرا لظی، تیسرا حطمۃ، چوتھا سعیر، پانچواں سقر، چھٹا جحیم، ساتواں ھاویۃ۔ منافق دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور انہیں کافروں سے بھی زیادہ سخت عذاب دیا جائے گا، اس لئے کہ کفر کے علاوہ ان کا جرم یہ بھی ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور انہیں دھوکا دیتے ہیں۔

﴿۱۴۶﴾منافق کی توبہ قبول ہونے کی چار شرطیں ہیں، گزشتہ حرکتوں پر ندامت، آئندہ کے لئے اپنے اعمال وافعال کی اصلاح، اللہ کے ساتھ مضبوط تعلق، جس کی ظاہری علامت کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے اور اخلاص یعنی ان کی ہر عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو۔

﴿۱۴۷﴾جاہلی قوموں نے اپنے دیوتاؤں کو سفاک اور خونخوار روپ میں پیش کیا ہے جو اپنے پجاریوں کو تکلیف میں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں مسلمانوں کا خدا بے حد مہربان اور رحم کرنے والا ہے وہ انسان کو سزا صرف اس کی اصلاح کے لئے دیتا ہے اگر کوئی خود ہی اپنی اصلاح کر لے یعنی وہ شکر گذار اور مؤمن بن جائے تو اسے سزا نہیں دی جاتی، شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کی جائے اور انہیں اسی مقصد کے لئے استعمال کیا جائے جس کے لئے وہ دی گئی ہیں اور ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے سچا ہونے پر یقین رکھا جائے اور ان پر عمل کیا جائے۔

حکمت وہدایت:

ا۔ منافقوں کا سارا مدار دھوکا اور فراڈ پر ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے خیال میں اللہ کو بھی دھوکا دیتے ہیں جو کہ خود ایک دھوکا ہے۔(۱۴۳)

۲۔ مستقل بے دلی سے نماز پڑھنا، ریا اور دکھاوا، اللہ کا ذکر کم کرنا، تذبذب اور شک منافق کی علامات ہیں۔ (۱۴۲۔۱۴۳)

۳۔ اللہ اور اس کے رسول کے ہر وعدہ پر یقین ہونا مسلمان کی اور شک ہونا منافق کی نشانی ہے۔ (۱۴۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا "منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان ہو کبھی اس کے ساتھ ہو جاتی ہے اور کبھی اُس کے ساتھ"

۴۔ وہ محبت اور تعلق جو مسلمانوں کا آپس میں ہوتا ہے، کافروں کے ساتھ رکھنا حرام ہے۔ (۱۴۴)

۵۔ جب مسلمان کافروں سے محبت کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دے گا۔

۶۔ اللہ کی نظر میں منافق، کافر سے بھی بڑا مجرم ہے اور اس کی سزا کافر سے سخت تر ہو گی۔ (۱۴۵)

۷۔ کافر کی توبہ کی شرط صرف یہ ہے کہ وہ کفر سے باز آ جائے {۲۵۲} لیکن منافق کی توبہ کی قبولیت چار شرطوں پر موقوف ہے، ندامت، اصلاح، تعلق باللہ اور اخلاص۔ (۱۴۶)

۸۔ سچی توبہ سے ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے چاہے وہ کفر اور نفاق ہی کیوں نہ ہو۔ (۱۴۶)

۹۔ کسی کو عذاب دینے سے اللہ کے اقتدار میں اضافہ نہیں ہوتا اور معاف کرنے سے اس میں کمی واقع نہیں ہوتی۔

۱۰۔ ایمان اور شکر ایسی دو صفات ہیں جو انسان کو دنیا اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے محفوظ رکھتی ہیں۔

۱۱۔ اللہ بندوں کی عبادت واطاعت کی قدر کرتا ہے......اس کی قدر دانی یہ ہے کہ وہ عملِ قلیل پر اجرِ جزیل عطا فرماتا ہے۔ (۱۴۷)

برائی اور اچھائی کا اظہار اور اخفاء

(۱۴۸۔۱۴۹)

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا

اللہ کو پسند نہیں — کسی کی بری بات کا — ظاہر کرنا — مگر جس پر — ظلم ہوا ہو — اور اللہ ہے — سننے والا جاننے والا — اگر تم کھول کر کرو کوئی

خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾

بھلائی — یا — اسکو چھپاؤ — یا معاف کرو — برائی کو — تو اللہ بھی — معاف کرنے والا بڑی قدرت والا ہے

{۲۵۲} سورۃ الانفال ۸/۳۸

ربط : منافقوں اور کافروں کے عیوب بیان کرنے کے بعد بری بات کے اظہار کا حکم بتایا جارہا ہے تاکہ مسلمان یہ نہ سمجھ لیں کہ شرعی طور پر مطلقاً کسی کے عیوب کے بیان کرنے کی اجازت ہے۔

تسہیل: اللہ تعالیٰ بری بات کو عام کرنا پسند نہیں کرتا البتہ جس پر ظلم ہوا ہو وہ دوسروں کے سامنے ظالم کے ظلم کو بیان کرسکتا ہے اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے ٥ اگر تم بھلی بات کو ظاہر کرو یا چھپاؤ یا کسی کی برائی معاف کردو تو اللہ بڑا معاف کرنے والا بڑا قدرت والا ہے ٥

تفسیر

﴿۱۴۸﴾ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ بری باتوں کو مشہور کیا جائے یا دوسروں کے عیوب بیان کیئے جائیں اس لئے کہ ایسا کرنے سے دلوں میں عداوت اور ایک دوسرے سے نفرت پیدا ہوتی ہے، کسی کے سامنے اس کی برائی بیان کرنے کو طعن اور پیٹھ پیچھے بیان کرنے کو غیبت کہتے ہیں، طعن اور غیبت دونوں کے نتائج خطرناک ہوتے ہیں۔

برائی کی تشہیر میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ سننے والوں کے دل میں برائی کے جراثیم پرورش پاتے ہیں اور ان کے دلوں میں بھی ''بدکاروں'' اور ''فنکاروں'' کی تقلید کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جس کی زندہ مثال ہمارا میڈیا ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات ہیں جو جرائم کی خبریں مرچ مصالحہ لگا کر شائع کرتے ہیں جنہیں پڑھ اور سن کر بہت سے معصوم ذہن مسموم ہوجاتے ہیں۔ اگر بالفرض برائی کی خبریں سن کر کسی کے دل میں برا بننے کا جذبہ پیدا نہ بھی ہو تو بھی گناہ کا مرتکب ہونے میں تو کوئی شک نہیں اس لئے کہ دوسروں کی برائیاں سننا بھی گناہ ہے۔

یوں تو خفیہ طور پر بھی دوسروں کے عیوب بیان کرنا گناہ ہے مگر صرف علی الاعلان بیان کرنے سے خاص طور پر اس لئے منع فرمایا کیونکہ اس کے نقصانات اور مفاسد زیادہ ہیں۔

''الامن ظلم'' مذکورہ بالا عام قانون سے مظلوم کو مستثنیٰ کیا گیا ہے، اگر کسی پر ظلم ہوا ہو تو وہ اس کی شکایت بااختیار حاکم یا ایسی عدالت میں پیش کرسکتا ہے جہاں سے اسے دادرسی کی توقع ہو اور اگر وہاں سے بھی اسے انصاف نہ ملے تو اپنی قوم اور جماعت کے سامنے بیان کرسکتا ہے، مفسرین اور محدثین کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بااثر شخصیت برائی کا ارتکاب کرتی ہے اور سمجھانے بجھانے پر بھی اس مذموم حرکت سے باز نہیں آتی تو ایسی برائی کو عوام کے سامنے ظاہر کرنا

بھی جائز ہے، وگرنہ عام قانون یہی ہے کہ کسی دشمن کی بھی سرِ عام برائی نہ کرو خواہ وہ یہودی، کافر یا منافق ہی کیوں نہ ہو، تکلیف اٹھانے کے باوجود اس کے اظہار سے ممانعت مکارمِ اخلاق کی اعلیٰ تعلیم ہے۔[۲۵۳]

''سمیعا علیما'' برائی کی تشہیر کرنے والا ہو یا ظلم کی شکایت کرنے والا، ظالم ہو یا مظلوم ہر ایک کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ جو کچھ کہا جاتا ہے اللہ اسے سنتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کس نیت سے کہا جا رہا ہے، کسی کی ہتکِ عزت مقصود ہے یا برائی کی اشاعت یا ظلم کا ازالہ اور دادرسی۔

﴿۱۴۹﴾ اس آیت کریمہ میں تین باتوں کا بیان ہے

پہلی یہ کہ تم نیکی کو بوقتِ ضرورت ظاہر کر سکتے ہو اس لئے کہ اچھے کام کا اظہار انسان کی فطری کمزوری ہے۔

دوسری یہ کہ نیکی اگر چھپا کر کی جائے تو اس کا ثواب اظہار سے زیادہ ہوتا ہے۔

تیسرے یہ کہ برائی کرنے والے کو معاف کر دو اور اس سے انتقام نہ لو...... اصل مقصود اسی تیسری اخلاقی صفت کا بیان تھا اور پہلی دو باتیں اس کی تمہید اور ترغیب کے طور پر بیان کی گئی ہیں[۲۵۴]، آیت کے اختتام پر اللہ تعالیٰ کی جو دو صفات لائی گئی ہیں ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اصل مقصود اسی صفت کا بیان تھا کیونکہ ''عفوا قدیرا'' لا کر بتایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ انتقام کی قدرت کے باوجود معاف کر دیتا ہے تو تمہیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے[۲۵۵]۔

حکمت وہدایت:

۱۔ دوسروں کے عیوب کی تشہیر اور ہتکِ عزت حرام ہے۔ (۱۴۸)

۲۔ مظلوم، ازالۂ ظلم کے لئے شکایت بھی کر سکتا ہے اور ظالم کے لئے بددعا بھی کر سکتا ہے اور اس کی دعا قبول بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ''اتقوا دعوة المظلوم، فانها تصعد الی السماء کأنها شرارة[۲۵۶]'' (مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ وہ آسمان کی طرف یوں چڑھتی ہے گویا کہ وہ انگارا ہے۔)

{۲۵۳} معالم العرفان فی دروس القرآن ۶۲۳/۴

{۲۵۴} وهو المقصود وذکر ابداء الخیر واخفائه تشبیب له (بیضاوی ۲۷۳/۲)

{۲۵۵} والدلیل علی ان العفو هو الغرض المقصود بذکر ابداء الخیر واخفائه قوله "فان الله کان عفواً قدیراً" ای یعفو عن الجانین مع قدرته علی الانتقام فعلیکم أن تقتدوا بسنة الله (کشاف ۶۱۶/۱)

{۲۵۶} التفسیر المنیر ۷/۶ بحواله حاکم

۳۔بعض حضرات نے اس آیت سے ضیافت کے وجوب پر استدلال کیا ہے اور ضیافت نہ کرنے کو ظلم قرار دیا ہے لیکن جمہور اسے مستحب اور مکارم اخلاق میں سے قرار دیتے ہیں۔{۲۵۷}

۴۔طلب حق میں بھی اعتدال سے کام لینا چاہیئے......سمیعا علیما، یہ دو صفات ظالم کے ظلم سے روکنے اور مظلوم کو حد کے اندر رکھنے کے لئے لائی گئی ہیں۔(۱۴۸)

۵۔اسلام نے ازالہ ظلم میں تعاون کرنے کا حکم دیا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا "انصر اخاک ظالما او مظلوما" (اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو) عرض کیا گیا کہ ہم مظلوم کی مدد تو کریں گے مگر ظالم کی مدد کیسے کریں؟ آپ نے فرمایا اسے ظلم سے روکو یہی اس کی مدد ہے۔{۲۵۸}

۶۔دوسروں کو نیکی کی ترغیب دینے کے لئے نیکی کا اظہار بھی جائز ہے مگر اخفاء افضل ہے(۱۴۹) جن لوگوں کے دل ایمان اور اخلاص سے بھرے ہوں ان کے حق میں اظہار اور اخفاء دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔

۷۔قدرت کے باوجود ظلم اور زیادتی معاف کر دینا بہت بڑی نیکی ہے(۱۴۹) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

"ارحموا ترحموا، واغفروا یغفر اللہ لکم{۲۵۹}" (تم رحم کرو تمہارے اوپر بھی رحم کیا جائے گا تم دوسروں کو معاف کرو اللہ تمہیں معاف کر دے گا)

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں "افضل اخلاق المؤمن العفو{۲۶۰}" (مؤمن کے اخلاق میں سے سب سے بہتر خلق معاف کر دینا ہے)

{۲۵۷} التفسیر المنیر ۸/۶

{۲۵۸} بخاری۔ترمذی بحوالہ التفسیر المنیر جزء ۸/۶

{۲۵۹} مسنداحمد حدیث نمبر ۶۵۴/۱ بحوالہ نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم صلی اللہ علیہ وسلم ۲۹۰۵/۷

{۲۶۰} آلاداب الشرعیہ ۱۷/۱ بحوالہ مذکورہ

کفر و ایمان اور ان کی جزاء

(۱۵۰۔۱۵۲)

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ
جو لوگ منکر ہیں اللہ سے اور اس کے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اور اس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں ہم مانتے ہیں

بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١٥٠﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ
بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو اور چاہتے ہیں کہ نکالیں اس کے بیچ میں ایک راہ ایسے لوگ وہی ہیں اصل

حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٥١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ
کافر اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور جدا نہ کیا ان میں سے کسی کو

مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٥٢﴾
ان کو جلد دے گا ان کے ثواب اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان

ربط: منافقوں کے بعد اہلِ کتاب کا ذکر مناسب ہے، اس لئے کہ منافق ان سے دوستی رکھتے تھے اور ان میں ایک مشترک خرابی یہ پائی جاتی تھی کہ دونوں کفر اور ایمان کے بین بین راستہ اختیار کرنا چاہتے تھے۔

تسہیل: جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے کے اعتبار سے اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور وہ علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہم بعض انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور ان کی سوچ یہ ہے کہ ہم کفر اور ایمان کے درمیان کوئی راستہ نکال لیں ○ ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے رسوا کن سزا تیار کر رکھی ہے ○ اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے سارے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان کے اعتبار سے ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ ان کا اجر ضرور دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے ○

﴿تفسیر﴾

﴿۱۵۰﴾ یہاں یہود و نصاریٰ کی تردید ہے[۲۶۱] جو ایمان کے اعتبار سے اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرتے تھے، وہ بعض انبیاء پر ایمان رکھتے تھے اور بعض انبیاء کا محض تعصب، اندھی تقلید اور ہوا پرستی کی بناء پر انکار کرتے تھے، یہودی باقی انبیاء پر تو ایمان رکھتے تھے مگر حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا انکار کرتے تھے

{۲۶۱} یتوعد تبارک وتعالیٰ الکافرین بہ وبرسلہ من الیہود والنصاریٰ (ابن کثیر ۱/۷۴۸)

جبکہ عیسائی ہمارے آقا ﷺ کا انکار کرتے تھے اور دوسرے انبیاء کو نبی تسلیم کرتے تھے۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ سرے سے سلسلہء نبوت کا انکار کرتے ہیں اور وہ جو سارے انبیاء میں کسی ایک نبی کی نبوت کا انکار کرتے ہیں یہ دونوں کفر میں اور عذاب کا مستحق ہونے میں برابر ہیں اس لئے کہ تمام انبیاء پر ایمان رکھنا واجب ہے اور محض چند یا کسی ایک نبی کو ماننے سے کوئی شخص مؤمن نہیں بن سکتا۔

قرآن کریم کے اس واضح فیصلہ نے ان لوگوں کی گمراہی اور کج روی کو پوری طرح کھول دیا ہے جو دوسرے اہلِ مذاہب کے ساتھ رواداری میں مذہب اور مذہبی عقائد کو بطور نوتہ اور ہبہ پیش کرنا چاہتے ہیں اور قرآن وسنت کے کھلے ہوئے فیصلوں کے خلاف دوسرے مذہب والوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے نزدیک نجات صرف اسلام میں منحصر نہیں، یہودی اپنے مذہب پر اور عیسائی اپنے مذہب پر رہتے ہوئے بھی نجات پا سکتا ہے۔ حالانکہ یہ لوگ سب رسولوں کے یا کم از کم بعض رسولوں کے منکر ہیں جن کے کافر اور جہنمی ہونے کا اس آیت نے اعلان کر دیا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ اسلام غیر مسلموں کے ساتھ عدل وانصاف اور ہمدردی وخیر خواہی اور احسان ورواداری کے معاملہ میں اپنی مثال نہیں رکھتا لیکن احسان وسلوک، اپنے حقوق اور اپنی ملکیت میں ہوا کرتے ہیں، مذہبی اصول وعقائد ہماری ملکیت نہیں جو ہم کسی کو تحفہ میں پیش کر سکیں، اسلام جس طرح غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور حسنِ سلوک کی تعلیم میں نہایت سخی اور فیاض ہے اسی طرح وہ اپنی سرحدات کی حفاظت میں نہایت محتاط اور سخت بھی ہے۔

وہ غیر مسلموں کے ساتھ ہمدردی وخیر خواہی اور انتہائی رواداری کے ساتھ کفر اور رسومِ کفر سے پوری طرح اعلانِ برأت بھی کرتا ہے، مسلمانوں کو غیر مسلموں سے الگ ایک قوم بھی قرار دیتا ہے اور ان کے قومی شعائر کی پوری طرح حفاظت بھی کرتا ہے، وہ عبادت کی طرح مسلمانوں کی معاشرت کو بھی دوسروں سے ممتاز رکھنا چاہتا ہے، جس کی بے شمار مثالیں قرآن وسنت میں موجود ہیں۔

اگر اسلام اور قرآن کا یہ عقیدہ ہوتا کہ ہر مذہب وملت میں نجات ہو سکتی ہے تو اس کو مذہب اسلام کی تبلیغ پر اتنا زور دینے کا کوئی حق نہ تھا اور اس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دینا اصولاً غلط اور خلافِ عقل ہوتا، بلکہ اس صورت میں خود رسولِ کریم ﷺ کی بعثت اور قرآنِ حکیم کا نزول معاذ اللہ بے کار اور فضول ہو جاتا ہے اور رسولِ کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کا سارا جہاد بے معنی بلکہ ملک گیری کی ہوس رہ جاتی ہے۔

اس معاملہ میں بعض لوگوں کو سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۶۲ سے شبہ ہوا ہے جس میں ارشاد ہے:

"ان الذین آمنوا والذین ھادوا والنصاریٰ والصّابئین من آمن باللہ والیوم الآخر و عمل صالحا فلھم اجرھم عندربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون"

یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین ان میں جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائیں اور نیک عمل کریں تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس محفوظ ہے، ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اس آیت میں چونکہ ایمانیات کی پوری تفصیل دینے کے بجائے صرف ایمان باللہ والیوم الآخر پر اکتفاء کیا گیا ہے تو جو لوگ قرآن کو صرف ادھورے مطالعہ سے سمجھنا چاہتے ہیں، اس سے وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ صرف اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھنا نجات کے لئے کافی ہے، رسولوں پر ایمان شرط نجات نہیں، اور یہ نہ سمجھ سکے کہ قرآن کی اصطلاح میں ایمان باللہ وہی معتبر ہے جو ایمان بالرسول کے ساتھ ہو، ورنہ محض خدا کے اقرار اور توحید کا تو شیطان بھی قائل ہے، قرآن کریم نے خود اس حقیقت کو ان الفاظ میں واضح فرمادیا ہے:

"فان آمنوا بمثل ماآمنتم بہ فقداھتدوا وان تولوّا فانما ھم فی شقاق فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم"

یعنی ان کا ایمان اس وقت معتبر ہوگا جب کہ وہ عام مسلمانوں کی طرح ایمان اختیار کریں، جس میں ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسول لازم ہے ورنہ پھر سمجھ لو کہ وہی لوگ تفرقہ اور اختلاف پیدا کرنا چاہتے ہیں، سو اللہ تعالیٰ آپ کی طرف سے ان کے لئے کافی ہے اور وہ بہت سننے والا جاننے والا ہے۔

اور پیشِ نظر آیات میں تو اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ بتلا دیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ کے کسی ایک رسول کا بھی منکر ہو وہ کھلا کافر ہے اور اس کے لئے عذاب جہنم ہے، ایمان باللہ وہی معتبر ہے جو ایمان بالرسول کے ساتھ ہو، اس کے بغیر اس کو ایمان باللہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ آخری آیت میں پھر ایجابی طور پر بیان فرمادیا گیا ہے کہ نجاتِ آخرت انہی لوگوں کا حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے سب رسولوں پر بھی ایمان رکھیں، اسی لئے رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا ہے: "ان القرآن یفسر بعضہ بعضا" (یعنی قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی تفسیر وتشریح کرتا ہے) خود قرآنی تفسیر کے خلاف کوئی تفسیر کرنا کسی کے لئے جائز نہیں {۲۶۲}"

یہود کی مذموم حرکتیں
(۱۵۳۔۱۵۹)

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ

تجھ سے درخواست کرتے ہیں اہل کتاب کہ تو ان پر اتار لائے لکھی ہوئی کتاب آسمان سے سو مانگ چکے ہیں موسیٰ سے اس سے بھی بڑی چیز

فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ

اور کہا ہم کو دکھلادے اللہ کو بالکل سامنے سو آپڑی ان پر بجلی ان کے گناہ کے باعث پھر بنالیا بچھڑے کو بہت کچھ نشانیاں پہنچ چکنے کے بعد

الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ

پھر ہم نے وہ بھی معاف کیا اور دیا ہم نے موسیٰ کو غلبہ صریح اور ہم نے اٹھایا ان پر پہاڑ قرار لینے کے واسطے

وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾

اور ہم نے کہا داخل ہو دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے اور ہم نے کہا کہ زیادتی مت کرو ہفتہ کے دن میں اور ہم نے ان سے لیا قول مضبوط ان کو

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ

جو سزا ملی سو ان کی عہد شکنی پر اور منکر ہونے پر اللہ کی آیتوں سے اور خون کرنے پر پیغمبروں کا ناحق اور اس کہنے پر کہ ہمارے دل پر غلاف ہے

طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾

سو یہ نہیں بلکہ اللہ نے مہر کردی ان کے دل پر کفر کے سبب سو ایمان نہیں لاتے مگر کم اور ان کے کفر پر اور مریم پر بڑا طوفان باندھنے پر

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ

اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا اللہ کا اور انہوں نے نہ اس کو مارا اور نہ سولی پر چڑھایا ولیکن وہی صورت

لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ

بن گئی ان کے آگے اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں تو وہ لوگ اس جگہ شبہ میں پڑے ہوئے ہیں کچھ نہیں ان کو اس کی خبر صرف اٹکل پر چل رہے ہیں اور اس کو قتل نہیں

{۲۶۲} معارف القرآن ۲/۵۹۴......۵۹۶

يَقِينًا ﴿١٥٧﴾ بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٥٨﴾ وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ

کیا بیشک — بلکہ اس کو اٹھا لیا اللہ نے اپنی طرف — اور اللہ ہے — زبردست حکمت والا — اور جتنے فرقے ہیں — اہل کتاب کے — سو عیسیٰ پر یقین لاویں گے

بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ﴿١٥٩﴾

اسکی موت — سے پہلے — اور قیامت کے دن — ہوگا — ان پر — گواہ

ربط: گذشتہ آیات کی طرح ان آیات میں بھی یہود کی بداعتقادیوں، مذموم حرکتوں اور ان کے عذاب اور سزا کا ذکر ہے۔

تسہیل: اے محمد! آپ سے اہلِ کتاب فرمائش کرتے ہیں کہ آپ ان کے پاس آسمان سے کوئی نوشتہ لائیں، آپ ان کی اس فرمائش سے پریشان نہ ہوں کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بڑی فرمائش کی تھی وہ یہ کہ ہمیں اللہ کا دیدار بلا حجاب کرادو، ان کی اس گستاخی کی بناء پر بجلی کی کڑک ان پر آپڑی پھر واضح دلائل آجانے کے باوجود انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا مگر ہم نے اس سے بھی درگذر کیا اور ہم نے موسیٰ کو واضح اقتدار عطا کیا تھا ○ اور ہم نے ان سے قول وقرار لینے کے لئے ان کے اوپر کوہِ طور کو معلق کردیا تھا اور ہم نے انہیں حکم دیا کہ بابِ شہر میں عاجزی سے داخل ہونا اور یہ کہ ہفتے کے دن کے بارے میں ہمارے حکم سے تجاوز نہ کرنا اور ہم نے ان سے نہایت مؤکد وعدہ لیا تھا ○ ان کی عہد شکنی، آیات الٰہیہ کے انکار، انبیاء کے قتلِ ناحق اور ان کے یوں کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل متأثر ہونے سے محفوظ ہیں ہم نے انہیں اپنے غضب اور لعنت کی سزا میں مبتلا کردیا، ان کا ہدایت سے متأثر نہ ہونا اس لئے ہے کہ ہم نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ بہت تھوڑا سا ایمان لاتے ہیں ○ نیز ہم نے اس لئے بھی انہیں سزا دی کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کرتے تھے {۲۶۳} اور حضرت مریمؑ پر بہتانِ عظیم لگاتے تھے ○ اور حضرت مسیح عیسیٰ بن مریم جو اللہ کے رسول تھے انہیں قتل کرنے کا دعویٰ کرتے تھے حالانکہ انہوں نے نہ تو آپ کو قتل کیا اور نہ ہی آپ کو سولی پر چڑھا پائے بلکہ انہیں اشتباہ ہوگیا اور جو لوگ آپ کے بارے میں اختلاف کررہے ہیں وہ غلط خیال میں مبتلا ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے وہ صرف ظنون واوہام کی پیروی کررہے ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ وہ آپ کو قتل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے ○ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ بڑا قوت والا، بڑا حکمت والا ہے ○ اور اہلِ کتاب کا ہر فرد اپنی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر

{۲۶۳} ای بعیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام وھو معطوف علی بکفرھم (بیضاوی ۲۷۶/۲)

ضرور ایمان لے آئے گا اور قیامت کے دن آپ ﷺ ان پر گواہ کے طور پر پیش ہوں گے ٥

﴿ تفسیر ﴾

﴿۱۵۳﴾ یہود نے بعض اوقات تو نبی کریم ﷺ سے یہ مطالبہ کیا کہ ہمارے سامنے آسمانوں پر جائیں اور وہاں سے کوئی ایسا نوشتہ اور تحریری دستاویز لائیں جو آپ کے دعووں کی تصدیق پر دلالت کرتی ہو اور بعض اوقات یہ فرمائش کی کہ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ہی بار تختیوں پر لکھی ہوئی تورات لے آئے تھے آپ بھی اگر سچے نبی ہیں تو آپ بھی ایسا ہی کیجیے ورنہ آپ کے دل پر تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہونے والی وحی کو ہم نہیں مانتے﴿۲۶۴﴾ لیکن ان کے یہ مطالبے اور فرمائشیں محض ضد، حسد اور تعصب کی بناء پر تھیں، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر واقعی انہوں نے طلبِ ہدایت کے لئے یہ فرمائشیں کی ہوتیں تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور پورا فرما دیتا...... اور ان کے یہ مطالبات ان کی جہالت کو ظاہر کرتے تھے کہ نہ تو وہ نبوت و رسالت کی حقیقت سمجھتے تھے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت کے معنیٰ جانتے تھے اور یونہی وہ معجزے اور جادو میں کوئی فرق بھی نہیں کرتے تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے خیال میں نبی بھی ایک قسم کا شعبدہ باز ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تسلّی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ نہ تو ان کے سوالات پر تعجب کریں اور نہ ہی ان کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حوالہ دینے سے متاثر ہوں، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑے سوالات کر کے انہیں زچ کر چکے ہیں جن میں سے ایک یہ تھا کہ بغیر کسی حجاب کے ہمیں براہِ راست باری تعالیٰ کا دیدار کروا دیجیے، یہ ان کی کتنی بڑی جسارت اور جہالت تھی گویا وہ یہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ بھی ایک محدود سا جسم ہے جس کا ادراک مادی نظریں کر سکتی ہیں۔

ان کی اس ناروا جسارت اور خطرناک جہالت کی وجہ سے ان پر بجلی کے شرارے آ پڑے اور ایسی زوردار آواز پیدا ہوئی جس سے وہ سب مر گئے پھر جب وہ زندہ کیئے گئے تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بالکل واضح نشانیاں دیکھنے کے باوجود اپنی مذموم حرکتوں سے باز نہ آئے اور انہوں نے ایک مصنوعی بچھڑے کو معبود بنا لیا پھر انہوں نے توبہ کی جس کی صورت یہ اختیار کی گئی کہ انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا چنانچہ ان کے مقتولوں کو شہید قرار دے دیا گیا اور زندوں کی

﴿۲۶۴﴾ ابن کثیر عن محمد بن کعب القرظی والسّدی وقتادہ (۱/۲۴۹)

توبہ قبول کرلی گئی۔

''سلطانا مبینا ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم پر حسی اور معنوی ہر اعتبار سے پوری طرح غلبہ حاصل تھا ایک طرف تو یہ صورت تھی کہ وہ محض نبی اور رسول ہی نہ تھے بلکہ اپنی قوم کے حاکمِ اعلیٰ اور صاحبِ اقتدار لیڈر بھی تھے دوسری طرف یہ حال تھا کہ انہیں عصاء، ید بیضاء اور شقِ بحر کی صورت میں ایسے متعدد معجزات عطا کیئے گئے تھے جن کی مثال پیش کرنا ان میں سے کسی کے بھی بس میں نہ تھا۔

﴿۱۵۴﴾ یہود کو جو عجیب احوال پیش آئے ان میں سے چند ایک یہ تھے کہ ان کے سروں پر کوہِ طور کو معلق کر کے ان سے تورات کی ہدایات پر عمل کرنے کا موکد وعدہ لیا گیا اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ بیت المقدس میں عاجزی کے ساتھ داخل ہوں[۲۶۵] اور یہ کہ یوم السبت کا احترام کریں اس دن صرف اللہ کی عبادت کریں اور کوئی دنیوی کام نہ کریں۔

﴿۱۵۵﴾ لیکن انہوں نے اللہ سے کیئے گئے وعدہ کو توڑ دیا، ان تمام نشانیوں کا انکار کیا جو انبیاء کی صداقت پر دلالت کرتی تھیں، حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام جیسے انبیاء کو ناحق قتل کیا اور ایسی ایسی کفریہ اور استہزائیہ باتیں کیں جو اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی تھیں مثلاً وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارے دل غلاف میں محفوظ ہیں، ان پر کسی کی دعوت و تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

''فلا یومنون الا قلیلا ''وہ بہت تھوڑا سا ایمان لاتے تھے، اور وہ ''تھوڑا سا ایمان'' یہ تھا کہ بعض انبیاء پر ایمان رکھتے تھے اور بعض کا انکار کرتے تھے، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا نبی تسلیم کرتے تھے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرتے تھے، حضرت اسحٰق علیہ السلام کی تصدیق کرتے تھے مگر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تکذیب کرتے تھے، یا مثلاً حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو تو مانتے تھے لیکن ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا محض ضد اور حسد کی بناء پر انکار کرتے تھے...... یہ تھا ان کا تھوڑا سا ایمان جو ان کے لئے قطعاً غیر نافع تھا، اس لئے کہ ہدایت کے لئے تو پورا ایمان ہونا ضروری ہے[۲۶۶]

﴿۱۵۶﴾ ان کی فردِ جرم یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ وہ بڑی طویل ہے اور وہ ان کے کفر و ہذیان اور خرافات سے بھری پڑی

{۲۶۵} ای متطامنین خاضعین (روح المعانی ج۳/جز۶/۱۲)

{۲۶۶} الا ایمانا قلیلا ای ببعض الانبیاء وذلک غیر نافع لھم (قرطبی۶/۸)

ہے۔

ان بدبختوں نے پاکدامن مریم بتول پر زنا کی تہمت لگائی اور وقت کے ایک نیک انسان یوسف نجار کے حوالے سے ایسا الزام لگایا جس کی کوئی بنیاد نہ تھی {۲۶۷}، چونکہ یہودی روایات گندی باتوں سے اٹی پڑی تھیں اس لئے قرآن نے ان کی تفصیل بیان کرنے کے بجائے ''بہتان عظیم'' کہہ کر اشارہ کر دیا کہ یہود نے داستان سازی میں انتہائی مبالغہ سے کام لیا جسے قرآن جیسی سنجیدہ کتاب میں بیان کرنا مناسب نہیں۔

﴿۱۵۷﴾ یہود بڑے فخر کے ساتھ اور خوش ہو ہو کر یہ دعویٰ بھی کرتے تھے کہ عیسیٰ ابن مریم کو ہم نے قتل کیا جو کہ مسیح اور رسول اللہ تھے...... ''مسیح اور رسول اللہ'' کے الفاظ یہود کے نہیں کیونکہ وہ آپ کی رسالت اور مسیحیت کے منکر تھے، قرآن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحیح منصب بیان کرنے اور یہود کو جتلانے کے لئے ان کے ''مسیح اور رسول اللہ'' ہونے کا خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ ظالمو! تم نے قتل بھی کیا تو کسے کیا؟

''تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سزائے موت اگر چہ رومی عدالت سے ملی اور وہی ملکی عدالت نفاذِ سزا پر قادر تھی لیکن آپ کو سزا دلوانے میں اور آپ کے لئے سزائے موت کا حکم سنوانے میں ہاتھ تمام تر یہود ہی کا کام کر رہا تھا، اسی لئے قرآن مجید نے بھی جو تاریخ کی دقیق حقیقتوں کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیتا، بالکل صحیح طور پر آپ کے قتل کی ذمہ داری یہود ہی پر رکھی، انجیلیں اتنے جزو پر متفق المعنی (بلکہ ایک حد تک متفق اللفظ بھی) ہیں کہ رومی عدالت کا حاکم پیلاطیس (PILUTS) آپ کو سزا دینا ہرگز نہیں چاہتا تھا، بلکہ اس سے برابر بچ رہا تھا، یہ یہود ہی تھے کہ جنہوں نے استغاثہ جھوٹا گھڑا، گواہیاں جھوٹی فراہم کیں اور بلوہ فساد کی دھمکی دے دے کر عدالت کو سزائے موت سنانے پر مجبور کر دیا، انجیل متی کا ایک مختصر سا بیان ملاحظہ ہو:

''......جب پیلاطیس نے دیکھا کہ کچھ نہیں بن پڑتا، بلکہ اُلٹا بلوہ ہوا جاتا ہے، تو پانی لے کر لوگوں کے روبرو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا کہ میں راست باز کے خون سے بری ہوں، تم جانو، سب لوگوں نے کہا کہ اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر، اس پر اس نے براَبّا کو ان کی خاطر چھوڑ دیا اور یسوع کو کوڑے لگوا کر حوالہ کیا تا کہ صلیب دی جائے'' (۲۷۔۲۴۔۲۶)

{۲۶۷} انجیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی ان سے محض منگنی ہوئی تھی رخصتی کی نوبت نہیں آئی تھی (متی۔۱:۱۹ لوقا۔۱:۲۷۔۲:۴)

اس کی تائید دوسری انجیلیں بھی کرتی ہیں، بلکہ لوقا میں تو اتنی تصریح اور زائد ہے کہ حاکم نے ملزم کو سزائے موت سے بچانے کی تین تین بار کوشش کی، لیکن یہود نے ہر دفعہ اس کی بات کو رد کر دیا۔ (۲۳۔۲۲)

یہ بیانات تو مسیحیوں کے تھے، خود یہود کی لکھی ہوئی جو قدیم ترین تاریخ عہد مسیح ماقبل و مابعد کی دنیائے معلوم میں موجود ہے یعنی جوزیفس کی، جس کا ترجمہ انگریزی میں ANTIQUTT IE S: OF IE WISH کے نام سے شائع ہو چکا ہے اس میں اس واقعہ کو فخر کے ساتھ اپنی ہی جانب منسوب کیا ہے، انجیلوں میں بھی جو پیش گوئیاں حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے اپنے ہلاک ہونے کی بابت منقول ہیں، ان میں بھی ساری ذمہ داری سردارانِ یہود کے سر ملتی ہے اور رومیوں یا حاکموں کا ذکر نہیں آتا:

''اس وقت سے یسوع اپنے شاگردوں پر ظاہر کرنے لگا کہ مجھے ضرور ہے کہ یروشلم کو جاؤں اور بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں کی طرف سے بہت دکھ اٹھاؤں اور قتل کیا جاؤں'' (متی۔۱۶:۲۱) ''پھر وہ انہیں تعلیم دینے لگا کہ ضرور ہے کہ ابن آدم بہت دکھ اٹھائے اور بزرگ اور سردار کاہن اور فقیہہ اسے رد کر دیں اور وہ قتل کیا جائے'' (لوقا۔۹۔۲۲)[۲۶۸]

''وَمَاقَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ'' یہود کے اس دعویٰ کی قرآن تردید کر رہا ہے جو وہ فخریہ طور پر کرتے تھے یعنی یہ کہ ہم نے مسیح ابن مریم کو سولی پر چڑھا کر قتل کر دیا، قرآن کہتا ہے نہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور نہ ہی وہ انہیں سولی پر چڑھانے میں کامیاب ہو سکے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اشتباہ میں انہوں نے ایک اور شخص کو سولی پر چڑھا دیا جس کا نام انجیلوں میں یھوذا اسخر یوطی آیا ہے اور اپنے وعدے[۲۶۹] کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہود کے ظالم ہاتھوں سے بچا کر آسمانوں پر اٹھا لیا۔

استاذ محترم حضرت صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ اس اشتباہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

''ہمارے مفسرین میں سے عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد امام ضحاکؒ کا بیان تفسیروں میں موجود ہے۔ جسے آپ حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمن تھے، کیونکہ وہ انکے تعصب، ضد اور ہٹ دھرمی کو رد کرتے تھے۔ ان کے علماء نے شریعت کو بگاڑ دیا تھا اور اخلاقی لحاظ سے نہایت پست

{۲۶۸} تفسیر ماجدی ۱/۸۲۵۔۸۲۴ مطبوعہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو

{۲۶۹} یہ وعدہ سورۃ آل عمران کی آیت ۵۵ میں مذکور ہے

ہو چکے تھے۔ جوں جوں مسیح علیہ السلام اللہ کے حکم سے صحیح دین کی تبلیغ کرتے توں توں یہودی آپ کے جانی دشمن بنتے چلے گئے۔ انجیل میں موجود ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام، یہودیوں کی غلط باتیں دیکھ کر برداشت نہ کرتے اور سخت الفاظ میں ان کی تردید کرتے۔ یہودیوں کے علماء اور پیر غلط سلط تاویلوں کے ذریعے اپنے غلط عقائد کو سچا ثابت کرنے کی کوشش کرتے مگر اللہ کا نبی عیسیٰ علیہ السلام ان کے تمام کرتوتوں کو ظاہر کر دیتا چنانچہ یہودیوں نے فیصلہ کیا کہ مسیح علیہ السلام کو زندہ نہیں چھوڑیں گے اور اس کام کیلئے حکومت کی امداد حاصل کریں گے۔

اس زمانے میں شام و فلسطین رومیوں کے زیر نگیں تھے اور رومیوں کا گورنر اس علاقے میں تعینات تھا۔ جو وہاں کے معاملات نمٹاتا تھا۔ یہ بالکل اسی طرح کا انتظام تھا جس طرح انگریزوں کی حکومت کے زمانے میں ہندوستان میں انگریزوں کا وائسرائے یا نائب رہتا تھا تو یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کو حکومت وقت کی معرفت قتل کروانا چاہتے تھے اس واقعہ سے کچھ عرصہ پہلے یہ لوگ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بھی قتل کر چکے تھے اور اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے پڑے ہوئے تھے، چنانچہ منصوبہ کے تحت چار ہزار یہودیوں نے اس مکان کا محاصرہ کرلیا جس میں مسیح علیہ السلام اپنے حواریوں سمیت مقیم تھے جب عیسیٰ علیہ السلام کو اس محاصرہ کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ یہ لوگ میری جان کے درپے ہیں، تم میں سے کون آدمی ہے جو میری جگہ باہر نکل کر قتل ہو جائے، ایسا شخص جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ اس پر ایک حواری نے لبیک کہا۔ مسیح علیہ السلام نے اپنی پگڑی اور کرتا اسے پہنایا، اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر مسیح علیہ السلام کی شبیہ بھی ڈال دی، وہ شخص باہر نکلا تو یہودیوں نے اُسے مسیح سمجھ کر سولی پر چڑھا دیا اور ادھر اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو اس مکان کے روزن سے فرشتوں کے ذریعے آسمان پر اٹھالیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ محاصرین نے اپنے میں سے ایک آدمی کو اس مکان کے اندر بھیجا جس میں مسیح علیہ السلام مقیم تھے تاکہ آپ کو گرفتار کیا جا سکے۔ جب یہ شخص مکان میں پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر مسیح علیہ السلام کی شبیہ ڈال دی اور اسکی شکل وصورت بالکل عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہوگئی۔ اللہ نے مسیح علیہ السلام کو تو آسمان کی طرف اٹھالیا، مگر جب وہ جاسوس باہر نکلا تو محاصرین نے اسے مسیح سمجھ کر پکڑ لیا اور سولی پر چڑھا دیا۔ اس کے باوجود ان لوگوں کو تسلی نہ ہوئی۔ اور وَلٰـكِـنْ شُبِّـهَ لَهُمْ کے مطابق وہ اس شبہ میں مبتلا ہو گئے کہ مسیح علیہ السلام کو تو ہم نے قتل کر دیا، مگر ہمارا وہ آدمی کہاں گیا جسے پتہ کرنے کیلئے ہم نے مکان کے اندر بھیجا تھا۔ اور اگر ہم نے اپنے ہی آدمی کو مسیح کے شبہ میں قتل کر دیا تو پھر مسیح علیہ السلام

کہاں گئے۔ بہر حال وہ تردد میں پڑ گئے اور آج تک پڑے ہوئے ہیں۔ بعض کو اسقدر شبہ ہو گیا کہ وہ کہتے کہ جس شخص کو ہم نے سولی پر چڑھایا ہے، اس کی شکل وصورت تو مسیح جیسی تھی اور باقی جسم انکے مشابہ نہیں تھا۔

تیسری روایت انا جیل کے بیان پر مشتمل ہے۔ مؤرخین نے انسائیکلوپیڈیا آف ریجنز میں لکھا ہے۔ کہ جب مسیح علیہ السلام کے خلاف شور وغوغا بہت بڑھ گیا تو رومی وائسرائے نے اپنے مرکز کو لکھا کہ یہاں کے لوگ ایک بے گناہ کے سخت خلاف ہو گئے ہیں، مجھے ان حالات میں کیا کرنا چاہیئے۔ وہاں سے حکم آیا کہ ایسے شخص کو کچھ نہ کہا جائے، وائسرائے نے دوبارہ مرکز سے رابطہ کیا تو پھر وہی جواب آیا۔ اس اثنا میں مخالفت حد سے بڑھ گئی اور بغاوت کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ تو مقامی حاکم نے تیسری دفعہ اپنی حکومت کو لکھا کہ اب تو حالات قابو سے باہر ہو رہے ہیں۔ اس پر ہیڈ کوارٹر سے یہ حکم آیا کہ شورش کو ختم کرو۔ خواہ اس شخص کو قتل کرنا پڑے۔ چنانچہ مسیح علیہ السلام کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور پھر انکے لئے سزائے موت کا حکم ہوا۔ اس زمانے میں رواج یہ تھا کہ سولی پانے والے شخص کو سولی کا شہتیر خود اٹھا کر سولی کے مقام تک پہنچنا ہوتا تھا چنانچہ یہ وزنی شہتیر حضرت مسیح علیہ السلام کو اٹھوایا گیا۔ ان کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا گیا اور (العیاذ باللہ) آپ کے منہ پر تھوکا گیا۔

لوگوں کا جمِ غفیر اور رومی پولیس آپ کے ہمراہ چل رہی تھی۔ بھاری شہتیر کا اٹھانا مسیح علیہ السلام کی طاقت سے باہر ہو رہا تھا چنانچہ یہ شہتیر ایک شخص شمعون قرینی کے کندھے پر رکھ دیا گیا تا کہ سولی کے مقام تک پہنچایا جا سکے۔ اس دوران میں رومی پولیس کے آدمیوں کی ڈیوٹی بدل گئی اور نئی نفری آ گئی۔ نئی پولیس نے رواج کے مطابق سولی اٹھانے والے شخص کو ہی مجرم سمجھا اور اسے سولی پر لٹکا دیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچانا تھا، وہ ہجوم میں اِدھر اُدھر ہو گئے۔ روایت ہے کہ اس دوران شمعون کی شکل وصورت بھی حضرت مسیح جیسی اللہ نے بنا دی، جس کی وجہ سے شمعون کو سزائے موت دی گئی اور مسیح علیہ السلام کو اللہ نے بچا لیا۔ روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ اس دن جمعہ کا دن تھا۔ آگے ہفتہ یہودیوں کی تعطیل کا دن آ رہا تھا۔ جس دن انہیں کوئی کام نہ کرنے کا حکم تھا۔ لہٰذا انہوں نے کوشش کی کہ مسیح علیہ السلام کا کام آج ہی تمام کر دیا جائے تا کہ پھر اتوار تک انتظار نہ کرنا پڑے۔ یہ افراتفری بھی مسیح علیہ السلام کو بچانے اور شمعون قرینی کو سولی پر لٹکانے کا باعث بنی۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ یہودی نہ تو حضرت مسیح علیہ السلام کو قتل کر سکے اور نہ انہیں سولی پر لٹکا سکے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا۔

دیگر نظریات:

اس ضمن میں قادیانیوں نے ایک نیا نظریہ قائم کیا ہے وہ کہتے ہیں ''کہ قرآن پاک کے بیان کے مطابق عیسٰی علیہ السلام کو نہ تو قتل کیا گیا اور نہ سولی پر لٹکایا گیا؟ بلکہ آپ طبعی موت مرے اور آپ کی روح کو اوپر اٹھالیا گیا۔ اس طرح اس گروہ نے قرب قیامت میں نزول مسیح کا بھی انکار کردیا ہے۔{۲۷۰}'' (سولی پر تو لٹکایا گیا تھا آپ زخمی بھی ہوگئے تھے مگر آپ فوت نہیں ہوئے مگر یہود نے آپ کو مردہ سمجھ کر قبر میں ڈال دیا پھر آپ کے زخموں کا علاج کیا گیا اور آپ تندرست ہوکر کشمیر چلے گئے، یہ ہے قادیانیوں کا پورا عقیدہ)۔

''وکان اللہ عزیزاً حکیماً'' اللہ بڑا قوت والا ہے، وہ غالب ہی رہتا ہے کبھی مغلوب نہیں ہوسکتا وہ بچالینے پر بھی قادر اور اٹھالینے پر بھی قادر ہے لیکن اس کا ہر فیصلہ اور ہر کام حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

﴿۱۵۹﴾ ہر یہودی اور عیسائی{۲۷۱} موت کی علامات ظاہر ہونے کے بعد حضرت عیسٰی علیہ السلام کا مقام پہچان لے گا، یہودی آپ کی رسالت اور عیسائی آپ کی بندگی کا اعتراف کرتے ہوئے آپ پر ایمان لے آئیں گے لیکن اس وقت کا ایمان انہیں کچھ بھی فائدہ نہیں دے گا۔{۲۷۲}

آیت کا یہ مطلب ان حضرات کے نزدیک ہے جو کہتے ہیں کہ ''موتہ'' کی ضمیر اہلِ کتاب کی طرف راجع ہے لیکن جو حضرات ''موتہ'' کی ضمیر حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف لوٹاتے ہیں ان کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام جب قیامت کے قریب اس زمین پر پھر نازل ہوں گے تو سب اہلِ کتاب ان پر صحیح ایمان لے آئیں گے اس وقت دنیا سے کفر کا خاتمہ ہوجائے گا اور زمین پر صرف اسلام ہی کی حکمرانی ہوگی۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت منقول ہے جس کا مفہوم یہ ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عیسٰی بن مریم ایک عادل حکمران بن کر ضرور نازل ہوں گے، وہ دجّال اور خنزیر کو قتل کردیں گے، صلیب کو توڑ ڈالیں گے، اور اس وقت عبادت صرف پروردگارِ عالم کی ہوگی اس کے بعد حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اگر تم چاہو تو قرآن کریم کی یہ آیت بھی پڑھ لو جس میں اسی حقیقت کا ذکر کیا گیا ہے کہ ''اہلِ کتاب میں سے ہر کوئی ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا، آپ نے فرمایا عیسٰی (علیہ السلام) کی موت سے پہلے اور ان الفاظ کو آپ نے تین بار دہرایا۔{۲۷۳}''

{۲۷۰} معالم العرفان ۶۳۳/۴۔۶۴۱

{۲۷۱} اوھم (الیھود) والنصاری کما ذھب الیہ کثیر من المفسرین (روح المعانی ج ۳/جزء۶/۱۹)

{۲۷۲} یعنی اذا عاین الموت قبل أن تزھق روح حین لا ینفعہ ایمانہ لا نقطاع وقت التکلیف (کشاف ۴۳۷/۱)

{۲۷۳} قرطبی

''ویوم القیمۃ'' قیامت کے دن حضرت عیسٰی علیہ السلام ان لوگوں کے خلاف بھی گواہی دیں گے جنہوں نے آپ کی رسالت کا انکار کیا اور ان لوگوں کے خلاف بھی شہادت دیں گے جنہوں نے آپ کے ابن اللہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ {۲۷۴}

حکمت وہدایت:

۱۔بال کی کھال اتارنا، الٹے سیدھے سوالات کرنا اور ضد، تعصب، انانیت اور حسد جیسی قباحتیں یہود کی فطرت میں داخل تھیں اور آج بھی وہ ان سے پاک نہیں ہو سکے۔(۱۵۳)

۲۔اس مادی دنیا میں ان فانی آنکھوں سے حسنِ ازل کا دیدار نہیں ہوسکتا۔(۱۵۳)

۳۔اپنی فطری خباثت کی وجہ سے یہود، روحانیت کے بجائے ہمیشہ مادی چیزوں ہی سے متأثر ہوتے ہیں اسی لئے ان پر کوہِ طور کو معلق کیا گیا۔(۱۵۴)

۴۔حیلہ سازی، مکروفریب اور تاویلاتِ فاسدہ کے ذریعے احکامِ الٰہیہ پر عمل پیرا ہونے سے بچنا یہود کی عادت تھی۔(۱۵۴)

۵۔یہود کی سب سے نمایاں صفت عہد شکنی ہے، اس لئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ کسی صورت بھی انکے وعدہ پر اعتماد نہ کریں۔(۱۵۵)

۶۔وہ کسی ایک جرم میں نہیں بلکہ کئی جرائم میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اللہ کے غضب اور عذاب کے مستحق ہوئے جن میں عہد شکنی، کفر، قتلِ انبیاء اور حضرت مریم بتول علیہا السلام پر بہتان تراشی سرِفہرست ہے۔(۱۵۵۔۱۵۶)

۷۔اپنی مذموم کوششوں کے باوجود یہود حضرت عیسٰی علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے میں کامیاب نہ ہوسکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھالیا جہاں سے وہ قیامت کے قریب نازل ہوں گے...... مسلمانوں کا یہ اجماعی عقیدہ متواتر احادیث سے ثابت ہے، امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

''وقد تواترت الاحادیث عن رسول اللہ ﷺ بنزول عیسی		(متواتر احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیامت سے

{۲۷۴} سورۃ المائدۃ ۵/۱۱۷

علیہ السلام قبل یوم القیمۃ اماما عادلا(٢٧٥)"　　پہلے امامِ عادل کے طور پر عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی خبر دی ہے)

ان متواتر روایات کو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے جمع فرمایا، جن کی تعداد سو سے زیادہ ہے اور پھر ان کے کہنے پر مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع قدس سرہ نے مرتب فرمایا، حضرت ہی نے اس کا نام "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" تجویز فرمایا، بعد میں حلب شام کے ایک مستند اور مشہور علامہ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ نے مزید شرح اور حواشی کا اضافی کر کے اسے بیروت سے شائع کیا۔

٨۔ ہر یہودی اور عیسائی اپنی موت یا عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا۔

٩۔ ملک الموت کے مشاہدہ کے بعد نہ گناہوں سے توبہ فائدہ دیتی ہے اور نہ ہی کفر سے توبہ کام آتی ہے۔(١٥٩)

١٠۔ قیامت کے دن نصاریٰ اس وقت ایک دم پریشان ہو جائیں گے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے خلاف گواہی دیں گے اور صاف کہہ دیں گے کہ میں نے ان سے ہرگز نہیں کہا تھا کہ مجھے خدا یا خدا کا بیٹا قرار دو۔

یہود کے ظلم کی سزا اور مؤمنوں کے اعمال کی جزا
(١٦٠۔١٦٢)

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ﴿١٦٠﴾

سو یہود کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے حرام کیں ان پر بہت سی پاک چیزیں جو ان پر حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ روکتے تھے اللہ کی راہ سے بہت

وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ

اور اس وجہ سے کہ سود لیتے تھے اور ان کو اسکی ممانعت ہو چکی تھی اور اس وجہ سے کہ لوگوں کا مال کھاتے تھے ناحق اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے واسطے جو ان میں

عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٦١﴾ لَّٰكِنِ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن

ہیں عذاب دردناک لیکن جو پختہ ہیں علم میں ان میں اور ایمان والے سو مانتے ہیں اسکو جو نازل ہوا تجھ پر اور جو نازل ہوا تجھ سے پہلے

قَبْلِكَ ۚ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ ۚ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٦٢﴾

اور آفریں ہے نماز پر قائم رہنے والوں کو اور جو دینے والے ہیں زکوٰۃ کے اور یقین رکھنے والے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر سو ایسوں کو ہم دیں گے بڑا ثواب

تسہیل: یہود کے ان گناہوں اور زیادتیوں کی وجہ سے ہم نے ان پر بہت سی ایسی پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو ان کے لئے حلال تھیں اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے بہت روکتے تھے ٥ اور ان کی سود خوری کی وجہ

{٢٧٥} ابن کثیر ١/٥٦٧

سے حالانکہ انہیں اس سے منع کیا گیا تھا اور ناجائز طریقے سے لوگوں کے اموال کھانے کی وجہ سے ہم نے کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے o ان میں سے جو علم میں پختہ اور ایسے مؤمن ہیں کہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ پر اتری اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری گئی، وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کو ہم ضرور اجرِ عظیم دیں گے o

﴿تفسیر﴾

﴿۱۶۰﴾ یہود کے کچھ جرائم تو اوپر بیان ہو چکے یعنی بار بار عہد شکنی، عبادت کے دن کی بے حرمتی، آیاتِ الٰہیہ کا کفر، انبیاء کا ناحق قتل، حضرت مریم بتولؑ پر بہتان تراشی، حضرت مسیح علیہ السلام کو قتل کرنے کے دعوے۔

یہاں ان کے کچھ مزید جرائم ذکر کیئے گئے ہیں یعنی انسانوں کو راہِ ہدایت پر چلنے سے روکنا، سود خوری اور دوسروں کے اموال دبا جانا...... ان تمام جرائم کی سزا کے طور پر انہیں بعض پاکیزہ چیزوں سے محروم کر دیا گیا اور حلال چیزیں ان پر حرام کر دی گئیں۔ چنانچہ ہر کھر والا جانور اور گائے اور بکری کی چربی ان پر حرام کر دی گئی تھی۔[۲۷۶]

﴿۱۶۱﴾ "واعتدنا للکفرین" دنیوی سزا تو اجتماعی طور پر پوری قوم کو دی گئی مگر چونکہ آخرت میں تو ہر شخص کا انفرادی محاسبہ ہوگا اس لئے اخروی سزا صرف ان لوگوں کو دی جائے گی جو کافر ہوں گے۔

﴿۱۶۲﴾ سارے اہلِ کتاب ایک جیسے نہیں تھے بلکہ ان میں سے بعض علم میں پختہ اور سچے مؤمن تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام، اسید بن سعیہ، ثعلبۃ بن سعیۃ اور اسد بن عبید رضی اللہ عنہم ایسے لوگ قیامت کے دن اجرِ عظیم کے مستحق ہوں گے۔

حکمت و ہدایت:

۱۔ گناہوں کی وجہ سے بھی انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔(۱۶۰)

۲۔ سارے گناہ دو قسموں میں منحصر ہیں، مخلوق پر ظلم اور اللہ کے حکموں سے اعراض، یونہی ساری نیکیوں کو دو قسموں میں جمع کیا جا سکتا ہے "اللہ کے حکم کی تعظیم اور اللہ کی مخلوق پر شفقت"

۳۔ دنیوی سزائیں عمومی رنگ میں ملتی ہیں جبکہ اخروی سزائیں انفرادی حیثیت میں ملتی ہیں۔(۱۶۱)

{۲۷۶} سورۃ الانعام ۱۴۶/۶

۴۔نماز قائم کرنے والے اللہ کی نظر میں خاص طور پر قابلِ تعریف ہیں۔ {۲۷۷}

وحدتِ وحی اور حکمتِ نبوت

(۱۶۳۔۱۶۶)

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَّالنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ

ہم نے وحی بھیجی تیری طرف جیسے وحی بھیجی نوح پر اور ان نبیوں پر جو اسکے بعد ہوئے اور وحی بھیجی ابراہیم پر اور اسمٰعیل پر

وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيْمَٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا

اور اسحٰق پر اور یعقوب پر اور اسکی اولاد پر اور عیسیٰ پر اور ایوب پر اور یونس پر اور ہارون پر اور سلیمان پر اور ہم نے دی داؤد کو زبور اور بھیجے ایسے

قَدْ قَصَصْنَٰهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾

رسول کہ جن کا احوال ہم نے سنایا تجھ کو اس سے پہلے اور ایسے رسول جن کا احوال نہیں سنایا تجھ کو اور باتیں کیں اللہ نے موسیٰ سے بول کر

رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى ٱللَّهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ ٱلرُّسُلِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا

بھیجے پیغمبر خوشخبری اور ڈر سنانے والے تاکہ باقی نہ رہے لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع رسولوں کے بعد اور اللہ زبردست ہے

حَكِيمًا ﴿١٦٥﴾ لَّٰكِنِ ٱللَّهُ يَشْهَدُ بِمَآ أَنزَلَ إِلَيْكَ ۖ أَنزَلَهُۥ بِعِلْمِهِۦ ۖ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ يَشْهَدُونَ ۚ وَكَفَىٰ

حکمت والا لیکن اللہ شاہد ہے اس پر جو تجھ پر نازل کیا کہ یہ نازل کیا ہے اپنے علم کے ساتھ اور فرشتے بھی گواہ ہیں اور اللہ کافی

بِٱللَّهِ شَهِيدًا ﴿١٦٦﴾

ہے حق ظاہر کرنے والا

ربط: اہلِ کتاب ہی کے بارے میں گفتگو ہورہی ہے جو بعض انبیاء پر ایمان رکھتے تھے اور بعض انبیاء خصوصاً ہمارے آقا ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے تھے آپ کے سلسلہ میں کٹ حجتی کرتے تھے اور نت نئے معجزات کا مطالبہ کرتے تھے، یہاں بتایا گیا ہے کہ وحی جنس واحد ہے اگر ایک نبی پر ایمان ہو تو دوسرے انبیاء پر بھی ایمان ضروری ہے۔

تسہیل: یقیناً ہم نے آپ پر بھی ویسے ہی وحی بھیجی جیسا کہ ہم نے نوحؑ اور ان کے بعد کے نبیوں پر وحی بھیجی اور ہم نے ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اولادِ یعقوبؑ، عیسیٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ اور سلیمانؑ پر وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو صحیفہ زبور عطا کیا تھا○ اور دوسرے انبیاء پر بھی ہم نے وحی بھیجی جن میں سے بعض کا حال ہم نے آپ کے سامنے بیان کیا ہے اور بعض کا حال بیان نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے واقعی خاص طور پر کلام فرمایا○ اور ہم نے رسولوں کو خوشخبری سنانے اور ڈرانے کے لئے بھیجا تاکہ رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے

{۲۷۷} "والمقيمين الصلوٰة" قال سيبويه وسائر البصريين: نصب على المدح (روح المعاني جزء ٦/٢٢)

کوئی عذر باقی نہ رہے اور اللہ بڑا زبردست بڑا حکمت والا ہے ۝ اگر پھر بھی یہ آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کریں تو آپ پریشان نہ ہوں کیونکہ آپ کی نبوت کی گواہی اللہ اس کتاب کے ذریعہ سے دے رہا ہے جو اس نے آپ پر نازل کی ہے اور اسے اس نے اپنے علم کے ساتھ نازل کیا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور یوں تو اللہ ہی کی گواہی کافی ہے ۝

﴿تفسیر﴾

﴿۱۶۳﴾ بظاہر خطاب تو ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے ہے لیکن حقیقت میں آپ کی نبوت کے منکروں بالخصوص یہود کو سمجھایا جا رہا ہے کہ آپ دنیا میں آنے والے کوئی پہلے نبی تو نہیں ہیں بلکہ آپ سے پہلے بہت سارے نبی آچکے ہیں اور ان میں سے اکثر کی نبوت کو تم تسلیم بھی کرتے ہو تو پھر اس نبی اور کتاب کو تسلیم کرنے میں تمہیں کونسی مشکل پیش آ رہی ہے؟ وہ اللہ جو نوح علیہ السلام سے داؤد علیہ السلام تک انبیاء پر وحی بھیج سکتا ہے کیا وہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) پر وحی نازل نہیں کر سکتا؟

یہاں صرف چند مشہور انبیاء کا ذکر کیا گیا ہے جن کے ناموں سے اہلِ عرب کے کان آشنا تھے، تمام انبیاء کا شمار اور استقصاء نہ مقصود ہے اور نہ ہی اس کا کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی اہلِ عرب کو ان کے ذکر سے کوئی عبرت اور نصیحت حاصل ہو سکتی تھی۔

''وآتینا داوُد زبورا'' زبور میں ایک سو پچاس سورتیں تھیں جن میں حلال اور حرام کا کوئی حکم نہ تھا بلکہ اس میں مواعظ، مناجات، حمدِ باری اور دعائیں وغیرہ تھیں، حضرت داؤد علیہ السلام بلا کے خوش الحان تھے، وہ جب مناجاتوں کو پڑھتے تو جن وانس تو کیا پرندے اور وحشی جانور بھی ان کے اردگرد جمع ہو جاتے، آپ انتہائی متواضع انسان تھے کسبِ معاش کے لئے محنت کرتے تھے اور زرہیں بنا کر بیچتے اور اپنی معاشی ضروریات پوری کرتے تھے۔ {۲۷۸}

اب یہ زبور عہدِ عتیق کے مجموعہ صحائف میں ایک صحیفہ کے طور پر شامل ہے اور اس کے مجموعہ کے نمبر ۱۹ پر ہے۔

﴿۱۶۴﴾ اللہ تعالیٰ کی رحمتِ عامہ اور قانونِ ہدایت کا تقاضا تو یہی ہے کہ اس نے ہر قوم اور ہر ملک کی ہدایت کے لئے ضرور انبیاء بھیجے ہوں گے لیکن قرآن کریم میں ان میں سے صرف پچیس کے ناموں کی صراحت ہے یعنی حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ھود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام،

{۲۷۸} وکان متواضعا یاکل من یدہ وکان یصنع الدروع (تفسیر القرطبی ۱۷/۶)

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت یسع علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت ذوالکفل علیہ السلام {۲۷۹} اور ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ اور ان میں سے بھی کئی وہ ہیں جن کے قرآن میں صرف نام آئے ہیں، کوئی تفصیلی ذکر ان کا نہیں ہے۔

انبیاء کی تعداد کے بارے میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت ہے جس میں ہے کہ انہوں نے براہِ راست خود آنحضرت ﷺ سے سوالات کیئے اور آپ نے ان کے جوابات ارشاد فرمائے، اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی کل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔ {۲۸۰}

بعض حضرات برصغیر کی چند مشہور شخصیات کے بارے میں خیال کرتے ہیں کہ شاید وہ نبی ہوں مثلاً کرشن جی مہاراج، رام چندر، بُدھ اور زرتشت وغیرہ لیکن ان کے نام نہاد پیروکاروں میں اس وقت ان کی جو تعلیمات رائج ہیں وہ منصبِ نبوت سے قطعاً مطابقت نہیں رکھتیں، اس لئے ان تعلیمات کی بنیاد پر تو انہیں نبی تسلیم کرنا ناممکن ہے لیکن چونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح ان کے ماننے والوں نے بھی ان کی اصل تعلیمات کو بگاڑ دیا ہو اور اپنی سفلی خواہشات کے مطابق ان میں تبدیلیاں کردی ہوں اس لئے ہم قطعی طور پر ان کی نبوت کا انکار بھی نہیں کر سکتے، ایسے مسائل میں ایک مسلمان کے لئے صحیح راستہ توقف ہی کا ہے یعنی نہ اقرار نہ انکار، یوں بھی سلسلہء انبیاء پر ایمان لانے کے لئے ان کے ناموں اور کارناموں کی تفصیلات کا جاننا ضروری نہیں بلکہ اجمالی ایمان ہی کافی ہے۔

''وکلم اللہ موسیٰ تکلیما'' اللہ تعالیٰ نے انبیاء تک اپنے احکام پہنچانے کے لئے مختلف طریقے اختیار فرمائے۔ اکثر تو فرشتے ہی کو پیغام دے کر بھیجا، کبھی ایسا بھی ہوا کہ لکھی ہوئی کتاب نبی کے حوالے کر دی اور کبھی یوں بھی ہوا کہ کسی واسطہ کے بغیر خود اپنے رسول سے بات کی جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں ہوا لیکن ان سب صورتوں میں چونکہ وہ حکم تو اللہ ہی کا ہے لہٰذا بندوں پر اس کی اطاعت فرض ہے اور یہودیوں کی طرح یہ شرط لگانا کہ اگر

{۲۷۹} اکثر مفسرین نے انہیں بھی اللہ کا نبی تسلیم کیا ہے

{۲۸۰} تفسیر ابن کثیر ۱/۵۸۵

تحریری صورت میں آسمان سے کتاب لاؤ گے تو ہم ایمان لائیں گے ورنہ نہیں لائیں گے، یہ صریح کفر اور کھلی حماقت ہے۔

﴿۱۶۵﴾ اس آیت میں رسولوں کی بعثت کی حکمت اور غرض بتائی گئی ہے اور وہ ہے لوگوں پر حجت قائم کرنا اور ان کا عذر ختم کرنا، تاکہ وہ قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں تیری رضا اور عدمِ رضا کا راستہ معلوم نہ تھا اور اگر معلوم ہوتا تو ہم ضرور اس پر چلتے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ہے ''اگر ہم انہیں رسول بھیجنے سے پہلے ہی ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے تیری آیات کی اتباع کرتے {۲۸۱}'' ان انبیاء نے صرف پیغام رسانی نہیں کی بلکہ تبشیر و انذار کا فریضہ بھی انجام دیا جو کہ پیغام رسانی سے زائد ایک چیز ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں، اسی لئے اس نے بے حیائی کی تمام باتوں کو حرام کیا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں یا چھپی ہوں، اللہ سے زیادہ کسی کو اپنی تعریف پسند نہیں، اسی لئے اس نے اپنی تعریف خود کی ہے، اللہ سے زیادہ کوئی بھی عذر اور معذرت کو اچھا نہیں سمجھتا اسی لئے اس نے خوشخبری سنانے اور ڈرانے والے انبیاء کو بھیجا {۲۸۲}''

''عزیزاً حکیماً'' چونکہ وہ قوت اور غلبہ والا ہے اس لئے انبیاء کی بعثت کے بغیر بھی جرائم کے ارتکاب پر عذاب دے سکتا ہے لیکن چونکہ وہ حکیم بھی ہے اس لئے اس کی حکمتِ کاملہ کا تقاضا یہ ہوا کہ ظاہری عذر باقی نہ رہنے دیا جائے۔

﴿۱۶۶﴾ گذشتہ آیات میں یہ بتا دیا گیا کہ حضرت محمد ﷺ بھی سلسلۂ انبیاء کے ایک فرد ہیں اس لئے ہر فردِ انسانی پر لازم ہے کہ وہ آپ کی نبوت کی صداقت کی شہادت دے، ممکن ہے بعض کفار خصوصاً یہود نے یہ سن کر کہہ دیا ہو کہ ہم تو یہ شہادت نہیں دیتے اس پر فرمایا گیا {۲۸۳} کہ اگر یہ گواہی نہیں دیتے تو نہ دیں، اللہ تو گواہی دیتا ہے اور اسی اکیلے کی گواہی کافی ہے۔

{۲۸۱} طٰہٰ ۱۳۴/۲۰

{۲۸۲} بخاری ۱۱۰۳/۲

{۲۸۳} فی الکلام حذف دل علیہ الکلام کأنّ الکفّار قالو امانشهد لك یا محمد فی ماتقول فمن یشهد لك (قرطبی ۱۹/۶) ولمالم یبق سبحانه لهم شبهة واستمرو اعلی عنادهم أشار تعالٰی ماتقدیره: انهم لایشهدون لك عند اتضاح الامر فقال: "لکن" (نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور ۳۸۳/۲)

اللہ کی گواہی قرآن کے ذریعے ظاہر ہو رہی ہے جس میں اس نے اپنا علمِ کامل ظاہر کیا ہے، قرآن کریم کے واضح دلائل، ہدایت کا پورا نظام، اللہ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتوں کا بیان، ماضی اور مستقبل کی غیبی خبریں، باری تعالیٰ کی صفاتِ عالیہ اور قیامت کے احوال یہ سب چیزیں علمِ الٰہی ہی کے ذریعے انسانوں کی سمجھ میں آئیں اگر اللہ نہ بتاتا تو نہ کسی فرشتے کو خبر ہو سکتی نہ کسی رسول کو۔

ہمارے حضور ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ اور شاہد قرآن ہے، قرآن کی گواہی اللہ کی گواہی ہے اور خود قرآن اپنی صداقت کے لئے کسی گواہ کا محتاج نہیں بلکہ قرآن اپنی صداقت پر خود ہی گواہ ہے چونکہ قرآن علمی کتاب ہے اس لئے اس کی صداقت جاننے کے لئے علم کی ضرورت ہے، آج کی دنیا علمی ترقی کی ابتدائی سیڑھیاں طے کر رہی ہے یہ جب واقعی علمی معراج حاصل کرلے گی، از خود قرآن کے بیان کردہ حقائق کی صداقت کا اعتراف کرلے گی، ان حقائق میں سے ایک حقیقت ہمارے آقا ﷺ کی نبوت بھی ہے۔

"والملئكة يشهدون" جب فرشتوں جیسی معصوم اور افضل مخلوق گواہی دیتی ہے جنہیں اللہ اور اس کے انبیاء کے درمیان پیغام رسانی کے واسطے کا شرف بھی حاصل ہے تو چند جاہلوں، کج فہموں اور معاندوں کے انکار کی حقیقت ہی کیا ہے۔

دوسرا مطلب فرشتوں کی گواہی کا کائنات کی فعلی اور حالی گواہی بھی ہو سکتا ہے لیکن چونکہ کائنات کا نظام اللہ کے حکم سے فرشتے ہی چلاتے ہیں اس لئے کائنات کے بجائے اس گواہی کی نسبت فرشتوں کی طرف کی گئی ہے۔

حکمت و ہدایت:

۱۔ وحی جنس واحد ہے جو شخص ایک نبی پر یا چند انبیاء پر ایمان رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ باقی انبیاء پر بھی ایمان رکھے۔ (۱۶۳)

۲۔ انبیاء کے تذکرہ میں سب سے پہلے ہمارے آقا ﷺ کا ذکر کرنا آپؐ کے شرف اور فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔ (۱۶۳)

۳۔ پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام اور آخری رسول ہمارے آقا ﷺ تھے۔ (۱۶۳)

۴۔ انبیاء کی تعداد بہت زیادہ ہے اور مسلمان ان سب پر اجمالی ایمان رکھتے ہیں قرآن کریم میں صرف پچیس انبیاء کے

نام آئے ہیں جن میں سے دس کے نام یہاں مذکور ہیں۔علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ نے اہلِ کتاب کے حوالے سے ان کی درج ذیل تاریخیں نقل کی ہیں...... یہ تاریخیں ہجرتِ نبویہ کے اعتبار سے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی ولادت ہجرتِ نبویہ سے ۳۹۷۴ سال پہلے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات ۲۷۱۹، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی وفات ۲۶۸۶، حضرت اسحٰق علیہ السلام کی وفات ۲۶۱۳، حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات ۲۵۸۶، حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ولادت ۶۲۲ اور رفع آسمانی ہجرت سے ۵۸۹ سال پہلے، حضرت ایوب علیہ السلام پندرھویں صدی قبل مسیح میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد اور حضرت موسٰی علیہ السلام سے پہلے ہوئے ہیں، حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات ۱۹۷۲، حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات ۱۶۲۶ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات ہجرتِ نبویہ سے ۱۵۹۷ سال پہلے ہوئی۔

۵۔انبیاء کی بعثت میں حکمت یہ ہے کہ لوگ قیامت کے دن اپنے کفر اور فسق کے سلسلہ میں کوئی عذر پیش نہ کرسکیں۔

۶۔ہمارے آقا ﷺ کی نبوت کی شہادت اللہ بھی دیتا ہے اور فرشتے بھی۔

۷۔آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے جس کے علوم ومعارف آپ کی نبوت کے آج بھی شاہد ہیں، آپ کی نبوت کے منکر یا جاہل ہیں یا متعصّب۔

کافروں کی گمراہی کی سزا اور تمام انسانوں کو دعوتِ ایمان

(۱۶۷۔۱۷۰)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١٦٧﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا

جو لوگ کافر ہوئے اور روکا اللہ کی راہ سے وہ بہک کر دور جا پڑے جو لوگ کافر ہوئے اور حق دبا رکھا

لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿١٦٨﴾ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ

ہرگز اللہ بخشنے والا نہیں انکو اور نہ دکھلاوے گا ان کو سیدھی راہ مگر راہ دوزخ کی رہا کریں اسمیں ہمیشہ اور یہ اللہ پر

عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٦٩﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِن رَّبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَإِن تَكْفُرُوا

آسان ہے اے لوگو تمہارے پاس رسول آچکا ٹھیک بات لے کر تمہارے رب کی سو مان لو تاکہ بھلا ہو تمہارا اور اگر نہ مانو گے

فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧٠﴾

تو اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا

ربط: ہمارے آقا ﷺ کی نبوت کے اثبات کے بعد ان لوگوں کی مذمت ہے جو تمام دلائل سامنے آجانے کے

بعد بھی آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ تمام انسانوں کو آپ پر ایمان لانے کا حکم ہے۔

تسہیل: وہ لوگ جو خود بھی کفر کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اللہ کے دین پر ایمان لانے سے روکتے ہیں وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں ٥ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ظلم کیا انہیں اللہ نہ تو کبھی بخشے گا اور نہ ہی انہیں ٥ جہنم کے سوا کوئی راستہ دکھائے گا، اس میں وہ ہمیشہ کے لئے پڑے رہیں گے اور اللہ کے لئے یہ بہت آسان ہے ٥ اے ساری دنیا کے انسانو! تمہارے پاس تمہارے رب کا رسول سچا پیغام لے کر آ گیا ہے سو تم اس پر ایمان لے آؤ یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا اور اگر تم نے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نقصان نہیں ہوگا کیونکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر ہر چیز کا علم ہے اور اس کے ہر کام میں حکمت ہے ٥

﴿تفسیر﴾

﴿۱۶۷﴾ کئی بدبخت ایسے تھے (اور آج بھی بے شمار ہیں) جو خود بھی اللہ اور رسول اور قرآن کا انکار کرتے تھے اور دوسروں کو بھی روکتے تھے کسی کو طاقت کے زور پر اور کسی کے دل میں شکوک وشبہات پیدا کر کے..... کوئی کہتا کہ اگر یہ واقعی رسول ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کی طرح پوری کتاب یکبارلے آتا، کوئی تورات کے حوالے سے دعویٰ کرتا کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت قیامت تک نہ بدل سکتی ہے نہ منسوخ ہو سکتی ہے، کوئی پورے یقین سے کہتا کہ نبوت صرف حضرت ہارون اور حضرت داؤد علیہما السلام کے خاندان کے ساتھ خاص ہے، جو ان کے خاندان سے نہ ہو وہ ہرگز نبی نہیں ہو سکتا۔

حکمت وہدایت:

۱۔ بدترین کفر یہ ہے کہ خود گمراہ ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی حق کی راہ سے روکا جائے...... یہ کام صرف حضور اکرم ﷺ کے زمانے کے یہود اور دوسرے منکرین ہی نہیں کرتے تھے بلکہ زمانہ حاضر کے کفار بھی خوب زور شور سے کر رہے ہیں، اتفاق سے انہیں ذرائعِ ابلاغ پر جس طرح پورا پورا کنٹرول حاصل ہو گیا ہے اس نے ان کا کام بہت آسان کر دیا ہے، ان کے اخبارات اور ریڈیو اور ٹی وی شب وروز اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔

ایک افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ خود مسلمان کا عمل بھی پوری دنیا کو دینِ حق سے روکنے میں بڑا موثر کردار ادا

کررہا ہے، عام لوگ جب مسلمان کے عمومی کردار اور معاملات کو دیکھتے ہیں تو وہ مذہب اسلام کے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم نہیں کرتے اسی لئے نومسلم انگریز محمد پکتھال رحمہ اللہ نے مدارس میں اپنی تقریر کے دوران کہا تھا کہ ”میرا دنیا بھر کا مشاہدہ ہے کہ خود مسلمان اسلام کے راستے کا سنگِ گراں ہے“{۲۸۴}

۲۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جو شخص گمراہی میں بہت دور چلا جائے اس کے لئے توبہ کرنا اور ہدایت کا حصول مشکل ہوجاتا ہے۔(۱۶۷)

۳۔ ہمارے آقا ﷺ کی رسالت سارے مکانوں، سارے زمانوں اور سارے انسانوں کے لئے ہے۔(۱۷۰)

حضرت مسیح علیہ السلام کا صحیح مقام

(۱۷۱۔۱۷۳)

يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لَا تَغْلُوا۟ فِى دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا ٱلْحَقَّ ۚ إِنَّمَا ٱلْمَسِيحُ عِيسَى ٱبْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ

اے کتاب والو مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں اور مت کہو اللہ کی شان میں مگر پکی بات بیشک مسیح جو ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا وہ رسول ہے

ٱللَّهِ وَكَلِمَتُهُۥٓ أَلْقَىٰهَآ إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ۖ فَـَٔامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرُسُلِهِۦ ۖ وَلَا تَقُولُوا۟ ثَلَٰثَةٌ ۚ ٱنتَهُوا۟ خَيْرًا لَّكُمْ ۚ

اللہ کا اور اس کا کلام ہے جس کو ڈالا مریم کی طرف اور روح ہے اسکے ہاں کی سو مانو اللہ کو اور اسکے رسولوں کو۔ اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں اس بات کو چھوڑو بہتر ہوگا تمہارے واسطے

إِنَّمَا ٱللَّهُ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ ۖ سُبْحَٰنَهُۥٓ أَن يَكُونَ لَهُۥ وَلَدٌ ۘ لَّهُۥ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ ۗ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ وَكِيلًا ﴿١٧١﴾

بیشک اللہ معبود ہے اکیلا اس کے لائق نہیں ہے کہ اس کے اولاد ہو اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کارساز

لَّن يَسْتَنكِفَ ٱلْمَسِيحُ أَن يَكُونَ عَبْدًا لِّلَّهِ وَلَا ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ ٱلْمُقَرَّبُونَ ۚ وَمَن يَسْتَنكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِۦ

مسیح کو اس سے ہرگز عار نہیں کہ وہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ فرشتوں کو جو مقرب ہیں اور جس کو عار آوے اللہ کی بندگی سے

وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا ﴿١٧٢﴾ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُم

اور تکبر کرے سو وہ جمع کریگا ان سب کو اپنے پاس اکٹھا پھر جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے اچھے تو ان کو پورا دے گا ان کا ثواب اور زیادہ دے گا

مِّن فَضْلِهِۦ ۖ وَأَمَّا ٱلَّذِينَ ٱسْتَنكَفُوا۟ وَٱسْتَكْبَرُوا۟ فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن

اپنے فضل سے اور جنہوں نے عار کی اور تکبر کیا سو ان کو عذاب دیگا عذاب دردناک اور نہ پاویں گے اپنے واسطے

دُونِ ٱللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٧٣﴾

اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار

ربط: یہود کے شبہات کے ازالہ اور ان پر حجت قائم کرنے کے بعد اب دوسرے بڑے گمراہ فرقے یعنی نصاریٰ

{۲۸۴} معالم العرفان فی دروس القرآن ۴/۶۷۶

سے خطاب ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں ان کے غلط تصورات کی تردید اور ان کے اصل اور جائز مقام کا تعین کیا جا رہا ہے۔

تسہیل: اے اہلِ کتاب تم اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں کوئی غلط بات نہ کہو، مسیح عیسیٰ ابن مریم صرف اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے مریم تک پہنچا دیا تھا اور اللہ کی پیدا کی ہوئی ایک جان ہیں پس تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ اور یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں، ایسی فضول باتوں سے باز آ جاؤ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، تمہارا معبودِ حقیقی صرف اللہ ہے وہ اولاد سے پاک ہے، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ صرف اسی کا ہے اور کارساز ہونے میں اللہ کافی ہے O نہ مسیح اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی عار محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی مقرب فرشتے عار محسوس کرتے ہیں اور جو کوئی اللہ کی بندگی سے عار محسوس کرتا ہے اور تکبر کرتا ہے اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ ضرور بالضرور سب کو اپنے پاس جمع کرلے گا O پھر جو لوگ صاحبِ ایمان ہوں گے اور انہوں نے نیک اعمال بھی کیئے ہوں گے تو ان کا اجر اللہ انہیں پورا پورا دے گا اور انہیں اپنے فضل سے اور زیادہ بھی دے گا اور جنہوں نے اللہ کی بندگی میں عار محسوس کی ہوگی اور تکبر کا رویّہ اختیار کیا ہوگا تو انہیں دردناک سزا دے گا اور انہیں اپنے حق میں اللہ کے سوا نہ کوئی دوست ملے گا اور نہ ہی مددگار O

﴿تفسیر﴾

﴿۱۷۱﴾ یہود میں تفریط کی بیماری تھی وہ انبیاء کی سخت توہین اور تحقیر کرتے تھے معاذ اللہ انہیں زانی اور فاسق کہنے سے بھی نہیں چوکتے تھے، عیسائی مرضِ افراط میں مبتلا تھے، انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایسا غلو کیا کہ انہیں نبوت سے اٹھا کر الوہیّت کے مقام تک پہنچا دیا جب کہ اسلام اعتدال کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ اس آیت میں نصاریٰ سے کہا گیا ہے کہ دین کے بارے میں غلو نہ کرو اور اللہ کی حدود سے تجاوز نہ کرو، کوئی ایسا عقیدہ نہ رکھو جو کتاب وسنت کے نصوص سے ثابت نہ ہو، تعظیم کا مطلب حقیقت کا انکار نہیں بلکہ حقیقت کو من وعن تسلیم کرنا ہی حقیقی تعظیم ہے اور حقیقت یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مریم بتول علیہا السلام کے بیٹے، اللہ کے رسول، اس کا کلمہ اور روح تھے...... انہیں کلمۃ اللہ تو اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی ولادت نطفہ تولید کے بجائے براہِ راست اللہ کے ایک کلمہ اور حکم کے نتیجہ میں

ہوئی{۲۸۵}اور یہ وہ کلمہ ہے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے حضرت مریمؑ پر القاء کیا گیا اور اس سے کن بھی مراد لیا جاسکتا ہے{۲۸۶} جیسا کہ آلِ عمران میں ہے کہ جب حضرت مریمؑ نے جبرئیل کے کے بشارت دینے پر تعجب کا اظہار کیا کہ جب مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں تو بیٹا کیسے ہوگا تو انہوں نے کہا کہ اللہ جو چاہے وہ پیدا کرسکتا ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرلیتا ہے تو کہتا ہے ''کن'' (ہوجا) پس وہ ہوجاتا ہے{۲۸۷}''

اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ''روح اللہ'' اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ عربی زبان میں روح پھونک کے معنی میں بھی آتا ہے، ویسے بھی روح اور ریح قریب قریب ہیں اور پھونک وہ ریح اور ہوا ہے جو روح سے خارج ہوتی ہے، چونکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کے کلمہ سے حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک دیا تھا اور اسی سے وہ حاملہ ہوگئی تھیں اس لئے آپ کو روح اللہ کہا جاتا ہے اور جیسے بیت اللہ یا ناقۃ اللہ وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت شرف اور عظمت کے لئے ہے اسی طرح یہاں بھی روح کی نسبت اللہ کی طرف تعظیم وتکریم کے لئے ہے{۲۸۸} ''روح منہ'' کا نہ تو یہ مطلب ہے کہ صرف حضرت عیسٰیؑ میں اللہ کی روح تھی، کسی اور میں اللہ کی روح نہیں ہوتی اور نہ ہی معاذ اللہ یہ مطلب ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اللہ کا ایک جز اور حصّہ ہیں ورنہ تو پھر ساری مخلوق ہی کو اللہ کا جز ماننا پڑے گا کیونکہ ہر انسان میں اللہ ہی کی ڈالی ہوئی روح ہے حالانکہ عیسائی بھی اس کے قائل نہیں۔

''**فآمنوا باللہ ورسلہ**'' جب تم نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا صحیح مقام جان لیا تو اب تم پر لازم ہے کہ افراط وتفریط اور خود تراشیدہ عقائد چھوڑ کر اللہ پر ایمان لے آؤ کہ وہ ایک ہے نہ اس کی بیوی نہ بچہ، نہ شریک نہ ساتھی، نہ وزیر نہ مشیر......اور اس کے سارے رسولوں پر بھی ایمان لے آؤ، یہ مان لو کہ وہ سب ہدایت پر تھے اور اللہ کے بندے تھے، ان میں سے کسی کو خدا یا خدا کا بیٹا قرار نہ دو، کبھی بھول کر بھی یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں جیسا کہ عیسائی باپ، بیٹا اور روح القدس تین اقانیم کے قائل ہیں، ان تینوں میں سے ہر ایک کو وہ مستقل خدا بھی کہتے ہیں اور تینوں کے مجموعہ کو بھی خدا کہتے ہیں اور یہ ایسا گورکھ دھندا ہے جو یقیناً خود عیسائیوں کی سمجھ میں بھی نہیں آتا ہوگا اور ان کے دل تو یقیناً اس مغالطہ انگیز اور پہیلی

{۲۸۵} ومعنی کونہ کلمۃ انہ حصل بکلمۃ کن من غیر مادۃ معتادۃ والی ذلک ذھب حسن وقتادۃ (روح المعانی جزء ۶/۳۷)

{۲۸۶} وتسمیۃ عیسٰی، لکونہ موجدا بکن (مفردات)

{۲۸۷} آل عمران ۳/۴۷

{۲۸۸} اضیفت الروح الی اللہ علی وجہ التشریف کما اضیفت الناقۃ والبیت الی اللہ (ابن کثیر)

نما عقیدہ سے ہرگز مطمئن نہیں ہوتے ہوں گے۔ {۲۸۹}

''انتھــوا'' اس فضول اور شرکیہ عقیدے سے باز آ جاؤ، یہ باز آ جانا ہی تمہارے حق میں بہتر ہے، اللہ ہر اعتبار سے ایک ہے نہ اس کے اجزاء ہیں نہ اقانیم، نہ اس کے اوتار ہیں نہ اس کا کوئی بروز، نہ وہ کسی چیز میں حلول کرتا ہے اور نہ مختلف اجزاء سے مرکب ہے، نہ وہ ایک تین میں تقسیم ہے اور نہ ہی وہ ایک اپنے کو تین شکلوں میں ظاہر کرتا ہے، وہ تو بس ایک ہے ذات کے اعتبار سے بھی ایک اور صفات کے اعتبار سے بھی ایک، تعدّد سے منزّہ اور پاک ہے نہ اس کی بیوی نہ بیٹا، مخلوق کے ساتھ اس کا رشتہ مالکیت کا ہے، وہ مالک ہے اور ساری مخلوق اس کی مملوک ہے، جو مملوک ہو وہ شریک اور بیٹا کیسے ہوسکتا ہے؟ پھر بیٹے کی ضرورت انہیں ہوتی ہے جو اپنے کاموں کے سلسلہ میں معاون اور سہارے کے محتاج ہوں مگر وہ اللہ جو سب کی کارسازی کرتا ہے اسے بیٹے کی کیا ضرورت؟

حکمت وہدایت:

۱۔ دینی معاملات میں، غلو حرام ہے اور غلو کا معنی ہے حد سے نکل {۲۹۰} کر افراط یا تفریط کا شکار ہو جانا، یہود تفریط کا شکار تھے اور نصاری افراط میں مبتلا تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب قرار دے دیا، انجیل کی پہلی آیت یہ ہے ''ھـذا کـتـاب الـھـنـا وربـنـا یسوع المسیح'' (یہ ہمارے معبود اور رب یسوع مسیح کی کتاب ہے)

ہمارے آقا ﷺ نے افراط و تفریط سے بچنے اور اعتدال اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''لاتـطـرونـی کـمـا اطـرت النصاری فی عیسی وقولوا: عبداللہ	''میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرو جیسا نصاری نے عیسی بن مریم کے معاملہ میں کیا ہے (میں صرف بندہ ہوں اس لئے

{۲۸۹} تثلیث کا عقیدہ خود مسیحیوں کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

''باپ بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہی ہے، جلال برابر، عظمتِ ازلی یکساں، جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا اور ویسا ہی روح القدس ہے، باپ غیر مخلوق، بیٹا غیر مخلوق اور روح القدس غیر مخلوق، باپ غیر محدود، بیٹا غیر محدود اور روح القدس غیر محدود، باپ ازلی، بیٹا ازلی اور روح القدس ازلی، تاہم تین ازلی نہیں بلکہ ایک ازلی، اسی طرح تین غیر محدود نہیں اور نہ تین غیر مخلوق بلکہ ایک غیر مخلوق اور ایک غیر محدود...... یوں ہی باپ قادر مطلق، بیٹا قادر مطلق اور روح القدس قادر مطلق تو بھی تین قادر مطلق نہیں بلکہ ایک قادر مطلق ہے، ویسا باپ خدا، بیٹا خدا اور روح القدس خدا، بس یہی تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا (تفسیر ماجدی ۱/۸۴۰)

{۲۹۰} الغلوفی الدین ھو مجاوزۃ حدالحق فیہ (احکام القرآن للجصّاصؒ)

ورسولہ'' مجھے) اللہ کا بندہ اور رسول ہی کہا کرو[۲۹۱]''

۲۔دینی شخصیات کے بارے میں خصوصاً اعتدال کی ضرورت ہے، اکثر لوگ انہی کے بارے میں غلو کا شکار ہوئے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے اپنے علماء، مشائخ، صوفیوں اور پیروں کو خدائی منصب تک پہنچا دیا جیسا کہ نصاریٰ کے بارے میں قرآن کریم میں ہے۔

''اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابامن دون اللہ''[۲۹۲] انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو رب بنالیا۔

۳۔اعتدال کا راستہ اختیار کرنے والا نہ کبھی گمراہ ہوتا ہے اور نہ ہی پریشان ہوتا ہے اور اعتدال بھی ہر چیز میں......کھانے پینے میں، اوڑھنے بچھونے میں، رہنے سہنے میں، سونے جاگنے میں، محبت اور دشمنی میں، عبادت اور معاشرت میں، سیاست اور تجارت میں، جہاد اور تبلیغ میں، تصوف اور تدریس میں......اور ان تمام شعبوں میں غلو سے بچنا ہی اسلامی تعلیمات کی روح ہے، ہمارے آقا ﷺ کا فرمان ہے۔

''ایاکم والغلو فی الدین فانّما ھلک من قبلکم بالغلو فی الدین''[۲۹۳] دین کے بارے میں غلو سے بچتے رہو کیونکہ تم سے پہلی قومیں غلو فی الدین ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

۴۔حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہود کا غلو احکامِ ظاہری میں تعمق اور مسائلِ باطن کی طرف سے اعراض تھا اور مسیحیوں کا غلو مسائلِ باطن میں تعمق اور ظاہری مسائل کی طرف سے اعراض تھا، طریقِ حق ظاہر و باطن کو جمع کرنا ہے۔[۲۹۴]

۵۔قرآن کریم میں حضرت مریمؑ کے علاوہ کسی دوسری عورت کا نام نہیں آیا جبکہ ان کا نام تیس مقامات پر آیا ہے جس میں ایک حکمت تو یہ ہے کہ دلوں میں ان کی بندگی کے تصور کو خوب راسخ کر دیا جائے، اس لئے کہ عربوں کی عادت یہ تھی کہ وہ

{۲۹۱}صحیح البخاری ۴۹۰/۱

{۲۹۲} التوبہ ۳۱/۹

{۲۹۳} کتاب الحج

{۲۹۴} بیان القرآن ۱۷۵/۲

لونڈیوں کے نام تو صراحۃً لے لیتے تھے لیکن آزاد عورتوں کے نام صراحۃً نہیں لیتے تھے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ اہلِ عرب کسی کے سامنے اپنی بیوی کا نام لیتے ہوئے شرماتے تھے تو حضرت مریم کا نام بار بار ذکر کر کے عیسائیوں کو بتادیا کہ اگر وہ معاذ اللہ، اللہ کی بیوی ہوتیں تو اللہ کبھی بھی ان کا نام قرآن میں ذکر نہ کرتا۔

تیسری حکمت ان کی پاکدامنی کا اظہار ہے، اس لئے کہ یہود ان پر زنا کی تہمت لگاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے "عیسیٰ بن مریم" کہہ کر سمجھادیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نہ کوئی باپ تھا اور نہ ہی حضرت مریمؑ کا کوئی شوہر تھا۔

۶۔قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چار نام آئے ہیں مسیح، عیسی، کلمہ اور روح۔

۷۔تین خداؤں کا قول قطعاً ساقط اور فضول ہے جبکہ عیسائی تثلیث کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اللہ جوہرِ واحد ہے اور اس کے تین اقانیم ہیں، ہر اقنوم خدا ہے، اقانیم سے وہ وجود، حیاۃ اور علم مراد لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب سے مراد وجود، روح سے مراد حیاۃ اور ابن سے مراد مسیح ہیں۔

۸۔بہت سی مشرک قومیں فرشتوں کی بھی پرستش کرتی رہی ہیں، اس لئے یہاں حضرت مسیح علیہ السلام اور فرشتوں کے بارے میں خاص طور پر فرمایا کہ وہ اللہ کی عبادت میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے اور عار محسوس بھی کیسے کریں حقیقت میں اللہ کی بندگی ہی تو سب سے بڑا شرف ہے، حضرت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ مراتبِ شرف میں عبدیت مرتبہ اعلیٰ ہے۔

۹۔بعض حضرات نے "ولا الملئکۃ المقربون" سے استدلال کیا ہے کہ فرشتے انسانوں سے بلکہ انبیاء سے بھی افضل ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آیتِ مذکورہ سے اس دعویٰ پر استدلال صحیح نہیں، اس لئے کہ یہاں تو صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ باوجودیکہ فرشتے اپنی خلقت اور افعال کے اعتبار سے حضرت مسیح علیہ السلام سے بڑے ہیں پھر بھی وہ بندگی میں عار محسوس نہیں کرتے[۲۹۵] اور صحیح بات تو یہ ہے کہ کتاب وسنت اس بارے میں خاموش ہیں، اس لئے اس مناظرہ سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔[۲۹۶]

{۲۹۵}وقد استدل بعض من ذهب الى تفضيل الملائكة على البشر بهذه الآية وليس له في ذلك دلالة (ابن كثير ۱/۷۷۵)

{۲۹۶}والمنصف يرى ان التفاضل في هذا من الرجم بالغيب اذلا يعلم الا بنص من الشارع ولا نص وليس للخلاف في هذه المسئلة فائدة في ايمان ولا عمل ولكنه من توسيع مسافة التفرق بالمراء والجدل (المنار)

ایمانی دعوت بذریعہ نورِ مبین

(۱۷۴۔۱۷۵)

يَأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا
اے لوگو تمہارے پاس پہنچ چکی تمہارے رب کی طرف سے سند اور اتاری ہم نے تم پر روشنی واضح سو جو لوگ ایمان لائے

بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝
اللہ پر اور اس کو مضبوط پکڑا تو ان کو داخل کریگا اپنی رحمت اور فضل میں اور پہنچا دے گا ان کو اپنی طرف سیدھے راستہ پر

ربط: چار مشہور گمراہ فرقوں منافقین، مشرکین اور یہود و نصاریٰ پر حجت قائم کرنا اور محمد ﷺ کی نبوت کا اثبات گویا کہ ان دو آیتوں کا مقدمہ تھا جن میں ساری انسانیت کو دعوتِ ایمان دی گئی ہے۔

تسہیل: اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بڑی دلیل آ چکی ہے اور ہم تمہارے اوپر ایک واضح نور بھی اتار چکے ہیں ۝ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اس کے ساتھ مضبوط تعلق قائم کر لیا انہیں اللہ اپنی رحمت اور فضل کی چادر سے ڈھانپ لے گا اور انہیں سیدھی راہ تک پہنچا دے گا ۝

﴿تفسیر﴾

﴿۱۷۴﴾ اس آیت کریمہ میں دو چیزوں کی بنیاد پر تمام انسانوں کو ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے ان میں سے ایک کو ''برھان'' اور دوسری کو ''نورِ مبین'' کہا گیا ہے۔ ''برھان'' سے مراد ہمارے آقا ﷺ اور ''نور مبین'' سے مراد قرآن کریم ہے۔ {۲۹۷}

آنحضرت ﷺ نے نبوت کے دعویٰ سے پہلے چالیس سال اہلِ مکہ کے سامنے گذارے، جہاں ہر طرف کفر و شرک، ظلم و ستم، چوری چکاری اور شراب و شباب کا دور دورہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی خصوصی حفاظت اور تربیت فرمائی جس کی وجہ سے سیرت و کردار، عمل اور اخلاق، ذکاوت اور ذہانت میں آپ نے ایسی اعلیٰ مثال اور نمونہ قائم کیا جس پر کافر بھی تعجب کا اظہار کرتے تھے۔

{۲۹۷} او أراد بالبرهان دین الحق أو رسول الله ﷺ وبالنور المبين ما يبينه ويصدقه من الكتاب المعجز (كشاف ۱/۶۳۱)

پھر امّی ہونے کے باوجود آپ کی زبان مبارک سے علمی حقائق کا ادا ہونا خود ایک مستقل معجزہ تھا۔نبوت ملنے کے بعد آپ نے یوں زندگی گذاری کہ آپ کا ہر عمل قرآنی آیات اور احکام کی زندہ تفسیر بن گیا جو کچھ قرآن میں لفظ اور قال تھا وہ آپ کی زندگی میں عمل اور حال بن گیا اور اب ایسی صورت بن گئی ہے کہ قرآن کو آپ سے اور آپ سے قران کو جدا کیا ہی نہیں جاسکتا اور نہ ہی قرآن آپ کے واسطہ کے بغیر سمجھ آ سکتا ہے۔

''نورا مبینا'' قرآن زندگی کی تاریک راہوں کو روشن کرنے والا نور مبین ہے،اس نے شرک کے مفاسد واضح کیئے ،یہودیت اور نصرانیت کے نقائص بیان کیئے،عقائد کی بنیادوں کو درست کیا،عبادات اور اخلاق کا ایک پورا نظام دیا۔یہ دونوں چیزیں یعنی آنحضرت ﷺ کی سیرت اور قرآنی تعلیمات دینِ اسلام کے حق ہونے پر ایسی واضح دلیل ہیں جن سے کوئی بھی ایسا انسان متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا جو حق کا متلاشی اور غیر متعصب ہو۔

﴿۱۷۵﴾ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہوں اور اس کے ساتھ یعنی اس کی کتاب کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط رکھیں تو ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کا وعدہ کیا ہے۔رحمت،فضل اور ہدایت۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رحمت سے مراد جنت اور فضل سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو اہلِ جنت کو عطا کی جائیں گی اور انہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے،نہ کسی کان نے ان کے بارے میں سنا ہے اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گذرا ہے۔{۲۹۸} جہاں تک ہدایت کا تعلق ہے تو جان لیں کہ ہدایت کی بڑی قسمیں دو ہیں۔ہدایتِ عامہ اور ہدایتِ خاصہ......نیکی اور بدی کا راستہ دکھا دینا ہدایتِ عامہ ہے اور اس راستے پر چلنے کی توفیق دے دینا ہدایتِ خاصہ ہے اور ظاہر ہے کہ انسان اپنی بشری کمزوریوں اور شیطانی وساوس کی وجہ سے ہر وقت توفیق الٰہی کا محتاج رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہاں ان لوگوں کے لئے ہدایتِ خاصہ کا وعدہ کیا ہے جو اللہ سے اور اللہ کی کتاب سے مضبوط تعلق قائم کریں گے۔

حکمت وہدایت:

۱۔اسلام کی دعوت دنیا کے ہر گورے اور کالے کے لئے ہے۔(۱۷۴)

۲۔ہمارے حضور ﷺ اسلام کی صداقت پر نہ صرف اس لئے برھان تھے کہ آپ کو بہت سارے معجزات عطا کیے

{۲۹۸} تفسیر کبیر ۱۱/۱۲۰

بلکہ خود آپ کی زندگی بھی ایک مستقل معجزہ تھی۔(۱۷۴)

۳۔قرآن نور ہے جہاں قرآن ہوگا وہاں ظلمت نہیں ہوگی اور جہاں قرآن نہیں ہوگا وہاں حقیقی نور نہیں ہوسکتا۔(۱۷۴)

۴۔ساری اخروی سعادتیں انہیں لوگوں کے لئے ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنا مضبوط تعلق قائم کریں۔(۱۷۵)

کلالہ کی میراث

(۱۷۶)

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ
حکم پوچھتے ہیں تجھ سے سو کہہ دے اللہ حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا اگر کوئی مرد مرگیا اور اسکے بیٹا نہیں اور اس کے ایک بہن ہے تو اسکو پہنچے آدھا

مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِن كَانُوا
اس کا جو چھوڑ مرا اور وہ بھائی وارث ہے اس بہن کا اگر نہ ہو اسکے بیٹا پھر اگر بہنیں دو ہوں تو ان کو پہنچے دو تہائی اس مال کا جو چھوڑ مرا۔ اور اگر کئی شخص

إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ
ہوں اسی رشتہ کے کچھ مرد اور کچھ عورتیں تو ایک مرد کا حصہ ہے برابر دو عورتوں کے بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے تاکہ تم گمراہ نہ ہو اور اللہ ہر چیز سے

شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٧٦﴾
واقف ہے

ربط: اس سورت کی ابتداء میں بھی میراث کے احکام تھے، درمیان میں بھی اور اب اختتام پر بھی میراث کے احکام بیان کیئے جارہے ہیں، اس انداز سے ابتداء، وسط اور انتہاء میں مناسبت بھی ہوگئی اور میراث کی اہمیت بھی دلوں میں بیٹھ گئی، ظلم کے جس ماحول میں یہ سورت نازل ہوئی اس میں اس تاکید اور تکرار کی ضرورت بھی تھی۔

تسہیل: لوگ آپ سے کلالہ یعنی اس شخص کی میراث کے بارے میں سوال کرتے ہیں جس کے نہ ماں باپ ہوں نہ ہی اولاد ہو، آپ فرمادیجیے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کی میراث کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ اگر کسی ایسے شخص کا انتقال ہوجائے جس کی کوئی اولاد نہ ہو، البتہ اس کی ایک بہن ہو تو اسے اس کے پورے ترکہ کا نصف ملے گا اور اگر ایسی بہن کا انتقال ہوجائے جو لاولد ہو تو اس کا بھائی پورے ترکہ کا وارث ہوگا اور اگر وراثت پانے والی بہنیں دو یا دو سے زیادہ ہوں تو انہیں کل ترکہ کا دو تہائی ملے گا اور اگر وارث ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں تو بھائی کو دو بہنوں کے برابر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورہ مائدہ ایک نظر میں

سورہ مائدہ بالاتفاق مدنی ہے البتہ آیت ''الیوم اکملت لکم دینکم الخ'' میدانِ عرفات میں عرفہ کے دن اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ناقہ ''عضباء'' پرسوار تھے اور وحی کے ثقل سے ناقہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی تھی بعض حضرات مائدہ کو قرآن کی آخری سورت قرار دیتے ہیں، بہرحال اتنی بات تو یقینی ہے کہ یہ سورت نزولِ قرآن کے آخری مراحل میں نازل ہوئی ہے خواہ بالکل آخری سورت نہ بھی ہو۔

اس سورہ میں ایک سوبیس آیات اور سولہ رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ

چونکہ اس سورہ میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے آسمان سے مائدہ (دسترخوان) اتارنے کا مطالبہ کیا تھا اس لیے اس کا نام ''سورۃ المائدہ'' رکھ دیا گیا، اسے سورۃ العقود اور سورۃ المنقذہ بھی کہا گیا ہے، سورۃ العقود تو اس لیے کہ اس میں عہود اور عقود کے ایفاء کا حکم دیا گیا ہے اور سورۃ المنقذہ اس لئے کہ جو شخص اس سورہ کو پیش نظر رکھ کر زندگی گذارے گا یہ اسے عذاب دینے والے فرشتوں کے قبضے سے چھڑا لے گی۔

فضیلت

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر سورۃ المائدہ پڑھی اور فرمایا:

یایھا الناس ان سورۃ المائدۃ آخر ما نزل فاحلوا حلالھا وحرموا حرامھا.[1]	اے لوگو! مائدہ آخری سورت ہے جو نازل ہوئی ہے پس اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھو۔

یہ چیز بھی اس سورت کی فضیلت اور عظمت کو ثابت کرتی ہے کہ اس میں وہ مشہور آیت ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی نعمتِ دین کے، تمام کا ذکر فرمایا ہے، میری مراد آیت نمبر ۳ کے اس جزء سے ہے ''الیوم

{۱} الجامع الاحکام القرآن ۶/۳۱

اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا'' اوراسی آیت کی بناء پر یہودیوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ تمہاری کتابوں میں ایک ایسی آیت ہے جو اگر ہمارے اوپر نازل ہوتی تو ہم اسے عید کا دن بنالیتے (انشاء اللہ یہ روایت اپنے موقع پر تفصیل سے آرہی ہے۔)

مناسبت

۱۔ سورہ نساء اور مائدہ دونوں میں ایک جیسے مضامین ہیں۔ سورۃ النساء میں نکاح، امان، حلف ومعاہدہ، وصیت،ودیعت اور وکالت واجارہ جیسے عقود کا ذکر تھا جبکہ سورۂ مائدہ کی ابتداء ہی میں عقود کے ایفاء کا حکم ہے۔

۲۔ نساء میں حرمتِ خمر کی تمہید تھی اور مائدہ میں اس کی قطعی حرمت کا اعلان ہے۔

۳۔ دونوں سورتوں میں اہلِ کتاب، مشرکین اور منافقین کے عقائد کی تردید ہے۔

۴۔ نساء میں اصلاحِ معاشرہ کے سلسلہ میں بنیادی ہدایات تھیں جبکہ مائدہ میں ایسے احکام ہیں جو اکل وشرب سے تعلق رکھتے ہیں۔

۵۔ یہ دونوں سورتیں مناسبت اور مماثلت میں بقرہ اور آل عمران کے ساتھ بہت مشابہت رکھتی ہیں، جیسے ان دونوں سورتوں میں اصول کا بیان تھا یونہی ان دونوں سورتوں میں فروع کا بیان ہے، پھر جیسے سورہ بقرہ میں یہود کا اور آلِ عمران میں عیسائیوں کا ذکر تھا یونہی نساء میں یہودیوں کا اور مائدہ میں عیسائیوں کا تفصیلی ذکر ہے تاکہ فاتحہ میں انسانیت کے دو بڑے مجرموں ''مغضوب'' اور ''ضال'' کے تقابل کی طرف جو اشارہ کیا تھا اس کی طرف ذہن متوجہ رہیں۔

نساء کے شروع میں انسانیت کی ابتداء کا بیان تھا اور مائدہ کے اختتام پر اس کی انتہاء یعنی بعث وجزا کا بیان ہے، گویا یہ دونوں ایک ہی سورت ہیں اور ان میں انسانیت کی ابتداء سے انتہاء تک کا ذکر ہے...... یونہی اس سورہ کی فاتحہ اور زہراوین (بقرہ اور آلِ عمران) کے ساتھ جو مناسبت ہے وہ بھی بالکل واضح ہے (جیسا کہ ہم گذشتہ سطور میں بھی ذکر کرچکے ہیں۔)[۲]

{۲} فکأنهما سورة واحدة اشتملت على الاحكام من المبدأ الى المنتهى، ولهذه السورة ايضا اعتلاق بالفاتحه والزهراوين كمالايخفى على المتأمل (روح المعانى ٤/مائده٧٢)

مضامین

اس سورہ میں جو مضامین بیان ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

ایفاء عہد کا حکم، اللہ کے حلال کردہ جانوروں کا بیان، محرّمات کی تحریم کا ذکر، تکمیلِ دین کا بیان، شکار اور شکاری جانوروں، اہلِ کتاب کے کھانے کی حلّت اور ان کی پاکدامن عورتوں کے ساتھ نکاح کے جواز کا بیان، غسل، طہارت اور نماز کی تفصیل، گواہوں اور بیّنات کا حکم، اہلِ کتاب کی قرآن اور صاحبِ قرآن کے ساتھ خیانت، نصاریٰ کے مکروہ اقوال، عمالقہ کے ساتھ بنی اسرائیل کا معاملہ، چالیس سال تک ان کا وادیِ تیہ میں سرگرداں پھرنا، قابیل کا اپنے بھائی ھابیل کو قتل کرنا، ڈاکوؤں اور چوروں کی سزا، اہلِ کتاب کی مذمّت، زخموں کے بدلہ میں قصاص کا بیان، یہود ونصاریٰ کی دوستی سے ممانعت، اہلِ ارتداد کی تردید، جہاد کی فضیلت، مؤمنین کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی دوستی کا اثبات، یہود کے قبیح اقوال اور نصاریٰ کے فاسد عقائد کی مذمت اور ان دونوں گروہوں کی مسلمان دشمنی کا بیان، ان اہلِ کتاب کی تعریف جو حبشہ سے آئے، قسم اور اس کے کفارہ کا حکم، شراب کی تحریم، مُحرِم پر شکار کی حرمت، فضول سوالات سے نہی، اہلِ کتاب کی شہادتوں کا حکم، قیامت کے دن امتوں کی اپنے رسولوں سے بات چیت اور ان کے خصومات اور تنازعات کا فیصلہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا تذکرہ، مائدہ کا نزول، نصاریٰ کو ڈانٹنے کے لیے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کرنا، یوم القیٰمہ کا بیان جبکہ سچوں کو ان کی سچائی فائدہ دے گی۔[۳]

مضامین کی اس فہرست سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں تین قصّے (بنی اسرائیل کا قصّہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ، ھابیل اور قابیل کا قصّہ اور مائدہ کا قصّہ) اور متعدد شرعی احکام بیان فرمائے ہیں، بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ایسے احکام بیان فرمائے ہیں جو کسی دوسری سورت میں بیان نہیں فرمائے، امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ ایسے احکام کی تعداد انیس ہے۔[۴]

{۳} بصائر ۱/۱۷۹
{٤} الجامع لاحکام القرآن ٦/٣١

سورۃ المائدہ مدنیۃ

ایفاءِ عھود

﴿۱﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
شروع اللہ کے نام سے　جو بے حد مہربان　نہایت رحم والا ہے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ؕ اُحِلَّتۡ لَکُمۡ بَهِیۡمَةُ الۡاَنۡعَامِ اِلَّا مَا یُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ غَیۡرَ
اے　ایمان والو　پورا کرو　عہدوں کو　حلال ہوئے تمہارے لئے چوپائے مویشی　سوائے ان کے جو تم کو آگے سنائے جاوینگے

مُحِلِّی الصَّیۡدِ وَ اَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَحۡکُمُ مَا یُرِیۡدُ ①
مگر حلال نہ جانو شکار کو احرام کی حالت میں　اللہ　حکم کرتا ہے جو چاہے

تسہیل: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور بندوں کے معاہدات پورے کرو، تمہارے لیے ان جانوروں کے سوا جن کا ذکر آگے آتا ہے باقی جانور حلال کیے گئے ہیں لیکن اگر تم احرام یا حرم میں ہو تو پھر شکار کو حلال مت سمجھنا، اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے ○

﴿تفسیر﴾

﴿۱﴾ اے وہ لوگو کہ اپنے آپ کو صاحبِ ایمان کہتے ہو، تم پر اپنے تمام معاہدات کا پورا کرنا لازم ہے۔

تحقیق: عقود عقد کی جمع ہے، عقد کا معنیٰ ہے دو چیزوں میں مضبوطی سے گرہ لگانا۔ پھر یہ کسی بات کو مؤکد کرنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ دو شخصوں یا دو جماعتوں میں جو معاہدہ ہوتا ہے اسے بھی عقد کہا جاتا ہے۔ "بھیمۃ" بھیمہ اور ابھم سخت ٹھوس چیز کو کہتے ہیں، گونگے اور غیر فصیح کو بھی ابھم کہا جاتا ہے، تمام جانوروں پر بھیمہ کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ ان کی آواز میں ابہام ہوتا ہے...... یہ عبرت کی بات ہے کہ حیوان، انسان کی آوازیں بتدریج سمجھنے لگتے ہیں لیکن انسان ان کی آوازیں نہیں سمجھ پاتے الا ماشاء اللہ "الانعام" نعم کی جمع ہے۔ اہلِ عرب عام طور پر اونٹ پر اس کا اطلاق کرتے تھے کیونکہ ان کی نظر میں اونٹ سب سے بڑی نعمت تھی یا انہیں "انعام" ان کی نرم رفتار کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ اونٹ کے علاوہ گائے، بھینس، بکری وغیرہ جو پالتو جانور ہیں ان پر بھی انعام کا اطلاق ہوتا ہے گویا بھیمہ عام ہے، اس کا اطلاق ہر چوپائے پر ہوتا ہے اور انعام خاص ہے، صرف پالتوں جانوروں کو کہا جاتا ہے "صید" صاد سے مصدر ہے شکار کرنے کو بھی کہتے ہیں اور ہر وحشی جانور پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ امام راغب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صید ان حیوانات کے پکڑنے کو کہتے ہیں جو اپنی حفاظت کریں اور کسی کی ملکیت میں نہ ہوں۔ "حرم" حرام کی جمع ہے اس شخص کو کہتے ہیں جو حالت احرام میں ہو۔

{٥} سمیت بذلك للین مشیها (قرطبی ٦/٣٤)

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر نصیحت کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا جب تم سُنو کہ اللہ تعالیٰ "یاایھاالذین آمنوا" (اے ایمان والو) کہہ کر خطاب فرما رہا ہے تو خوب توجہ سے سُنو کیونکہ یا تو خیر کا حکم دیا جا رہا ہوگا یا کسی شر سے منع کیا جا رہا ہوگا۔[6] اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے جس خیر کا حکم دیا ہے وہ یہ کہ ہر جائز عہد و پیمان اور قول و قرار پورا کرو خواہ اس کا تعلق اللہ سے ہو یا اللہ کے بندوں سے ہو۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے عہد کا ذکر کیا ہے۔

سورہ طٰہٰ میں ہے:

ولقد عھدنا الی آدم من قبل[7] بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا۔

سورہ یٰسین میں ہے:

الم اعھد الیکم یبنی آدم[8] اے اولادِ آدم کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا۔

امام راغب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عہد کی ایک صورت یہ ہے کہ اللہ ہماری عقلوں میں کوئی بات بٹھا دیتا ہے اور انسان کی عقلِ سلیم اس کے اچھا یا بُرا ہونے کا فیصلہ کر سکتی ہے، دوسری صورت اللہ کے عہد کی یہ ہے کہ اس نے کتاب وسنت کے ذریعہ ہمیں بہت سارے احکام وفرائض کا حکم دیا ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ ہم نذر یا قسم سے اپنے اوپر کسی ایسی عبادت کو لازم کرلیں جسے شریعت نے لازم نہ کیا ہو۔[9] حلال وحرام کی جو حدود ہیں وہ بھی حقیقت میں عقود ہیں اور ان کی بنیاد ایمان پر قائم ہے جو شخص ایمان قبول کرتا ہے وہ گویا عہد کرتا ہے کہ میں حلال اور حرام میں خدائی ضابطوں کی پابندی کروں گا۔

اور بندوں کے معاہدات وہ ہیں جو جائز حدود کے دائرہ میں رہتے ہوئے دو شخصوں، دو جماعتوں یا دو ملکوں کے درمیان طے پاتے ہیں، اس کے عموم میں نکاح، تجارت، شرکت، اجارہ اور ہبہ جیسے معاملات کے علاوہ تمام سیاسی اور ملکی معاہدات بھی آجاتے ہیں یہاں تک کہ اگر کفار کے ساتھ بھی کوئی معاہدہ کیا گیا ہو تو اسلام اسے بھی پورا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یونہی جن شرائط پر کوئی معاہدہ کیا جائے ان شرائط کا لحاظ بھی ضروری ہے

المسلمون عند شروطھم[10] مسلمان اپنی شرائط کی پاسداری کیا کرتے ہیں۔

{٦}تفسیر القاسمی ٧/٦

{٧}١١٥/٢٠

{٨}٦٠/٣٦

{٩}المفردات / ٣٥٠

{١٠}الجامع لاحکام القران ٣٢/٦ مطبوعه دار الکتاب العربی

البتہ ان شرائط کا جائز ہونا ضروری ہے۔ ناجائز شرائط کالعدم شمار ہوں گی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل وان کان مائۃ شرط [۱۱]

ہر وہ شرط جو کتاب اللہ سے ثابت نہ ہو وہ باطل ہوگی اگر چہ سو شرطیں ہی کیوں نہ ہوں۔

"احلت لکم" عہد و پیمان کے ایفاء کا عمومی حکم دینے کے بعد اب حلال وحرام کا بیان شروع ہوتا ہے، فرمایا گیا کہ تمہارے لیے اونٹ، گائے، بھینس اور بکری وغیرہ حلال ہیں یعنی ان کا گوشت، ان کے چمڑے، ان کی ہڈیوں اور ان کی اون سے تم فائدہ اٹھا سکتے ہو، تمہارے حرام ٹھہرانے سے نہ یہ جانور حرام ہوں گے اور نہ ہی ان سے انتفاع حرام ہوگا۔ [۱۲]

قرآن کا یہ حکم افراط وتفریط سے پاک ہے ورنہ دنیا میں بعض قومیں ایسی ہیں جو مطلقاً گوشت کھانے ہی کو برا سمجھتی ہیں اور بعض ایسے فرقے بھی ہیں جو بلا استثناء ہر جانور کے گوشت کو حلال جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ جو کہ انسان کی مصلحت کو خود انسان سے بھی زیادہ جانتا ہے اس نے ایک طرف تو چوپاؤں کا گوشت کھانے کی اجازت دی، دوسری طرف ایسے جانوروں کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا جن کے کھانے سے جسمانی صحت یا روحانی اخلاق پر بُرے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں ایسے جانوروں کا ذکر آگے آرہا ہے یہاں اجمالی طور پر فرمادیا کہ تمہارے لیے تمام مویشیوں کا گوشت کھانا جائز ہے سوائے ان کے جن کی حرمت کا ذکر آگے آرہا ہے۔

یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ اسلام نے گوشت خور جانوروں کا گوشت کھانے کی اجازت نہیں دی بلکہ ایسے جانوروں کا گوشت کھانے کی اجازت دی ہے جن کی خوراک کا مدار چارے پر ہوتا ہے انسان کو دانت دیئے گئے ہیں ان سے وہ گوشت اور سبزی دونوں کھا سکتا ہے اور اس کا معدہ دونوں کے ہضم کرنے پر قادر ہے جو دلیل ہے اس بات کی کہ فطرت چاہتی ہے کہ انسان گوشت بھی کھائے اور سبزی بھی۔

"وانتم حرم" حرمت کی ایک قسم یہ بھی ہے جس کا تعلق صرف وقت اور جگہ کے ساتھ ہے، چنانچہ حرم میں اور حالتِ احرام میں شکار کرنا جائز نہیں، حرم وہ جگہ ہے جہاں انسان تو انسان، حیوانوں کو بھی امن حاصل ہے اس لیے

{۱۱}صحیح بخاری ۱/۲۹۰

{۱۲}وکانت للعرب ۔ ۔ نن فی الانعام البحیرہ والسائبہ والوصحیلۃ الحام یاتی بیانہا، فنزلت ھذہ بالآیۃ رافعۃ لتلک الأوھام الخیالیۃ والآراء الفاسدہ الباطلیۃ (قرطبی ۶/۳۳)

وہاں شکار جائز نہیں یونہی حالتِ احرام میں انسان کو سراسر اللہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور اسے زمینی کثافتوں سے اوپر اٹھ کر روحانی رفعتوں پر نظر رکھنی چاہیے۔

"ان اللہ یحکم مایرید" تمہارا اصل معاہدہ اللہ کے ساتھ ہوا ہے اور اللہ کوئی سا بھی حکم دینے میں خود مختار ہے، اس کے ارادہ ہی کا نام حکم ہے، کوئی نہیں جو اس کے کسی حکم کو مسترد کر سکے، حلال وہی ہے جسے وہ حلال کہے اور حرام وہی ہے جسے وہ حرام کہے۔

حکمت وہدایت

۱......قرآن کریم میں جہاں کہیں "یاایھاالذین آمنوا" کہہ کر خطاب کیا گیا ہے اسے خوب توجہ سے پڑھنا اور سُننا چاہیے کیونکہ یہ انتہائی اپنائیت والا خطاب ہے، قرآن کریم میں ۸۲ بار یہ خطاب آیا ہے۔

۲......تمام جائز معاہدات کا ایفاء لازم ہے......اس آیت کی بناء پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایجاب وقبول سے عقد لازم ہو جاتا ہے اور خیارِ مجلس کوئی چیز نہیں جبکہ امام شافعی اور امام احمد رحمھما اللہ فرماتے ہیں کہ جب تک بائع اور مشتری مجلس میں موجود ہوں ان میں سے ہر ایک کو سودا ختم کرنے کا اختیار ہوگا اور اسے وہ خیارِ مجلس کا نام دیتے ہیں۔

۳......ہر جائز عقد اور عہد کا پورا کرنا مسلمان کی صفت ہے اور بدعہدی منافق کی نشانی ہے، عہد کی پاسداری کرنے والوں کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت سنائی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مجھے چھ باتوں کی ضمانت دے دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔بات کرو تو سچ بولو، وعدہ کرو تو پورا کرو، تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو ادا کر دو، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، نظریں جھکا کر رکھو، اور اپنے ہاتھوں کو (ظلم اور زیادتی سے) روک کر رکھو۔{۱۳}

۴...... حج، روزہ، اعتکاف اور صدقہ جیسی عبادات کی نذر بھی ایک عہد ہے جس کا پورا کرنا واجب ہے البتہ مباح کاموں کی نذر واجب نہیں ہوتی، مثال کے طور پر اگر کسی نے چلنے پھرنے یا اٹھک بیٹھک کی نذر مان لی تو اس کا ایفاء واجب نہیں ہوگا۔

۵......اونٹ، گائے، بھینس اور بکری وغیرہ کو جب شرعی طریقے سے ذبح کرلیا جائے تو ان کا گوشت کھانا جائز ہے۔

{۱۳}بخاری ومسلم بحوالہ نضرۃ النعیم ۳٦٤٦/۸

۶...... وہ چوپائے حلال نہیں جن کا استثناء اللہ تعالیٰ نے آیت (۳) میں فرمایا ہے یونہی وہ جانور بھی حلال نہیں جن کی

- حرمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے، ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر کچلیوں والے جانور اور ہر پنجے سے شکار کرنے والے جانور کا گوشت حرام ہے"۔ {۱۴}

۷...... جو شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے اس کے لیے سمندر کے جانوروں کا شکار تو جائز ہے مگر خشکی کا شکار جائز نہیں۔

۸...... حرمین میں محرم اور غیر محرم کسی کے لیے بھی شکار جائز نہیں۔

مبادیِ امن

﴿۲﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا

اے ایمان والو حلال نہ سمجھو اللہ کی نشانیوں کو اور نہ ادب والے مہینہ کو اور نہ اس جانور کو جو نیاز کعبہ کی ہو اور نہ جن کے

الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا

گلے پٹا ڈال کر لیجاویں کعبہ کو اور نہ آنیوالوں کو حرمت والے گھر کی طرف جو ڈھونڈتے ہیں فضل اپنے رب کا اور اس کی خوشی اور جب

حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ

احرام سے نکلو تو شکار کرلو اور باعث نہ ہو تم کو اس قوم کی دشمنی جو کہ تم کو روکتی تھی حرمت والی مسجد سے اس پر کہ زیادتی

تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

کرنے لگو اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے

اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲

بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے

ربط: پہلی آیت میں معاہدات کے پورا کرنے کا حکم تھا جو کہ اللہ تعالیٰ کے معاہدات اور احکام کو بھی شامل ہے اس آیت اور اگلی آیات میں باری تعالیٰ کے مختلف احکام ہی کا بیان ہے۔

تسہیل: اے ایمان والو! نہ تو اللہ کے دین کی نشانیوں کی بے حرمتی کرو، نہ ہی حرمت والے مہینے کی، نہ قربانی کے جانوروں کی اور نہ ہی ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے باندھ کر انہیں اللہ کی نذر کر دیا گیا ہو اور نہ ہی ان

{۱۴} ابو داؤد ۲/۱۷۷

لوگوں کی جو حرمت والے گھر کی زیارت کے ارادے سے جا رہے ہوں اور وہ اپنے رب کے فضل اور رضا کے طلبگار ہوں، اور جب تم احرام کھول دو تو پھر تم شکار کر سکتے ہو، لیکن یہ بات یاد رکھو کہ جن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام میں جانے سے روک دیا تھا۔ ان کی دشمنی تمہیں ان پر زیادتی کرنے پر آمادہ نہ کرے اور دیکھو تم نیکی اور تقویٰ کی باتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ خوب تعاون کرو لیکن گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کیا کرو، اللہ سے ڈرتے رہو، اس میں شک ہی کیا ہے کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے O

تحقیق: آیئے تفسیر سے قبل چند مشکل الفاظ کے معانی جان لیجئے۔

"شعائر" شعیرہ کی جمع ہے، شعیرہ اس چیز کو کہا جاتا ہے جسے کسی چیز کے لیے علامت قرار دیا جائے، حج کے مناسک اور اعمال اور بیت اللہ کی طرف روانہ کیے جانے والے جانوروں کو بھی "شعائر" کہا جاتا ہے لیکن یہ صرف انہیں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے سارے احکام اور حدود و فرائض داخل ہیں اسی لیے "شعائر اللہ" کی تفسیر "دین اللہ" اور "محارم اللہ" کے ساتھ بھی کی گئی ہے۔[۱۵]

"الشهر الحرام" جنس کے طور پر نام آیا ہے ورنہ اس میں حرمت والے چاروں مہینے شامل ہیں یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔

"الهدى" هدية کی جمع ہے، ھدیہ اس تحفے کو کہا جاتا ہے جو ایک دوسرے کو محبت اور پیار کے ساتھ دیا جاتا ہے لیکن 'ھدی' خاص طور پر قربانی کے ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جو بیت اللہ کی طرف لے جائے جاتے ہیں۔[۱۶]

"القلائد" قلادة کی جمع ہے یہ قلدّ سے مشتق ہے، قلدّ کا معنی ہے بٹنا، قلادہ ہر اس بٹی ہوئی چیز کو کہتے ہیں جسے گلے میں ڈالا جائے، اصطلاح میں ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جسے عزت یا نشان کے طور پر حرم میں ذبح کیے جانے والے جانوروں کے گلے میں ڈالا جاتا ہے۔

"البر" سچائی، حسنِ خلق، اور چھوٹی بڑی نیکی پر بر کا اطلاق ہوتا ہے[۱۷]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب بر کا لفظ بولا جائے تو اس میں وہ تمام اعمال آجاتے ہیں جن کا اللہ

{۱۵} ولعل شعائر الله محارمه، الى لاتحلوا محارم الله التى حرمها تعالى (ابن كثير ۲/۸) ويقرب منه قول الحسنؒ: شعائر الله دين الله (التفسير الكبير ۴/۲۸۰)

{۱۶} والهدى مختص بمايهدى الى البيت (مفردات /۵۴۱)

{۱۷} البرّاسم لمجموع مايتقرب به الى الله تعالىٰ من الايمان والاخلاق والآداب والاعمال وكل واحد منها يعد خصلة اوشعبة من البرّ (تفسير المنار ۶/۱۰۸)

تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔{۱۸}

"التقوی" کا مادہ "وقایۃ" ہے، جس کا معنی ہے تکلیف اور نقصان دینے والی چیز سے حفاظت اور احتیاط کرنا، شریعت کی اصطلاح میں تقویٰ یہ ہے کہ گناہ میں مبتلا کرنے والے اسباب سے اپنے نفس کو بچانا، ظاہر ہے اس کے لیے ممنوعات بلکہ بعض اوقات مباحات سے بھی اجتناب کرنا پڑتا ہے۔{۱۹}

﴿تفسیر﴾

﴿۲﴾ اے ایمان والو! "شعائر اللہ" کی یعنی مناسکِ حج اور احکامِ الٰہی کی بے حرمتی نہ کرو، شعائر اور احکام کو نظر انداز کر دینا، ان پر پورا پورا عمل نہ کرنا، ان کی طے شدہ حدود سے تجاوز کر جانا یا دوسروں کو ان پر عمل کرنے سے روکنا یہ سب ہی بے حرمتی کی صورتیں ہیں۔{۲۰}

"ولا الشھر الحرام" نہ ہی ان کی حرمت کو آگے پیچھے کرو کہ صفر کو محرم بنالو اور محرم کو صفر (جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ہوتا تھا) اور نہ ہی کوئی ایسی حرکت کرو جس کی وجہ سے لوگ حج کرنے سے محروم ہو جائیں ...... شہرِ حرام میں قتل و قتال کی حرمت کا حکم اب منسوخ ہو گیا ہے۔

"ولا الھدی ولا القلائد" جن جانوروں کو حرمِ مکہ میں ذبح ہونے کے لیے مخصوص کر دیا جائے خاص طور پر وہ جانور جن کے گلے میں علامت کے طور پٹہ یا گانی ڈال دی جائے ان کی بے حرمتی بھی نہ کرو، ان جانوروں کو حرم تک پہنچنے سے روکنا، چھین لینا، ان پر سواری کرنا یا ان کا دودھ حاصل کرنا یہ سب بے حرمتی کی صورتیں ہیں۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ بیت اللہ کی طرف قربانی کے جانوروں کے بھیجنے اور ان کے گلے میں قلادہ ڈالنے کا عمل ترک نہ کرو کیونکہ اس میں شعائر اللہ کی تعظیم ہے۔{۲۱}

"ولا آمین البیت الحرام" ان لوگوں سے بھی تعرّض نہ کرو جو مسجدِ حرام کی زیارت کے ارادے سے اپنے گھروں سے نکلے ہیں اور اس سفر سے ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا حاصل کریں نہ تو ان کے ساتھ جنگ کی صورت میں اور نہ ہی انہیں ذہنی یا جسمانی اذیت دینے کی صورت میں۔

{۱۸}الفتاوی ۷/۱۶۵ بحوالہ نضرۃ النعیم)

{۱۹}مفردات /۵۳۱-۵۳۲

{۲۰}ای لاتحلوا بشئی من شعائر اللّٰہ وفرائضہ التی حدھا لعبادہ واوجبھا علیھم (التفسیر الکبیر ۴/۲۸۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

{۲۱}یعنی لاتترکوا الاھداء الی البیت الحرام فان فیہ تعظیم شعائر اللّٰہ ولاتترکوا تقلیدھا فی اعناقھا لتتمیز بہ لماعداھا من الانعام (تفسیر القرآن العظیم ۲/۸)

امام اسماعیل ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسلاف میں سے آٹھ حضرات سے نقل کیا ہے کہ "فضل" سے مراد تجارت کے ذریعے حصولِ رزق ہے۔{۲۲}

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابتداء میں مشرکین کو بھی حج کرنے کی اجازت تھی اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ انہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا کے حصول سے نہ روکیں اور یہ بات خود ان کے اپنے گمان کے مطابق ارشاد فرمائی گئی اس لیے کہ ان کا خیال یہی تھا کہ ہمیں حج سے اللہ کا قرب اور اس کی رضا حاصل ہوتی ہے۔{۲۳} لیکن سورہ براءۃ کے نزول کے بعد انہیں مسجد حرام کے قریب آنے سے بھی منع کر دیا گیا۔ یہ قاعدہ کلیہ تو ہر قاریِ قرآن جانتا ہے کہ کوئی سورت اور کوئی آیت اپنے واقعہء نزول کے ساتھ خاص نہیں ہے اور اس کا حکم عام ہے، اس لیے اس آیت میں حاجیوں کو تکلیف دینے سے جو منع کیا گیا ہے تو یہ حکم مسلمان حاجیوں کو بھی شامل ہے، بلکہ غور کرنے سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اس آیت میں مسلم اور غیر مسلم سب کو سمجھایا گیا ہے کہ وہ بیت اللہ سے تعلق رکھنے والی چیزوں کی بے حرمتی نہ کریں، جب بیت اللہ کے متعلقات کی بے حرمتی جائز نہیں تو معاذ اللہ خود بیت اللہ کی تخریب یا بے حرمتی کے عزائم اللہ کے ہاں کتنا بڑا جرم ہوں گے؟ اس کا تصور بھی ہولناک ہے۔

"واذا حللتم فاصطادوا" پہلی آیت میں احرام کی حالت میں شکار کرنے سے منع کیا گیا تھا اور اس آیت میں اجازت دی گئی ہے کہ جب تم احرام سے فارغ ہو جاؤ تو تمہیں غیرِ حرم میں شکار کی اجازت ہے اس لیے کہ حرم میں کسی کو بھی شکار کی اجازت نہیں خواہ وہ محرم ہو یا غیر محرم۔

"ولا یجرمنکم شنان قوم" مضمون کے تسلسل اور ربط کو سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ معاہدات کے ایفاء کا حکم دینے کے بعد رب تعالیٰ نے پہلے تو چند ایسے احکام فرمائے جو حدود اللہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اب دو ایسے احکام بیان کیے جا رہے ہیں جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں، اور حقیقت میں یہ دو احکام ایسے جامع ہیں کہ صرف ان دو پر عمل کرنے سے سارے حقوق العباد کا ادا کرنا آسان ہو جاتا ہے اور معاشرہ میں امن اور عدل وانصاف کی بنیادیں مضبوط ہو جاتی ہیں ان میں سے پہلے حکم کا ایک پسِ منظر اور شانِ نزول بھی ہے اسے بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔ ہجرت کے چھٹے سال جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کم وبیش چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ مکہ معظمہ روانہ ہوئے تو

{۲۲}ابن کثیر ۹/۲

{۲۳}وابتغاء الرضوان بانهم كانوا يزعمون انهم على سداد من دينهم وان الحجه يقربهم الى الله تعالىٰ فوصفهم الله تعالىٰ بظنهم (تفسیر ابن سعود ۲۳۵/۲ مطبوعه دارالكتب العلمية بيروت)

مشرکین نے آپ کو عمرہ کرنے کی اجازت نہیں دی تھی اور آپ حدیبیہ میں چند روز ٹھہر کر اور مستقبل کے لیے ایک معاہدۂ صلح کر کے واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ سارا معاملہ بڑا شاق گذرا تھا اور انہیں سخت صدمہ ہوا تھا پھر ایسا ہوا کہ اہلِ مشرق میں سے کچھ مشرکین عمرہ کے ارادہ سے مدینہ کے قریب سے گذرنے لگے تو صحابہ کرام نے انہیں روکنے اور ان سے انتقام لینے کا ارادہ کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا[۲۴] کہ اگر مشرکین نے ظلم اور زیادتی کرتے ہوئے تمہیں مسجد حرام میں جانے روک دیا تھا جس کی وجہ سے بجا طور پر تمہارے دل میں غم وغصہ اور انتقام کے جذبات پیدا ہوگئے تھے تو یہ جذبات ترکِ عدل اور ظلم اور زیادتی کے ارتکاب کا باعث نہیں بننا چاہئیں ۔مسلمان کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ ظلم کا انتقام ظلم سے لے بلکہ اس کی شان یہ ہے کہ وہ ہر حال میں انصاف کرے اور ہر کسی کے جائز حقوق ادا کرنے کی کوشش کرے خواہ کسی ظالم اور دشمن ہی سے کیوں نہ واسطہ پڑ جائے، اگر چہ دشمن کے ساتھ عدل کا معاملہ کرنا بڑا مشکل کام ہے لیکن اگر دل میں ایمان راسخ ہو تو دوسری مشکلات کی طرح یہ مشکل بھی آسان ہو جاتی ہے، اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو شریعت حقوق العباد کی ادائیگی میں دشمنوں کی حق تلفی کی اجازت نہیں دیتی وہ مسلمانوں اور دوستوں پر زیادتی کی اجازت کیسے دے سکتی ہے؟

”وتعاونوا علی البر والتقوی“ حقوق العباد کے سلسلہ میں دیا جانے والا یہ دوسرا حکم ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے معاشرہ میں امن اور عدل وانصاف کا قیام یقینی ہو جاتا ہے یہ جملہ ”جوامع الکلم“ میں سے ہے، جس کے الفاظ مختصر مگر معانی بہت زیادہ ہیں اور اس میں جو حکم دیا گیا ہے وہ نظامِ عالم کی روح ہے، جب تک اس حکم پر عمل ہوتا رہے گا، نظامِ عالم قائم رہے گا اور جب اور جہاں اسے نظر انداز کیا گیا وہاں فساد کا رونما ہونا یقینی ہے ۔اصل میں پوری دنیا کا نظام باہمی تعلق اور تعاون پر قائم ہے ۔ ہر انسان دوسرے کا محتاج ہے اور اسی عالمگیر احتیاج کی بناء پر ہر شخص دوسرے کے کام آتا ہے ۔ڈاکٹر نے ہسپتال محض انسانی ہمدردی کی بنیاد پر نہیں بنایا بلکہ اس لیے بنایا ہے کہ اسے روپے پیسے کی ضرورت ہے اور مریض اسے جو فیس ادا کرتا ہے تو اس کے ساتھ محبت اور عقیدت کی وجہ سے ادا نہیں کرتا بلکہ اس لیے ادا کرتا ہے کہ وہ دوا اور علاج کا محتاج ہے، غرضیکہ گھر سے دفتر اور تجارت سے حکومت تک ہر جگہ احتیاج ہی کی بناء پر باہمی تعاون کیا جاتا ہے ۔اس تعاون کے بغیر پورے عالم کا نظام تو کیا ایک ملک، ایک گھر کا نظام بھی نہیں چل سکتا، یہ تعاون ہی عام طور پر قومیت کی بنیاد بنتا ہے، مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد ایمان ہے اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ

{۲۴}ابن کثیر ۲/۱۰

تعاون کرنے کے پابند ہیں لیکن انہیں صرف نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرنے کا حکم ہے، گناہ اور زیادتی کے معاملات میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کی اجازت نہیں۔ یہاں تک کہ محض قومیت، زبان، رنگ اور نسل کے فرق کی بنیاد پر کسی کی حق تلفی جائز نہیں، جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے کہ بہر صورت اپنی قوم اور جماعت کی حمایت اور اس کی اعانت اور دوسری قوم اور جماعت کی مخالفت اور اس پر زیادتی کو جائز بلکہ واجب سمجھا جاتا ہے، بعض مذہبی گروہوں تک میں یہ بیماری پیدا ہو چکی ہے کہ وہ اپنے کارکنوں اور لیڈروں کی پردہ پوشی کرتے ہیں اور اپنے مخالفین میں ایسی ایسی خرابیاں اور برائیاں تلاش کر لیتے ہیں جن کی ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی۔

"واتقوا اللہ" آخر میں ایک ایسا حکم دیا جا رہا ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے حدود اللہ کا لحاظ رکھنا، حقوق العباد کا پورا کرنا اور تمام معاہدات اور احکام کی تکمیل آسان ہو جاتی ہے اور وہ حکم ہے خدا خوفی کا، جس کے دل میں اللہ کا ڈر پیدا ہو جائے وہ نہ تو شعائر اللہ کی بے حرمتی کرتا ہے، نہ ہی کسی کی دشمنی اسے ظلم پر آمادہ کرتی ہے اور نہ ہی گناہ کے کاموں میں کسی کے ساتھ تعاون کرتا ہے۔

حکمت وہدایت

۱..... اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم، کسی بھی حد اور کسی بھی شعار کی بے حرمتی جائز نہیں (۲)

۲..... جو لوگ حج اور عمرہ کے لیے جا رہے ہوں یا دین کے کسی اور عمل میں مصروف ہوں، ان کا راستہ روکنا اور انہیں اذیت دینا جائز نہیں۔

۳..... اگر کفار بھی شعائر اللہ کی تعظیم اور حقوق اللہ کی ادائیگی کی کوشش کریں تو اُمید ہے کہ اللہ انہیں دنیا میں اس کا بدلہ دے دے گا۔{۲۵}

۴..... اگر ممانعت کے بعد کسی چیز کی اجازت دی جائے تو اس کا حکم وہی ہوگا جو ممانعت سے پہلے تھا، اگر ممانعت سے پہلے واجب تھی تو بعد میں واجب ہوگی اور اگر جائز تھی تو دوبارہ بھی جائز ہی ہوگی واجب نہیں ہوگی، جیسا کہ شکار کرنا احرام سے قبل جائز تھا تو احرام کھولنے کے بعد بھی جائز ہوگا۔ (۲)

۵..... ظلم اور زیادتی کسی پر بھی جائز نہیں یہاں تک کہ کافر اور مشرک پر بھی جائز نہیں۔ (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم کو قیامت کی تاریکیوں میں سے ایک تاریکی قرار دیا ہے۔{۲۶}

{۲۵}لابعد فی کونہ مدار الحصول بعض مقاصدھم الدنیویۃ وخلاصھم من المکارہ العاجلۃ (ابو سعود ۲/۲۳۵)
{۲۶}صحیح مسلم ۲/۳۲۰

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس امر میں کسی کا اختلاف نہیں کہ ظلم کا انجام بُرا اور عدل کا انجام اچھا ہوتا ہے اور منقول ہے کہ اللہ عادل حکومت کی مدد کرتا ہے اگر چہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو اور ظالم حکومت کی مدد نہیں کرتا اگر چہ وہ مومن ہی کیوں نہ ہو[۲۷] (اس سے پتہ چلتا ہے کہ آج مسلمان حکومتوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد کیوں حاصل نہیں ہے)......

ظالم انسان اللہ کی نظر میں ذلیل ہوتا ہے وہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم رہے گا، اس کے خلاف مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے، اگر ظالم پر گرفت نہ کی جائے تو پورے ملک اور سوسائٹی میں متعدی بیماری کی طرح ظلم عام ہو جاتا ہے۔

۶......اہلِ ایمان پر نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا واجب ہے اور گناہ اور زیادتی میں تعاون حرام ہے۔

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو امورِ خیر میں باہم تعاون کرنے کی خوب تاکید فرمائی ہے، بھوکوں کو کھلانے کی، غلاموں اور قیدیوں کی گردنیں چھڑانے کی، مومن بھائی کی پریشانی دور کرنے کی اور اس کے عیوب پر پردہ ڈالنے کی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو، عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! مظلوم کی تو ہم مدد کریں گے، ظالم کی کیسے مدد کریں آپ نے فرمایا اس کا ہاتھ پکڑو[۲۸] (اور اسے ظلم سے روکو یہی اس کی مدد ہے)۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مومن دوسرے مومن کے لیے اس عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصّہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے پھر آپ نے ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کر کے دکھایا۔[۲۹]

۷......گناہ اور ظلم میں تعاون جائز نہیں خواہ اپنے عزیز و اقارب ہی کیوں نہ ہوں۔

حرام کردہ مطعومات اور اکمالِ دین

﴿۳﴾

حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةُ وَالدَّمُ وَلَحۡمُ الۡخِنۡزِيۡرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالۡمُنۡخَنِقَةُ

حرام ہوا تم پر مردہ جانور اور لہو اور گوشت سور کا جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا اور جو مرگیا ہو گلا

{۲۷}مجموع الفتاویٰ ۶۳،۶۲/۲۸ {۲۸}صحیح بخاری ۳۳۰/۱
{۲۹}صحیح بخاری ۸۹۰/۲

وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى

گھونٹنے سے یا چوٹ سے یا اونچے سے گر کر یا سینگ مارنے سے اور جس کو کھایا ہو درندہ نے مگر جس کو تم نے ذبح کر لیا اور حرام ہے جو ذبح ہوا

النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ

کسی تھان پر اور یہ کہ تقسیم کرو جوئے کے تیروں سے یہ گناہ کا کام ہے آج ناامید ہو گئے کافر تمہارے

دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي

دین سے سو ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا

وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ

اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین پھر جو کوئی لاچار ہو جائے بھوک میں لیکن گناہ پر مائل نہ ہو تو اللہ

غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳﴾

بخشنے والا مہربان ہے

تسہیل: تم پر حرام کر دیا گیا ہے مرا ہوا جانور، بہتا خون، خنزیر کا گوشت، اور ایسا جانور جسے غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا جائے، اور جو گلا گھٹ کر یا چوٹ لگ کر یا گر کر یا سینگ مارنے سے مر جائے اور وہ جانور بھی حرام ہے جسے درندے پھاڑ کھائیں لیکن ایسے جانور کو اگر تم مرنے سے پہلے ذبح کر لو تو حلال ہوگا، یونہی جن جانوروں کو آستانوں پر ذبح کیا جائے اور جس گوشت کو قرعہ کے تیروں کے ذریعہ تقسیم کیا جائے وہ بھی حرام ہے، یہ سب اللہ کی نافرمانی کے کام ہیں، آج کافر تمہارے دین کے مغلوب ہونے سے ناامید ہو گئے ہیں پس تم ان سے مت ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو، آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو ہر طرح سے کامل کر دیا اور تم پر بھرپور انعام کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا، (اوپر ذکر کردہ چیزیں اگرچہ حرام ہیں لیکن) جو شخص بھوک کی وجہ سے مجبور ہو جائے (تو اسے ان کے کھانے کی اجازت ہے مگر شرط یہ ہے کہ) اس کا گناہ کی طرف میلان نہ ہو (اگر بالفرض کچھ کمی بیشی ہو جائے) تو بے شک اللہ بخشنے والا اور بے حد مہربان ہے ○

تحقیق

"میتہ" اس مرے ہوئے جانور کو کہتے ہیں جسے ذبح نہ کیا جا سکے۔[۳۰]

"اھــل" اھلال کا اصل معنی ہے، ھلال (چاند) کو دیکھ کر آواز بلند کرنا، پھر یہ ہر آواز کے لیے بولا جانے لگا،

{۳۰} مختار الصحاح ۳۶۹

وما اھلّ کا معنی ہے وہ چیز جسے اللہ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کر دیا جائے۔[۳۱]

"نُصُبُ" نصیب کی جمع ہے، نصب سے ہے، نصب کا معنی ہے گاڑنا اور رکھنا، نصیب وہ پتھر جسے کسی چیز پر ابھار کر رکھ دیا جائے یا گاڑ دیا جائے مشرکین نے کعبہ کے اردگرد کچھ پتھر نصب کر رکھے تھے جن پر جانور ذبح کرتے تھے، اردو میں اس کا معنی استھان یا آستانہ کر دیا جاتا ہے کیونکہ بعض لوگ آستانوں پر یہی کچھ کرتے ہیں۔

"ازلام" زلم کی جمع ہے وہ تیر جس پر پَر نہ لگائے گئے ہوں۔ فال اور جوا کے تیروں کو کہا جاتا تھا۔

"فسق" دائرہ شریعت سے باہر نکل جانے کو فسق کہتے ہیں، اہلِ عرب فسق الرطب اس وقت کہتے ہیں جب پھل اپنے چھلکے سے باہر نکل جائے، قرآن سے پہلے لغتِ عرب میں یہ لفظ انسان کے لیے استعمال نہیں ہوتا تھا۔

"مخمصۃ" کمزور اور دبلے پتلے آدمی کو کہا جاتا ہے، مخمصۃ کا معنی ہے بھوک، جس کی وجہ سے انسان لاغر ہو جائے۔

تفسیر

﴿۳﴾ اس سورہ کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ "تمہارے لیے ان جانوروں کے سوا جن کا ذکر آگے رہا ہے باقی جانور حلال کیے گئے ہیں، چنانچہ یہاں دس قسم کے حرام جانوروں کا ذکر ہے۔

۱۔ **میتۃ** : وہ جانور جو شرعی طریقہ سے ذبح کیے بغیر مر جائے اس کا گوشت کھانا حرام ہے لیکن احناف کے نزدیک اس کی ہڈیاں اور بال حلال ہیں اور ان کا استعمال جائز ہے، مردار کی حرمت کی وجہ بظاہر یہ سمجھ میں آتی ہے کہ بیماری یا سانس کے گھٹنے کی وجہ سے اس میں زہریلے جراثیم اور مضر مواد پیدا ہو جاتا ہے جو انسانی صحت کے لیے نقصان دہ ہے علاوہ ازیں انسان کی عقلِ سلیم بھی مردار کے گوشت سے نفرت کرتی ہے، چونکہ ذبح کرنے سے سارے زہریلے مواد حیوان کے جسم سے خارج ہو جاتے ہیں اس لیے اس کا گوشت حلال اور طیب ہوتا ہے گویا نہ تو اس میں دین کا نقصان ہوتا ہے اور نہ ہی دنیا اور جسمانی صحت کا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "میتۃ" سے دو چیزوں کو مستثنیٰ کیا ہے یعنی مچھلی اور ٹڈی کہ ان دونوں کو ذبح کیے بغیر ہی کھایا جاتا ہے۔

۲۔ **والدم**: دم سے مراد دمِ مسفوح ہے یعنی بہنے والا خون، خود قرآن ہی میں دوسرے مقام پر اس کی وضاحت

{۳۱} المفردات ٥٤٤

کردی گئی ہے،{۳۲} وہ خون جو گوشت کے ساتھ لگا ہوا ہو یا جم چکا ہو جیسا کہ جگر اور تلی کی صورت میں ہوتا ہے تو وہ حلال ہے، بہتا ہوا خون بھی حقیقت میں جسم سے خارج ہونے والے دوسرے فضلہ جیسا ہوتا ہے، طبعی طور پر بھی اس سے نفرت ہوتی ہے اور طبی اعتبار سے بھی اس میں متعدد نقصانات ہیں، اس کا ہضم ثقیل ہوتا ہے اور اس میں ایسے مختلف جراثیم اور جسم سے خارج ہونے والے زہریلے مادے ہوتے ہیں جو انسانی صحت کے لیے مضر ہوتے ہیں۔ اگر چہ زمانہ جاہلیت میں خون پینے کے واقعات ملتے ہیں{۳۳} لیکن ان کا کوئی اعتبار نہیں، ایسے گندگی پسند لوگوں کے عمل کو حجت مان لیا جائے تو پھر پیشاب اور دوسری غلاظتیں استعمال کرنے والوں کے عمل کو بھی اہمیت دینی پڑے گی۔ جدید دنیا جو کہ طاقت اور غذائیت کے لیے سب کچھ کھانے کے لیے تیار ہے اس میں بھی خون کہیں کھایا اور پیا نہیں جاتا۔

۳۔ **ولحم الخنزیر:** چونکہ عام طور پر انسان کی نظر حیوان کے گوشت پر ہی ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے صرف گوشت کا ذکر فرمایا ہے ورنہ خنزیر کا صرف گوشت ہی نہیں بلکہ اس کا پورا بدن اور بدن کا ہر جزء حرام ہے۔

سور کے گوشت میں جسمانی مضرتیں بھی ہیں اور روحانی اور اخلاقی نقصانات بھی ہیں، غذا کا اثر صرف انسان کے جسم اور صحت پر ہی نہیں پڑتا بلکہ اس سے اس کی روح اور اخلاق بھی متاثر ہوتے ہیں، سور نجاست خور ہوتا ہے، اس کے گوشت میں خطرناک کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں، چربی کی کثرت کی وجہ سے اس کا گوشت ثقیل الھضم ہوتا ہے۔ وہ فطری طور پر دیوث ہوتا ہے، اس کے گوشت کی مضرت جدید اطباء اور ڈاکٹر بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن اگر وہ تسلیم نہ کریں تو بھی کچھ فرق نہیں پڑتا اس لیے کہ ایک مسلمان کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہی سب سے بڑی حجت ہے چاہے جدید طب اور سائنس اس کی تائید کرے یا نہ کرے، اگر کوئی یہ سوال کرے کہ بے شمار لوگ خنزیر کا گوشت کھاتے ہیں لیکن پھر بھی بیمار نہیں پڑتے، تو اوّل تو یہ دعوٰی ہی غلط ہے، وہ بھی بیمار پڑتے ہیں اور ان کی نئی نئی اور پیچیدہ بیماریوں نے یورپ کے دانشوروں اور ڈاکٹروں کو پریشان کر رکھا ہے دوسری بات یہ ہے کہ لاکھوں لوگ جراثیم آلود پانی پی کر، زہریلی فضا میں رہ کر، گندگیوں کے ڈھیر پر زندگی بسر کر کے بھی بظاہر تنومند اور صحت مند ہوتے ہیں تو ان کی صحت کو حجت بنا کر دوسروں کو بھی ایسا پانی پینے، ایسی فضا میں رہنے اور ایسی غلاظت میں زندگی بسر کرنے کا مشورہ دیا جا سکتا ہے؟ بعض غلاظت خوروں کو غلاظت بھی راس آ جاتی ہے لیکن ان کی وجہ سے غلاظت کو ''غذائی ٹانک'' تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

{۳۲}الانعام ۶/۱۴۵

{۳۳} كان أهل الجاهلية يصبونه في الامعاء ويشوونه (تفسير ابي السعود ۲/۲۳۷)

۴۔ **وما اھل بہ لغیر اللہ:** جس جانور کو غیر اللہ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے، اسی کے نام پر مخصوص کر دیا جائے وہ حرام ہو جاتا ہے چاہے یہ مخصوص کرنا ذبح کے وقت ہو یا اس سے پہلے ہو، ایسے جانور پر اگر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا بھی جائے تو بھی اس کا کوئی اعتبار نہیں، اس جانور کی حرمت کی اصل وجہ غیر اللہ کا نام لینا نہیں ہے بلکہ رب تعالیٰ کی طرح اس کی تعظیم اور عبادت، حرمت کی اصل وجہ ہے، جب شریعت نے یہ طے کر دیا ہے کہ حیوان کو اللہ کے سوا کسی دوسرے کے نام پر ذبح کرنا جائز نہیں تو اب ایسا کرنا بہر صورت حرام ہوگا چاہے کسی نبی اور ولی ہی کا نام کیوں نہ لیا جائے۔

۵۔ **والمنخنقة:** وہ جانور جس کا گلا گھونٹ کر اسے مار دیا جائے جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں کرتے تھے[۳۴] یا اس کے گلے میں رسّی پھنس جائے یا کسی اور وجہ سے گلا گھٹ کر وہ مر جائے۔

۶۔ **والموقوذة:** وہ جانور جسے کسی غیر دھاری چیز مثلاً لاٹھی یا پتھر وغیرہ کے ساتھ مارا پیٹا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے تو اس کا گوشت بھی حرام ہے، گوشت کے حرام ہونے سے قطع نظر جانور کو پٹائی وغیرہ کے ذریعے اذیتیں دے کر مارنا بھی حرام ہے، شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں احسان اور اچھائی فرض کی ہے، پس جب تم قتل کرو تو اچھی طرح سے قتل کرو اور اگر ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو، اپنی چھری تیز کر لیا کرو اور ذبیحہ کو راحت دیا کرو۔[۳۵]

بندوق کے ذریعہ جو شکار کیا جاتا ہے، اہلِ علم اسے بھی ''موقوذۃ'' میں شمار کرتے ہیں۔[۳۶]

۷۔ **والمتردية:** وہ جانور جو کسی اونچی جگہ سے نیچے گر پڑے مثلاً کنویں میں یا چھت سے اور پہاڑ کی چوٹی سے گر کر مر جائے تو حرام ہوگا البتہ اگر اسے مرنے سے پہلے ذبح کر لیا جائے تو حلال ہوگا۔

۸۔ **والنطيحة:** وہ جانور جو کسی دوسرے جانور کی چوٹ سے مر جائے وہ بھی حرام ہوگا، یہ چاروں اگرچہ 'میتۃ' میں آ گئے تھے لیکن انہیں خاص طور پر ایک تو اس لیے ذکر فرمایا کیونکہ جاہلیت میں بعض عرب ان کا گوشت کھا لیا کرتے تھے، دوسرے اس لیے کہ ان کے مرنے کا بہرحال کوئی نہ کوئی ظاہری سبب ہوتا ہے اور ان کی موت طبعی نہیں ہوتی، اس لیے ممکن تھا کہ کسی کو ان کی حرمت میں اشتباہ ہو جاتا۔

{۳۴}ان اهل الجاهلية كانوا يخنقون الشاة فاذا ماتت أكلوا (التفسير الكبير ۴/۲۸۳)

{۳۵}صحيح مسلم ۲/۱۵۲

{۳۶}ويدخل فى الموقوذة مارمى بالبندق فمات (التفسير الكبير ۴/۲۸۳)

۹۔ وما اكل السبع: جس جانور کو کوئی درندہ چیز پھاڑ کر ہلاک کر دے اس کا کھانا بھی جائز نہیں۔

"الا ماذكيتم" اس استثناء کا تعلق "منخنقة" سے لیکر یہاں تک جو پانچ قسم کے جانور ذکر ہوئے ہیں ان سب کے ساتھ ہے، یعنی ان جانوروں کے اندر اگر زندگی کی کوئی علامت پائی جائے تو ذبح کرنے سے حلال ہو جائیں گے اور ان کا کھانا جائز ہوگا۔

۱۰۔ "وماذبح على النصب" مشرکین نے کعبہ کے ارد گرد تین سو ساٹھ پتھر گاڑھ رکھے تھے، اہلِ جاہلیت ان پتھروں کی تعظیم اور پرستش کے طور پر ان کے پاس اپنے جانوروں کو ذبح کرتے تھے اور ان کا خون بیت اللہ کی دیواروں پر مل دیا کرتے تھے، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ پتھر نہ تو ان کے بُت تھے اور نہ ہی ان کی تعظیم مقصود تھی، وہ جانوروں کو ان پتھروں پر ذبح ضرور کرتے تھے لیکن تقرّب اور خوشنودی بتوں کی پیشِ نظر ہوتی تھی۔ {۳۷}

"وان تستقسموا بالازلام" دس قسم کے حرام جانوروں کا ذکر کرنے کے بعد مشرکین کا ایک اور حرام کام ذکر کیا جارہا ہے وہ یہ کہ زمانہ جاہلیت میں وہ تیروں کے ذریعہ قسمت آزمائی کیا کرتے تھے، اس مقصد کے لیے ان کے ہاں تین قسم کے تیروں کا ذکر ملتا ہے۔ {۳۸}

۱۔ وہ اپنے پاس تین تیر رکھتے تھے، ایک پر لکھا ہوتا تھا "امرنی ربی" (میرا رب مجھے حکم دیتا ہے) دوسرے پر لکھا ہوتا تھا "نهانی ربی" (میرا رب مجھے منع کرتا ہے) اور تیسرے پر کچھ بھی نہیں لکھتے تھے، جب وہ سفر، شادی بیاہ، تجارت وغیرہ کرنا چاہتے تو برتن سے تیر اٹھاتے، اگر امر والا تیر نکلتا تو کام کر گذرتے، اگر نہی والا نکلتا تو اس کام کا ارادہ ترک کر دیتے اور اگر تیسری قسم کا تیر برآمد ہوتا تو پھر برتن کو دوبارہ گھماتے۔

۲۔ مشرکین نے جوارِ کعبہ میں اپنے مشہور بت "ھبل" کے پاس سات تیر رکھے ہوئے تھے، جن پر مختلف حوادث اور حالات کے اشارات انہوں نے لکھ رکھے تھے، جب کوئی اہم کام درپیش ہوتا تو کعبہ کے مجاور کی خدمت میں سو درھم اور ایک اونٹ نذر کرتے، پھر اپنے معبود سے دعا کرتے کہ ہم پر حق واضح فرما دے اس کے بعد وہ مجاور تھیلے میں سے کوئی ایک تیر نکالتا، اس پر جو کچھ لکھا ہوتا، اس کے مطابق وہ عمل کرتے۔

۳۔ جوابازی یا قرعہ اندازی کے لیے دس تیر اور بھی تھے جن میں سے سات تیر مختلف حصّوں کی نشاندہی کرتے

{۳۷} وقال ابن جريج: النصب ليس بأصنام فان الاصنام احجار مصورة منقوشة، وهذه النصب احجار كانوا ينصبونها حول الكعبه وكانوا يذبحون عندها للصنام (التفسير الكبير ٤/ ٢٨٥)

{۳۸} والازلام للعرب ثلاثة انواع (قرطبی ٦/ ٥٧)

تھے اور تین خالی تھے۔ ہوتا یوں تھا کہ چند اشخاص مل کر اونٹ ذبح کرتے اور اس کا گوشت ان تیروں کے ذریعہ قرعہ اندازی کر کے آپس میں تقسیم کر لیتے، جس میں بعض کو کم اور بعض کو زیادہ مل جاتا، پھر تفاخر اور دکھاوے کے لیے یہ سارا گوشت غرباء میں تقسیم کر دیتے تھے۔ قرآن ان ساری قسموں کو حرام قرار دے دیا اس لیے کہ یہ سب ایسی خرافات اور اوہام تھے جن پر کوئی عقلی اور نقلی دلیل موجود نہ تھی اور کاہنوں اور مجاوروں نے محض شکم پرستی کی خاطر جاہلوں اور احمقوں کو ان کا عادی بنا رکھا تھا۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے بھی بہت سے لوگ وہی کچھ کرتے ہیں جو کچھ زمانہ جاہلیت میں کیا جاتا تھا لیکن انہوں نے ان کے نام بہت خوبصورت رکھے ہوئے ہیں، فالناموں کی کتابیں سرِ عام فروخت ہوتی ہیں، نجومی اور کاہن اعداد اور نجوم کی روشنی میں اخبارات میں لوگوں کو بتاتے ہیں کہ یہ ہفتہ کیسا رہے گا اور کہاں رشتہ کرنا بہتر ہے اور کہاں بہتر نہیں ہے، بعض لوگ لوٹا گھماتے ہیں اور کچھ پرچیوں اور قرآن کے ذریعہ چور کی نشاندہی کرتے ہیں، جو قرآن یہ سب کچھ مٹانے کے لیے آیا تھا افسوس یہ ہے کہ اسی قرآن کو ان مقاصد کے لیے استعمال کیا جارہا ہے...... والعیاذ باللہ۔

یہاں یہ بات ضرور ملحوظ رکھیں کہ نیک فال لینا اور استخارہ کرنا حدیث سے ثابت ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی فالِ حسن لیتے تھے لیکن آپ کے فالِ حسن لینے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ ہر کام کرنے سے پہلے فال لیا کرتے تھے اگر فال نکل آتی تو کام کرتے ورنہ باز آجاتے بلکہ اس کی صورت تو صرف یہ تھی کہ جب آپ کسی کام کے کرنے کا عزم فرما لیتے پھر اتفاق سے کوئی اچھی چیز یا اچھا نام بھی سامنے آجاتا تو اس سے آپ کو خوشی ہوتی تھی کہ ہمارے کام کا انجام انشاء اللہ اچھا ہوگا لیکن ایک تو آپ اس کا کوئی اہتمام نہیں فرماتے تھے بس اتفاقی طور پر ایسا ہو جاتا تو آپ کو اپنے عزم پر مزید اطمینان ہو جاتا، دوسری بات یہ ہے کہ آپ اچھی فال تو لیتے تھے مگر بدشگونی ہرگز نہیں لیتے تھے اور کسی بھی دن، یا شخص یا وقت کو منحوس نہیں سمجھتے تھے۔ یونہی استخارہ سے مراد فال لینا نہیں کیونکہ استخارہ میں تو اللہ سے مدد مانگی جاتی ہے کہ اگر فلاں کام میرے حق میں بہتر ہے تو اس کا کرنا میرے لیے آسان فرما دے اور اگر بہتر نہیں ہے تو اس کے شر سے مجھے بچا لے اور اس کا خیال میرے دل سے نکال دے۔ یونہی قرعہ اندازی بھی فال سے بالکل مختلف چیز ہے، قرعہ اندازی اس وقت کی جاتی ہے جب کسی چیز میں شرکاء کا حق تو پہلے سے ثابت ہو مگر تقسیم کے وقت اختلاف اور نزاع کا اندیشہ ختم کرنے کے لیے محض حصوں کی تعیین کے لیے قرعہ اندازی کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔

"ذلکم فسق" جن حرام چیزوں کا اوپر ذکر ہے یہ سب گناہ اور حدودِ دین سے تجاوز کر جانے والے کام ہیں۔{۳۹}

{۳۹}اشارة الی الاستقسام بالازلام......وقیل یرجع الی جمیع ماذکرہ من الاستحلال لجمیع هذه المحرمات و کل شی منها فسق وخروج الحلال الی الحرام (قرطبی ٦/٥٩)

"الیوم یئس الذین کفروا" (آج کافر مایوس ہوگئے) ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر یوم عرفہ کو جبکہ جمعہ کا دن تھا یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی، {۴۰} اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی قلت کو کثرت میں، ضعف کو قوت میں، خوف کو امن میں اور فقر کو غنی میں بدل دیا، کافروں کو جو امید لگی ہوئی تھی کہ ہم اپنی پھونکوں سے نورِ اسلام کو بجھا دیں گے اور مسلمانوں کو مرتد کر کے دوبارہ اپنے مشرکانہ دین میں داخل کر لیں گے تو اہلِ اسلام کی کثرت اور قوت دیکھ کر یہ اُمید دم توڑ گئی اور انہوں نے جان لیا کہ وہ اللہ کے کاشت کیے ہوئے پودے کو کبھی بھی جڑ سے نہیں اکھیڑ سکیں گے اور اس کی شاخوں کا پھیلاؤ بتدریج وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے گا، اس لیے فرمایا گیا کہ تمہیں کافروں کے غلبہ کا خوف تو نہیں ہونا چاہیے البتہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے احکام اور حدود کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اللہ سے ضرور ڈرنا چاہیے کیونکہ حدود واحکام کی خلاف ورزی سے تمہاری عزت، ذلت میں، قوت، ضعف میں اور غلبہ، مغلوبیت میں بدل سکتا ہے۔

"الیوم اکملت لکم دینکم"۔ اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف اکیاسی دن زندہ رہے، کہا جاتا ہے کہ یہ آیت سُن کر حضرت عمر رضی اللہ رو پڑے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کی وجہ پوچھی تو عرض کیا یا رسول اللہ! ہر کمال کے لیے زوال ہے (مجھے اندیشہ ہے کہیں مسلمان کمال تک پہنچنے کے بعد زوال کا شکار نہ ہو جائیں۔) {۴۱}

دینِ الٰہی تو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے ہی سے چلا آرہا تھا اور مختلف انبیاء کرام علیہم السلام اس کی دعوت کے لیے تشریف لاتے رہے تھے لیکن انہیں ایسا دین عطا نہیں کیا گیا جو ہر مکان اور ہر زمان کی ضروریات اور مصالح پوری کر سکے اور اس بناء پر ان کی نبوت اور شریعت کو معاذ اللہ ناقص نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ جس زمان اور مکان کے لیے تشریف لاتے تھے اس کے لیے پورے دین کی ضرورت ہی نہ تھی بلکہ دین کا ایک حصہ ہی کافی تھا لیکن چونکہ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام جہانوں اور تمام انسانوں کے لیے تھی اور آپ کے بعد کسی دوسرے نبی کو بھی نہیں آنا تھا اس لیے آپ پر اس دین کو کامل کر دیا گیا جس کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا تھا، یہ دین اپنی ذات کے اعتبار سے بھی کامل ہے کہ اس میں عقائد واخلاق اور عبادات ومعاملات سے تعلق رکھنے والا کوئی مسئلہ نہیں جسے بیان نہ کر دیا گیا ہو، اور یہ دین اپنے ظہور کے اعتبار سے بھی کامل ہے کہ اسے باری تعالیٰ نے تمام ادیان

{۴۰} وکان کمارواہ الشیخان عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عصر یوم الجمعۃ عرفۃ حجۃ الوداع (روح المعانی ۹۰/۶/۴)
{۴۱} ابن کثیر ۲/ ۲۰

پر غلبہ عطا فرمایا ہے۔{۴۲}

"واتممت علیکم نعمتی" (میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی) قرآن جس کے نزول کا آغاز غارِ حراء سے ہوا تھا اس کا پورا ہو جانا "اتمامِ نعمت" ہے علاوہ ازیں، فتح مکہ، اسلام کا غلبہ اور جاہلیت کا خاتمہ ان سب کو "اتمامِ نعمت" میں شامل کیا جا سکتا ہے۔{۴۳}

"ورضیت لکم الاسلام دینا" اب اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جس پر چلنے سے اللہ کی رضا حاصل ہو سکتی ہے، یہودیت اور نصرانیت میں اللہ کی رضا نہیں ہے۔

"فمن اضطر" وہ چیزیں جو حرام کی گئی ہیں، اضطرار کی حالت میں ان کا کھانا جائز ہے، جب ایسی صورت ہو کہ موت یا حرام میں سے کسی ایک کے انتخاب کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہ ہو تو اس وقت اسلام صرف ضرورت اور جان بچانے کی حد تک حرام کھانے کی اجازت دیتا ہے لیکن اس وقت بھی یہ شرط ہے کہ ایک تو دل کی رغبت سے نہ کھائے اور دوسرے سدِ رمق سے سرِ مو تجاوز نہ کرے۔

حکمت وہدایت

۱...... مردار اور ہر وہ جانور جسے شرعی طریقے سے ذبح نہ کیا جائے اس کا کھانا حرام ہے۔(۳)

۲...... بہتا ہوا خون اور خنزیر بھی حرام ہے۔(۳)

۳...... وہ جانور جسے غیر اللہ کے تقرب اور رضا کے لیے ذبح کیا جائے اس کا کھانا جائز نہیں، اگرچہ ذبح کرتے وقت اللہ ہی کا نام کیوں نہ لیا گیا ہو۔(۳)

۴...... آستانوں، قبروں اور مزاروں پر ذبح کرنا مشرکین کا طریقہ ہے۔(۳)

۵...... وہ حیوان جو زخمی ہو یا اس کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو یا وہ بیماری کی وجہ سے موت کے کنارے جا لگا ہو، اگر اس میں زندگی کی رمق باقی ہو تو ذبح کر لینے سے اس کا گوشت کھانا جائز ہوگا۔(۳)

۶...... بدفالی، جوا بازی، نجوم پرستی، لوٹا گھمانا اور ہر قسم کی توہم پرستی حرام ہے البتہ محض اطمینان کے لیے قرعہ اندازی،

{۴۲} بالنصر والاظهار على الاديان كلها أو بالتنصيص على قواعد العقائد والتوقيف على اصول الشرائع وقوانين الاجتهاد (بيضاوى ۲۹۴/۲) وعن ابن عباس ان المعنى اليوم اكملت لكم حدودى وفرائضى وحلالى وحرامى بتنزيل ماانزلت وبيان مابينت لكم فلازيادة فى ذلك ولانقصان منه بالنسخ (روح المعانى ۹۰/۶/۴)

{۴۳} واتمام النعمة بفتح مكة ودخولها آمنين ظاهرين وهدم منار الجاهلية ومناسكها۔(روح المعانى ۹۱/۶/۴)

استخارہ اور بغیر اہتمام کے نیک فالی جائز ہے......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو استخارہ کی تاکید فرماتے تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلمنا الاستخارۃ کما یعلمنا السورۃ من القرآن[۴۴]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں استخارہ کی تعلیم یوں دیتے تھے جیسے کہ ہمیں قرآن کی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔

استخارہ کا مقصد یہ ہے کہ انسان صرف ظاہری وسائل پر نظر نہ رکھے بلکہ تمام معاملات میں اللہ کی مدد طلب کرے اور کوئی بھی کام کرنے سے پہلے عبادت اور دعا کا اہتمام ضرور کرے......استخارہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جب تک کوئی الہام اور اشارہ نہ ہو اس وقت تک وہ کام ہی نہ کرے۔

۷......اللہ سے ڈرنا واجب ہے اور کفار سے ڈرنا حرام ہے۔(۳) یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ ''خشیۃ'' ایسے خوف کو کہا جاتا ہے جس میں تعظیم ملی ہوئی ہو[۴۵] گویا اللہ تعالیٰ کا خوف معاذ اللہ کسی خطرناک اور نقصان دینے والی چیز کا خوف نہیں بلکہ ایسی ذات کا خوف یہ جس کی محبت اور عظمت انسان کے دل میں ہے اور وہ ہر ایسے کام سے بچتا ہے جو اس کے محبوب کی ناراضگی کا سبب بن جائے۔

۸......ایسا کامل دین جو ہر زمان اور ہر مکان کی ضروریات پوری کر سکتا ہے وہ صرف اسلام ہے، اسی لیے اکمالِ دین کی خبر کو بہت بڑی بشارت قرار دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ جب بعض یہود نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زبان سے یہ آیتِ کریمہ سنی تو ان کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے ''لو نزلت ھذہ الآیۃ علینا لاتخذنا یومھا عیدا'' (اگر یہ آیت ہمارے اوپر نازل ہوتی تو ہم اس کے نزول کا جشنِ عید منایا کرتے) تو آپ نے فرمایا جس دن یہ آیت نازل ہوئی اس دن ہماری دو عیدیں تھیں، یومِ عید بھی تھا اور جمعہ بھی،[۴۶] اسی طرح کا جواب امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی یہود کو دیا تھا،[۴۷] دونوں حضرات کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے جشن اور ہماری عیدیں تاریخی واقعات کے تابع نہیں بلکہ ہماری نظر مقاصد پر ہوتی ہے۔ اسی لیے مسلمان نہ تو بڑی شخصیات کے یومِ ولادت کا جشن مناتے ہیں اور نہ ہی یومِ وفات پر سوگ مناتے ہیں

{۴۴}صحیح بخاری باب التہجد
{۴۵}الخشیۃ خوف یشوبہ تعظیم واکثر مایکون ذلک عن علم بمایخشی منہ ولذلک خص العلماء بھافی قولہ "انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء" (المفردات ۱۴۹)
{۴۶}صحیح بخاری، ۲/۶۶۲
{۴۷}ابن کثیر ۲/۲۱

اگر وہ ایسا کرنے لگیں تو سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں سے کوئی دن بھی خالی نہ جائے اس لیے کہ ایک لاکھ سے زائد انبیاء کرام علیہم السلام اور ڈیڑھ لاکھ سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ بھی بے شمار اولیاء، شہداء اور علماء بھی ان کی تاریخ میں ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں، دوسری شخصیات سے قطع نظر خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کو دیکھا جائے تو آپ کی زندگی کے ہر دن میں کوئی نہ کوئی ایسا کارنامہ نظر آتا ہے جس کا جشن منانے کو دل چاہتا ہے مگر پہلی صدیوں کے مسلمانوں نے نہ تو کبھی عید میلاد النبی منائی اور نہ ہی کسی دوسرے جشن کا انعقاد کیا۔

۹......دینِ اسلام چونکہ ہر اعتبار سے کامل ہے اس لیے دین میں بدعت نکالنا اور خلافِ شریعت قانون سازی حرام ہے۔ (۳)

۱۰......اسلام اور پیغمبر اسلام کے بعد نہ کسی دین کی ضرورت ہے نہ کسی نئے نبی کی (۳) (سابقہ ادیان اور نبوتیں بھی منسوخ ہو چکیں)۔

۱۱......زندگی بچانے کے لیے حرام کھانا جائز ہے لیکن یہ اجازت دو شرطوں کے ساتھ مقید ہے ایک یہ کہ اس کے کھانے سے مقصد صرف دفع ضرر ہو، دوسرے یہ کہ سدِ رمق سے تجاوز نہ کرے۔ (۳)

طیّبات کی حلّت اور کتابیات کے ساتھ نکاح

﴿۴......۵﴾

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز ان کے لئے حلال ہے کہہ دے تم کو حلال ہیں ستھری چیزیں اور جو سدھاؤ شکاری جانور شکار پر دوڑانے کو

تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا

کہ ان کو سکھاتے ہو اسمیں سے جو اللہ نے تم کو سکھایا ہے سو کھاؤ اس میں سے جو پکڑ رکھیں تمہارے واسطے اور اللہ کا نام لو اس پر اور ڈرتے رہو

اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۴ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ

اللہ سے بیشک اللہ جلد لینے والا ہے حساب آج حلال ہوئیں تم کو سب ستھری چیزیں اور اہل کتاب کا کھانا تم کو حلال ہے

لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

اور تمہارا کھانا ان کو حلال ہے اور حلال ہیں تم کو پاک دامن عورتیں مسلمان اور پاک دامن عورتیں ان میں سے جن کو دی گئی کتاب

مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ

تم سے پہلے، جب دو ان کو، مہران کے، قید میں لانے کو، نہ مستی نکالنے کو، اور نہ چھپی آشنائی کرنے کو، اور جو

يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ؗ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۵

منکر ہوا ایمان سے، تو ضائع ہوئی محنت اسکی، اور آخرت میں وہ، ٹوٹے والوں میں ہے

تسہیل: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ ان کے لیے کون کون سی چیزیں حلال ہیں، آپ فرما دیجیے کہ پاکیزہ اور لذیذ چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں اسی طرح وہ شکار بھی تمہارے لیے حلال ہے جو تمہارے سدھائے اور چھوڑے ہوئے شکاری جانوروں نے پکڑا ہو جنہیں تم نے اس انداز میں شکار کرنا سکھایا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں شکار کے آداب کی تعلیم دی ہے تو یوں سدھائے ہوئے جانوروں کا ایسا شکار تمہیں کھانے کی اجازت ہے جو وہ تمہارے لیے پکڑ رکھیں لیکن شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت اللہ کا نام ضرور لے لیا کرو اور ہر معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ○ پھر سن لو کہ آج تمہارے لیے ساری پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں، اور اہلِ کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے، یونہی مسلمان پاکدامن عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں اور اہلِ کتاب کی پاکدامن عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ تم انہیں ان کا مہر ادا کر دو اور تمہارا مقصد انہیں قیدِ نکاح میں لا کر عفت کا حصول ہونا چاہیے، علانیہ بدکاری کرنے یا خفیہ دوستی لگانے کی کسی طور اجازت نہیں اور جو شخص ایمان لانے کی چیزوں کا انکار کرے گا اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا ○

﴿۴﴾ شانِ نزول

حضرت عدی بن حاتم اور حضرت زید بن مہلہل رضی اللہ عنہما نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول ہم لوگ کتوں

تحقیق: "طیبت" طیب کی جمع نے اصل میں طیب کی جمع نے اصل میں طیب اس چیز کو کہتے ہیں جو نفس اور حواس کو لذیذ محسوس ہو اور اصطلاحِ شریعت میں طیب اس چیز کو کہا جاتا ہے جسے جائز طور پر جائز مقدار میں جائز مقام سے حاصل کیا گیا ہو۔ {۴۸}

"جوارح" جارحہ کی جمع ہے، زخمی کرنے اور کسب و کمائی کے معنی میں آتا ہے ہر شکاری جانور کو کہا جاتا ہے۔

"مکلبین" مکلب کی جمع ہے اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں، کتے کو سکھانے والا اور شکار پر جھپٹنے والا، شکار پر چھوڑنے کا معنی بھی کیا جاتا ہے۔

{۴۸} واحل الطیب ماتتلذہ الحواس و ماتستلذہ النفس (المفردات /۳۰۸)

اور باز کے ذریعے شکار کرتے ہیں، ہمارے کتے نیل گائے، وحشی گدھے اور ہرن پکڑ لیتے ہیں ان میں سے بعض جانوروں کو ذبح کرنے کا موقع ہمیں مل جاتا ہے اور بعض کو وہ ہلاک کردیتے ہیں جس کی وجہ سے ہم انہیں ذبح نہیں کر پاتے جبکہ اللہ تعالیٰ نے مردار کو حرام کر دیا ہے تو ہمارے لیے کیا حلال ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی[49] یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ عیسائیت میں حصولِ کمال کے لیے لذیذ اور پاکیزہ چیزوں سے اجتناب کو بھی ضروری سمجھا جاتا تھا اور بسا اوقات نفس کشی کے لیے سڑی ہوئی غذائیں استعمال کی جاتی تھیں اور انتہائی تکلیف دہ اعمال کیے جاتے تھے علاوہ ازیں زمانہء جاہلیت میں بہت ساری پاک چیزوں کو حرام اور خبیث چیزوں کو حلال ٹھہرا لیا گیا تھا، افراط وتفریط کے اس ماحول میں قرآن نے اعلان کیا کہ طیبات (پاکیزہ چیزیں) ہر کسی کے لیے حلال ہیں اور خبائث (گندی چیزیں) سب کے لیے حرام ہیں۔ وہ تمام چیزیں خبائث میں شامل ہیں جن سے ذوقِ سلیم نفرت کرے اور جن سے شریعت نے منع کیا ہو، مینڈک، سانپ، بچھو اور مگرمچھ وغیرہ کو "خبائث" میں اس لیے شامل کیا جاتا ہے کیونکہ طبعِ سلیم ان سے نفرت کرتی ہے اور مردار یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کو اس لیے حرام کہا جاتا ہے کیونکہ شریعت نے اس کے کھانے سے منع کیا ہے۔

"وما علّمتم من الجوارح" جیسا کہ اوپر شانِ نزول میں بیان ہوا ہے کہ ہر شکار کو ذبح کرنا ممکن نہیں ہوتا تھا اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کے حلال ہونے کے بارے میں شک ہوا اور انہوں نے اس بارے میں سوال کیا تو انہیں جواب دیا گیا کہ تمہارے سدھائے ہوئے شکاری جانوروں کا شکار چند شرائط کے ساتھ حلال ہے (اور یہ شرائط قرآن کریم کے الفاظ ہی سے سمجھ آتی ہیں)۔

حلت کی شرائط

ا۔ شکاری جانور کو خواہ وہ پرندہ ہو یا درندہ، وحشی ہو یا گھریلو، ایک خاص انداز میں شکار کی تعلیم اور تربیت دی گئی ہو، غیر تربیت یافتہ جانور کا شکار حلال نہیں ہوگا، جانور کا تربیت یافتہ ہونا دو باتوں سے ظاہر ہوگا اوّل یہ کہ وہ مالک کی بات سمجھنے بھی لگے اور ماننے بھی لگے، مالک اگر اسے شکار پر چھوڑے تو وہ جھپٹ پڑے اور روکے تو رُک جائے، دوسرا یہ کہ وہ شکار کا گوشت خود نہ کھائے بلکہ مالک کے لیے روک لے، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ پہلی شرط باز کے لیے ہے اور دوسری کتے کے لیے ہے۔

{٤٩} ذکرہ الواحدی ٣٨٤ عن سعید بن جبیر بلاسند وذکرہ السیوطی فی الدر ٢/٤٥٩۔ فقال اخرجہ ابن ابی حاتم عن سعید بن جبیر (بحوالہ قرطبی ٦/٦٤)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا اگر شکاری جانور شکار میں سے کچھ کھا لے تو پھر تم نہ کھانا کیونکہ اس نے تمہارے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے شکار کیا ہے۔ {۵۰}

۲۔تم نے شکاری جانور کو خود شکار کے پیچھے چھوڑا گیا ہو وہ خود بخود اس کے تعاقب میں نہ گیا ہو، یہ شرط ''مکلبین'' کے لفظ سے سمجھ آتی ہے جس کا ایک معنی شکار پر چھوڑنے کا بھی ہے۔ {۵۱}

۳۔شکاری جانور، شکار کا گوشت خود نہ کھائے بلکہ پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے، اگر وہ شکار ہلاک بھی ہو چکا ہو تو بھی اس کا کھانا جائز ہوگا۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ اگر میرا شکاری جانور شکار کو قتل کردے تو کیا اس کا کھانا حلال ہوگا؟ آپ نے فرمایا ''وان قتل ولم یاکل منہ شیأ فانما امسکہ علیک'' {۵۲}
(ہاں اگر چہ وہ اسے ہلاک کردے بشرطیکہ اس نے اسے خود نہ کھایا ہو کیونکہ اس نے تمہارے لیے ہی شکار کیا ہے)

۴۔جانور کو شکار پر چھوڑتے ہوئے یا تیر چلاتے ہوئے بسم اللہ پڑھی جائے۔

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کے ایک سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا ''جس جانور کو تم نے اپنی کمان سے شکار کیا ہو یا جسے تربیت یافتہ کتے کے ذریعہ شکار کیا ہو اور اس پر اللہ کا نام بھی لیا ہو تو اسے کھالو'' {۵۳}

۵۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ''جوارح'' کے لفظ سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شکار کا زخمی ہونا بھی ضروری ہے، اگر شکاری جانور نے شکار کا گلہ دبا کر یا اس پر وزن ڈال کر اسے ہلاک کردیا تو اس کا کھانا جائز نہیں ہوگا۔ {۵۴}

''واتقوا اللہ'' جواب اس سوال کا دیا جارہا تھا کہ کون سی چیزیں اور کون سے جانوروں کا شکار حلال ہے اور جواب کے اختتام پر حکم دیا جارہا ہے اللہ سے ڈرنے اور اخروی محاسبہ کا مراقبہ کرنے کا اور یہی وہ دو چیزیں ہیں جو انسان کو حلال اور حرام کی حدود کا خیال رکھنے پر مجبور کردیتی ہیں یہاں تک کہ انتہائی خواہش اور مجبوری کے باوجود وہ لقمہ حرام

{۵۰}صحیح بخاری باب الصید ۸۲۲/۲
{۵۱}وقیل معناہ مضرین علی الصید کماتضری الکلاب (قرطبی ۶۵/۶)
{۵۲}مسند احمد
{۵۳}صحیح بخاری کتاب الذبائح والصید...... باب صید القوس ۸۲۳/۲
{۵۴}وقیل فی الجوارح انہا ماتجرح بناب اومخلب قال محمد فی الزیادات اذاصدم الکلب الصید ولم یجرحہ فمات لم یؤکل لانہ لم یجرح بناب اومخلب (احکام القرآن للجصاص ۳۱۳/۲)

اپنے پیٹ میں نہیں جانے دیتا، قرآن کا یہی اسلوب اسے دوسری کتابوں سے ممتاز کرتا ہے، اس میں قوانین کے بیان کے ضمن میں وعظ وارشاد بھی چلتا رہتا ہے اور تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بیان بھی ہوتا ہے۔

﴿۵﴾ آج یعنی حجۃ الوداع ۱۰ھ یوم عرفہ کو تمہارے لیے ساری پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں، اب ان کی حلّت قیامت تک باقی رہے گی اور کوئی نئی شریعت اسے منسوخ نہیں کر سکے گی۔

"وطعام الذین" اہلِ کتاب کا کھانا یعنی ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے......

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس آیت میں "طعام" سے مراد ذبیحہ ہے۔[۵۵] کیونکہ ذبیحہ کے علاوہ کھانے پینے کی جو دوسری چیزیں ہیں ان سب کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ انہیں جائز طریقہ سے حاصل کیا گیا ہو خواہ وہ کسی مشرک کی ملکیت میں ہوں یا مجوسی اور ملحد کی ملکیت میں ہوں۔ البتہ جن کھانوں کی تیاری میں کفار کے برتن یا ہاتھ استعمال ہوئے ہوں ان کے کھانے میں احتیاط کرنی چاہیے کیونکہ وہ پاکی ناپاکی کا خیال نہیں رکھتے، یہی حکم ان کے برتنوں کا ہے کہ اوّل تو انہیں استعمال ہی نہ کیا جائے اور اگر مجبوری ہو تو دھو کر اور پاک کر کے انہیں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ ہم اہلِ کتاب کی سرزمین میں رہتے ہیں کیا ہمارے لیے ان کے برتنوں کا استعمال جائز ہے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"فان وجدتم غیرھا فلاتاکلوا فیھا وان لم تجدوا فاغسلوھا وکلوفیھا"[۵۶]

(اگر تمہیں ان کے برتنوں کے علاوہ کوئی برتن دستیاب ہو جائیں تو ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ اور اگر مجبوری ہو تو پھر انہیں دھو کر استعمال کر سکتے ہو)۔

"والمحصنت" جیسے اہلِ کتاب کا ذبیحہ حلال ہے اسی طرح ان کی عورتوں سے نکاح کرنا بھی تمہارے لیے جائز ہے تمہارا مقصد نکاح کے ذریعہ عفت اور پاکدامنی کا حصول ہونا چاہیے، خفیہ دوستی لگانا اور زنا اور بدکاری کسی حالت میں بھی جائز نہیں۔

{۵۵} روح المعانی ۹۶/۶/۴
{۵۶} صحیح بخاری ۸۲۳/۲

حلّت کی وجہ

اہلِ کتاب کا ذبیحہ حلال ہونے اوران کی عورتوں کے ساتھ نکاح کے جواز کی بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان دو مسئلوں میں یہودیت اور نصرانیت کی تعلیمات بھی اسلام کے بالکل مطابق ہیں چنانچہ ان کے مذہب میں بھی ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا ضروری ہے اور اس کے بغیر وہ جانور کو حرام اور مردار قرار دیتے ہیں۔ بائبل کا عہد نامہ قدیم جو موجودہ زمانہ کے یہود و نصاریٰ دونوں کے نزدیک مسلّم ہے، اس میں ذبیحہ کے متعلق درج ذیل احکام ہیں۔

(۱) جو جانور خود بخود مر گیا ہو اور جس کو درندوں نے پھاڑا ہو ان کی چربی کام میں لاؤ تو لاؤ، تم اسے کسی حال میں نہ کھانا (احبار۔۲۴)

(۲) پر گوشت کو تو اپنے سب پھاٹکوں کے اندر اپنے دل کی رغبت اور خداوند اپنے دی ہوئی برکت کے موافق ذبح کر کے کھا سکے گا...... لیکن تم خون کو بالکل نہ پینا (استثناء۔۱۲۔۱۵)

(۳) تم بتوں کی قربانیوں کے گوشت اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کرو (عہد نامہ جدید کتاب اعمال ۱۵۔۲۹)

(۴) عیسائیوں کا سب سے بڑا پیشوا پولس کرنتھیون کے نام پہلے خط میں لکھتا ہے کہ جو قربانی غیر قومیں کرتی ہیں، شیاطین کے لیے قربانی کرتی ہیں، نہ کہ خدا کے لیے اور میں نہیں چاہتا کہ تم شیاطین کے شریک ہو۔ تم خداوند کے پیالے اور شیاطین کے پیالے دونوں میں سے نہیں پی سکتے۔ (کرنتھیون ۱۰۔۲۰۔۲۰)

(۵) کتابِ اعمال حوارین میں ہے۔ ہم نے یہ فیصلہ کر کے لکھا تھا کہ وہ صرف بتوں کی قربانی کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔ (اعمال ۲۱۔۲۵)

یہ تورات و انجیل کی وہ تصریحات ہیں جو آج کل کی بائبل سوسائٹیوں نے چھاپی ہوئی ہیں، جن میں سینکڑوں تحریفات و ترمیمات کے بعد قرآن کریم کے احکام کے مطابق یہ چیزیں باقی ہیں۔ {۵۷}

اسی طرح نکاح کا معاملہ بھی ہے کہ جن عورتوں سے اسلام میں نکاح حرام ہے ان کے مذہب میں بھی حرام ہے اور جس طرح اسلام میں نکاح کا اعلان اور گواہوں کا ہونا ضروری ہے اسی طرح ان کے مذہب میں بھی ضروری ہے۔ بائبل میں محرمات کی ایک طویل فہرست دی گئی ہے اور ان میں اکثر وہی ہیں جن کو قرآن نے حرام کیا ہے یہاں تک کہ

{۵۷} معارف القرآن ۳/۵۵

دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنے اور حالتِ حیض میں صحبت کے حرام ہونے کی بھی صراحت کی گئی ہے۔

خلاصہ یہ کہ ان دو مسئلوں میں اہلِ کتاب کا مذہب، اسلامی تعلیمات کے مطابق ہونے کی وجہ سے ان کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو حلال کہا گیا ہے، نیز اس میں تالیفِ قلبی کا جو پہلو پایا جاتا ہے وہ بھی مخفی نہیں، ممکن ہے ان کی عورتیں سچے مسلمانوں کے نکاح میں آکر اسلام ہی قبول کرلیں۔ آج جب کہ عورتوں کے متأثر ہونے کے بجائے مردوں کے متأثر ہونے کا اندیشہ زیادہ ہے اور ایسے واقعات کثرت سے پیش آتے رہتے ہیں کہ بعض مرد آوارہ اور بے مذہب عورتوں کے پیچھے لگ کر اپنا خاندان، برادری، والدین، بھائی بہن اور مذہب تک چھوڑ دیتے ہیں تو ان حالات میں محتاط علماء یہود و نصاریٰ کی خواتین کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کرتے ہیں، اکثر صحابہ اور تابعین بھی مذہبی، سماجی اور معاشرتی مفاسد کی بناء پر اسے مکروہ سمجھتے تھے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے جب مدائن میں ایک یہودی عورت سے نکاح کرلیا تو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں خط لکھا کہ اسے طلاق دے دو، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ کیا وہ میرے لیے حرام ہے، آپ نے فرمایا میں حرام نہیں کہتا لیکن ان لوگوں کی عورتوں میں عام طور پر عفت اور پاکدامنی نہیں ہوتی {۵۸} اس لیے مجھے اندیشہ ہے کہ مسلمان گھرانوں میں بھی بدکاری کو در آنے کا راستہ مل جائے۔

اہلِ کتاب

یہاں یہ بات بھی جان لیجیے کہ شریعت کی اصطلاح میں اہلِ کتاب ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو کسی آسمانی کتاب کے ماننے والے ہوں اور جس کے کتابِ الٰہی ہونے کی تصدیق قرآن سے ہو چکی ہو، اس اصول کی روشنی میں یہود و نصاریٰ کو تو اہلِ کتاب شمار کیا جاتا ہے لیکن دنیا کی دوسری بہت ساری اقوام جو اپنے پیشواؤں کو نبی، ان کی تعلیمات کو الہامی اور ان کے فرمودات کے مجموعہ کو آسمانی کتاب قرار دیتے ہیں جیسے مجوس، ہندو، بدھ، آریہ اور سکھ وغیرہ تو ہم ان میں سے کسی کو بھی اہلِ کتاب میں شامل نہیں کرسکتے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی ایسا مذہب نہیں جس کے پیشوا کے نبی ہونے اور ان کی کتاب کے آسمانی ہونے کی قرآن نے تصدیق کی ہو۔

موجودہ بگڑے ہوئے حالات میں ایک اور سوال بھی اٹھتا ہے وہ یہ کہ بے شمار یہودی اور عیسائی ایسے ہیں جن کی زندگیوں میں اصلی تورات اور انجیل کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی بلکہ اس کے برعکس ان کا ایمان ایسی تورات اور انجیل

{۵۸} احکام القرآن للجصاص ۳۲٤/۲

پر ہے جن کے اندر اَن گنت تحریفات ہو چکی ہیں، پھر انجیل کے ماننے والوں کا حال یہ ہے کہ ان کی اکثریت حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہا السلام کو خدا کا شریک قرار دیتی ہے، تو کیا ان بداعمالیوں اور فاسد عقائد کے باوجود انہیں اہلِ کتاب سمجھا جائے گا؟ تو اس سوال کا جواب محقق اہلِ علم نے یہ دیا ہے کہ چونکہ رب تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ان کی فکری اور عملی گمراہیوں اور تحریفات کے تذکرہ کے باوجود انہیں اہل کتاب ہی قرار دیا ہے اس لیے ہم بھی انہیں اہل کتاب ہی شمار کریں گے۔ اور ان کا ذبیحہ حلال ہوگا یہاں تک کہ اگر وہ عمداً تسمیہ چھوڑ دیں یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کریں تو بھی بعض علماء ان کے ذبیحہ کو حلال قرار دیتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً اہل کتاب کے ذبیحہ کو حلال کہا ہے خواہ وہ اپنے مذہب پر عمل کرنے والے خواص ہوں یا بگڑے ہوئے عوام، عوام کی غلطی کو خود ساختہ ہی کہا جائے گا، اس کی نسبت ان کے مذہب کی طرف نہیں کی جائے گی لیکن دوسرے علماء اس قسم کے ذبیحہ کو حرام کہتے ہیں {۵۹}، بہت سے صحابہ کرام اور احناف کا مذہب بھی یہی ہے۔ {۶۰}

البتہ ایسے لوگ جو مردم شماری کے اعتبار سے تو یہودی اور عیسائی کہلاتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ ملحد اور دہریے ہیں جو نہ خدا کے وجود کے قائل ہیں اور نہ ہی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سمیت کسی کو نبی اور رسول تسلیم کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کو نہ تو اہلِ کتاب قرار دیا جائے گا، نہ ہی ان کا ذبیحہ حلال ہوگا اور نہ ہی ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہوگا، جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجھہ سے منقول ہے کہ انہوں نے بنو تغلب کے نصاریٰ کے بارے میں فرمایا تھا کہ میں انہیں نصرانی تسلیم نہیں کرتا کیونکہ ان کے پاس شراب نوشی کے سوا نصرانیوں والی کوئی بات بھی نہیں۔ {۶۱}

"ومن یکفر بالایمان" آخر میں رب تعالیٰ نے اپنے احکام کی مخالفت سے ڈرایا ہے اور حلال کے احکام پر عمل کرنے کی ترغیب دی ہے، فرمایا گیا کہ جو شخص ایمان کے اصول اور فروع کا انکار کرے گا اس کے اعمال کا ثواب ضائع ہو جائے گا اور وہ دنیا اور آخرت میں خسارہ میں ہوگا۔

حکمت وہدایت

۱......جن شرعی مسائل کا علم نہ ہو ان کے بارے میں اہلِ علم سے سوال کر لینا چاہیے۔ (۴)

۲......اسلام نے ایسی تمام چیزوں کو حلال قرار دیا ہے جن کی طرف طبع سلیم کا میلان ہوتا ہے۔ (۴)

{۵۹} واختلف العلماء فی حل ذبیحۃ الیہودی والنصرانی اذا ذکر علیہا اسم غیر اللہ تعالیٰ (روح المعانی ٤/٦/٩٧)

{۶۰} وذھب الی ان الکتابی اذا لم یذکر اللہ علی الذبیحۃ وبہ قال ابوحنیفۃ وابو یوسف ومحمد وزفر ومالک (بحر محیط ٤/٤٣١)

{۶۱} روح المعانی ٤/٦/٩٦

۳......لذیذ اور قیمتی غذاؤں کا استعمال تقوی اور کمال کے منافی نہیں۔(۴)

۴......سدھائے ہوئے شکاری پرندوں اور جانوروں کے ذریعے شکار کرنا جائز ہے بشرطیکہ انہیں شکار پر چھوڑتے وقت اللہ کا نام لے لیا جائے۔(۴)

۵......تعلیم اور تربیت کی وجہ سے اگر حیوانوں کو دوسرے حیوانوں پر فضیلت حاصل ہوتی ہے تو انسانوں کو کیوں نہیں حاصل ہوتی۔لیکن یہ فضیلت تب ہوگی جب علم کے مطابق عمل بھی کیا جائے۔

۶......تربیت یافتہ کتا بھوک اور خواہش کے باوجود محض مالک کی رضا کے لیے اپنے ہاتھوں کیے ہوئے شکار کی ایک بوٹی بھی نہیں کھاتا......کیا انسان بھی اپنے مالک کی رضا اور عدم رضا کا اتنا ہی خیال رکھتا ہے۔

۷......اگر شکاری جانور نے شکار کو زخمی کر دیا ہو تو اس کا کھانا جائز ہوگا اور اگر اس کا گلا دبا کر یا اپنے وزن سے اسے مار دیا تو کھانا جائز نہیں ہوگا۔(۴)

۸......اگر شکاری کتے کے ساتھ کوئی دوسرا کتا بھی شکار میں شامل ہو گیا اور دونوں نے مل کر شکار کو ہلاک کر دیا تو اس کا کھانا جائز نہیں ہوگا۔

۹......کسی بھی دھاری دار چیز سے کیا گیا شکار حلال ہوگا۔

۱۰......شکاری کتوں کو رکھنا اور انہیں تربیت دینا جائز ہے...... یونہی حدیث میں حفاظت کے لیے بھی کتا رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔

۱۱......اہلِ کتاب کا ذبیحہ مسلمانوں کے لیے حلال ہے(۵) یونہی ان سے میوہ جات وغیرہ لے کر بھی کھانا جائز ہے لیکن وہ کھانے جن کی تیاری میں ان کے ہاتھ اور برتن استعمال ہوئے ہوں ان کے کھانے سے بچنا ہی بہتر ہے۔

۱۲......کفار کے برتن اور کپڑے وغیرہ دھو کر استعمال کرنا جائز ہے۔

۱۳......مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے ذبیحہ کا گوشت یا دوسرے کھانے کفار کو کھلائیں{۶۲} یہ مسئلہ اس قدر واضح ہے کہ بظاہر اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن نکاح اور طعام میں فرق بتانے کے لیے اسے صراحۃً ذکر کیا گیا ہے، طعام کی حلّت طرفین سے ہے جبکہ نکاح کی حلّت یکطرفہ ہے، اہلِ کتاب کی عورتوں سے مسلمان مردوں کا نکاح تو جائز ہے مگر مسلمان خواتین سے اہلِ کتاب کے مردوں کا نکاح جائز نہیں۔{۶۳}

{٦٢}والمعنى لاجناح عليكم ايها المؤمنون ان تطعموا اهل الكتاب من طعامكم (روح المعانى ٤/٦/٩٧)

{٦٣}فالفائدة فى ذلك اباحة المناكحة غير حاصلة فى الجانبين واباحة الذبائح كانت حاصلة فى الجانبين، لاجرم ذكر الله تعالىٰ ذلك تنبيها على التمييز بين النوعين (التفسير الكبير ٤/٢٩٤)

۱۴......اگر کفار مسلمانوں سے کھانا یا دوسری اشیاء خریدیں تو ان کا دیا ہوا ثمن مسلمانوں کے لیے حلال ہوگا۔

۱۵......اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز تو ہے لیکن اس سے بچے رہنا بہتر ہے۔

۱۶......مسلمان کو چاہیے کہ عقدِ نکاح کے لیے پاکدامن اور شریف عورت کا انتخاب کرے۔(۵)

۱۷......عورتوں سے خفیہ تعلقات، دوستیاں اور نکاحِ متعہ حرام ہے۔(۵)

۱۸......معاصی، انسان کو بسا اوقات کفر تک پہنچا دیتے ہیں۔(۵)

۱۹......جو شخص ایمان کے اصول اور فروع کا انکار کرے اس کے اعمال باطل ہو جاتے ہیں۔(۵)

۲۰......حقیقی خسارے والا وہ ہے جس کے اعمال کی پونجی ضائع ہو جائے۔(۵)

وضوء، غسل، تیمّم اور ذکرِ نعمتِ الٰہی

﴿۶......۷﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ

اے — ایمان والو — جب تم اٹھو — نماز کو — تو دھو لو — اپنے منہ — اور ہاتھ — کہنیوں تک

وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ

اور مل لو اپنے سر کو — اور پاؤں — ٹخنوں تک — اور اگر تم کو جنابت ہو تو خوب طرح پاک ہو — اور اگر تم — بیمار ہو

أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا

یا — سفر میں — یا کوئی تم میں — آیا ہے — جائے ضرور سے — یا پاس گئے ہو — عورتوں کے پھر نہ پاؤ تم — پانی — تو قصد کرو

صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ ۚ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَٰكِنْ

مٹی پاک کا — اور مل لو — اپنے منہ — اور ہاتھ اس سے — اللہ نہیں چاہتا — کہ تم پر — تنگی کرے — و لیکن

يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٦﴾ وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ

چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے — اور پورا کرے اپنا احسان تم پر — تاکہ تم — احسان مانو — اور یاد کرو — احسان اللہ کا اپنے اوپر

وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ

اور عہد اس کا — جو — تم سے ٹھہرایا تھا — جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا — اور مانا — اور ڈرتے رہو اللہ سے — اللہ خوب جانتا ہے

بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٧﴾

دلوں کی بات

ربط: بندے اور رب کے درمیان دو عہد ہیں، عہدِ ربوبیت اور عہدِ طاعت، اس سے قبل اللہ تعالیٰ نے جو حلال اور حرام کے احکام بیان فرمائے ہیں ان کا تعلق عہدِ ربوبیت سے تھا اور یہاں عہدِ طاعت کا بیان ہے اس لیے کہ ایمان کے بعد سب سے اہم طاعت نماز ہے اور نماز طہارت کے بغیر صحیح نہیں ہوتی اس لیے وضو، غسل اور تیمم کا حکم دیا جارہا ہے۔

تسہیل: اے ایمان والو! جب تمہارا نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو اپنے چہرے اور کہنیوں سمیت ہاتھ دھولیا کرو، سر کا مسح کرلیا کرو، اور ٹخنوں تک پاؤں دھولیا کرو، اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کرکے اپنا بدن پاک کرلیا کرو، اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے ہوکر آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے صحبت کی ہو پھر ان ساری صورتوں میں تمہیں وضو اور غسل کے لیے پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی لے کر اپنے چہروں اور ہاتھوں کا تیمم کرلیا کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تنگی اور مشکل پیدا نہیں کرنا چاہتا بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ تمہیں ہر طرح کی گندگیوں سے پاک کردے اور اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کردے تاکہ تم اللہ کا شکر ادا کرتے رہو O اور اے ایمان والو! تمہارے اوپر اللہ کا جو خاص انعام ہے اسے بھی یاد رکھو اور اس عہد کو بھی جو اس نے تم سے لیا تھا جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے اللہ کا حکم سن لیا اور ہم اس کی اطاعت بھی کریں گے، ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ دلوں کے مخفی خیالات تک سے بھی واقف ہے O

﴿۶﴾ شانِ نزول

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (غزوہ مریسیع کے موقع پر جبکہ) ہم مدینہ میں داخل ہونے والے تھے، بیداء کے مقام پر میرا ہار ٹوٹ کر گر گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اتر پڑے اور میری گود میں سر رکھ کر آرام فرمانے لگے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو وہ آئے اور انہوں نے سختی سے میرے سینے میں اپنا ہاتھ چبھویا اور فرمایا تو نے اپنے ہار کی خاطر سب لوگوں کو روک رکھا ہے، فرماتی ہیں مجھے موت جیسی تکلیف محسوس ہوئی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمارہے تھے اور میرے والد مجھے سرزنش فرمارہے تھے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوگئے اور صبح کی نماز کا وقت بھی ہوگیا، وضو کے لیے پانی تلاش کیا گیا مگر پانی نہ مل سکا اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔

یاایھاالذین آمنوا اذاقمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم الخ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سُن کر فرمایا، اے آل ابی بکر! اللہ تمہاری وجہ سے لوگوں کو برکت دیتا ہے، تم تو لوگوں کے لیے سراپا برکت ہو۔{۶۴}

اے ایمان والو اگر تمہارا نماز پڑھنے کا ارادہ ہو اور تم بے وضو ہو تو تمہارے اوپر وضو کرنا لازم ہے کیونکہ بغیر وضو کے نماز صحیح نہیں ہوتی اور اگر پہلے سے تم باوضو ہو تو دوبارہ وضو کرنا مستحب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو پر وضو کو نور علی نور قرار دیا ہے۔{۶۵}

اس آیت کریمہ میں وضو کے چار فرائض بیان کیے گئے ہیں: تین اعضاء کا دھونا فرض ہے یعنی پورا چہرہ، دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت اور دونوں پاؤں ٹخنوں کے ساتھ اور چوتھے عضو یعنی سر کا مسح ضروری ہے لیکن احناف کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح فرض ہے اور پورے سر کا مسح مستحب ہے اس لیے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو پیشانی (جتنے حصہ) پر مسح کیا۔{۶۶}

اگر پیروں میں موزے پہنے ہوں تو مقیم کو ایک دن اور رات اور مسافر کو تین دن تک ان پر مسح کرنے کی اجازت ہے اور اگر پیر ننگے ہوں تو ایڑیوں کو دھونے کا خاص طور پر اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کو جہنم کی وعید سنائی ہے جن کی ایڑیاں خشک رہ جاتی ہیں۔

"وان کنتم جنبا" جنابت کی وجہ سے غسل فرض ہو جاتا ہے اور جنابت کے سبب دو ہیں: پہلا یہ کہ احتلام یا جماع کی وجہ سے منی خارج ہو جائے، دوسرا یہ کہ میاں بیوی کی شرمگاہیں آپس میں مل جائیں، یونہی حیض اور نفاس کے خون کا سلسلہ منقطع ہونے کے بعد عورت پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔

اگر پانی موجود ہو اور اس کے استعمال کرنے کی قدرت بھی ہو تو وضو اور غسل کے لیے پانی کا استعمال فرض ہے اور اگر پانی دستیاب نہ ہو سکے یا اس کے استعمال کرنے سے کسی شدید بیماری کا خطرہ ہو تو پھر تیمم کیا جا سکتا ہے، تیمم، وضوء کا بدل ہے لیکن تیمم صرف چہرے اور دونوں ہاتھوں کا کیا جائے گا، سر اور پاؤں کا تیمم نہیں ہے۔

"مایرید اللہ" پانی کے استعمال کی قدرت نہ ہونے کی صورت میں تیمم کی اجازت اس لیے دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت کے سارے احکام اور مسائل میں بندوں کے لیے آسانی اور نفع رسانی کو ملحوظ رکھا ہے اور اس کا کوئی

{٦٤}صحیح بخاری ٢/٦٦٣

{٦٥}رواہ رزین (التفسیر المنیر ٦/١٠٢)

{٦٦}رواہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ مسلم فی الطھارہ (ترمذی فی الطھارہ باب ٢٤)

حکم بھی ایسا نہیں جس میں تنگی یا معاذ اللہ نقصان کا کوئی پہلو پایا جاتا ہو، اس نے وضوء اور تیمم کا جو حکم دیا ہے تو اس میں کھلی آنکھوں سے نظر آنے والی حکمت یہ ہے کہ وہ بندے کو مادی اور معنوی دونوں اعتبار سے گندگی سے پاک کرنا چاہتا ہے، تیمم سے بظاہر صفائی کا مقصد پورا نہیں ہوتا لیکن بندہ شعوری اعتبار سے اپنے آپ کو پاک محسوس کرتا ہے، اگر کہیں سے یہ ثابت ہو جائے کہ مٹی بھی مختلف جراثیم کو ہلاک کرتی ہے تو کم از کم اس کم علم کو تو کوئی تعجب نہیں ہوگا کیونکہ اسے یقین ہے کہ رب کریم کے احکام میں روحانی اور اخروی فوائد کے ساتھ ساتھ جسمانی اور دنیاوی فوائد بھی ہوتے ہیں۔

جب بندہ وضوء اور تیمم کے ذریعہ ظاہری اعتبار سے بھی پاک ہو جاتا ہے اور دل میں بھی طہارت کے اثرات محسوس کرتا ہے تو پاک ذات کے سامنے کھڑے ہونے کا لطف ہی کچھ اور ہوتا ہے۔

"ولیتم نعمته" اللہ نے طہارت کا حکم اس لیے بھی دیا ہے کہ وہ بندے کو پاک کرنا چاہتا ہے اور اس لیے بھی دیا ہے تاکہ بدن اور روح دونوں کی طہارت کو جمع کر کے اپنی نعمت کی تکمیل کر دے۔ اس سے بڑا منعم کون ہو سکتا ہے جس نے بدنی اور روحانی دونوں قسم کی طہارت کے حصول کے یقینی طریقے بتائے ہیں۔

"ولعلکم تشکرون" جب صاحبِ شعور انسان کو اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کا احساس ہوتا ہے تو وہ ہمیشہ ادائیگی شکر میں لگا رہتا ہے۔

﴿۷﴾ اللہ تعالیٰ نے ان احکام ہی کی صورت میں تم پر اپنا انعام نہیں کیا بلکہ اس کی نعمتیں تمہارے اوپر بے شمار ہیں[۶۷] اور نعمتیں بھی ایسی ہیں جو اللہ کے سوا کوئی دوسرا دے بھی نہیں سکتا۔[۶۸] زندگی، صحت، عقل، ہدایت، آفات سے حفاظت، توفیقِ عمل، اسلام، ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔

"ومیثاقه" اے مومنو! تمہیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھی یاد کرتے رہو اور اس معاہدہ کو بھی فراموش نہ کرو جو تم نے اللہ کے ساتھ کیا تھا، اس سے مراد وہ معاہدہ بھی ہو سکتا ہے جو عالمِ ارواح میں تمام انسانوں سے لیا گیا تھا[۶۹] اور وہ معاہدہ بھی ہو سکتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ سے لیا تھا کہ وہ ہر حال میں سمع و اطاعت سے کام لیں گے[۷۰] اور وہ اجمالی معاہدہ بھی ہو سکتا ہے جو ہر مسلمان، کلمہ کی صورت میں تعمیلِ احکام کے بارے میں کرتا

{۶۷}وھی نعمة الاسلام، أو الاعم علی ارادة الجنس (روح المعانی ۱۲۱/۶/۴)

{۶۸}فجنس نعمة اللّٰہ جنس لایقدر علیه غیر اللّٰہ (التفسیر الکبیر ۳۱۹/۴)

{۶۹}ھو المیثاق الذی اخذہ اللّٰہ تعالیٰ منھم حین اخرجھم من ظھر آدم علیه السلام (التفسیر الکبیر ۳۱۹/۴)

{۷۰}بیضاوی ۳۰۲/۲

ہے،[۷۱] کلمہ پڑھنے والا انسان حقیقت میں ”سمعنا و اطعنا“ ہی کہتا ہے یعنی اللہ اور اس کا رسول جو کچھ کہیں گے وہ محبت اور عظمت کے ساتھ سنوں گا اور دل و جان سے اس کی اطاعت کروں گا۔

”واتقوا اللہ“ عہد شکنی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

”علیم بذات الصدور“[۷۲] علانیہ عہد شکنی تو رہی ایک طرف، اس کے علم کا حال تو یہ ہے کہ اگر تمہارے دل میں بھی عہد شکنی اور مخالفت کا خیال آئے گا تو وہ اسے بھی جان لے گا۔

حکمت و ہدایت

۱......نماز کی صحت کے لیے طہارت شرط ہے۔(۶)

۲......حدیثِ اصغر (چھوٹی ناپاکی) سے پاک ہونے کے لیے وضو اور حدثِ اکبر (بڑی ناپاکی یعنی جنابت) سے پاک ہونے کے لیے غسل ضروری ہے۔

۳......احناف کے نزدیک وضوء کے فرائض صرف چار ہیں باقی جتنی چیزیں ہیں مثلاً پورے سر کا مسح، ہر عضو کو تین دفعہ دھونا، انگلیوں میں خلال کرنا اور نیت وغیرہ تو ان میں سے کوئی سنت ہے اور کوئی مستحب۔

۴......پانی نہ ہونے کی صورت میں حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر دونوں میں تیمم کیا جاسکتا ہے۔(۶)

۵......صرف حدث ہی کی صورت میں طہارت واجب ہوتی ہے لیکن طہارت کے باوجود دوبارہ وضوء یا غسل کر لینا مستحب ہے۔

۶......اہلسنت والجماعت کا متفقہ موقف ہے کہ وضوء میں پیروں کا دھونا ضروری ہے البتہ موزوں کی صورت میں ان پر مسح کیا جاسکتا ہے......اہلِ تشیّع کہتے ہیں کہ ننگے پیروں پر بھی مسح کیا جائے گا۔[۷۳]

۷......شریعت کے ہر حکم میں آسانی اور بندوں کا فائدہ پوشیدہ ہے۔(۶)

۸......ظاہر اور باطن دونوں کا پاک ہو جانا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔(۶)

۹......شکرِ نعمت کی علت ہے......اللہ تعالیٰ انعام اس لیے کرتا ہے تاکہ بندے اس کا شکر ادا کریں۔(۶)

۱۰......اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرتے رہنا واجب ہے، خصوصاً ایسی نعمتیں جو اللہ کے سوا کسی اور سے حاصل ہی نہیں ہوسکتیں۔(۷)

۱۱......وعدوں کو یاد رکھنے سے ان کی ادائیگی کی توفیق ملتی ہے۔(۷)

{۷۱}قبل المیثاق اقرار کل مؤمن بما التمر به (بحر محیط)

{۷۲}فماظنکم بجلیات الاعمال (تفسیر ابی سعود ۲/۲۴۳)

{۷۳}ومن اوجب من الشیعة مسحها کما یمسح الخف فقد ضل واضل و کذامن جوز مسحهما و جوز غسلهما فقد اخطأ ایضا (ابن کثیر ۲/۳۸)

شہادتِ عدل، وعدہ وعید اور تذکیرِ نعمت

﴿۸......۱۱﴾

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِٱلْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ
اے ایمان والو کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز

أَلَّا تَعْدِلُوا۟ ۚ ٱعْدِلُوا۟ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾
نہ چھوڑو عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو

وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ ۙ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٩﴾ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَ
وعدہ کیا اللہ نے ایمان والوں سے اور جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کے واسطے بخشش اور بڑا ثواب ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور

كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَآ أُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلْجَحِيمِ ﴿١٠﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَتَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ
جھٹلائیں ہماری آیتیں وہ ہیں دوزخ والے اے ایمان والو یاد رکھو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب قصد کیا

قَوْمٌ أَن يَبْسُطُوٓا۟ إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
لوگوں نے کہ تم پر ہاتھ چلاویں پھر روک دیے تم سے ان کے ہاتھ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ ہی پر چاہیے بھروسہ

ٱلْمُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾
ایمان والوں کو

ربط: سورت کی ابتداء میں ایفاء عہد کا حکم تھا اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کے جو عہد ہیں وہ دو قسم کے ہیں، عہدِ ربوبیت اور عہدِ طاعت، گذشتہ آیات کی طرح ان آیات کا تعلق بھی عہدِ طاعت سے ہے، اللہ تعالیٰ نے جو احکام بھی دیئے ہیں خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے ہو ان کی طاعت واجب ہے۔

تسہیل: اے ایمان والو! اللہ کی رضا کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے ہمیشہ مستعد رہو اور کسی کی دشمنی تمہیں عدل کا دامن چھوڑنے پر آمادہ نہ کرے، ہر معاملہ میں عدل کرتے رہو، یہی تقویٰ کے قریب تر ہے، اللہ سے ڈرتے رہو، یاد رکھو، اللہ تمہارے سارے اعمال سے باخبر ہے ○ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے کہ ان کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے ○ اور جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا وہی لوگ دوزخ والے ہیں ○ اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو جب ایک قوم نے تم پر دست درازی کا ارادہ کر لیا تھا لیکن اللہ نے ان کے ہاتھ کو تمہاری طرف بڑھنے سے روک دیا اللہ سے ڈرتے رہو اور

اللہ ہی پر ایمان والوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے O

﴿تفسیر﴾

﴿۸﴾ اے ایمان والو! شہرت اور دکھاوے کے لیے نہیں بلکہ صرف اللہ کے لیے سچائی اور انصاف کی گواہی دینے کے لیے مستعد رہو۔

للّٰہیت کا جذبہ ہی ایک ایسی سوچ ہے جس کی وجہ سے انسان کو ایسی بلندی عطا ہوتی ہے جہاں وہ عدل کے معاملہ میں دوست اور دشمن کے درمیان فرق ختم کر دیتا ہے، یہ دین عالمی دین ہے اور یہ امت پوری انسانیت کی نگران ہے اس لیے انہیں حکم دیا گیا کہ انصاف کے علاوہ ہر سوچ ترک کر دیں کیونکہ انصاف کے بغیر ملک اور شہر اور یہ دنیا باقی نہیں رہ سکتی...... انصاف صرف اللہ کے لیے اور ہر کسی کے ساتھ، اگر چہ انصاف چاہنے والے وہ لوگ ہوں جنہوں نے ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے ہوں اور ان کے دلوں میں نفرت اور دشمنی بھری ہوئی ہو۔ جس ماحول میں یہ حکم نازل ہوا تھا اس وقت تو یہ تعجب انگیز تھا ہی دورِ جدید کی جاہلیت اور اس میں بسنے والے نام نہاد مدعیانِ عدل کے لیے بھی یہ حکم عجوبہ سے کم نہیں۔ جن جمہوری اور غیر جمہوری ملکوں اور قوموں کے عدل کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے، ان کا عدل قومیت ملک اور رنگ ونسل کے دائروں سے باہر نہیں نکلتا۔ دورِ حاضر کے دجّال جمہوریت، حریت، حقوق، آزادیٔ رائے اور انصاف کے جو نعرے لگاتے ہیں ان کے مفاہیم ان کی جھوٹی اغراض اور مفادات کے تابع ہیں۔ عدلِ کامل کی تعلیم دین اسلام کی امتیازی خصوصیت ہے اور یہی چیز اسے پوری انسانیت کا دین بناتی ہے۔

''ایک اور اہم بات بھی یہاں جاننا ضروری ہے، وہ یہ کہ لفظِ شہادت اور گواہی کا جو مفہوم آج کل عرفِ عام میں مشہور ہو گیا ہے وہ تو صرف مقدمات وخصوصیات میں کسی حاکم کے سامنے گواہی دینے کے لئے مخصوص سمجھا جاتا ہے مگر قرآن وسنت کی اصطلاح میں لفظِ شہادت اس سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ مثلاً کسی بیمار کو ڈاکٹری سرٹیفکیٹ دینا کہ یہ ڈیوٹی ادا کرنے کے قابل نہیں یا نوکری کے قابل نہیں۔ یہ بھی ایک شہادت ہے۔ اگر اس میں واقعہ کے خلاف لکھا گیا تو وہ جھوٹی شہادت ہو کر گناہ کبیرہ ہو گیا۔

اسی طرح امتحانات میں طلباء کے پرچوں پر نمبر لگانا بھی ایک شہادت ہے اگر جان بوجھ کر یا بے پروائی سے نمبروں میں کمی بیشی کر دی تو یہ بھی جھوٹی شہادت اور حرام اور سخت گناہ ہے۔

کامیاب ہونے والے فارغ التحصیل علماء کو سند یا سرٹیفکیٹ دینا اس کی شہادت ہے کہ وہ متعلقہ کام کی اہلیت

وصلاحیت رکھتا ہے۔ اگر وہ شخص واقع میں ایسا نہیں ہے تو اس سرٹیفکیٹ یا سند پر دستخط کرنے والے سب کے سب شہادتِ کاذبہ کے مجرم ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح اسمبلیوں اور کونسلوں وغیرہ کے انتخاب میں کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی ایک شہادت ہے۔ جس میں ووٹ دہندہ کی طرف سے اس کی گواہی ہے کہ ہمارے نزدیک یہ شخص اپنی استعداد اور قابلیت کے اعتبار سے بھی اور دیانت وامانت کے اعتبار سے بھی قومی نمائندہ بننے کے قابل ہے" {۷۴}

﴿۹﴾ بہر صورت عدل پر قائم رہنے اور سچی گواہی کا حکم دینے کے بعد فرمایا کہ انسان دو جماعتوں میں تقسیم ہیں ایک جماعت وہ ہے جو ایمان کے نور سے منور ہے اور اسے نیک اعمال کی توفیق بھی حاصل ہے، انہی نیک اعمال میں سے ایک سچی گواہی اور عدل وانصاف بھی ہے۔

﴿۱۰﴾ دوسری جماعت وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں اور کتابوں کے ساتھ کفر کرتی اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتی ہے...... پہلی جماعت کے لیے مغفرت اور جنت اور دوسری جماعت کے لیے لعنت اور جہنم اللہ کے عدل ہی کا تقاضا ہے۔

﴿۱۱﴾ یہ آیت بھی اوپر کی آیات سے مربوط ہے، بتایا یہ جارہا ہے کہ اگر تم حق وعدل پر قائم رہو گے تو تمہیں اللہ کی مدد اور نصرت حاصل ہوگی اور دشمن اور مخالف تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے...... فرمایا اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ دشمن کی قوت اور کثرت اور ساری تدبیروں کے باوجود اس نے کیسے اپنے نبی کی اور تمہاری حفاظت کی، دشمن کی یہ تدبیریں اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا یہ واقعہ کب رونما ہوا تھا؟

اگر سیرتِ نبوی کا مطالعہ کیا جائے تو اس کی تائید میں کوئی ایک واقعہ نہیں بلکہ کئی واقعات پیش کیے جاسکتے ہیں۔

جب ایک اعرابی آپ کو اکیلا پا کر تلوار سونت کر سر پر کھڑا ہو گیا تھا اور اس نے سوال کیا تھا **من یمنعک** (آپ کو میرے شر سے کون بچائے گا) آپ نے پورے اطمینان کے ساتھ جواب دیا تھا "اللہ" اور یہ سن کر اس کے ہاتھوں سے تلوار گر پڑی تھی اس اعرابی کا نام کسی نے غورث بن حارث اور کسی نے حادثۃ الحاربی بتایا ہے۔ {۷۵}

یہود نے بھی کئی بار نبوت کے سراجِ منیر کو گل کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں ذلت اور ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ {۷۶}

{۷٤} معارف القرآن از مفتی محمد شفیع صاحب نوراللہ مرقدہ ۳۵/۷۰۔۷۱
{۷۵} قرطبی ٦/١١٠
{۷٦} ابن کثیر ۲/٤٥

قریش فتح مکہ تک اہلِ ایمان کا نام ونشان تک مٹا دینے کی جو مذموم کوششیں کرتے رہے وہ بھی کسی سے مخفی نہیں۔اسی طرح کی ایک کوشش انہوں نے اس وقت بھی کی تھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ عسفان کے مقام پر نمازِ ظہر پڑھ رہے تھے،{۷۷} لیکن انہیں ہر بار ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

"واتقوا اللہ" اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں شمار کرنے کے ساتھ ساتھ تقوی اور توکل کا حکم دیتا ہے کیونکہ اس کی نعمتوں کو یاد رکھنے سے دل میں تقوی اور توکل پیدا ہو ہی جاتا ہے۔

حکمت وہدایت

۱......مسلمان کو چاہیے کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کے سارے احکام پر عمل کرنے کے لیے مستعد رہے۔(۸)

۲......قول اور قضاء میں گواہی اور عمل میں، امتحانی نمبرات، ووٹ اور سرٹیفکیٹ جاری کرنے میں غرضیکہ ہر ہر معاملہ میں عدل واجب ہے خواہ معاملہ اپنوں کے ساتھ ہو یا غیروں اور دشمنوں کے ساتھ۔(۸)

عدل اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، وہ عادلِ مطلق ہے، یہ پوری کائنات، انسان کی تخلیق اور شرعی احکام اس کے عدل کے گواہ ہیں، وہ عدل کو اور عدل والوں کو پسند کرتا ہے اور ان کی مدد کرتا ہے۔امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں کہ ظلم کا انجام برا اور عدل کا انجام اچھا ہوتا ہے، اسی لیے ایک روایت میں آیا ہے کہ اللہ عادل حکومت کی مدد کرتا ہے اگر چہ وہ کافر ہو اور ظالم سلطنت کی مدد نہیں کرتا اگر چہ وہ مومن ہو"۔{۷۸}

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ وہ انسان کی فطرت میں عدل، اس کی محبت اور حق اور ایثار کا جذبہ رکھ دے{۷۹} امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ توحید اور عدل ساری صفاتِ کمال کا خلاصہ ہیں{۸۰}......افسوس اور صد افسوس کہ آج پورے عالمِ اسلام کی زبان پر تو، توحید اور عدل کے بڑے چرچے ہیں لیکن عملی زندگی میں ان کی کوئی مؤثر جھلک دکھائی نہیں دیتی۔

۳......حق اور عدل پر قائم رہنے کا جو حکم یہاں دیا گیا ہے یہی حکم سورہ نساء میں بھی دیا گیا تھا، الفاظ بھی تقریباً ملتے جلتے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ نساء میں "کونوا قوامین بالقسط شھداء اللہ" فرمایا تھا اور یہاں "کونوا

{۷۷}اخرجه مسلم وغيره من حديث جابرؓ (روح المعانی ۴/۶/۱۲۴)
{۷۸}الحسبة ۱۶/۱۷۰ بحواله نضرة النعيم ۲۸۱۶/۷
{۷۹}مداواة النفوس /۹۰ بحواله مذكوره
{۸۰}التفسير القيم ۱۷۹

قوامین للہ شھداء بالقسط" ارشاد ہوا ہے، ان دونوں آیتوں میں الفاظ کا تقدم اور تأخر بلاوجہ نہیں ہے بلکہ اس میں ایک خاص حکمت ہے وہ یہ کہ عام طور پر انسان کو عدل وانصاف سے روکنے کے دو سبب ہوا کرتے ہیں، ایک اپنے نفس یا اپنے دوستوں اور عزیزوں کی طرفداری، دوسرے کسی شخص کی دشمنی، سورہ نساء میں پہلے مضمون کو نمایاں کر کے بیان کیا گیا تھا اور سورۂ مائدہ مین دوسرے مضمون کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اسی لیے سورۂ نساء میں مذکورہ الفاظ مبارکہ کے بعد ارشاد ہے "ولو علیٰ انفسکم او الوالدین والاقربین" یعنی اگر بالفرض عدل کے تقاضوں پر عمل کرنے سے تمہاری اپنی ذات، تمہارے والدین اور رشتہ دار بھی متأثر ہوتے ہوں تو بھی تم عدل پر قائم رہو، جبکہ سورۂ مائدہ میں جملہء مذکور کے بعد فرمایا گیا "ولا یجرمنکم شنان قوم علی الاتعدلوا" یعنی کسی قوم کی عداوت یا ناراضگی تمہیں جادۂ عدل سے ہٹانے کا سبب نہ بنے۔{۸۱}

۴......"قوامین" کا لفظ لا کر اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ صرف ایک دو بار عدل کرنے والے کو حقیقۃً عادل نہیں کہا جائے گا بلکہ اس لقب کا مستحق وہ ہے جو ہمیشہ عدل کرے اور ظلم کے قریب بھی نہ پھٹکے۔{۸۲}

۵......کافروں بلکہ ظالموں کے ساتھ بھی ظلم کرنا جائز نہیں (۸) ......ظلم کا بدلہ لینا اور چیز ہے اور ظلم کے جواب میں ظلم کرنا شے دیگر ہے۔

۶...... سچی گواہی دینا واجب ہے (۸) جھوٹی گواہی بہرصورت حرام ہے اور ضرورت کے مقام پر گواہی کا چھپانا بھی جائز نہیں۔

۷......واعظ اور ناصح کو چاہیے کہ ترغیب کے ساتھ ترھیب کا مضمون بھی بیان کرے۔

۸......جہنم میں دائمی داخلہ صرف کفار کا ہوگا۔ (۱۰)

۹......دشمنوں کے عزائم اور تدبیروں سے حفاظت اللہ تعالیٰ کے بڑے انعامات میں سے ہے۔ (۱۱)

۱۰......جو لوگ ہر حال میں تقویٰ پر کاربند رہتے ہیں اور جائز اسباب اختیار کرنے کے بعد اللہ پر توکل کرتے ہیں وہی حقیقی مومن ہیں۔ (۱۱)

{۸۱}بحر محیط
{۸۲}وعن الراغب انہ سبحانہ نبہ بلفظ القوّامین علی ان مراعاۃ العدالۃ مرۃ اومرتین لاتکفی بل بحسب ان تکون علی الدوام فالامور الدینیۃ لااعتبار بھامالم تکن مستمرۃ دائمۃ ومن عدل مرۃ اومرتین لایکون فی الحقیقۃ عادلا ای لاینبغی ان یطلق فیہ ذلک (روح المعانی ۴/۵/۲۴۵)

یہود ونصاریٰ کی عہد شکنی

﴿۱۲.....۱۴﴾

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ

اور لے چکا ہے اللہ عہد بنی اسرائیل سے اور مقرر کیے ہم نے ان میں بارہ سردار اور کہا اللہ نے

اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ

میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم قایم رکھو گے نماز اور دیتے رہو گے زکوٰۃ اور یقین لاؤ گے میرے رسولوں پر اور مدد کرو گے انکی

وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اور قرض دو گے اللہ کو اچھی طرح کا قرض تو البتہ دور کردونگا میں تم سے گناہ تمہارے اور داخل کرونگا تم کو باغوں میں کہ جن کے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا

نیچے بہتی ہیں نہریں پھر جو کوئی کافر ہوا تم میں سے اس کے بعد تو وہ بیشک گمراہ ہوا سیدھے راستہ سے سو ان کے

نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ

عہد توڑنے پر ہم نے ان پر لعنت کی اور کردیا ہم نے ان کے دلوں کو سخت پھیرتے ہیں کلام کو اس کے ٹھکانے سے

وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَآىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ

اور بھول گئے نفع اٹھانا اس نصیحت سے جو ان کو کی گئی تھی اور ہمیشہ تو مطلع ہوتا رہتا ہے ان کی کسی دغا پر مگر تھوڑے لوگ ان میں سے

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا

سو معاف کر اور درگذر کر ان سے اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو اور وہ جو کہتے ہیں اپنے کو نصاریٰ ان سے بھی لیا تھا

مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ

ہم نے عہد ان کا پھر بھول گئے نفع اٹھانا اس نصیحت سے جو ان کو کی گئی تھی پھر ہم نے لگادی آپس میں انکے دشمنی اور کینہ قیامت کے دن تک

وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور آخر جتادے گا ان کو اللہ جو کچھ کرتے تھے

ربط: مسلمانوں کو سمجھایا جارہا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے تم سے عہد و پیمان لیا یونہی یہود و نصاریٰ سے بھی لیا تھا مگر انہوں نے عہد شکنی کی وجہ سے وہ لعنت کے مستحق ٹھہرے، تمہیں چاہیے کہ ان کے انجام بد سے عبرت حاصل کرو۔

تسہیل: اللہ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا اور اس عہد کی یاد دہانی کے لیے ان میں بارہ سردار مقرر کر دیئے تھے

اوران سے کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے نماز کی پابندی کی، زکوٰۃ ادا کرتے رہے، میرے رسولوں کو مانا، ان کی مدد کرتے رہے، اور تم نے اللہ کو اچھا قرض دیا تو میں یقیناً تمہیں گناہوں سے پاک کردوں گا اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کردوں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی مگر تم میں سے جس شخص نے اس عہد و پیمان کے بعد کفر کا راستہ اختیار کیا تو وہ راہِ راست سے بہت دور جا پڑا○ بنی اسرائیل نے اس عہد کی پاسداری نہ کی چنانچہ ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے محروم کردیا اور ان کے دل سخت کردیئے جس کی وجہ سے ان کا یہ حال ہوگیا ہے کہ وہ اللہ کے کلام میں تحریف کرکے کچھ کا کچھ بنادیتے ہیں، انہیں جو نصیحتیں کی گئی تھیں ان میں سے اکثر کو بھلا چکے ہیں، تمہیں آئے دن ان کی کسی نہ کسی خیانت کا علم ہوتا رہتا ہے، ان میں سے چند ایک کے سوا کوئی بھی ان برائیوں سے بچا ہوا نہیں ہے لیکن ان کی نازیبا حرکتوں کے باوجود آپ انہیں معاف کردیجیے اور ان سے درگذر کرتے رہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے○ یونہی ہم نے ان لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا تھا جو نصاریٰ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ان کو بھی جو کچھ سمجھایا گیا تھا اس کا اکثر حصّہ انہوں نے فراموش کردیا چنانچہ ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے بغض و عداوت کا بیج ڈال دیا اور وہ وقت بہت قریب ہے جب اللہ انہیں بتلا دے گا کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں○

﴿تفسیر﴾

﴿۱۲﴾ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے تورات پر عمل کرنے کا عہد لیا تھا انہوں نے اس عہد کو قبول کرلیا تھا، موجودہ تورات میں بھی اس عہد کا تذکرہ موجود ہے، اسی طرح انہیں حکم دیا گیا کہ وہ اپنے بارہ قبائل میں سے ہر ہر قبیلے کا ایک سردار مقرّر کرلیں، یہ سردار اس وقت مقرر کیے گئے جب فرعون کی غلامی سے نجات کے بعد بنی اسرائیل کو بیت المقدس کی طرف چلنے کا حکم دیا گیا، اس وقت وہاں کنعانیوں کا غلبہ تھا آپ نے ان بارہ نقیبوں کو حالات کی تفتیش اور تحقیق کے لیے ارضِ مقدسہ میں بھیجا اور ساتھ ہی تاکید بھی کردی کہ جو کچھ وہاں دیکھو وہ صرف مجھے ہی بتانا کسی اور کو خبر نہ ہونے دینا لیکن ان میں سے دو نقیبوں کے سوا باقی سب نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کنعانیوں کے جسمانی ڈیل ڈول اور قوت و شوکت کو بیان کیا، جسے سن کر سب ہمت ہار بیٹھے اور انہوں نے ارض مقدسہ میں داخل ہونے اور جہاد کرنے سے انکار کردیا (اس واقعہ کی تفصیل اسی سورہ میں آگے آرہی ہے)۔"

وقال اللہ انی معکم" اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہارے ساتھ ہوں...... اگر عہد و پیمان نبھاؤ گے تو میں تمہارا حامی و ناصر اور محافظ ہوں اور میری معیت یوں بھی ہے کہ تمہاری کوئی حرکت اور کوئی عمل میرے علم سے باہر نہیں، تم دو

ہوتے ہو تو میں تیسرا ہوتا ہوں اور تم پانچ ہوتے ہو تو چھٹا میں ہوتا ہوں۔

"لئن اقمتم الصلوۃ" بنی اسرائیل سے جو عہد لیا گیا تھا اسکی چند اہم اور بنیادی دفعات یہ تھیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، موسیٰ علیہ السلام کے بعد جتنے بھی رسول آئیں ان سب پر ایمان لانا، دین کی دعوت و تبلیغ میں ان کی مدد کرنا اور یہ کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی اللہ کی راہ میں کچھ نہ کچھ خرچ کرتے رہنا۔ صرف زکوٰۃ ادا کر کے کوئی متمول شخص ساری مالی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہو جاتا۔ بعض ایسے مصارف بھی ہیں جہاں زکوٰۃ خرچ ہی نہیں ہوسکتی مثلاً مدارس اور مساجد کی تعمیر، تو جہاں ان کی تعمیر کی شدید ضرورت ہو وہاں غیر زکوٰۃ کا خرچ کرنا واجب ہوگا...... یہاں یہی بات سمجھانے کے لیے ادائیگی زکوٰۃ کا حکم الگ اور قرض حسن کا حکم الگ دیا گیا ہے۔ قرضِ حسن اس مال کو کہا جائے گا جو اللہ کی راہ میں اخلاص اور خوش دلی کے ساتھ خرچ کیا جائے۔

"لاکفرن عنکم" اے بنی اسرائیل اگر تم ان دفعات پر عمل کرو گے تو میں تمہارے گناہوں پر پردہ ڈال دوں گا اور تمہیں جنت میں جگہ دوں گا۔

﴿۱۳﴾ لیکن عہد شکنی یہودیوں کی طبیعت اور فطرت بن چکی تھی اسی لیے انہوں نے اس عہد و پیمان کو توڑ دیا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت اور ہدایت سے دور کر دیا اور ان کے دلوں پر قساوت طاری کر دی، یہ اس قساوت ہی کا نتیجہ ہے کہ ان کے دل نہ تو حق بات قبول کرتے ہیں اور نہ ہی کسی عبرت و نصیحت سے متأثر ہوتے ہیں بلکہ اس کے بجائے وہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں لفظی اور معنوی ہر طرح کی تحریف کرتے ہیں، کبھی تو الفاظ میں تقدیم و تاخیر اور کمی زیادتی کر دیتے ہیں اور کبھی الفاظ کے معانی اپنی خواہشات کے مطابق بیان کرتے ہیں۔

تورات اور انجیل میں تحریف اور ان کے مختلف نسخوں میں تضاد ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار غیر متعصب یہودی اور عیسائی بھی نہیں کر سکتے، ایک عالمی شہرت یافتہ محقق بتاتے ہیں "کچھ عرصہ پہلے کا ذکر ہے، جرمنی کے عیسائی پادریوں نے سوچا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں آرامی زبان جو انجیل تھی وہ تو اب دنیا میں موجود نہیں (قرآن کریم کے سوا کوئی بھی الہامی کتاب اپنی زبانِ نزول میں دنیا میں کہیں بھی نہیں ہے۔ شیخوپوری) اس وقت قدیم ترین انجیل یونانی زبان میں ہے اور یونانی سے ہی ساری زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یونانی مخطوطوں کو جمع کیا جائے اور ان کا آپس میں مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ یونانی زبان میں انجیل کے نسخے جتنے دنیا میں پائے جاتے تھے، کامل ہوں کہ جزئی ان سب کو جمع کیا گیا اور ان کے ایک ایک لفظ کا باہم مقابلہ (Collation) کیا گیا۔ اس کی جو رپورٹ شائع ہوئی اس کے لفظ یہ ہیں "کوئی دو لاکھ اختلافی روایات ملتی ہیں" اس کے بعد یہ جملہ ملتا ہے "ان میں

۸/۱۱ اہم ہیں"۔{۸۳}

"ونسوا حظا" انہیں تورات میں جو احکامات دیئے گئے تھے ان کے ایک بڑے حصّہ پر انہوں نے عمل نہیں کیا، جن میں سے ایک نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم بھی تھا...... عربی زبان میں ترک عمل کو بھی نسیان سے تعبیر کیا جاتا ہے{۸۴}، یہاں پر بھول جانے کا معنی بھی کیا جاسکتا ہے کہ اپنے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے یہود حقیقۃً تورات کا ایک بڑا حصّہ فراموش کر بیٹھے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ "بعض اوقات انسان معصیت کی وجہ سے اپنے علم کا کچھ حصّہ بھول جاتا ہے" یہ فرما کر انہوں نے اپنے قول کی تائید میں یہ آیت پڑھی۔

تورات کے اہم مضامین یہود کے حافظہ سے اتر جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عرصہء دراز تک تورات سے بالکل محروم رہے تھے۔ اصل بات یہ تھی کہ ان کے پاس تورات کا ایک ہی نسخہ تھا جب بابلیوں نے ان پر حملہ کیا۔ ان کے ھیکل کو نذر آتش کر دیا، ان کے گھروں کو اجاڑ دیا، بہت سوں کو تہہ تیغ کر دیا اور باقی کو گرفتار لیا، اسی غارت گری کے دوران تورات کا وہ اکلوتا نسخہ بھی گم ہو گیا اور پھر اس کا نام ونشان نہ مل سکا۔ یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جسے یہود و نصاریٰ کے تمام مؤرخین تسلیم کرتے ہیں۔ پھر جب انہیں سنبھلنے کا موقع ملا تو انہوں نے اپنے بزرگوں کی یادداشتوں اور منتشر تحریروں سے کچھ مضامین تو جمع کر لیے مگر بہت سارا حصّہ وہ بھول گئے۔

آپ آل عمران اور نساء میں یہ آیت کریمہ پڑھ چکے ہیں:

"الم ترا لی الذین اوتوا نصیبا من الکتب"{۸۵} کیا آپ نے ان لوگوں کو جنہیں دیکھا نہیں کتاب کا کچھ حصّہ عطا کیا گیا اور یہاں فرمایا گیا "فنسوا حظا مماذکروا بہ" (انہیں جو احکام دیئے گئے تھے ان کا ایک بڑا حصہ انہوں نے فراموش کر دیا) اگر ان آیات کو آپس میں ملایا جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہود کے پاس پوری تورات موجود نہیں تھی بلکہ اس کا کچھ حصّہ تھا اور یہ دعوٰی ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک بہت بڑا معجزہ ہے اس لیے کہ عرب کے آدمیوں کے تو حاشیہء خیال میں بھی یہ بات کبھی نہیں آ سکتی تھی کہ یہود کے پاس پوری تورات موجود نہیں ہے۔{۸۶}

{۸۳} خطبات بھاولپور /۱۹ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم پیرس۔

{۸۴} "ونسوا حظا" وترکوا نصیبا وافیا (بیضاوی ۳۰۶/۲)

{۸۵} آل عمران:۲۳۔ النساء ۴۴، ۵۱

{۸۶} المنار ۲۳۷/۶

ایک تو ان کے پاس مکمل تورات باقی نہیں رہی تھی، اور جو باقی تھی اس میں بھی وہ لفظی اور معنوی تحریف سے باز نہیں آتے تھے۔

"ولاتزال تطلع علی خائنة"{۸۷} آپ ان کی طرف سے کبھی بھی مطمئن نہ ہوں، کیونکہ وفاء اور امن ان کی فطرت ہی میں نہیں ہے، آپ کے سامنے ہمیشہ ان کی بڑی بڑی شرارتیں اور خیانتیں آتی رہیں گی، الاّ یہ کہ ان میں سے جن کو اللہ تعالیٰ قبولِ ایمان کی توفیق دے دے تو وہ ہر طرح کی خیانت سے بچے رہتے ہیں۔

"فاعف عنهم" ان کی شرارتوں کے باوصف آپ عفو و درگذر کا معاملہ فرماتے رہیں، چنانچہ سیرت نبویہ اس امر کی گواہ ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ان کے ساتھ مصالحت ہی کا رستہ اختیار فرمایا۔ انہیں اہلِ کتاب ہونے کا واسطہ دے کر مشرکین کے مقابلے میں متحد ہونے کی مخلصانہ دعوت دی، مال و جان کا تحفظ بھی دیا، ریاست مدینہ میں معاشی مذہبی اور سماجی آزادی دی لیکن وہ ہمیشہ عہد شکنی، خیانت اور شرارت ہی کی روش پر عمل پیرا رہے اور ان کے تینوں قبیلوں یعنی بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ میں سے کسی ایک نے بھی ایفاءِ عہد اور انسانی مروّت کا ثبوت نہ دیا۔

﴿۱۴﴾ یہود کی عہد شکنی بیان کرنے کے بعد اب نصاریٰ کا حال بیان کیا جا رہا ہے، ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل کرنے کا عہد لیا گیا تھا مگر انہوں نے وعدہ خلافی کی اور اپنے نبی کی تعلیمات کا ایک بڑا حصہ انہوں نے بھی فراموش کر دیا اور ان کے پاس "اناجیلِ اربعه" کے نام سے جو کچھ ہے اس کی تالیف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفعِ آسمانی کے تین سو سال بعد ہوئی ہے اور اس میں بھی صرف حضرت مسیح علیہ السلام کی سیرت ہی کو بیان کیا گیا ہے اور وہ بھی بہت ناقص انداز میں، اس زمانے میں کتابت کا عام رواج تھا نہیں، قرآن کریم کی طرح حفظ کا نہ اہتمام تھا نہ امکان، اب خود سوچیے کہ سینہ بسینہ چلنے والی ان تعلیمات پر تین سو سال میں کیا گذری ہوگی، یہ جو ناقص تعلیمات تھیں یہ بھی ان کی بدعملیوں اور تحریفات کے نتیجے میں کچھ سے کچھ ہو کر رہ گئیں۔

یہ بات بھی مستحضر رہے کہ اناجیلِ اربعہ جنہیں "عہدِ جدید" کہا جاتا ہے، ان اناجیل میں دینِ مسیحی کی بنیاد کتبِ یہود پر رکھی گئی نہیں "عہدِ عتیق یا قدیم" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، بنیاد کا حال تو آپ اوپر پڑھ ہی چکے ہیں اسی پر عمارت کے حال کو بھی قیاس کر لیجیے۔

"فاغرينا بينهم" اللہ تعالیٰ کی کتاب سے اس بے اعتنائی اور ترک و نسیان کی وجہ سے ان کے درمیان قیامت

{۸۷} والتاء للمبالغة (بیضاوی ۲/۳۰۶)

تک کے لیے بغض وعداوت ڈال دیا گیا چنانچہ اب یہود ونصاریٰ کے درمیان بھی مستقل بغض وعناد پایا جاتا ہے اور نصاریٰ کے مختلف فرقوں اور گروہوں میں بھی دائمی اختلافات اور دشمنیاں پائی جاتی ہیں۔{۸۸}

حکمت وہدایت

۱......ہر قبیلے اور جماعت کا الگ امیر اور سردار ہونا چاہیے جس کی سب مان کر چلیں (۱۲) اگر امیر اسی خاندان سے ہوگا تو وہ ان کی نفسیات اور جذبات سے واقف ہونے کی وجہ سے زیادہ بہتر طریقے سے انہیں چلا سکے گا۔

۲......نقباء اور امراء کا تقرر اس امر کی دلیل ہے کہ دینی اور دنیوی معاملات میں خبر واحد بھی حجت ہے۔(۱۲)

۳......دشمنوں کے حالات کی تحقیق کے لیے جاسوس بھیجنا جائز ہے (۱۲) ان بارہ نقباء کی ایک ذمہ داری یہ بھی تھی کہ وہ کنعانیوں کے حالات کی تحقیق کر کے آئیں۔

۴......نماز اور زکوٰۃ جیسی عبادات سابقہ شریعتوں میں بھی فرض تھیں۔(۱۲)

۵......اقامتِ صلوٰۃ، اداءِ زکوٰۃ اور ایمان سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور دخولِ جنت کی امید پیدا ہوتی ہے۔(۱۲)

۶......اللہ کے ہاں وہی انفاق قبول ہوتا ہے جو مالِ حلال سے ہو اور جسے اخلاص اور خوش دلی کے ساتھ کیا جائے...... اسی کو قرضِ حسن کہتے ہیں۔(۱۲)

۷......اللہ کے رسولوں کی تعظیم اور نصرت ہر مسلمان پر واجب ہے۔(۱۲)

۸......یہاں نماز اور زکوٰۃ کا ذکر پہلے آیا ہے اور ایمان بالرسل کا ذکر بعد میں آیا ہے کہ کیونکہ یہودی نجات کے لیے نماز اور زکوٰۃ کو تو ضروری سمجھتے تھے مگر بعض رسولوں کی تکذیب کرتے تھے تو اس ترتیب سے انہیں سمجھا دیا گیا کہ تمام رسولوں پر ایمان لائے بغیر صرف عبادات سے نجات حاصل نہیں ہوگی۔{۸۹}

۹......عہد شکنی کی وجہ سے اللہ کی لعنت برستی ہے اور دل سخت ہو جاتے ہیں۔(۱۳) شاید آج مسلمانوں کے اللہ کی رحمت سے محروم ہونے اور دلوں کے سخت ہو جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے اندر بھی عہد شکنی کی بیماری عام ہو چکی ہے، زبانیں کچے دھاگے سے بھی زیادہ کمزور ہیں، بڑوں بڑوں کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ ہم نے جو قول وقرار کیا تھا اسے پورا کریں حالانکہ وعدہ خلافی کو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کا اور اللہ کے نبی نے منافقوں کا شعار بتایا

{۸۸}فضمیر (بینھم) لھم خاصة، وقیل: لھم وللیھود، ای اعزینا العداوة والبغضاء بین الیھود والنصاری (ابی سعود ۲/۲۵۰)

{۸۹}والالم یکن لاقامة الصلوة وایتاء الزکوة تاثیر فی حصول النجاة بدون الایمان بجمیع الرسل (التفسیر الکبیر ۴/۳۲۴ مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت)

ہے.....لعنت اور قساوتِ قلبی اللہ کا بہت بڑا عذاب ہے، حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ بندے کو جتنی بھی سزائیں دی جاسکتی ہیں ان میں سے سب سے بڑی سزا قساوتِ قلبی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے ناراض ہوجاتا ہے تو ان کے دلوں سے رحم نکال لیتا ہے۔{٩٠}

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "انسانوں میں سے اللہ سے سب سے زیادہ دور وہ شخص ہے جس کا دل سخت ہو"{٩١}

١٠.....خیانت اکثر یہود کا لازمی وصف ہے(١٣) ہر آنے والا دن ان کی کسی نئی خیانت کی خبر اور قرآن کی صداقت کی گواہی دیتا ہے۔

١١.....کمینے شخص کی زیادتی اور اپنی قدرت کے باوجود معاف کردینا نیک لوگوں کی صفت ہے۔(١٣) ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر تو اس صفت کا بڑا ہی غلبہ تھا۔

١٢.....نقضِ عہد، تحریف اور نسیان میں نصاریٰ کا حال بھی یہود جیسا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان دونوں گروہوں نے ایک ہی گھاٹ سے پانی پی رکھا ہے، لہٰذا نہ تو ان کی شر انگیزی اور مسلم دشمنی پر تعجب ہونا چاہیے اور نہ ہی ان پر اعتماد کرنا چاہیے۔(١٤)

مقاصدِ قرآن

(١٥......١٦)

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ

اے کتاب والو تحقیق آیا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا ظاہر کرتا ہے تم پر بہت سی چیزیں جن کو تم چھپاتے تھے کتاب میں سے

وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ

اور درگذر کرتا ہے بہت چیزوں سے بیشک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی جس سے اللہ ہدایت کرتا ہے اس کو جو تابع ہوا

رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى

اسکی رضا کا سلامتی کی راہیں اور ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی میں اپنے حکم سے اور ان کو چلاتا ہے

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾

سیدھی راہ

{٩٠} تفسیر القرطبی

{٩١} ترمذی

ربط: گذشتہ آیات میں بنی اسرائیل سے عہد لینے کا ذکر تھا جس کی مختلف دفعات میں سے ایک دفع یہ بھی تھی کہ تم میرے سارے رسولوں پر ایمان لاؤ گے، یہاں انہیں سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے عظیم ترین معجزہ قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی جارہی ہے۔

تسہیل: اے اہلِ کتاب تمہارے پاس ہمارا وہ رسول آچکا ہے جو کتابِ الٰہی کے ان بہت سارے مضامین کو کھول کر بیان کرتا ہے جو تم چھپاتے رہے ہو اور بہت سی باتوں کو نظر انداز بھی کر دیتا ہے، تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور وہ واضح کتاب آچکی ہے ○ جس کے ذریعہ اللہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستوں پر چلنے کی توفیق دیتا ہے جو اس کی رضا کے متلاشی ہوتے ہیں، اور اپنے فضل سے انہیں کفر کی تاریکیوں سے ایمان کی روشنی کی طرف نکالتا ہے اور راہِ راست کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے ○

﴿تفسیر﴾

﴿۱۵﴾ یہاں خطاب یہود و نصاریٰ دونوں سے ہے [۹۲] اور وہ خوب جانتے تھے کہ تورات اور انجیل میں بیان کردہ کتنے ہی حقائق تھے جو انہوں نے تاویل، تحریف اور تبدیل کے پردوں میں چھپا رکھے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے واضح فرما دیا لیکن چونکہ اظہارِ حق ہی مقصد تھا، انہیں ذلیل اور رسوا کرنا مقصود نہیں تھا [۹۳] اس لیے ان کی ہر تحریف اور ہر اخفاء کو ظاہر نہیں کیا گیا بلکہ صرف ایسی باتوں کو ظاہر کیا گیا جن کے ظاہر کرنے میں دین کا کوئی فائدہ تھا۔

﴿۱۶﴾ اللہ تعالیٰ کی جانب سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں رحمت کا نور اور قرآن کی شکل میں ہدایت کا دستور آچکا ہے لیکن ہدایت انہیں ملے گی جن کے دل میں اس کی سچی طلب ہوگی اور وہ اس کے حصول کے لیے کوشش بھی کریں گے۔

حکمت و ہدایت

۱...... ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے، [۹۴] آپ کے نور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہدایت کا نور اور سراج منیر تھے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ اپنی اصلیت کے اعتبار سے بشر نہیں بلکہ نور تھے، آپ کی بشریت کا انکار قرآن اور حدیث کے متعدد نصوص کا انکار ہے، آپ کا بشر ہونا عالمِ بشریت کے لیے وجہِ افتخار ہے۔

{۹۲} التفات الی خطاب الفریقین (ابی سعود ۲/ ۲۵۰)
{۹۳} اذالم تدع الیہ داعیۃ دینیۃ صیانۃ لکم عن زیادۃ الافتضاح (ابی سعود ۲/ ۲۵۰)
{۹۴} المراد بالنور محمد، وبالکتاب القرآن (روح المعانی ۴/ ۳۲۷)

۲......یہ جو فرمایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے مضامین نظر انداز کردیتے ہیں تو حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اس حوالے سے فرماتے ہیں کہ ''اس سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ عداوت میں بھی محض شفاءِ غیظ نفسانی (ذاتی غصے کو ٹھنڈا کرنے) کا قصد نہیں کرتے، یعنی جب اس میں مصلحتِ دینی نہ ہو تو غیظ پر عمل نہیں کرتے''{۹۵}

۳......اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب ہے، جنت کی طلب اس کے تابع ہے۔(۱۶)

۴......قرآن کریم کے مقاصد اور فوائد تین ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلبگار کو سلامتی کا راستہ دکھاتا ہے۔

(۲) اہلِ ایمان کو کفر کی ساری تاریکیوں سے نکال کر توحیدِ خالص کے نور تک لے جاتا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے قریب ترین راستہ کی رہنمائی کرتا ہے۔

یہود ونصاریٰ کے غلط نظریات

﴿۱۷......۱۹﴾

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا

بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا تو کہہ دے پھر کس کا بس چل سکتا ہے اللہ کے آگے

اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ

اگر وہ چاہے کہ ہلاک کرے مسیح مریم کے بیٹے کو اور اس کی ماں کو اور جتنے لوگ ہیں زمین میں سب کو اور اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَقَالَتِ

آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ درمیان ان دونوں کے پیدا کرتا ہے جو چاہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور کہتے ہیں

الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ ۭ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۭ

یہود اور نصاریٰ ہم بیٹے ہیں اللہ کے اور اس کے پیارے تو کہہ پھر کیوں عذاب کرتا ہے تم کو تمہارے گناہوں پر ف

بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ

کوئی نہیں بلکہ تم بھی ایک آدمی ہو اس کی مخلوق میں ف بخشے جس کو چاہے اور عذاب کرے جس کو چاہے ف اور اللہ ہی کیلئے ہے سلطنت

{۹۵}بیان القرآن ۱/۶/۱۴

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۱۸ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ
آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ دونوں کے بیچ میں ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اے کتاب والو آیا ہے تمہارے پاس

رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ
رسول ہمارا کھولتا ہے تم پر رسولوں کے انقطاع کے بعد کبھی تم کہنے لگو کہ ہمارے پاس نہ آیا کوئی خوشی یا ڈر

وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۹
سنانے والا سو آچکا تمہارے پاس خوشی اور ڈر سنانے والا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

تسہیل: وہ لوگ یقیناً کافر ہیں جن کا نظریہ یہ ہے کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہے، آپ ان سے پوچھیے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم، اس کی والدہ اور تمام زمین والوں کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کرلے تو کون ہے جو اسے اپنے فیصلے پر عمل کرنے سے روک سکتا ہے؟ آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے ان سب کا مالک صرف اللہ ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے O یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں، آپ ان سے سوال کیجیے کہ اگر واقعی ایسا ہے تو پھر وہ تمہیں تمہاری بداعمالیوں کی سزا کیوں دیتا ہے؟ بلکہ تم بھی اس کے پیدا کیے ہوئے دوسرے انسانوں کی طرح ہو، آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب پر اسی کی بادشاہی ہے، اور اس کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے O اے اہلِ کتاب تمہارے پاس ایسے وقت میں ہمارا رسول آ کر تمہیں واضح تعلیم دے رہا ہے جبکہ ایک عرصہ سے رسولوں کے آنے کا سلسلہ منقطع تھا، تاکہ تم اپنی گمراہی کا یہ عذر پیش نہ کرو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر آیا ہی نہیں تو دیکھو تمہیں بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نبی آ گیا، اور اللہ کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے O

﴿تفسیر﴾

﴿۱۷﴾ دیگر انبیاء کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی انسانوں کو عقیدہ توحید ہی کی تعلیم دینے کے لیے آئے تھے لیکن جب عیسائیت میں بت پرستی داخل ہوگئی تو یہ عقیدۂ توحید بھی تحریفات کا شکار ہوکر رہ گیا۔ یہ تحریفات اچانک نہیں ہوئیں بلکہ بتدریج انہیں عیسائیت میں جگہ ملتی چلی گئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھالیے جانے کے بعد کچھ عرصہ تک آپ کے شاگردوں اور متبعین کے اندر عقیدہ توحید رائج رہا۔ اس کے بعد ان کے درمیان اختلافات پیدا ہوگئے بعض نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام رسولوں

کی طرح ایک رسول تھے۔بعض نے کہا ٹھیک ہے وہ رسول ہیں لیکن ان کا اللہ کے ساتھ ایک خاص تعلق تھا جو کسی دوسرے رسول کو حاصل نہ تھا۔بعض لوگ کہتے تھے کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں اس لئے کہ وہ بن باپ کے پیدا ہوئے۔لیکن اس قول کے مطابق وہ اللہ کی مخلوق ہیں،بعض کا قول یہ تھا کہ وہ اللہ کے بیٹے تھے مگر مخلوق نہ تھے بلکہ وہ باپ کی طرح قدیم تھے،ان اختلافات کو ختم کرنے کے لیے عیسائی علماء کی مختلف مجالس منعقد ہوتی رہیں۔ایسی مجالس بھی تھیں جن میں ۴۸۔۴۸ ہزار مذہبی رہنما شریک ہوئے۔ان مجالس میں مقالے پڑھے جاتے،مختلف آراء پیش کی جاتیں ایک دوسرے کی تکفیر کی جاتی،لیکن کسی ایک رائے پر اتفاق نہ ہو پایا۔بالآخر قریب قریب تمام فرقوں نے الوہیتِ مسیح کا قطعی فیصلہ کر دیا۔{۹۶}

ان کے مشہور اور مقبول فرقوں یعنی کیتھولک اور پروٹسٹنٹ وغیرہ میں جو عقیدہ قدرِ مشترک کے طور پر تسلیم شدہ ہے اس میں یہ الفاظ صراحۃً موجود ہیں۔

"باپ بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہی ہے،جلال برابر عظمتِ ازلی یکساں،جیسا باپ ہے ویسا بیٹا اور ویسا ہی روح القدس ہے،باپ غیر مخلوق اور روح القدس غیر مخلوق،باپ غیر محدود،بیٹا غیر محدود،اور روح القدس غیر محدود،باپ ازلی،بیٹا ازلی اور روح القدس ازلی،یونہی باپ قادر مطلق،بیٹا قادر مطلق اور روح القدس قادرِ مطلق،ویسا ہی باپ خدا بیٹا خدا اور روح القدس خدا"۔{۹۷}

یہ بات ملحوظ رہے کہ قرآن نے الوہیتِ مسیح کے عقیدہ کی نسبت نہ اہلِ کتاب کی طرف کی ہے نہ ہی نصاریٰ کی طرف بلکہ قرآن نے یہ عقیدہ کافروں کا بتایا ہے کیونکہ یہ ایسا عقیدہ ہے جس کا کفر ہونا بالکل واضح ہے۔

"قل فمن یملک" اس عقیدہ کے باطل ہونے پر اللہ تعالیٰ نے تین دلائل قائم فرمائے ہیں:

پہلی دلیل یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام،ان کی والدہ اور ساری مخلوق اللہ کی محکوم اور اس کے سامنے عاجز اور بے بس ہے،یہاں تک کہ اگر اللہ انہیں ہلاک کرنا چاہے تو ان کی جرات نہیں کہ اسے روک سکیں......ایسے عاجز اور کمزور انسان،خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟

دوسری یہ کہ اللہ کو ذاتی غناء حاصل ہے،سارے آسمانوں اور زمینوں کا وہ تنہا مالک ہے اسے بیٹا بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

{۹۶} تفصیل کے لیے دیکھیے فی ظلال القرآن ۲/۴۶۷۔۴۶۸۔۴۶۹

{۹۷} تفسیر ماجدی ۱/۸۷۸۔۸۷۹

تیسری یہ کہ وہ جسے چاہے، جیسے چاہے پیدا کر سکتا ہے، تخلیق کے لیے وہ ماں باپ میں سے کسی کا بھی محتاج نہیں تو تمہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے سے اشکال کیوں ہوتا ہے؟

﴿۱۸﴾ یہود و نصاریٰ کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور چہیتے ہیں، ان میں سے کوئی اللہ کو جسمانی باپ مانتا تھا اور کوئی روحانی باپ ہونے کا عقیدہ رکھتا تھا، ان کا نظریہ یہ تھا کہ انبیاء اللہ کے بیٹے ہیں اور چونکہ ہم بھی انبیاء سے نسبت رکھتے ہیں اس لیے ہم بھی اللہ کے لاڈلے اور پیارے ہیں، ابن اللہ کا لفظ تورات اور انجیل دونوں میں بار بار آیا ہے۔ خروج ۴:۲۲ میں ہے "اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا ہے"۔ یرمیاہ ۳۱:۹ میں ہے "میں اسرائیل کا باپ ہوں اور افرائیم میرا پلوٹھا ہے" انجیل متی ۵:۹ میں ہے "مبارک ہیں جو صلح کرنے والے ہیں کیونکہ وہ خدا کے فرزند کہلائیں گے"۔

اس نظریہ کے لازمی نتیجہ کے طور پر یہ عقیدہ بھی وہ رکھتے تھے کہ گناہوں کے باوجود ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا اگر عذاب ہوا بھی تو وہ محض چند دن کے لیے ہوگا۔ گویا اللہ انصاف نہیں کرے گا اور اس کا اپنے بعض بندوں کے ساتھ خصوصی اور استثنائی معاملہ ہوگا۔

"قل فلم یعذبکم" اس غلط نظریہ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ آخرت میں تو جو ہوگا سو ہوگا، تم اگر واقعی اللہ کے لاڈلے ہو تو یہ بتاؤ کہ وہ تمہیں دنیا میں اپنے بندوں کے ہاتھوں عذاب کیوں دیتا ہے حالانکہ دستور یہ ہے کہ کوئی محب اپنے محبوب کو اور کوئی باپ اپنے بیٹوں کو عذاب نہیں دیا کرتا، حقیقت میں نہ تو تم اس کے بیٹے ہو اور نہ ہی چہیتے بلکہ عام انسانوں جیسے انسان ہو اور تمہارے لیے اللہ کا وہی دستور ہے جو سب کے لیے ہے، وہ اہلِ طاعت کی مغفرت کرتا ہے اور سرکشوں اور نافرمانوں کو عذاب دیتا ہے۔

﴿۱۹﴾ تمہارے اسی قسم کے غلط نظریات اور عقائد کے ابطال اور حق کی وضاحت کے لیے اس نے چھ سو سال کے انقطاع کے بعد اپنا آخری رسول بھیجا تا کہ وہ ان عقائد کی وضاحت کرے جنہیں تم نے گورکھ دھندا بنا رکھا ہے، ان دلوں کا تزکیہ کرے جو روحانی بیماریوں کی وجہ سے مردہ ہو چکے ہیں، ان اخلاق کی اصلاح کرے جو بگاڑ کا شکار ہو چکے ہیں، ان عبادات کا صحیح نظریہ قائم کرے جو روح سے خالی چند رسموں کا عنوان بن کر رہ گئی ہیں اور پھر تم اپنی گمراہی کا یہ عذر نہ پیش کر سکو کہ ہمارے پاس نیک کاموں پر بشارت سنانے والا اور برے کاموں کے انجامِ بد سے ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔

حکمت وہدایت

۱......وہ لوگ یقیناً کافر ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی باتوں کی نسبت کرتے ہیں جن سے وہ منزہ اور پاک ہے۔(۱۷)

۲......وہ مسلمان جو اللہ تعالیٰ کے سارے احکام توڑنے اور ہر طرح کی بدعملیوں کے باوجود اپنے آپ کو اللہ کے پیارے اور جنت کے حقدار سمجھتے ہیں انہیں یہود ونصاریٰ سے عبرت حاصل کرنی چاہیے، اس وقت پوری دنیا میں ان پر جو مصائب وآلام کا نہ رکنے والا سلسلہ جاری ہے اس کے پیشِ نظر انہیں خود اپنے آپ سے سوال کرنا چاہیے کہ ''اگر ہم واقعی اللہ کے پیارے ہیں تو وہ ہمیں عذاب کیوں دے رہا ہے''۔ اگر وہ خود سوال نہیں کریں گے تو ممکن ہے یہود ونصاریٰ ہی ان سے یہ سوال کرلیں۔

۴......ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری کے بعد اہلِ کتاب یہ عذر پیش نہیں کرسکتے کہ ہمارے پاس حق کی وضاحت کرنے والا کوئی نبی نہیں آیا۔(۱۹)

موسیٰ علیہ السلام کی تذکیر وتدبیر اور قوم کی تنفیر وتنکیر

﴿۲۰......۲۶﴾

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَٰقَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب پیدا کئے تم میں نبی

وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا وَآتَاكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَٰلَمِينَ ﴿٢٠﴾ يَٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ

اور کردیا تم کو بادشاہ اور دیا تم کو جو نہیں دیا تھا کسی کو جہان میں اے قوم داخل ہو زمین

الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَٰسِرِينَ ﴿٢١﴾ قَالُوا

پاک میں جو مقرر کردی ہے اللہ نے تمہارے واسطے اور نہ لوٹو اپنی پیٹھ کی طرف پھر جا پڑوگے نقصان میں بولے

يَٰمُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِن يَخْرُجُوا

اے موسیٰ وہاں ایک قوم ہے زبردست اور ہم ہرگز وہاں نہ جاوینگے یہاں تک کہ وہ نکل جاویں اس میں سے پھر اگر وہ نکل جاوینگے

مِنْهَا فَإِنَّا دَٰخِلُونَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا

اس میں سے تو ہم ضرور داخل ہونگے کہا دو مردوں نے اللہ سے ڈرنے والوں میں سے کہ خدا کی نوازش تھی ان دو پر گھس جاؤ ان پر حملہ

عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنتُم
کرکے دروازہ میں پھر جب تم اس میں گھس جاؤ گے تو تم ہی غالب ہو گے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر یقین

مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٣﴾ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا أَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا ۖ فَاذْهَبْ أَنتَ
رکھتے ہو بولے اے موسیٰ ہم ہرگز نہ جاویں گے ساری عمر جب تک وہ رہیں گے اس میں سو تو جا

وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي ۖ فَافْرُقْ
اور تیرا رب اور تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں بولا اے رب میرے میرے اختیار میں نہیں مگر میری جان اور میرا بھائی سو جدائی

بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٥﴾ قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ ۛ أَرْبَعِينَ سَنَةً ۛ يَتِيهُونَ فِي
کردے تو ہم میں اور اس نافرمان قوم میں فرمایا تحقیق وہ زمین حرام کی گئی ہے ان پر چالیس برس سر مارتے پھریں گے

الْأَرْضِ ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾
ملک میں سو تو افسوس نہ کر نافرمان لوگوں پر

تسہیل: یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا اے میری قوم! اللہ تعالیٰ نے تم پر جو احسانات کیے ہیں انہیں یاد رکھا کرو، اس نے تم میں نبی پیدا کیے، تمہیں فرمانروائی اور آزادی عطا کی اور تمہیں وہ کچھ دیا جو اس زمانے میں کسی کو نہیں دیا تھا ○ اے میری قوم! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے، دشمن کے ڈر سے پیچھے نہ ہٹو ورنہ بڑا نقصان اٹھاؤ گے ○ انہوں نے جواب میں کہا اے موسیٰ اس سرزمین میں بڑے قدآور اور زبردست لوگ رہتے ہیں اور ہم اس وقت وہاں قدم نہیں رکھیں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں، ہاں اگر انہوں نے شہر خالی کر دیا تو پھر ہم ضرور داخل ہوں گے ○ ان بارہ نقیبوں میں سے جو دو بندے اللہ سے ڈرنے والے تھے اور جنہیں اللہ نے اپنے فضل سے نوازا تھا، انہوں نے کہا کہ تم ان پر چڑھائی کرتے ہوئے دروازے میں گھس جاؤ، جب تم اندر پہنچ جاؤ گے تو غلبہ تم ہی کو حاصل ہوگا، اگر تم واقعی مومن ہو تو تمہیں صرف اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے ○ انہوں نے دوبارہ یہی جواب دیا کہ جب تک یہ لوگ شہر میں موجود ہیں ہم ہرگز وہاں قدم نہیں رکھیں گے، تم

تحقیق "ملوکا" ملِک کی جمع ہے اس کا معنی صرف بادشاہ نہیں بلکہ ہر آزاد اور خود مختار شخص کو ملِک کہا جاتا ہے [1] حدیث میں ہر ایسے شخص کو ملِک کہا گیا ہے جس کے پاس ذاتی مکان، بیوی اور خادم ہو عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کان له بیت او قال منزل آوی الیه وزوجة وخادم یخدمه فهو ملک۔ [2] "جبّارین" جبّار کی جمع ہے۔ ڈیل ڈول والے۔ قدآور۔ زبردست۔ [3]

{۱} كل من كان مستقلا بامر نفسه ومعيشته ولم يكن محتاجا فى مصالحه الى احد فهو ملك (تفسير كبير ٤/٣٣١)

{۲} قرطبی ٦/١٢٠

{۳} يقال رجل جبار اذا كان طويلا، قويا تشبيها بالجبار من النخل والقوم كانوا فى غاية القوة وعظم الاجسام (كبير ٤/٣٣٣)

اور تمہارا رب دونوں ان سے جنگ کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں O موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حضور عرض کیا اے میرے رب! اپنی ذات اور بھائی کے سوا مجھے کسی پر بھی اختیار نہیں، پس ہمارے درمیان اور اس نافرمان قوم کے درمیان آپ فیصلہ فرما دیجیے O ارشاد ہوا کہ یہ ملک ان پر چالیس سال کے لیے حرام کر دیا گیا ہے، یہ زمین میں مارے مارے پھریں گے سو آپ ان نافرمانوں پر ذرا بھی غم نہ کیجیے O

﴿تفسیر﴾

﴿۲۰﴾ سیدنا موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصریوں کی غلامی سے نکال کر جزیرہ نمائے سینا میں لے آئے اور انہیں ترغیب دی کہ آگے بڑھ کر اپنا وطن فلسطین حاصل کر لو اور وہاں سے ظالم اور غاصب قوم عمالقہ کو نکال باہر کرو، تورات سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے یہ تقریر واقعہ خروج مصر کے چالیسویں سال کے گیارہویں مہینہ کی پہلی تاریخ کو ارشاد فرمائی تھی اور یہ آپ کی زندگی کا آخری زمانہ تھا، آپ اپنی قوم کی بدعہدیوں اور کہہ مکرنیوں سے خوب واقف تھے اس لیے آپ نے اپنی اس آخری دعوت میں انہیں ان کا ماضی بھی یاد دلا دیا اور مستقبل کی بشارتیں بھی ان کے سامنے رکھ دیں۔ آپ نے سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی تین بڑی بڑی نعمتیں یاد دلائیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے تمہاری قوم میں بہت سے لوگوں کو نبوت عطا کی، تفسیر مظہری میں ہے کہ کسی قوم اور کسی امت میں انبیاء کی کثرت اتنی نہیں ہوئی جتنی بنی اسرائیل میں ہوئی ہے۔

(۲) تم مصر میں غلامی اور ذلت کی زندگی بسر کر رہے تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں آزادی اور خود مختاری عطا کی ہے۔

(۳) تمہیں وہ نعمت عطا کی گئی ہے جو بحیثیتِ قوم، اقوام عالم میں سے کسی کو بھی عطا نہیں کی گئی، اس سے مراد توحید اور ایمان کی نعمت ہے اور یہاں ذکر کسی امت کا نہیں بلکہ نسلِ اسرائیل کا ہے جبکہ مسلمان کسی نسلی گروہ کا نام نہیں بلکہ ایک امت کا نام ہے اور امت ہونے کی حیثیت سے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو تمام امتوں پر یقیناً فضیلت حاصل ہے لہٰذا کسی کو یہ اشکال نہیں ہونا چاہیے کہ اگر بنی اسرائیل کو سب سے افضل امت مان لیا جائے تو پھر امتِ محمدی کا کیا مقام باقی رہ جائے گا...... بہت سے مفسرین نے اس سے مراد سمندر کے پھٹنے، دشمن کے غرق ہونے، بادلوں کے سایہ کرنے اور من وسلویٰ اتارا جانے جیسی نعمتیں مراد لی ہیں۔ ﴿۹۸﴾

﴿۹۸﴾ روح المعانی ۱۵۵/۶/۴

﴿۲۱﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں یہ کہہ کر فلسطین میں داخل ہونے کی ترغیب دی کہ یہ سرزمین تمہارے لیے مقدر ہو چکی ہے۔ تورات میں ہے:

''دیکھو میں نے یہ زمین جو تمہارے آگے ہے، تمہیں عنایت کی، داخل ہو اور اس زمین کو جس کی بابت خداوند نے تمہارے باپ دادوں ابرہام اور اضحاق اور یعقوب سے قسم لی کہ تم کو اور تمہارے بعد تمہاری نسل کو دوں گا، میراث میں لو (استثناء۔ ۱:۸)

''ولا ترتدوا'' عمالقہ کے خوف سے جہاد سے منہ نہ موڑنا ورنہ خسارہ میں رہو گے، اخروی خسارہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی پر عذاب کی صورت میں اور دنیوی خسارہ حکومت سے محرومی کی صورت میں ہوگا۔

﴿۲۲﴾ جن بارہ نقباء کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تفتیش اور تحقیق کے لیے ارض مقدس میں روانہ کیا تھا اور انہیں تاکید کی تھی کہ جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھو وہ میرے سوا کسی اور کو نہ بتانا وہ جب وہاں کے باشندوں کے حالات دیکھ کر واپس آئے تو انہوں نے انتہائی مبالغہ آمیز انداز میں عمالقہ کے قد کاٹھ اور قوت و شوکت کا ذکر کیا[۹۹] اسرائیلی یہ حالات سن کر چلا چلا کر رونے لگے اور حسرت سے کہنے لگے ''اے کاش ہم مصر میں مرجاتے اور کاش کہ ہم اسی بیابان میں فنا ہوتے'' (گنتی ۱۴:۱۰) اپنی تن آسانی اور خوئے غلامی کی وجہ سے وہ ارضِ مقدس کی طرف قدم اٹھانے کے لیے آمادہ نہ ہوئے، وہ چاہتے تھے کہ انہیں فتح بھی من وسلویٰ کی طرح ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر حاصل ہو جائے، انہوں نے لگی لپٹی رکھے بغیر صاف صاف کہہ دیا کہ جب تک عمالقہ موجود ہیں وہاں جانے کا نام نہیں لیں گے۔

﴿۲۳﴾ ان بارہ نقباء میں سے دو ایسے تھے جن کے دل میں خوف خدا بھی تھا اور ہدایت و ایمان کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا ان پر خصوصی فضل بھی تھا، ان میں سے ایک یوشع بن نون تھے جو قبیلہء بنی افرائیم کے سردار تھے اور دوسرے کالب بن یوفنا تھے جو بنی یہودا کے سردار تھے، ان دونوں نے کہا تم ہمت کرو اور قدم آگے بڑھاؤ اگر تم شہر میں داخل ہو گئے تو عمالقہ کے دل ٹوٹ جائیں گے کیونکہ ان کے پاس ڈیل ڈول تو ہے مگر ان کے اندر جرات و شجاعت اور لڑنے کی طاقت نہیں، بڑی بات یہ کہ نہ انہیں نبی کی قیادت میسر ہے اور نہ اللہ کے وعدے ان کے لیے ہیں۔

﴿۲۴﴾ لیکن ان دو نیک انسانوں کی فہمائش بھی ان کے جذبات کے غلیظ اور ٹھنڈے جوہر میں کوئی ارتعاش پیدا نہ کر سکی اور انہوں نے وہی جواب دیا جو بزدل، گستاخ اور عزت ذلت کے احساس سے عاری لوگ دیا کرتے ہیں

{۹۹} اس موقع پر ابن کثیر اور قرطبی وغیرہ میں عمالقہ خصوصاً ان کے ایک فرد عوج بن عنق کے بارے میں جو بے سروپا کہانیاں مذکور ہیں ان کی حیثیت داستان سازی کے سوا کچھ نہیں، عوج کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ اس کا قد تین ہزار تین سو تینتیس ہاتھ لمبا تھا وہ سمندر سے مچھلی پکڑ کر سورج کے سامنے رکھ کر بھون لیا کرتا تھا طوفانِ نوح بمشکل اس کے ٹخنوں تک پہنچا تھا۔ (قرطبی ۶/۱۲۲)

کہ ہم تو عمالقہ کی موجودگی تک اس شہر میں داخل ہونے کے نہیں، تم اور تمہارا رب جا کر ان سے لڑائی کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔

﴿۲۵﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دل اپنی قوم کی گستاخی، بزدلی اور ڈھیٹ پن دیکھ کر غم سے بھر جاتا ہے لیکن آپ وہی کرتے ہیں جو اللہ کے مخصوص بندے کو کرنا چاہیے۔ اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اسے پکارتے ہیں، اس پکار میں التجاء بھی ہے اور تسلیم و رضا بھی، عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ میں بھی ہر قربانی کے لیے حاضر ہوں اور میرا بھائی بھی حاضر ہے لیکن کسی اور کی ضمانت میں نہیں دے سکتا پس ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دیجیے۔ جس سزا کے یہ مستحق ہیں وہ سزا انہی دے دی جائے اور جس فضل کے ہم مستحق ہیں وہ ہمیں عطا کر دیا جائے یہ گویا ان کے حق میں بددعا تھی، یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ہمیں ان کی صحبت اور رفاقت سے نجات دے دے۔{۱۰۰}

﴿۲۶﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوئی اور چالیس سال تک ان پر ارضِ مقدس حرام کردی گئی،{۱۰۱} وہ وادیِ تیہ میں اس وقت تک مارے مارے پھرتے رہے جب تک غلامی کے خوگر، ذلت اور کمینگی کے عادی اور مصریوں کی چاکریوں میں زندگیاں گزارے ہوئے لوگ مرکھپ نہ گئے اور ان کی جگہ آزاد فضا میں نئی نسل تیار نہ ہوگئی اس لیے کہ غلامی کی فضا میں پلے ہوئے لوگوں کے ضمیر اور جذبات بھی غلام ہوتے ہیں اور ان سے کسی بڑے کارنامے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

اس چالیس سالہ دور میں پہلے حضرت ہارون علیہ السلام وفات پا گئے، ان کی وفات کے ایک سال یا چھ ماہ بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی انتقال فرما گئے، آپ کی رحلت کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو نبوت عطا کی گئی، جن کی قیادت میں صحرا نوردی کی حالت میں جوانی کی سرحدوں پر قدم رکھنے والے آزاد منش انسانوں نے عمالقہ کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے انہیں فلسطین سے نکال باہر کیا، یوں اللہ کا وعدہ پورا ہوا اور ارضِ مقدسہ پر اسرائیلیوں کا پھریرا لہرانے لگا۔

"فلا تاس" قوم کی مسلسل سرکشی اور گستاخی دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منہ سے بددعا تو نکل گئی تھی لیکن ان کی پریشانی اور تکلیف دیکھ کر دل کڑھتا اور غم سے ابلتا تھا۔{۱۰۲} ایسا کیوں نہ ہوتا، آپ نبی تھے اور ہر نبی اپنی قوم کے

{۱۰۰}فافصل بیننا وبینهم بان تحکم لنا بمانستحق وتحکم علیهم بمایستحقون وهو فی معنی الدعاء علیهم (کبیر ۳۳۵/٤)
ویحتمل ان یکون المراد خلصنا من صحبتهم وهو کقوله "نجنا من القوم الظلمین (القصص ۲۱) حواله مذکوره
{۱۰۱}والتحریم تحریم منع لاتحریم تعبد (روح المعانی ۱٦/٦/٤)
{۱۰۲}"فلاتاس" ای فلاتحزن لموتهم اولما اصابهم فیه من الاسی وهوالحزن (روح المعانی ۱٦۳/٦/٤)

لیے سراپا رحمت اور شفقت ہوتا ہے، اولاد کیسی ہی منہ پھٹ اور نافرمان کیوں نہ ہو، والدین کا دل پسیج ہی جاتا ہے...... آپ کو غمگین اور پریشان دیکھ کر بارگاہِ حق سے تسلی دی گئی کہ آپ ان پر غم نہ کیجیے، اس قسم کے نافرمان ایسی ہی سزا کے مستحق ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سارا واقعہ بیان کر کے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ اپنے مخالفین خصوصاً یہود کی شرارتوں سے دلبرداشتہ نہ ہوں ان کے اسلاف بھی ایسے ہی تھے اور انہوں نے بھی اپنے نبیوں کو یونہی ستایا تھا۔{۱۰۳}

حکمت و ہدایت

۱......اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار بار بنی اسرائیل کی وعدہ خلافیوں، گستاخیوں، مکاریوں اور کمزوریوں کا ذکر فرمایا ہے اس تکرار میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں:

☆ اللہ تعالیٰ کو اس بات کا علم تھا کہ بنی اسرائیل ہمیشہ ملتِ اسلامیہ کے دشمن رہیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی پوری تاریخ، ملتِ اسلامیہ کے سامنے کھول کر رکھ دی تاکہ وہ انہیں اچھی طرح پہچان لیں اور ان سے بچ کر رہیں۔

☆ یہود کی ذلت و رسوائی کا اصل سبب اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان سے انحراف تھا، ہمارا کریم و رحیم رب ان کی یہ اور دوسری کمزوریاں دکھا کر مسلمانوں کو تنبیہ کرنا چاہتا ہے کہ تم اپنے آپ کو یہود کے نقشِ قدم پر چلنے سے بچائے رکھنا۔

☆ امتِ مسلمہ کی تاریخ قیامت تک طویل ہے اور ہوتا یہ ہے کہ جب کسی امت پر طویل عرصہ گذر جاتا ہے تو وہ اصل راہ سے ہٹ جاتی ہے، پھر اسے راہ پر لانے کے لیے مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارا مہربان رب بنی اسرائیل کی تاریخ کے آئینہ میں ہمیں یہ بتانا چاہتا ہے کہ کسی قوم میں سنگدلی اور گمراہی کیسے آتی ہے، اس کا علاج کیسے کیا جاتا ہے اور اس علاج کی خاطر کیسی صبر آزما اور طویل محنت کرنی پڑتی ہے۔

۲......اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرتے رہنے سے شکرِ الٰہی کی توفیق ملتی ہے۔(۲۰)

۳......جہاد سے روگردانی کی وجہ سے دنیوی خسارہ بھی ہوتا ہے اور اخروی بھی۔(۲۱) حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اس سے معلوم ہوا کہ معصیت سے کبھی دنیوی مضرتیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔{۱۰۴}

{۱۰۳}وقال الزجاج انه للنبی صلی اللہ علیه وسلم والمراد بالقوم الفاسقین معاصروه علیه الصلوٰة والسلام من بنی اسرائیل (حواله مذکوره)

{۱۰۴}بیان القرآن ۱۹/۳

۴......جھوٹی خبریں اور پراپیگنڈا حوصلے پست کر دیتا ہے۔(۲۲) آج مسلمانوں کے حوصلے توڑنے کے لیے بھی مغربی میڈیا یہی ہتھیار استعمال کر رہا ہے بلکہ خود ہی مسلمان یورپ کی طاقت کو بڑھا چڑھا کر بیان کر رہے ہیں۔

۵......جس کے دل میں خوفِ خدا ہوتا ہے اس کے دل سے مخلوق کا خوف نکل جاتا ہے۔(۲۳)

۶......خوفِ خدا سمیت جتنے بھی ظاہری اور باطنی اوصاف ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کا انعام اور اس کی عطا ہوتے ہیں۔(۲۳)

۷......جب عزم وہمت سے کام لیا جائے تو اللہ کی نصرت شاملِ حال ہو جاتی ہے۔(۲۳)

۸......اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ کوئی زمان اور کوئی مکان بھی اللہ کے کسی نہ کسی نیک بندے کے وجود سے خالی نہیں ہوتا......بنی اسرائیل کے ہجومِ بزدلاں میں بھی دو بہادر انسان موجود تھے۔(۲۳)

۹......اقدام اور دفعتۃً حملہ کامیابی میں اہم کردار ادا کرتا ہے......حضرت یوشع اور کالب نے اسرائیلوں کو یہی مشورہ دیا تھا۔(۲۳)

۱۰......توکل کا حق اسی کو پہنچتا ہے جو امکانی حد تک کوشش کرے۔(۲۳)

۱۱......یہود انتہائی بزدل اور گستاخ قوم ہے۔(۲۴) آج خود مسلمانوں کی بزدلی نے اس ہمیشہ کی بزدل اور سازشی قوم کو بہادر بنا رکھا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی مشکل حالات میں جہاد کی ترغیب دی تھی تو انہوں نے پورے ایمانی جذبہ کے ساتھ عرض کیا تھا ''ہم آپؐ سے ویسے نہیں کہیں گے جیسے موسیٰؑ کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا (جاؤ تم اور تمہارا رب دونوں مل کر جنگ کرو، ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے) ہم تو آپ کے دائیں لڑیں گے اور بائیں لڑیں گے، آپ کے سامنے آ کر لڑیں گے اور آپ کے پیچھے لڑیں گے۔''[۱۰۵]

۱۲......حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا میں لفظ ''اخی'' کا جو اضافہ فرمایا، اس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ ''شیخ اپنے مخلص تابع میں بھی وہی حاکمانہ تصرّف کر سکتا ہے جو خود اپنے نفس میں کر سکتا ہے۔''[۱۰۶]

۱۳......جس قوم کی اصلاح کی امید نہ رہے اس سے جدائی ہی بہتر ہے۔(۲۵)

۱۴......بہت سے لوگوں کے لیے کھلے میدان اور وسیع وعریض زمینیں بھی قید خانہ بن کر رہ جاتی ہیں اور وہ سالہا سال

{۱۰۵}زادالمعاد ۳۴۳/۱
{۱۰۶}بیان القرآن ۱۹/۳

تک کولھو کے بیل کی طرح ایک ہی جگہ سرگرداں پھرتے رہتے ہیں۔(۲۶) اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ گردش ایام انہیں آگے لیجانے کے بجائے پیچھے لے جاتی ہے......شاید پاکستانی قوم کے ساتھ بھی ایسا ہی ہورہا ہے۔

۱۵......غلامی کے ماحول میں نشوونما پانے والوں کی آنکھیں ہمیشہ نیچی اور ہمتیں پست رہتی ہیں۔(۲۶)

۱۶......جب ظالموں اور فاسقوں پر اللہ کا عذاب نازل ہوجائے تو ان کے ساتھ ہمدردی اور اظہارِ غم نہیں کرنا چاہیے۔(۲۶)

قصہ ہابیل وقابیل

۲۷......۳۲

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ ۛ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ

اور سنا ان کو حال واقعی آدم کے دو بیٹوں کا جب نیاز کی دونوں نے کچھ نیاز اور مقبول ہوئی ایک کی اور نہ مقبول ہوئی دوسرے کی کہا میں تجھ کو مار ڈالوں گا وہ بولا اللہ قبول کرتا ہے تو پرہیزگاروں سے اگر تو ہاتھ چلاوے گا مجھ پر مارنے کو میں نہ ہاتھ چلاؤں گا تجھ پر مارنے کو میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو پروردگار ہے سب جہان کا میں چاہتا ہوں کہ تو حاصل کرے میرا گناہ اور اپنا گناہ پھر ہو جاوے تو دوزخ والوں میں اور یہی ہے سزا ظالموں کی پھر اس کو راضی کیا اسکے نفس نے خون پر اپنے بھائی کے پھر اسکو مار ڈالا سو ہوگیا نقصان اٹھانے والوں میں پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا جو کریدتا تھا زمین کو تا کہ اسکو دکھلاوے کس طرح چھپاتا ہے لاش اپنے بھائی کی بولا اے افسوس مجھ سے اتنا نہ ہو سکا کہ ہوں برابر اس کوے کی کہ میں چھپاؤں لاش اپنے بھائی کی پھر لگا پچھتانے اسی سبب سے لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان کے یا بغیر فساد کرنے کے ملک میں

فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ

تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب لوگوں کو اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ کر دیا سب لوگوں کو اور لاچکے ہیں انکے پاس

رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ؀

رسول ہمارے کھلے ہوئے حکم پھر بہت لوگ ان میں سے اس پر بھی ملک میں دست درازی کرتے ہیں

ربط: اس سورہ کی ابتداء میں ایفاءِ عہد اور نقضِ عہد کا مضمون انداز بدل بدل کر بیان ہو رہا ہے، عہد پر قائم رہنے کے لیے خوفِ خدا ضروری ہے اور نفس پرستی انسان کو نقضِ عہد پر آمادہ کرتی ہے، ھابیل کا دل خوفِ خدا سے معمور تھا اس لیے وہ عہدِ الٰہی پر قائم رہا، قابیل نفس پرست تھا اس لیے وہ اپنے ہی بھائی کی جان کی حفاظت کے بارے میں عہدِ الٰہی پر قائم نہ رہ سکا۔ علاوہ ازیں جیسے اسرائیلی، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد کرتے ہیں اسی طرح قابیل نے ھابیل سے حسد کیا۔

تسہیل: آپ انہیں آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ ٹھیک ٹھیک سنا دیجیے، جب ان دونوں نے اللہ کے حضور نذر پیش کی، ان میں سے ایک کی نذر قبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی، تب قابیل نے ہابیل سے کہا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا، ھابیل نے کہا اس میں میرا کیا گناہ ہے، اللہ تو متقیوں ہی کی نذر قبول کرتا ہے O اگر تم نے مجھ پر قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تو میں تمہارے قتل کے لیے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا کیونکہ میں اللہ رب العلمین سے ڈرتا ہوں O میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میرے قتل کا گناہ اور اپنے دوسرے گناہوں کا وبال سمیٹ کر دوزخ میں جا پڑو، ظالموں کی یہی سزا ہے O اس فہمائش کا قابیل پر کوئی اثر نہ ہوا اور اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا پس وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا O پھر اللہ نے ایک کوا بھیج دیا جس نے زمین کھود کر قابیل کو اپنے بھائی کی لاش چھپانے کا طریقہ سمجھایا، یہ دیکھ کر وہ کہنے لگا افسوس ہے میرے اوپر کہ میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپانے کی کوئی تدبیر کر سکتا پھر وہ اپنے کیے پر بہت پچھتایا O اس واقعہ (میں پوشیدہ مفاسد) کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کر دیا کہ جس نے کسی کو خون کا بدلہ لینے یا زمین پر فساد کی سزا کے بغیر ناحق قتل کیا تو گویا اس نے سارے انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی ایک کو بچالیا اس نے گویا سارے انسانوں کو بچالیا، صرف یہی نہیں بلکہ ہمارے بہت سارے پیغمبران کے پاس واضح ہدایات لے کر آتے اور انہیں سمجھاتے رہے، پھر بھی ان میں ایسے لوگ بکثرت ہیں جو زمین پر زیادتیاں کرتے پھرتے ہیں۔ O

﴿تفسیر﴾

﴿۲۷﴾ اے پیغمبر! آپ انہیں آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ھابیل اور قابیل کا قصہ بلا کم و کاست اور ٹھیک ٹھیک سنا دیجیے، قرآن میں جو کچھ ہے وہ سچ ہی سچ ہے اس میں تورات اور انجیل کی طرح زیب داستاں کی خاطر یا فاسد اغراض کے لیے باطل کی آمیزش ہرگز نہیں۔

"بالحق" کا ایک اور مطلب بھی ہے، وہ یہ کہ یہ قصہ انہیں عبرت و حکمت کے لیے سنایئے کیونکہ قرآنی قصوں کا اصل مقصود یہی ہے، دفع وقتی مجلس آرائی اور دل لگی ان کا مقصد نہیں ہے۔{۱۰۷}

اصل میں سیدنا آدم علیہ السلام کی شریعت میں مجبوری کی بناء پر بیٹوں کی شادیاں بیٹیوں ہی سے ہوتی تھیں، ہر حمل میں لڑکا اور لڑکی پیدا ہوتے تھے، ایک حمل میں پیدا ہونے والے لڑکے کا نکاح دوسرے حمل سے پیدا ہونے والی لڑکی سے کر دیا جاتا تھا، اتفاق سے ھابیل کی بہن سادہ صورت اور قابیل کی بہن خوبصورت تھی، اصولی طور پر قابیل کی بہن کے ساتھ ھابیل کا نکاح ہونا چاہیے تھا لیکن اس کا اصرار تھا کہ میں اپنی بہن سے خود ہی نکاح کروں گا، حضرت آدم علیہ السلام نے اس کا دعوٰی تسلیم کرنے سے انکار فرما دیا اور رفعِ اختلاف کے لیے یہ صورت تجویز فرمائی کہ تم دونوں اللہ کے حضور نذر پیش کرو جس کی نذر قبول ہوگئی وہی اس لڑکی سے نکاح کا حقدار ہوگا چنانچہ ھابیل نے اپنے ریوڑ میں سے بہت خوبصورت اور خوب پلا ہوا دنبہ پیش کیا جبکہ قابیل نے ردّی قسم کا غلّہ نذر کیا، اخلاص اور تقوٰی کی بناء پر ھابیل کی نذر قبول ہوگئی جبکہ قابیل کی نذر قبول نہ ہوسکی{۱۰۸} اس چیز نے اسے غیظ و غضب اور حسد میں مبتلا کر دیا اور اس نے اپنے بھائی کو قتل کی دھمکیاں دینا شروع کر دیں، نیک فطرت، تحمل مزاج اور خدا ترس بھائی نے سمجھانا چاہا کہ اللہ کے بندے اگر تمہاری نذر قبول نہیں ہوئی تو اس میں میرا کیا قصور ہے، اپنے دل کو ٹٹولو، اپنا محاسبہ کرو، اپنی نذر اور عمل کو دیکھو کہیں اس میں کوئی قصر تو نہیں رہ گئی تھی، اگر تمہارے اندر تقوی اور اخلاص ہوتا تو تمہاری نذر ضرور قبول ہوتی۔

﴿۲۸﴾ یہ صلح کل اور پُر امن انسان اپنے مشتعل بھائی کی اخلاقی حس کو بیدار کرنے اور اسے ٹھنڈا کرنے کے لیے کہتا ہے کہ دیکھو اگر تم کھلی جارحیت کا ارتکاب کرتے ہوئے مجھ پر ہاتھ اٹھاؤ گے تو میں تمہیں قتل کرنے کی ہرگز

{۱۰۷} وهذا ابدل على ان المقصود بالذكر من الاقاصيص والقصص فى القرآن العبرة لامجرد الحكاية (كبير ٤/٣٣٨)
{۱۰۸} ابن كثير ٢/٦٠

کوشش نہیں کروں گا، ورنہ میرے اور تمہارے درمیان فرق ہی کیا باقی رہ جائے گا اور میرے اس صبر وتحمل کی وجہ یہ نہیں کہ میرے ہاتھوں میں دم خم نہیں یا میں تم سے کسی اعتبار سے کمزور ہوں بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔

﴿۲۹﴾ ھابیل نے اللہ کے نیک بندوں کی طرح اسے ایک اور طریقے سے اس جرم سے باز رکھنے اور اس کے شر کے جوش کو کم کرنے کی کوشش کی، کہا دیکھو اگر تم مجھے قتل کر دو گے تو تمہارے سابقہ گناہوں کے ذخیرے میں ایک اور گناہ کا اضافہ ہو جائے گا اور تم دوزخ میں جا پڑو گے [۱۰۹] اور دوزخ ہر ظالم کی جزاء ہے۔

﴿۳۰﴾ لیکن اس وعظ ونصیحت، صبر وتحمل اور تنبیہ کا قابیل پر کوئی اثر نہ ہوا، وہ اس وقت مکمل طور پر اپنے نفس کے قابو میں آ چکا تھا اور ہر ظالم کی طرح، ظلم کے انجام کے بارے میں اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت معطّل ہو چکی تھی، اس نے اپنے صالح اور مصلح بھائی کی ہر نصیحت نظر انداز کرتے ہوئے اسے قتل کر دیا، یوں وہ دنیا اور آخرت کا خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گیا، دنیا کا خسارہ یہ کہ اس کی باقی ماندہ زندگی تلخ ہو کر رہ گئی، احساسِ جرم نے اس کے دل کا سکون چھین لیا اور آخرت کا خسارہ یہ کہ اسے اپنے جرم اور ظلم کی سزا بہر حال بھگتنی ہی پڑے گی۔

﴿۳۱﴾ قابیل اپنے بھائی کو قتل تو کر بیٹھا لیکن اب پریشان ہے کہ اس کی لاش کو کیسے ٹھکانے لگائے، روئے زمین پر یہ پہلا قتل تھا اور شاید پہلی ہی میت تھی، [۱۱۰] لہٰذا آج تک کسی کو دفن ہی نہیں کیا گیا تھا یہ بھی ممکن ہے کہ سنگدلی اور لاپرواہی کی وجہ سے اپنے بھائی کی لاش کو بے گور وکفن چھوڑ دیا ہو۔ [۱۱۱] اچانک اس نے کیا دیکھا کہ ایک کوّا دوسرے کوّے کی لاش لے کر آیا، اس کے لیے اس نے گڑھا کھودا اور اس میں لاش ڈال کر اوپر مٹی ڈال دی، یہ منظر دیکھ کر افسوس ہوا کہ مجھے ایک غلاظت خور پرندے جیسا فہم وشعور بھی نہیں۔

"فاصبح من النٰدمین" قابیل کی اپنے فعل پر ندامت توبہ کے طور پر نہ تھی [۱۱۲] اسے پچھتاوا اس لیے ہوا کہ اسے اس فعل کا کوئی فائدہ بھی نہ ہو والد اور بھائیوں کی ڈانٹ ڈپٹ الگ سننا پڑی [۱۱۳]، دشواریاں الگ پیش آئیں اور ایک صالح اور جانثار بھائی کی جدائی کا زخم سہنا پڑا۔ [۱۱۴]

{۱۰۹}عن مجاھد "انی اریدان تبوأباثمی" قال بقتلک ایای و "اثملک" قال بما کان منک قبل ذلک (ابن کثیر ۲/۶۳)

{۱۱۰}وذلک انه کان فیما یزعمون اوّل قتیل فی بنی آدم واوّل میت (ابن کثیر ۲/۶۵)

{۱۱۱}ترکه بالعراء استخفافابه بعد قتله (کبیر ٤/۳٤۲)

{۱۱۲}ولم یکن ذلک ندم توبة (قرطبی ٦/۱۳٦)

{۱۱۳}لانه لم ینتفع بقتله وسخط علیه بسببه ابواه واخوته کان ندمه لهذه الاسباب لالکونه معصیة (کبیر ٤/۳٤۲)

{۱۱٤}انما کان ندمه علی فقده لاعلی قتله

﴿۳۲﴾ قتلِ ناحق کی وجہ سے جو مفاسد رونما ہوتے ہیں ان کی بناء پر ہم نے بنی اسرائیل پر حکم نافذ کر دیا[۱۱۵]......اگر چہ ہر امت ہی میں قتل حرام اور قصاص واجب تھا لیکن بنی اسرائیل کو خاص طور پر اس لیے ذکر کیا کیونکہ قتل کے بارے میں باقاعدہ تحریری طور پر وعید سب سے پہلے بنی اسرائیل پر ہی نازل ہوئی[۱۱۶] بنی اسرائیل کو یہ وعید اس لیے بھی سنانا ضروری تھا کیونکہ ان کے ہاتھ انبیاء کے خون سے بھی رنگے ہوئے تھے اور وہ سید الانبیاء کو بھی قتل کرنے کی کوشش کر چکے تھے۔

"مــن قتــل نفســا" ایک شخص کے قتل کو تمام انسانوں کے قتل کے برابر اس لیے قرار دیا گیا کیونکہ زندگی کا حق ہر انسان کو حاصل ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ جس شخص کی فطرت اس قدر مسخ ہو چکی ہے کہ وہ ایک شخص کا ناحق خون بہانا جائز سمجھتا ہے وہ کسی کے خون کو حلال سمجھتا ہے[۱۱۷] اس کے مقابلے میں جس شخص کے دل میں انسانی جان کی قدر و قیمت ہے اور وہ اس کے تحفظ کی اور اسے ہلاکت کے اسباب سے بچانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ گویا ساری انسانیت کے تحفظ کے لیے فکر مند ہے۔

ایک کے قاتل کو سب کا قاتل اور ایک کے محافظ کو سب کا محافظ قرار دینے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیکی اور بدی کے سلسلہ میں ایک اصول یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ "جو کوئی نیک کام کی بنیاد ڈالے اور اس پر عمل بھی کرے تو اسے اپنے عمل کا اجر بھی ملے گا اور جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے ان کے اجر میں کمی کیے بغیر اسے بھی حصہ ملے گا اور جو کوئی رسمِ بد کی بنیاد رکھ کر اس پر عمل پیرا ہوگا اس پر اپنے کیے کا گناہ بھی ہوگا اور اس کی نقالی کرنے والوں کا بھی گناہ ہوگا"۔

حکمت و ہدایت

۱......دنیا پر قدم رکھنے کے بعد غالباً انسان نے جو سب سے پہلا باطنی گناہ کیا وہ حسد تھا اور اسی حسد نے اسے اپنے سگے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا۔(۲۷)

۲......قصوں کے بیان کرنے سے قرآن کا مقصد عبرت و نصیحت ہے، لذتِ سماع مقصد نہیں ہے۔(۲۷)

۳......عورت کا حسن ایک ایسا فتنہ ہے جو بھائی کو بھائی سے لڑا سکتا ہے۔(۲۷)

۴......نذر و نیاز کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنا مشروع ہے۔(۲۷)

{۱۱۵}ھو اشارۃ الی ما مرّ ذکرہ فی ھذہ القصۃ من انواع المفاسد الحاصلۃ بسبب القتل الحرام (کبیر ۴/۳۴۳)
{۱۱۶}روح المعانی ۶/۱۴۱
{۱۱۷}من استحل واحد افقد استحل الجمیع لانہ انکر الشرع (قرطبی ۱۴۱)

۵......اعمالِ صالحہ کی قبولیت کا مدار اخلاص اور تقویٰ پر ہے۔(۲۷)

تقوی میں تین امور کی رعایت ضروری ہے:

☆......اللہ سے ڈرتے ہوئے عمل کیا جائے اور اس کی تکمیل میں پوری کوشش صرف کی جائے۔

☆......نیک عمل سے اللہ کی رضا کے سوا کچھ بھی مقصد نہ ہو۔

☆......اس میں غیر اللہ کی شرکت کا شائبہ بھی نہ ہو۔

۶......جس کے دل میں رب العلمین کا ڈر ہوتا ہے وہ زیادتی کے جواب میں بھی زیادتی نہیں کرتا۔(۲۸)

۷......ھابیل جیسے تحمل اور عفو و درگذر کا امتِ محمدیہ میں نمونہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے پیش کیا، کہ جان دینا گوارا کرلیا مگر مدینہ کے گلی کوچوں میں کسی کلمہ گو کا خون بہانا گوارا نہ کیا۔(۲۹)[118]

۸......انتہائی قبیح اعمال کو بھی نفس، انسان کے لیے مزیّن بنا کر پیش کرتا ہے۔(۳۰)

۹......خالی خولی ندامت سے توبہ قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ ندامت توبہ کے طور پر نہ ہو۔(۳۱)

۱۰......رسمِ قتل کی بنیاد رکھنے کی وجہ سے ہر ظالمانہ قتل کے گناہ میں قابیل بھی شریک ہوتا ہے۔

۱۱......بعض اوقات پرندوں اور چرندوں بلکہ کیڑوں مکوڑوں سے بھی انسان کو کام کی کوئی بات اور نصیحت حاصل ہو جاتی ہے۔

۱۲......حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں میں سے بہترین وہ تھا جس نے جان دے دی مگر ابتداء بالقتل کی جسارت نہ کی......اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دفاع کرنا جائز نہیں۔

۱۳......صرف تین صورتوں میں قتل جائز ہے: ○ کوئی بدبخت ایمان کے بعد مرتد ہو جائے ○ شادی شدہ زنا کرے ○ کسی کو ناحق قتل کر دے۔

۱۴......اللہ تعالیٰ کی نظر میں انسانی جان بڑی قیمتی چیز ہے، یہاں تک کہ ایک قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا گیا ہے۔(۳۲)

رہزنی کی سزا

﴿۳۳......۳۴﴾

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُاْ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسۡعَوۡنَ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓاْ

یہی سزا ہے ان کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اسکے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو کہ ان کو قتل کیا جائے

{۱۱۸} ابن کثیر

اَوْ یُصَلَّبُوْۤا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ

یا سولی چڑھانے جاویں یا کاٹے جاویں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے یا دور کردیئے جاویں اس جگہ سے

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ

یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے مگر جنہوں نے توبہ کی تمہارے

قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۴﴾

قابو پانے سے پہلے تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے

ربط: قتل کی قباحت بیان کرنے کے بعد رہزنی کی سزا بیان کی جارہی ہے کیونکہ رہزنی میں بھی عام طور پر قتل ہوتا ہے۔

تسہیل: جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلانے میں سرگرم ہوتے ہیں ان کی سزا صرف یہ ہے کہ انہیں قتل کیا جائے یا سولی پر لٹکا دیا جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جیل میں ڈال دیا جائے، یہ ان کے لیے اس دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے ○ مگر جو لوگ تمہارے قابو پانے سے پہلے توبہ کرلیں (وہ اس سزا سے بچ جائیں گے) یہ بات سمجھ لو کہ اللہ بخشنے والا اور بے حد مہربان ہے ○

﴿تفسیر﴾

﴿۳۳﴾ شانِ نزول

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ عکل اور عرینہ کے کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہیں مدینہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی جس کی وجہ سے وہ بیمار پڑ گئے، آپ ﷺ نے انہیں صحراء میں جا کر بیت المال کے اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پینے کا حکم دیا چنانچہ وہ مدینہ سے باہر حرہ کے مقام پر چلے گئے وہاں جانے کے بعد وہ مرتد ہوگئے، چرواہے کو شہید کردیا اور اونٹ ہنکا کر بھاگ کھڑے ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے ان کے تعاقب کا حکم دیا، انہیں گرفتار کرکے آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنے اور الٹی جانب سے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹنے کا حکم دیا، ان کے ساتھ یہ سب کچھ کرنے کے بعد انہیں چھوڑ دیا گیا یہاں تک کہ وہ مرگئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی [۱۱۹] اس آیتِ کریمہ میں ان

{۱۱۹} بخاری

لوگوں کا تذکرہ ہے جو طاقتور جماعت کی صورت میں دارالاسلام میں بدامنی پیدا کریں اور ان کی جانب سے اسلامی مملکت کے باشندوں کے مال جان اور عزت کو خطرات لاحق ہو جائیں، اگرچہ بظاہر انکے شر اور فساد کا ہدف عوام بنتے ہیں لیکن جب کسی سوسائٹی کا قیام شریعت کے احکام کی بنیاد پر ہوگا تو ان کی یہ جنگ اللہ اور اس کے رسول ہی سے متصور ہوگی، ویسے بھی ''محاربہ'' کا حقیقی معنی اگرچہ تعدی اور رہزنی ہے لیکن اس کا اطلاق مخالفت اور نافرمانی پر بھی ہوتا ہے تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کی نافرمانی کرتے ہیں {۱۲۰} اس آیت کے مصداق میں وہ باغی اور رہزن آجاتے ہیں جو اجتماعی قوت کے ساتھ قانون کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ {۱۲۱}

ان لوگوں کے لیے قرآن نے چار سزائیں ذکر فرمائی ہیں، یعنی یہ کہ انہیں قتل کیا جائے یا سولی پر لٹکایا جائے، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جیل میں ڈال دیا جائے۔ ان سزاؤں میں سے ہر ایک کا الگ الگ موقع ہے۔ یہ جو درمیان حرف ''او'' آیا ہے یہ تفصیل کے لیے ہے، تخییر کے لیے نہیں، یعنی اس کا مقصد حاکم کے لیے اختیار ثابت کرنا نہیں ہے کہ وہ جونسی سزا چاہے جاری کر دے بلکہ اس کا مقصد تفصیل اور وضاحت ہے کہ کونسے جرم میں کونسی سزا نافذ کی جائے گی۔ {۱۲۲}

(۱) اگر رہزنوں نے کسی بے گناہ کو قتل کیا اور مال نہیں چھینا تو انہیں قتل کیا جائے، یہ قتل کرنا قصاص کے طور پر نہیں بلکہ حد کے طور پر ہوگا لہٰذا مقتول کے ورثہ کے معاف کرنے سے یہ حد ساقط نہیں ہوگی۔

(۲) اگر انہوں نے مال بھی چھینا ہو اور کسی کی جان بھی لی ہو تو قاضی اور امام کو پانچ سزاؤں میں سے کوئی سی بھی سزا دینے کا اختیار ہوگا ○ ان کے ہاتھ پاؤں الٹی جانب سے کاٹ کر پھر انہیں قتل کر دیا جائے یا سولی پر چڑھا دیا جائے ○ یا یہ تینوں ہی سزائیں دے دی جائیں ○ یا قتل کر کے ان کی لاش سولی پر لٹکا دی جائے ○ صرف قتل کیا جائے ○ صرف سولی چڑھا دیا جائے۔ {۱۲۳}

(۳) اگر صرف مال لوٹا اور کسی کی جان نہ لی تو دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے۔

(۴) اگر وہ خونریزی اور مال اڑانے سے پہلے ہی پکڑ لیے گئے تو انہیں تعزیر لگانے کے بعد اس وقت تک جیل

{۱۲۰} المحاربة هی المضادة والمخالفة وهی صادقة علی الکفر وعلی قطع الطریق واخافة السبیل (ابن کثیر ۲/۶۷)

{۱۲۱} ذهب اکثر المفسرین کماقال الطیبی وعلیه جملة الفقهاء الی انها نزلت فی قطاع الطریق (روح المعانی ٤/٦/١٧٥)

{۱۲۲} قال ابن عباس فی روایة عطاء کلمة او ههنا لیست للتخییر بل هی لبیان ان الاحکام تختلف باختلاف الجنایات...... وهذا قول الاکثرین من العلماء (کبیر ٤/٣٤٦)

{۱۲۳} کمافصله الزیلعی وحکاه فی الدرالمختار (تکمه فتح الملهم ۲/۳۱۱)

میں رکھا جائے جب تلک وہ توبہ کر کے نیک نہ بن جائیں۔

لیکن ڈاکہ زنی کی یہ حد اس وقت جاری کی جائے گی جب کہ ان ڈاکوؤں میں تین شرطیں پائی جائیں۔

ا۔ انہیں قوت وطاقت حاصل ہو، تا کہ وہ چوروں سے ممتاز ہو جائیں۔

۲۔ وہ ڈاکہ زنی کے اس جرم کا ارتکاب دارالاسلام میں کریں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ دارالاسلام کے علاوہ شہر سے باہر ہونے کی شرط بھی لگاتے ہیں کیونکہ شہر میں باہمی تعاون ہونے کی وجہ سے ڈاکہ زنی ناممکن ہے، لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے اور متأخرین احناف نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے[۱۲۴]، امام سرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے زمانے میں لوگ عام طور پر مسلح رہتے تھے اور باہمی تعاون کا جذبہ بھی عام تھا جس کی وجہ سے شہر کے اندر ڈاکہ زنی ممکن نہیں تھی اس لیے انہوں نے اپنے زمانہ کے حالات کے پیشِ نظر شہر سے باہر ہونے کی شرط لگائی تھی اب جبکہ حالات بدل گئے ہیں تو اس شرط کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

۳۔ وہ علانیہ مال لے اڑیں، اگر انہوں نے خفیہ طور پر مال چرایا تو اسے ڈاکہ نہیں، چوری کہا جائے گا اور ان کا صرف ہاتھ کاٹا جائے گا۔

”ویسعون فی الارض فسادا“ شر، فساد، اور رہزنی کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں، مال کی لوٹ کھسوٹ اور خونریزی کے علاوہ عورتوں کی عصمت دری کی جاتی ہے انسانوں بلکہ طیاروں تک کو اغوا کرلیا جاتا ہے، قرآن نے مذکورہ بالا جملہ لاکر بتادیا کہ ”محاربہ“ کی کوئی قدیم صورت ہو یا جدید اور ماڈرن صورت ہو، امام جس سزا کو رہزنوں کے حال کے مناسب سمجھے گا وہ ان پر جاری کردے گا، اور بدکاری کا اگر شرعی ثبوت مل جائے تو حدِ زنا جاری کرے گا، یونہی اگر انہوں نے نہ کسی کی جان لی ہو نہ مال لوٹا ہو بلکہ صرف زخم لگائے ہوں تو ان کا حکم عام زخموں جیسا ہوگا اور حق العبد ہونے کی وجہ سے معاف بھی ہو سکے گا۔

”ولهم فی الآخرة“ محاربین کی دنیوی سزائیں بیان کرنے کے بعد ان کی اخروی سزائیں بیان کی جارہی ہے۔

﴿۳۴﴾ ترہیب کے ساتھ ترغیب اور سختی کے ساتھ نرمی قرآن کا خاص انداز اور شریعتِ اسلامیہ کا امتیازی اسلوب ہے، پہلی آیت میں ترہیب تھی، باغیوں اور قانون ہاتھ میں لینے والوں کے لیے سخت ترین سزائیں بیان فرمائی گئیں یہاں تک کہ ان میں سے اگر کسی ایک نے بھی قتل کیا تو اس کے بدلے سب کو قتل کیا جائے گا اب اس آیت

{۱۲۴} وعلی کل حال، فقد افتی المتأخرون من الحنفیة علی قول ابی یوسف رحمه الله (تکمه فتح الملهم ۲/۳۱۱)

میں ایسے سرکشوں اور فسادیوں کو توبہ کی ترغیب دی جارہی ہے کہ اگر وہ قانون کی گرفت میں آنے سے پہلے توبہ کرلیں تو ان سے حد ساقط ہو جائے گی، معافی کے اس اعلان میں ایک سیاسی مصلحت بھی پوشیدہ ہے وہ یہ کہ ایک پورے جتھے اور منظم گروپ کو زیر کرنے کے لیے دونوں جانب سے خونریزی لازمی ہے پھر ممکن ہے ان کے کچھ حمایتی عام لوگوں میں بھی موجود ہوں جو ان کا خون دیکھ کر مستقبل میں انتقام کا عزم کرلیں جبکہ توبہ کی صورت میں ان سارے خطرات سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔

توبہ کرنے سے صرف حق اللہ یعنی رہزنی کی حد ساقط ہوگی باقی رہے حقوق العباد یعنی قصاص اور سلب شدہ مال کا تاوان تو یہ توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوں گے۔{۱۲۵} اور صاحب حق کو قصاص اور مال کی واپسی کے مطالبہ کا اختیار حاصل ہوگا اب یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ چاہے تو معاف کردے اور چاہے تو دیت یا قصاص لے لے، اگر حاکم نے رہزن کو کوئی مالی حق معاف کردیا تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ بیت المال سے حق والوں کو ادائیگی کرے۔

اگر مجرم نے پکڑے جانے کے بعد توبہ کی تو دنیاوی احکام کے اعتبار سے اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی، کیونکہ وہ اپنی توبہ میں متّھم ہے، یہی سمجھا جائے گا کہ اس نے سزا سے بچنے کے لیے توبہ کی ہے۔{۱۲۶}

توبہ کے ضمن میں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ صرف زبانی کلامی توبہ کافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی زندگی میں عملی طور پر تبدیلی آجائے اور یہ نظر آئے کہ اس شخص نے دل سے توبہ کی ہے۔{۱۲۷}

حکمت وہدایت

۱......انسان جن جرائم کا ارتکاب کرتا ہے، ان میں خالق کی نافرمانی بھی ہوتی ہے اور مخلوق پر بھی ظلم ہوتا ہے لیکن کسی جرم میں حق اللہ کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اور کسی میں حق العبد غالب ہوتا ہے۔

۲......شریعت میں جرائم کی سزاؤں کی تین قسمیں ہیں، حدود، قصاص اور تعزیرات، جن جرائم میں حق اللہ غالب ہوتا ہے ان کی سزا کو ''حد'' اور جن میں بندے کا حق نمایاں ہوتا ہے انہیں ''قصاص'' اور جن جرائم کی سزائیں قاضی کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی ہیں انہیں ''تعزیرات'' کہا جاتا ہے۔

۳......تعزیرات میں حالات کے مطابق کمی بیشی ہوسکتی ہے لیکن حدود نہ تو معاف ہوسکتی ہیں اور نہ ہی ان میں کوئی

{۱۲۵}اما القصاص وحقوق الآدميين فلاتسقط (قرطبی ۶/۱۵۰)
{۱۲۶}وتقييد التوبة بالتقدم على القدرة يدل على انها بعدالقدرة لاتسقط الحدوان اسقطت العذاب (بیضاوی ۲/۳۲۱)
{۱۲۷}حتى يتوب لابالقول بل بظهور سيماء الصلحاء (درّمختار)

تبدیلی ہوسکتی ہے، صرف ''محاربہ'' ایک ایسا جرم ہے جس کی سزا گرفت میں آنے سے پہلے توبہ کرنے سے معاف ہوجاتی ہے۔

۴......چونکہ قصاص میں حق العبد غالب ہے اس لیے مقتول کے وارث کو دیت لینے اور معاف کرنے کا بھی اختیار ہے۔

۵......حدود کی سزائیں اگرچہ سخت ہیں لیکن ان کے ثبوت اور نفاذ کے لیے شرائط بھی بہت سخت رکھی گئی ہیں اور ادنیٰ سا شبہ بھی پیش آنے سے یہ سزائیں ساقط ہوجاتی ہیں۔

۶......اگر کسی وجہ سے حد جاری نہ کی جاسکی مگر قاضی کی نظر میں وہ مجرم ٹھہرتا ہے تو وہ اس پر تعزیری سزا جاری کرسکتا ہے۔

۷......اسلام نے صرف سزائیں متعین کرنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس قسم کے احکام بھی نافذ کیے ہیں جن کی وجہ سے خیر کے دروازے کھلتے ہیں اور شر کے دروازے بند ہوتے ہیں اسلام ایسا ماحول پیدا کرتا ہے جس میں نیکی، عفت وعصمت، رزقِ حلال، تعاون اور ایثار کے جذبات کو فروغ ملتا ہے اور برائی، شہوت وعریانیت، رزقِ حرام، لوٹ کھسوٹ اور خودغرضی جیسے حیوانی جذبات کمزور پڑ جاتے ہیں، مثال کے طور پر زنا کو لے لیا جائے کہ اس جرم سے باز رکھنے کے لیے کتنے احکام دیئے گئے؟

(۱) عورتیں حجاب کا اہتمام کریں۔ (۲) بغیر کسی مجبوری کے گھر سے نہ نکلیں۔ (۳) مرد اور عورتیں نظریں جھکا کر رکھیں۔ (۴) اجنبیوں کے سامنے بن ٹھن کر نہ آئیں۔ (۵) اپنی زینت (چہرہ وغیرہ) ان کے سامنے ظاہر نہ کریں۔ (۶) ان سے لوچ دار لہجے میں بات چیت نہ کریں (۷) غیر محرموں سے خلوت میں نہ ملیں۔ (۸) بلوغ کے بعد خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، ان کی شادی میں بلاوجہ تاخیر نہ کی جائے۔ (۹) عفت وعصمت کا اہتمام کریں۔ (۱۰) عقدِ نکاح کو اتنا آسان کیا گیا کہ اس کے لیے نہ جہیز کی ضرورت نہ دعوتِ طعام کی، یہاں تک کہ قاضی کا ہونا بھی شرط نہیں۔ (۱۱) اگر مرد پر شہوت کا غلبہ ہو اور وہ حقوق بھی ادا کرسکتا ہو تو اسے ایک سے زائد شادیوں کی اجازت دے دی گئی۔ (۱۲) اگر ان تمام ہدایات اور نورانی ماحول کے باوجود کوئی بدبخت زنا کا ارتکاب کرلے تو اس پر اس وقت تک حد جاری نہیں کی جاسکتی جب تک کہ وہ خود زنا کا اقرار نہ کرلے یا چار عینی گواہ اسکی بدکاری کی گواہی نہ دے دیں...... جیسے حدِ زنا کا معاملہ ہے یونہی دوسری حدود کا بھی معاملہ ہے۔

۸......محاربہ سمیت ہر جرم کی دنیوی سزا بھی ہے اور اخروی سزا بھی ہے، دنیوی سزا جاری ہوجانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں

کہ مجرم آخرت کی سزا سے محفوظ ہو گیا۔ آخرت کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، چاہے تو معاف کر دے اور چاہے تو سزا دے۔

۹......حکومت کے قابو میں آنے سے پہلے اگر مجرم توبہ کر لے تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔

تقویٰ اور جہاد، فلاح کی بنیاد

﴿۳۵......۳۷﴾

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ

اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ اور جہاد کرو اس کی راہ میں تاکہ تمہارا

تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ

بھلا ہو جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس ہو جو کچھ زمین میں ہے سارا اور اس کے ساتھ اتنا ہی

لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

اور ہو تاکہ بدلہ میں دیں اپنے قیامت کے عذاب سے تو ان سے قبول نہ ہوگا اور ان کے واسطے عذاب دردناک ہے

يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝

چاہیں گے کہ نکل جاویں آگ سے اور وہ اس سے نکلنے والے نہیں اور ان کے لئے عذاب دائمی ہے

ربط: جرائم میں سے ایک جرم کی سزا بیان کرنے کے بعد ہر قسم کے جرائم اور گناہوں سے بچے رہنے کی تلقین اور اللہ کے قریب کرنے والے اعمال کا حکم دیا جارہا ہے۔

تسہیل: اے ایمان والو! اللہ کے عذاب سے ڈرو اور نیک اعمال کے ذریعے اس کا قرب تلاش کرو، اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ ○ وہ لوگ جو کافر ہیں اگر ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اتنا ہی ان کے پاس اور بھی ہو تاکہ اسے فدیہ کے طور پر دے کر قیامت کے دن عذاب سے چھوٹ جائیں تو ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○ وہ آگ سے نکلنا چاہیں گے لیکن نکل نہیں سکیں گے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے ○

تفسیر

﴿۳۵﴾ اے ایمان والو! اوامر پر عمل پیرا ہو کر اور منہیات سے بچ کر اللہ کے عذاب اور اس کی ناراضگی سے

ڈرنے کا عملی ثبوت پیش کرو اور ہر ایسا عمل کرنے کی کوشش کرو جس کے ذریعہ تمہیں اس کا قرب حاصل ہو {۱۲۸} وسیلہ، جنت میں ایک اعلیٰ درجہ کا نام بھی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم اذان کے بعد میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کی دعا کیا کرو جو ایسا کرے گا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ {۱۲۹} لیکن یہاں پر وسیلہ سے مراد جنت کا کوئی درجہ مراد نہیں بلکہ وہ نیک اعمال مراد ہیں جن کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، بعض اوقات اللہ کو نیک اعمال کا واسطہ دے کر دعا بھی کی جاتی ہے جیسا کہ اس مشہور روایت میں ہے جس میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل کے تین افراد آبادی سے دور سخت بارش سے پناہ لینے کی خاطر ایک غار میں گھس گئے تھے، اچانک ایک چٹان اس کے دہانے پر آکر رک گئی جس کی وجہ سے باہر نکلنے کا راستہ بند ہوگیا پھر تینوں نے اپنے اپنے نیک عمل کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی، جس کی برکت سے وہ چٹان ہٹ گئی اور تینوں کو اس مصیبت سے چھٹکارا مل گیا، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی بھی ایک نیک عمل ہے لہٰذا اس محبت کو واسطہ بنا کر دعا کرنا بھی جائز ہے۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا صحابی کو ان الفاظ میں دعا سکھائی تھی ''اللھم انی أسالک و أتوجه بنبیک صلی اللہ علیه وسلم نبی الرحمة'' {۱۳۰} (اے اللہ! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں اور تیرے نبی رحمت کے واسطہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں)۔

اس طرح کی دعاؤں میں صحیح مطلب یہی ہے کہ اے اللہ مجھے تیرے نبی سے جو محبت ہے میں اس محبت کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں، جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وسیلہ اور واسطہ دینے سے اللہ تعالیٰ دعا قبول کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے یا وہ لفظِ وسیلہ سے مرحومین سے استعانت اور استغاثہ کو جائز ثابت کرتے ہیں، وہ قرآن پر زیادتی کرتے ہیں اور ایک ایسی بات قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کی تردید سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے اور جس کا صحابہ اور سلف سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ {۱۳۱}

''وجاھدوا فی سبیله'' پہلے حکم دیا گیا گناہوں کو چھوڑنے کا، نیکیوں کے کرنے کا اور اللہ کا قرب تلاش کرنے کا اور اب حکم دیا جا رہا ہے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا۔

'اللہ کی راہ' سے حق اور بھلائی کا، دین کی سربلندی اور امت کی حریت کا راستہ مراد ہے۔ دینِ حق کو اپنے جسم

{۱۲۸}ای ماتتوسلون به الی ثوابه والزلفی منه من فعل الطاعات وترك المعاصی (بیضاوی ۲/۳۲۱) ''الوسیلة'' هی فعیلة بمعنی مایتوسل به ویتقرب الی اللہ تعالیٰ من فعل الطاعات وترك المعاصی (تفسیر ابی سعود ۲/۲٦٦)التوصل الی بنتی برغبة (مفردات)

{۱۲۹}مسلم {۱۳۰}ترمذی

{۱۳۱}واما اذا کان المطلوب منه میتا اوغائبا فلایستریب عالم انه غیرجائز وانه من البدع التی لم یفعلها احدمن اسلف (روح المعانی ۱۸۳/٦/٤)

وجان اور پوری دنیا پر نافذ کرنے اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے سلسلہ میں جو بھی کوشش کی جاتی ہے وہ جہاد ہے، چاہے وہ مجاہدہ نفس کی صورت میں ہو یا زبان، قلم، علم اور مال کے ذریعے دین کی خدمت اور نشر واشاعت کی صورت میں ہو [۱۳۲] لیکن جہاد کا اعلیٰ ترین مرتبہ دشمنانِ اسلام سے مقابلہ کرتے ہوئے اپنے جسم اور جان کو داؤ پر لگا دینا ہے۔

"لعلکم تفلحون" اس آیت کے مضامین پر عمل کرنے میں فرد اور جماعت دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح ہے۔

﴿۳۶﴾ اہلِ ایمان کے مقابلہ میں کفار کا تذکرہ ہے جو نہ تو اللہ سے ڈرتے ہیں، نہ اس کا قرب حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ تلاش کرتے ہیں، ایسے لوگوں کا قیامت کے دن جو منظر ہوگا اللہ اسے یوں بیان فرما رہے ہیں گویا وہ منظر دنیا ہی میں ہمارے سامنے ہے...... فرض کیجیے کہ اس زمین جیسی ایک اور زمین ہے اور یہ بھی فرض کیجیے کہ کفار ان دونوں زمینوں کے سارے خزانوں کے مالک ہیں، اس کے بعد یہ بھی فرض کر لیجیے کہ وہ عذاب سے چھٹکارا پانے کے لیے یہ سب کچھ فدیہ کے طور پر پیش کرنے کے لیے تیار ہیں...... لیکن ان سے قبول نہیں کیا جا رہا ہے اور انہیں اٹھا کر جہنم کی دہکتی آگ میں پھینک دیا جاتا ہے۔

﴿۳۷﴾ ایک اور منظر سامنے لائیے وہ عذاب کی شدت سے گھبرا کر باہر نکلنا چاہتے ہیں لیکن انہیں نکلنے نہیں دیا جا رہا ہے اور انہیں جہنم میں ہمیشہ رہنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔

حکمت وہدایت

۱...... اللہ کا تقویٰ، اس کے قرب کی طلب اور اس کی راہ میں جہاد کرنا واجب ہے۔ (۳۵)

۲...... ایمان اعمالِ صالحہ اور صلحاء کی محبت کو وسیلہ بنا کر دعا کرنا جائز ہے۔ (۳۵)

۳...... ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعاءِ وسیلہ کرے۔

۴...... قیامت کے دن کافر کو نہ فدیہ فائدہ دے گا نہ ہی سفارش فائدہ دے گی۔ (۳۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قیامت کے دن اہلِ جہنم میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا اور اس سے سوال کیا جائے گا کہ تم نے اپنی قرارگاہ (جہنم) کو کیسا پایا؟ وہ

---

(۱۳۲) بمحاربة اعدائه الظاهرة والباطنة (بیضاوی ۲/۳۲۱) مع اعدائکم بماامکنکم (روح المعانی ۱۸۹/۶/۴) بمحاربة اعدائه البارزة والکامنة (ابی سعود ۲۶۶/۲)

جواب دے گا کہ وہ بدترین جگہ ہے، پھر پوچھا جائے گا کیا تم زمین کی وسعت کے برابر سونا فدیہ کے طور پر دینے کے لیے تیار ہو؟ وہ کہے گا کیوں نہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تم سے (دنیا میں) اس سے بھی چھوٹی چیز مانگی تھی لیکن تم اس کے لیے آمادہ نہ ہوئے چنانچہ اس کے لے دوزخ کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔[۱۳۳]

۵......مفروضات کی بناء پر بات سمجھانا جائز ہے۔

حدِ سرقہ

﴿۳۸......۴۰﴾

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ
اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کاٹ ڈالو ان کے ہاتھ سزا میں ان کی کمائی کی تنبیہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
غالب ہے حکمت والا پھر جس نے توبہ کی اپنے ظلم کے پیچھے اور اصلاح کی تو اللہ قبول کرتا ہے اس کی توبہ بیشک اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ
بخشنے والا مہربان ہے تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی عذاب کرے جس کو چاہے

وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾
اور بخشے جس کو چاہے اور اللہ سب چیز پر قادر ہے

ربط: رہزنی کے بعد چوری کی سزا بیان کی جارہی ہے اور دونوں میں مناسبت بالکل واضح ہے، احناف رہزنی کو ''سرقہ کبریٰ'' اور چوری کو ''سرقہ صغریٰ'' کہتے ہیں، رہزن علی الاعلان سلب ونھب کرتا ہے جبکہ چور خفیہ طور پر مال اڑاتا ہے۔

تسہیل: چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ ان کے جرم کی پاداش میں اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا کے طور پر کاٹ دو، اور اللہ غالب اور حکیم ہے ○ جس شخص نے اس ظلم اور زیادتی کے بعد توبہ اور اصلاح کر لی تو اللہ اس پر نظرِ عنایت فرمائے گا، یقیناً اللہ غفور رحیم ہے ○ کیا تمہیں علم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت اللہ ہی کے لیے ہے وہ جسے چاہے سزا دے اور جسے چاہے معاف کر دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

{۱۳۳}صحیح مسلم

﴿تفسیر﴾

﴿۳۸﴾ اس آیت کریمہ میں حکمرانوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ چور مرد اور چور عورت کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، پہلی بار چوری کرنے کی صورت میں دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا، اگر اس نے دوبارہ یہی حرکت کی تو اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے گا، اگر وہ پھر بھی باز نہ آیا اور بار بار چوری کرتا رہا تو احناف اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اس کا دوسرا ہاتھ اور پاؤں نہیں کاٹا جائے گا۔ (۱۳۴) بلکہ اسے جیل میں ڈال دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ توبہ کر کے نیک بن جائے۔

ہاتھ کاٹنے کی سزا اس وقت نافذ ہوگی جب چند شرائط پائی جائیں:

۱۔ چور عاقل اور بالغ ہو، مجنون اور بچہ اگر چوری کرلیں تو ان کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

۲۔ وہاں کوئی اشتباہ بھی نہ ہو، لہٰذا اپنے محارم کے گھر سے چوری کرنے پر یہ سزا جاری نہیں ہوگی۔

۳۔ مالِ محفوظ کی چوری کی گئی ہو، اگر گری پڑی چیز کسی نے اٹھالی یا درخت سے پھل توڑ لیا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

۴۔ وہ مال کسی فرد یا جماعت کی ذاتی ملکیت ہو، لہٰذا رفاہی ادارے اور ہسپتال سے چوری کرنے والے پر حد جاری نہیں ہوگی۔

۵۔ چور نے چھپ کر مال لیا ہو، علانیہ لینے کو چوری نہیں بلکہ ڈاکہ کہتے ہیں۔

۶۔ چرائے گئے مال کی قیمت کم از کم ایک دینار ہو۔

چوری کا جرم ثابت ہونے کے لیے چور کا اقرار یا دو گواہوں کی گواہی ضروری ہے۔

''جزاء بما کسبا'' کسی بھی سزا کی تجویز میں دو پہلو مدنظر ہوتے ہیں، انتقامی اور انتظامی، انتقامی پہلو کا مقصد مظلوم کی دادرسی اور انتظامی کا مقصد جرائم کی روک تھام اور مجرموں کی حوصلہ شکنی ہوتا ہے ''جزاء'' سے پہلے اور ''نکالا'' سے دوسرے پہلو کی طرف اشارہ ہے۔ یونہی ''من اللہ'' لا کر یہ سمجھایا گیا ہے کہ اس سزا میں حق العبد کے ساتھ حق اللہ بھی ہے لہٰذا اگر مالک نے چور کو معاف بھی کر دیا تو بھی یہ سزا ساقط نہیں ہوگی۔

بعض لوگوں کو دوسری اسلامی سزاؤں کی طرح اگرچہ یہ سزا بھی بظاہر سخت معلوم ہوتی ہے لیکن وہ یہ نہیں دیکھتے

{۱۳۴} انما لم تقطع رجل الیمنی بعد رجلہ الیسری لمافیہ من بطلان منفعۃ المشی رأسھا کذلك لا تقطع الید الیسری بعد الیمنی لمافیہ من بطلان منفعۃ البطش (۴۲۳/۲)

چوری میں کتنے مفاسد اور خطرات پوشیدہ ہیں، انسان کے اندر جو مال کی شدید حرص اور محبت پائی جاتی ہے اگر اسے بے لگام چھوڑ دیا جائے تو پھر معاشرہ کا ہر فرد عدم تحفظ کا شکار ہو جائے گا اور کوئی بھی گھرانہ سکون کی نیند نہیں سو سکے گا۔ بعض لوگ نتائج اور اثرات کے اعتبار سے اسے قتل سے بھی زیادہ ہولناک جرم قرار دیتے ہیں کیونکہ قتل ایک مفرد جرم ہوتا ہے جو عام طور پر قاتل اور مقتول کے درمیان کسی دشمنی یا لڑائی جھگڑے کی وجہ سے رونما ہوتا ہے اس لیے اس کے اثرات بھی انہی تک محدود رہتے ہیں جبکہ سرقہ ایک اجتماعی جرم ہے جو سارے تاجروں اور اصحابِ اموال سے اعتماد چھین لیتا ہے اور ان میں خوف اور بے سکونی کی لہر دوڑ جاتی ہے، چوروں کی ہوس کا نشانہ بننے والے کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو فاقہ کشی پر مجبور ہو جاتے ہیں، اگر چند ہاتھوں کے کٹنے سے ہزاروں گھر اور لاکھوں افراد محفوظ ہو سکتے ہیں تو یہ کوئی مہنگا سودا نہیں ہے۔ چنانچہ تجربہ یہی ہے کہ چوری کی شرعی سزا نافذ کرنے سے نہ صرف چوری کا سدّ باب ہو جاتا ہے بلکہ دوسرے بہت سارے جرائم کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے کیونکہ بیواؤں کے کوٹھے، شراب خانے، ہیروئن، چرس اور جوئے کے اڈے چوری اور لوٹ کھسوٹ کے مال ہی سے آباد ہوتے ہیں، حیرت ہے کہ بعض لوگوں کو ظالم پر تو ترس آتا ہے مگر مظلوم پر ترس نہیں آتا۔

”واللہ عزیز حکیم“ اللہ غالب اور حاکم مطلق ہے وہ جا چاہے حکم نافذ کرتا ہے اور چوروں کو سزا دینے میں سخت ہے، کسی کو اس پر اعتراض کا حق حاصل نہیں، دوسری طرف وہ حکیم بھی ہے اس کا کوئی حکم بھی حکمت سے خالی نہیں۔

﴿۳۹﴾ وہ مجرم جو اپنے کیے پر نادم ہوں، چوری کے بعد توبہ کر لیں اور اللہ کی طرف رجوع کریں، لوگوں کے اموال انہیں لوٹا دیں یا کم از کم مالک سے معاف ہی کروا لیں، اپنی اصلاح اور نفس کا تزکیہ کر لیں اور مستقبل میں اس قسم کے جرائم سے بچتے رہیں تو اللہ ان کی توبہ قبول کر لے گا اور امید ہے کہ آخرت میں انہیں عذاب نہیں ہوگا مگر اس توبہ کی وجہ سے وہ دنیا کی سزا یعنی قطعِ ید سے نہیں بچ سکیں گے۔ {۱۳۵}

﴿۴۰﴾ آسمانوں اور زمین کا مالک اور حاکمِ مطلق صرف اللہ ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے لیکن اس کے ہر کام اور ہر حکم میں عدل، حکمت اور رحمت ہوتی ہے، مجرموں کو سزا دینا اس کی حکمت اور عدل کا تقاضا ہے اور تائبین کی توبہ قبول کرنا اس کی رحمت کا تقاضا ہے۔

حکمت و ہدایت

۱......اسلامی معاشرہ کو اضطراب، بے سکونی اور خوف سے بچانے کے لیے ان لوگوں کو سزا دینا ضروری ہے جو فساد اور

{۱۳۵} واما القطع فلا تسقطه التوبة عندنا (تفسیر ابی السعود ۲/۲۶۹)

انار کی پھیلانے کا سبب بنتے ہیں۔(۳۸)

۲......قرآن کریم میں عام طور پر مردوں سے خطاب ہوتا ہے اور عورتیں اس میں ضمناً شامل ہوتی ہیں لیکن چوری اور زنا کی سزا میں مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی صراحۃً ذکر آیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حدود شبہ کی بناء پر ساقط ہو جاتی ہیں۔ کسی کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ شاید صنفِ نازک ہونے کی بناء پر عورت حدود سے مستثنیٰ ہو اس لیے ان کا صراحت کے ساتھ ذکر فرمایا پھر سرقہ میں مرد کو مقدم کیا کیونکہ مال کی محبت مردوں پر غالب ہوتی ہے اور زنا میں عورت کو مقدم کیا کیونکہ زنا میں عورت کی بے حیائی اور شہوت کا دخل زیادہ ہوتا ہے۔

۳......ایک ملحد نے قطعِ ید کی سزا پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ ہاتھ جس کی دیت پانچ سو دینار ہے، عجیب بات ہے کہ اس ہاتھ کو صرف چوتھائی دینار کے بدلے کاٹ دیا جاتا ہے، علامہ علم الدین سخاویؒ نے اس اعتراض کا جو جواب دیا اس کا حاصل یہ تھا کہ جب تک یہ ہاتھ امین تھا، قیمتی تھا، جب خائن بن گیا تو سستا ہو گیا[۱۳۶] (لما کانت امینۃ کانت ثمینۃ ولما ھانت خانت)۔

۴......جب کوئی چور اپنے ماضی سے توبہ اور اپنے حال اور مستقبل کی اصلاح کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔(۳۹)

منافقین اور یہود کی حرکتیں

﴿۴۱......۴۳﴾

يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا
اے رسول غم نہ کر ان کا جو دوڑ کر گرتے ہیں کفر میں وہ لوگ جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں

بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ
اپنے منہ سے اور ان کے دل مسلمان نہیں اور وہ جو یہودی ہیں جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کیلئے وہ جاسوس ہیں

لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ
دوسری جماعت کے جو تجھ تک نہیں آئے بدل ڈالتے ہیں بات کو اس کا ٹھکانا چھوڑ کر کہتے ہیں اگر تم کو

﴿۱۳۶﴾واعترض الملحد المعری علی وجوب قطع الید بسرقة القلیل...... فاجابه......ولله دره...... علم الدین السخاوی بقوله عزالامانة أغلاها وأرخصها...... ذل الخیانه فافهم حکمة الباری (روح المعانی ۱۹۷/۶/۴)

هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ
یہ حکم ملے تو قبول کرلینا اور اگر یہ حکم نہ ملے تو بچتے رہنا اور جس کو اللہ نے گمراہ کرنا چاہا سو تو اس کے لئے کچھ

مِنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔـا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا
نہیں کرسکتا اللہ کے ہاں یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ دل پاک کرے ان کے ان کو دنیا میں

خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۴۱ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ
ذلت ہے اور ان کو آخرت میں بڑا عذاب ہے جاسوسی کرنے والے جھوٹ بولنے کے لئے اور بڑے حرام کھانے والے سو اگر

جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَـيْـــًٔا ۭ
آویں وہ تیرے پاس تو فیصلہ کردے ان میں یا منہ پھیر لے ان سے اور اگر تو منہ پھیر لے گا ان سے تو وہ تیرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۴۲ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ
اور اگر تو فیصلہ کرے تو فیصلہ کر ان میں انصاف سے بیشک اللہ دوست رکھتا ہے انصاف کرنے والوں کو اور وہ تجھ کو کس طرح منصف بنائیں گے

وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ
اور ان کے پاس تو توریت ہے جس میں حکم ہے اللہ کا پھر اس کے پیچھے پھرے جاتے ہیں اور وہ ہرگز

بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۳ۧ
ماننے والے نہیں ہیں

ربط: اگلی آیات میں بتایا جارہا ہے کہ منافقین اور یہود شرعی احکام بالخصوص حدود و تعزیرات سے بچنے کے لیے تاویل اور تحریف کا سہارا لیتے ہیں آپ ان کی حرکتوں سے غمناک اور پریشان نہ ہوں۔ یہاں یہ بھی جان لیجیے کہ قرآن کریم میں "یاایھاالنبی" کے صیغے کے ساتھ تو کئی جگہ خطاب ہے لیکن "یاایھاالرسول" کے ساتھ خطاب صرف دو دفعہ کیا گیا اور یہ دونوں مواقع سورہ مائدہ میں ہیں، یہ تشریف اور تعظیم کا خطاب ہے۔

تسہیل: اے رسول! آپ ان لوگوں کی حرکتوں سے رنجیدہ نہ ہوں جو کفر میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوششیں کرتے ہیں خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہے اور خواہ ان لوگوں میں سے ہوں جو یہودی ہیں، یہ جھوٹ کی خاطر سنتے ہیں اور جو لوگ آپ کے پاس نہیں آتے ان کے لیے جاسوسی کرتے ہیں یہ کلام کا موقع محل متعین ہونے کے بعد اس کے محل سے بدل دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو قبول کرلینا اور اگر اس کے بجائے کوئی دوسرا حکم بتایا جائے تو اس سے بچ کے رہنا، جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے اس کے معاملہ میں تم اللہ کے مقابل کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے، یہی ہیں جن کے دلوں کو

اللہ پاک نہیں کرنا چاہتا، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں رسوائی ہے ○ یہ جھوٹ کے عادی اور پکے حرام خور ہیں، اگر یہ آپ کے پاس آئیں تو آپ کو اختیار ہے خواہ ان کے درمیان فیصلہ کریں یا انہیں ٹال دیں، اگر آپ انہیں ٹال دیں تو یہ آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے اور اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو انصاف کا فیصلہ کریں، اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ○ اور یہ آپ کو کیسے حکم ٹھہراتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے، پھر یہ حکم بنانے کے بعد پھر جاتے ہیں اور یہ ایمان دار لوگ نہیں ہیں ○

﴿تفسیر﴾

﴿۴۱﴾ شانِ نزول

اس آیت کے شانِ نزول میں کئی واقعات ذکر کیے گئے ہیں جن کی وجہ سے ایک عام قاری کے ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ ایک ہی آیت کے کئی شانِ نزول کیسے ہوگئے یا یہ کہ ایک ہی واقعہ کئی آیات کا شانِ نزول کیسے بن گیا تو اس کا جواب شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ نے یہ دیا ہے کہ صحابہ اور تابعین جب یوں کہتے ہیں کہ "نزلت فی کذا" (یہ آیت فلاں واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے) تو اس سے ان کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ آیت اس واقعہ پر بھی صادق آسکتی ہے۔[۱۳۷]

مذکورہ بالا آیت کے شانِ نزول میں بخاری اور مسلم میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے وہ مشہور روایت بھی نقل کی گئی ہے جس میں مذکور ہے کہ یہود سزا کے طور پر زانی اور زانیہ کا منہ کالا کیا کرتے تھے حالانکہ تورات میں رجم کا حکم دیا گیا تھا، اسی طرح چند دوسرے واقعات کے علاوہ مسند احمد اور ابوداؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بھی نقل کی گئی ہے کہ یہ آیت یہود کے دو بڑے قبیلوں (بنو قریظہ اور نضیر) کے بارے میں نازل ہوئی، ان میں سے بنو نضیر طاقتور جبکہ بنو قریظہ کمزور تھے، بنو نضیر نے بنو قریظہ سے یہ معاہدہ کر رکھا تھا کہ اگر تمہارا کوئی بندہ مارا گیا تو اس کی دیت پچاس وسق ہوگی اور اگر ہمارا بندہ قتل ہوا تو اس کی دیت سو[۱۳۸] وسق ہوگی، اسی معاہدہ پر ان کے ہاں عمل ہوتا رہا تا آنکہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لے آئے انہی دنوں اتفاق سے قریظہ کے

{۱۳۷} والذی یظهر من استقراء کلام الصحابة والتابعین انهم لایستعملون "نزلت فی کذا" لمحض قصة کانت فی زمنه صلی الله علیه وسلم وهی سبب نزول الآیة بل ربما یذکرون بعض ماصدقت علیه الآیة مماکان فی زمنه صلی الله علیه وسلم اوبعده صلی الله علیه وسلم ویقولون "نزلت فی کذا" (الفوزالکبیر)۔

{۱۳۸} وسق ایک پیمانے کا نام ہے جس میں ساٹھ صاع آتے ہیں جبکہ ایک صاع ۲۷۵۱ گرام کا ہوتا ہے یعنی تقریباً پونے تین کلو۔

ایک فرد نے نضیر کا کوئی بندہ قتل کر دیا، پرانے دستور کے مطابق ان سے سو وسق کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے یہ کہہ کر مطلوبہ دیت دینے سے انکار کر دیا کہ ہمارا اور تمہارا دین بھی ایک ہے، نسب بھی ایک ہے، شہر بھی ایک ہے تو دیت میں اتنا فرق کیوں ہے باقی رہا معاہدہ کا معاملہ تو وہ ہم نے خوف کی وجہ سے کر لیا تھا اب جبکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کا نجات دہندہ بن کر) تشریف لے آئے ہیں تو اب ہم یہ زیادتی برداشت نہیں کریں گے، ان کے انکار کی وجہ سے قریب تھا کہ تصادم اور قتل وقتال کی نوبت آ جاتی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حَکَم بنانے پر راضی ہو گئے چنانچہ انہوں نے چند منافقین کو بطور امتحان حضورؐ کی خدمت میں بھیجا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی، جس میں فرمایا گیا: اے رسول آپ ان لوگوں کی پرواہ نہ کریں اور نہ ہی ان کی وجہ سے فکرمند ہوں جو کفر میں جلدی کرتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ پہلے ایمان میں تھے اور اب ایمان سے نکل کر کفر کی طرف جانے میں جلدی کر رہے ہیں، وہ تو پہلے ہی سے کفر میں تھے البتہ اپنے کفر پر انہوں نے پردہ ڈال رکھا تھا اور اب وہ پردہ اٹھا کر علی الاعلان کفریہ اعمال کر رہے ہیں{۱۳۹} ان کی مثال اس شخص کی ہے جو کسی مکان میں محبوس ہو اور وہ اسی مکان کے ایک کمرے سے دوسرے کمرے کی طرف منتقل ہو جائے...... اللہ تعالیٰ نے ان کی حقیقت خود واضح فرما دی ہے کہ وہ اپنے منہ سے ایمان کے دعوے کرتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہے، جب دل ایمان سے خالی ہو تو خالی دعوے کا کیا اعتبار۔

"سمّٰعون للکذب" اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ ان کے رؤساء اور علماء نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دین کے احکام کے بارے میں جو کچھ جھوٹ بولتے ہیں یہ اسے فوراً قبول کر لیتے ہیں اور دوسرا یہ ہے کہ وہ بظاہر توجہ اور کثرت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنتے ہیں لیکن اس سے انکا مقصد حصولِ ہدایت نہیں ہوتا بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ کوئی ایسی بات مل جائے جس کی بناء پر وہ لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کریں یا تحریف کے ذریعے جھوٹ بول کر ذہنوں کو خراب کریں، یہ حقیقت میں دشمنانِ اسلام کے جاسوس ہیں جو کہ کذب بیانی اور پیغمبرِ اسلام کو بدنام کرنے کے لیے ان کی باتیں سنتے ہیں وہ اگرچہ دکھاوے کے مطلمان اور اہلش ایمان کے ساتھی تھے مگر انجان لوگ انہیں مسلمانوں کا حقیقی ساتھی سمجھ کر ان کی بات توجہ سے سنتے تھے ظاہر ہے کہ اگر ہمارا کوئی ہم نشیں اور جاننے والا ہم پر جھوٹ بولے گا تو اس کا جھوٹ فوراً قبول کر لیا جائے گا، بہ نسبت اس شخص کے جس کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق ہی نہیں یا جس کے ساتھی ہماری عداوت مشہور اور معلوم ہے کہ اس کی جھوٹی بات کوئی بھی تسلیم نہیں کرے گا۔

{۱۳۹} فالمسارع الی الشئ هو الذی یسرع الیه من خارجه لاجل ان یصل الیه والسارع فی الشی هو الذی یسرع فی اعماله وهو داخل فیه (المنار ۶/۳۲۲)

"یحرفون" کذب بیانی اور جاسوسی کے علاوہ تورات میں لفظی اور معنوی تحریف بھی کرتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض منافقین کو یہ سمجھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجتے ہیں کہ اگر تمہارے سوال کے جواب میں ہماری خواہش کے مطابق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جواب دیں تو قبول کر لینا اور اگر کوئی دوسرا جواب دیں تو اسے ہرگز تسلیم نہ کرنا جیسا کہ شادی شدہ زانی کی سزا کے بارے میں انہوں نے سوال کیا اور ساتھ ہی تاکید کر دی کہ اگر تمہیں منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کی سزا بتائی جائے تو تسلیم کر لینا اور اگر رجم کا حکم دیا جائے تو انکار کر دینا۔

"ومن یرد اللہ فتنته" جسے اللہ کسی آزمائش میں ڈال کر اس کے کفر اور گمراہی کو ظاہر کرنے کا ارادہ کر لے تو اسے ہدایت کی راہ پر چلانا ممکن ہی نہیں جیسے لوہے کی کان کو سونے میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا یونہی کفر ونفاق میں ڈھلے ہوئے انسانوں کو مومن نہیں بنایا جا سکتا۔

اولٰئک الذین لم یُرد اللہ" اللہ کا دستور اور عادت یہی ہے کہ جو لوگ کفر ونفاق اور مکر وکذب کو اپنا اوڑھنا، بچھونا بنا لیتے ہیں اور یہ ان کی فطرت اور طبیعت بن جاتا ہے تو اللہ بھی انہیں گندگی میں پڑا رہنے دیتا ہے۔

"لھم فی الدنیا خزی" ایسے لوگوں کا جب کذب ونفاق ظاہر ہوتا ہے تو وہ دنیا میں بھی رسوا ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کے لیے بڑی رسوائی اور بڑا عذاب تیار ہے۔

﴿۴۲﴾ ان کے جو اوصاف اوپر بیان ہوئے ہیں ان کی تاکید کے لیے دوبارہ فرمایا کہ یہ اپنے مقتداؤں سے جھوٹ سننے کے عادی ہو چکے ہیں، انہیں جھوٹی باتیں قبول کرنے اور حرام خوری میں کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی، یہ رشوت لیکر دینی حکام اور فتاویٰ بدل دیتے ہیں۔ {۱۴۰}

"فان جاؤک" یہود کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اختیار دیا ہے کہ اگر وہ اپنے مسائل اور تنازعات کے سلسلہ میں آپ کو حکم تسلیم کر لیں تو آپ کو اختیار ہے چاہیں تو فیصلہ فرما دیں اور چاہیں تو انہیں ٹال دیں...... لیکن یہ اختیار ایسے معاہد کفار کے لیے ہے جو اسلامی حکومت کے ذمّی نہ ہوں اور اگر وہ ذمّی ہوں تو ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے کیونکہ شراب اور خنزیر کے علاوہ تمام جرائم اور معاملات میں انہوں نے اسلامی احکام پر عمل کرنے کا عہد کیا ہوا ہے۔

"وان حکمت" قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ ہر کسی کے ساتھ عدل کیا جائے خواہ مسلمان ہو یا کافر، دوست ہو یا دشمن۔

﴿۴۳﴾ یہود کے حال پر تعجب ہے کہ وہ صاحبِ شریعت ہونے کے باوجود ایک ایسے نبی کی شریعت کے مطابق

{۱۴۰} "اکالون للسحت" ای الحرام، وھو الرشوة، کما قالہ ابن مسعود وغیر واحد۔(ابن کثیر ۲/۸۴)

فیصلہ کروانا چاہتے ہیں جس پر وہ ایمان ہی نہیں رکھتے لیکن آپ کو حکم تسلیم کرنے کے بعد جب دیکھتے ہیں کہ فیصلہ ان کی خواہش کے مطابق نہیں ہوا تو اسے ماننے سے انکار کر دیتے ہیں، حقیقت میں نہ یہ تورات پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی قرآن پر اور صاحب قرآن پر ایمان رکھتے ہیں، ان کا اصل ایمان اپنی خواہشات پر ہے، جو حکم ان کی خواہشات کے مطابق ہوا سے تسلیم کر لیتے ہیں اور جو مخالف ہوا سے رد کر دیتے ہیں ورنہ خود تورات میں بھی زنا کی وہی سزا مذکور ہے جو اسلامی شریعت میں ہے...... تورات میں ہے ''اور وہ شخص جو دوسرے کی جورو کے ساتھ یا اپنے پڑوسی کی جورو کے ساتھ زنا کرے وہ زنا کرنے والا اور زنا کرنے والی دونوں قتل کیے جائیں (احبار۔۲۰:۱۰) ''اگر کوئی جو کرے اور اس سے خلوت کرے اور کہے کہ میں نے اس عورت سے بیاہ کیا، جب میں اس کے پاس گیا تو میں نے اسے کنواری نہ پایا، اگر یہ بات سچ نکلے اور لڑکی کے کنوارے پن کی نشانیاں نہ پائی جائیں تو وہ اس لڑکی کو اس کے ماں باپ کے دروازہ پر نکال لائیں اور اس کی بستی کے لوگ اس پر پتھراؤ کریں کہ وہ مرجائے'' (استثناء۔۲۰:۱۳۔۲۰۔۲۱) انجیل میں ہے ''فقیہ اور فریسی ایک عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی تھی اسے بیچ میں کھڑا کر کے یسوع سے کہا کہ اے استاد یہ عورت زنا میں عین فعل کے وقت پکڑی گئی ہے، توریت میں عیسیٰ نے ہم کو حکم دیا کہ ایسی عورتوں کو سنگسار کریں، پس تو اس عورت کی نسبت کیا کہتا ہے؟ (یوحنا ۸:۴۔۶) (۱۴۱)

حکمت و ہدایت

۱...... حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ادب اور احترام کے ساتھ پکارنا چاہیے، خود ربّ کریم نے پورے قرآن میں آپ کو ''یا محمد'' کہہ کر نہیں پکارا بلکہ یاایھا الرسول، یاایھا النبی، یاایھا المزمل اور یاایھا المدثر جیسے القاب واوصاف سے پکارا ہے، اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ نبوت کے سارے کمالات صرف آپ ہی کی ذات میں جمع ہوئے ہیں اس لیے نبی اور رسول کے لقب کے اصل حقدار آپ ہی تھے۔

۲...... اس آیت میں آپ کو مطلقاً غم سے منع نہیں کیا گیا کیونکہ غم ایک طبعی چیز ہے جس میں انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے بلکہ غم کے اسباب اور مقدمات سے منع کیا گیا ہے۔ (۴۱)

۳...... جھوٹ بولنے کی طرح جھوٹ کی اتباع بھی گناہ ہے...... جو لوگ نقلی ملاؤں، جعلی پیروں اور جھوٹے لیڈروں کی بیان کردہ غلط سلط روایات پر بغیر تحقیق کے ایمان لے آتے ہیں اور آنکھیں بند کر کے ان کی اتباع کرتے ہیں وہ بھی حقیقت میں یہود کی پیروی کرتے ہیں۔ (۴۱)

{۱۴۱} بحوالہ تفسیر ماجدی ۱/۹۱۶

۴......فساد وانتشار کے لیے جاسوسی حرام ہے۔(۴۱)

۵......مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ شریعت کا فتویٰ طیبِ خاطر سے قبول کرلے خواہ اس کی خواہش کے موافق ہو یا مخالف، جبکہ کافر کے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت اس کی خواہش کو حاصل ہوتی ہے۔(۴۱)

۶......جب تک اللہ کا فضل اور توفیق شامل حال نہ ہو، شیخ کی توجہ اور استاد کی تعلیم وتربیت کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا۔(۴۱)

۷......یہودیوں کی عاداتِ قبیحہ میں سے ایک رشوت خوری بھی ہے شریعت میں رشوت یہ ہے کہ جس کام کا معاوضہ لینا درست نہ ہو اس کا معاوضہ لیا جائے اگر رشوت لے کر کسی کا جائز کام کیا جائے تو صرف رشوت لینے کا گناہ ہوگا اور اگر ناجائز کام کیا جائے تو رشوت کا گناہ الگ ہوگا اور ناجائز کام کرنے کا گناہ الگ ہوگا۔

۸......وہ غیر مسلم جو اسلامی مملکت کے باشندے نہ ہوں بلکہ اپنی جگہ پر رہتے ہوئے ان سے کوئی معاہدہ ہوگیا ہو ان کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کا بھی قاضی کو اختیار ہوگا اور نہ کرنے کا بھی لیکن جو غیر مسلم، ذمّی بن کر مسلمان ملک میں رہتے ہوں ان کے مقدمات کا فیصلہ کرنا واجب ہے۔

۹......بہرصورت عدل پر کاربند رہنا ضروری ہے خواہ یہود وہنود کے ساتھ ہی معاملہ درپیش کیوں نہ ہو۔(۴۲)

۱۰......اللہ اور رسول کے فیصلوں پر راضی نہ ہونا کافروں کا شیوہ ہے۔(۴۳)

تورات اور انجیل میں نور وہدایت

﴿۴۴......۴۷﴾

إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا۟ لِلَّذِينَ
ہم نے نازل کی توریت کہ اس میں ہدایت اور روشنی ہے اس پر حکم کرتے تھے پیغمبر جو کہ حکم بردار تھے اللہ کے

هَادُوا۟ وَٱلرَّبَّـٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا ٱسْتُحْفِظُوا۟ مِن كِتَـٰبِ ٱللَّهِ وَكَانُوا۟ عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ
یہود کو اور حکم کرتے تھے درویش اور عالم اس واسطے کہ وہ نگہبان ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب پر اور اس کی خبرگیری پر مقرر تھے

فَلَا تَخْشَوُا۟ ٱلنَّاسَ وَٱخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَـٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم
سو تم نہ ڈرو لوگوں سے اور مجھ سے ڈرو اور مت خریدو میری آیتوں پر مول تھوڑا اور جو کوئی حکم نہ کرے اس

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ
کے موافق جو کہ اللہ نے اتارا سو وہی لوگ ہیں کافر اور لکھ دیا ہم نے ان پر اس کتاب میں کہ جی کے بدلے جی

وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ
اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت

وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ
اور زخموں کا بدلہ ان کے برابر پھر جس نے معاف کر دیا تو وہ گناہ سے پاک ہو گیا اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ

اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا
اللہ نے اتارا سو وہی لوگ ہیں ظالم اور پیچھے بھیجا ہم نے انہی کے قدموں پر عیسیٰ مریم کے بیٹے کو تصدیق کرنے والا

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا
توریت کی جو آگے سے تھی اور اس کو دی ہم نے انجیل جس میں ہدایت اور روشنی تھی اور تصدیق کرتی تھی اپنے

بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ
سے اگلی کتاب توریت کی اور راہ بتلانے والی اور نصیحت تھی ڈرنے والوں کو اور چاہیئے کہ حکم کریں انجیل والے موافق

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤٧﴾
اس کے جو کہ اتارا اللہ نے اس میں اور جو کوئی حکم نہ کرے موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے سو وہی لوگ ہیں نافرمان

تحقیق

"ربّانیون" ربانی کی جمع ہے، ربانی رب کی طرف منسوب ہے، رب ہمارا خالق جو انسانوں کی تربیت اپنے علم کے ساتھ کرتا ہے۔ مشائخ، علماءِ باطن اور صوفیاء کو ربّانی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی تربیت کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ {۱۴۲}

"اَحبار" حِبر کی یا حَبر کی جمع ہے، تحبیر بمعنی تحسین سے ماخوذ ہے، علماء اور فقہاء کو کہا جاتا ہے اس لیے کہ ان کے سینوں میں علم مزین ہوتا ہے اور وہ علم کو مزین کرتے اور بیان کرتے ہیں، {۱۴۳} علماء ظاہر اور فقہاء کو کہا جاتا ہے۔

ربّانی اور حبر میں یہ فرق تو کیا گیا ہے لیکن یہ بات یقینی ہے کہ حقیقی مشائخ وہی ہیں جو شریعت کے ضروری احکام کے عالم ہوں اور حقیقی علماء وہ ہیں جو علمِ باطن سے یکسر کورے اور بے عمل نہ ہوں البتہ جس کسی پر ایک صفت غالب

{١٤٢} وهم الذى يسوسون الناس بالعلم ويربونهم بصغاره قبل كباره...... قال مجاهد الربانيون فوق العلماء (قرطبى ١٧٩/٦)

{١٤٣} وهو ماخوذ من التحبير وهو التحسين، فهم يحبرون العلم اى يبينونه ويزينونه، وهو محبر فى صدورهم۔ (قرطبى ١٧٩/٦)

ہو جاتی ہے وہ اسی صفت میں مشہور ہو جاتا ہے۔

ربط: پوری سورہ کے مضامین کو مربوط اور مسلسل رکھنے کے لیے یہ بات فراموش نہ کیجیے کہ سورہ کی ابتداء میں ایفاءِ عہد کا حکم دیا گیا تھا خواہ وہ عہد، اللہ کے ساتھ ہو یا بندوں کے ساتھ، اس کے بعد یہود ونصاریٰ کی عہد شکنی اور احکامِ الٰہی میں تحریف وتاویل کی عادتِ بد کا بیان ہے یہ آیات بھی ان کی اسی دائمی خصلت کی نشاندہی کرتی ہیں۔

تسہیل: ہمیں نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی اسی کے مطابق بنی اسرائیل کے وہ تمام انبیاء جو اللہ کے فرمانبردار تھے، یہودیوں کے معاملات کے فیصلے کرتے تھے، ان کے مشائخ اور علماء بھی فیصلوں کے لیے تورات ہی کی طرف رجوع کرتے تھے، کیونکہ انہیں کتاب اللہ کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اس پر گواہ تھے، پس اے علماءِ یہود! تم اظہارِ حق میں لوگوں سے نہیں بلکہ صرف مجھ ہی سے ڈرو اور میرے احکام کو دنیا کی حقیر متاع کے بدلے فروخت نہ کرو، جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں○ ہم نے تورات میں یہودیوں پر یہ حکم فرض کر دیا تھا کہ جان کے بدلے جان آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں میں قصاص ہے، پھر جو کوئی معاف کر دے تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا، جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ ظالم ہیں○ ہم نے ان انبیاء کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا، وہ اپنے سے پہلے کی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرتے تھے اور ہم نے انہیں انجیل عطا کی تھی جس میں ہدایت اور روشنی تھی اور وہ بھی اپنے سے قبل کی کتاب تورات کی تصدیق کرتی تھی اور اس میں اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے خاص طور پر رہنمائی اور نصیحت تھی○ اہلِ انجیل پر لازم ہے کہ وہ اس قانون کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں اتارا ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ فاسق ہیں○

﴿تفسیر﴾

﴿۴۴﴾ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی تھی جس میں احکام ومسائل اور عقائد ونظریات وضاحت سے بیان کر دیئے گئے تھے، کیونکہ ہر آسمانی کتاب کا مقصدِ نزول نظریہ اور عمل کی درستگی ہی رہا ہے، انسانی زندگی اس وقت تک استوار ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ عقائد سے اعمال تک ہر چیز ہدایاتِ الٰہیہ کے مطابق نہ ہو۔

"الذین اسلموا" ہر نبی اللہ کا فرمانبردار ہوتا ہے...... انبیاء کے فرمانبردار ہونے کی صفت کا ذکر تعریف کے طور

پر ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ بعض انبیاء فرمانبردار ہوتے ہیں اور بعض معاذ اللہ نافرمان ہوتے ہیں، (۱۴۴) البتہ جو لوگ یہود کے نظریات اور اصطلاحات پر نظر رکھتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ ممکن ہے یہ صفت وضاحت اور فرق و امتیاز کے لیے ذکر کی گئی ہو کیونکہ ''عہد عتیق'' میں کفر و شرک اور اللہ کی نافرمانی کی دعوت دینے والوں پر بھی ''نبی'' اطلاق کیا گیا ہے، تورات میں ہے ''وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا گیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے (استثناء ۱۸:۲۰-۲۲) قرآن مجید جو کہ پہلی کتابوں کے علوم کا محافظ بھی ہے اور ان کی غلطیوں کی درستگی بھی کرتا ہے اس نے ''الذین اسلموا'' کی قید لگا کر یہ بتا دیا کہ اللہ کے نافرمانوں پر ''نبی'' جیسے مقدس لفظ کا اطلاق کسی صورت نہیں ہو سکتا۔

''للذین ھادوا'' انبیاءِ بنی اسرائیل صرف یہود ہی کے درمیان تورات کے مطابق فیصلہ کرنے کے پابند تھے اس لیے کہ وہ مخصوص شریعت تھی، قرآن کی طرح ساری انسانیت کے لیے عام نہ تھی۔

''والربّانیّون'' نبیوں کے علاوہ مشائخ اور علماء نے بھی تورات کی حکمرانی قائم رکھی اور انہوں نے اسی کے مطابق فیصلے کیے۔

''بما استحفظوا'' وہ ایسا اس لیے کرتے تھے کیونکہ انہیں کتاب اللہ کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا، درس و تدریس کے ذریعہ بھی اور اس کے احکام پر عمل کرنے کے ذریعہ بھی۔

''وکانوا علیہ شھداء'' وہ کتاب اللہ کی صداقت کے گواہ بھی تھے اور انہوں نے اسے تحریف اور تبدیل سے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری بھی قبول کی تھی۔ (۱۴۵)

''فلا تخشوا الناس'' اللہ جانتا تھا کہ بعض لوگ، انسانوں کے ڈر سے اور بعض مادی مفادات کی خاطر، اللہ کے احکام کو نظر انداز کر دیں گے، یہود کے علماء اور رؤساء میں یہ مرض خاص طور پر پایا جائے گا اور وہ اللہ کی کتاب میں تحریف تک کر گذریں گے اور سیادت و قیادت کے چھن جانے کا اندیشہ اور نذرانوں سے محروم ہو جانے کا خوف انہیں مسلسل کتمانِ حق پر اکساتا رہے گا چونکہ مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والی یہ ساری باتیں اللہ کے علم میں تھیں اس لیے اس نے حکم دیا کہ انسانوں کے بجائے صرف مجھ ہی سے ڈرو اور دنیا کے متاعِ حقیر اور قلیل کی خاطر میرے احکام میں تاویل و تحریف یا انہیں چھپانے جیسے جرم کا ارتکاب ہرگز نہ کرو، ظاہر ہے اگر باڑ فصل کو کھانے لگے اور چوکیدار ہی ڈاکو

{۱۴۴}صفة اجريت على النبيين على سبيل المدح دون التخصيص والتوضيح (ابی سعود ۲/۲۷۶)

{۱۴۵}ای علی لکتاب بانه من عندالله (قرطبی ۶/۱۸۰) ای رقباء یحمونه من أن یحوم حوله التغییرو التبدیل (ابی السعود ۲/۲۷۷)

بن جائے تو امانت کی حفاظت کیسے ہو سکے گی۔

"ومن لم یحکم" جو لوگ قرآن اور حدیث کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے ان کے مطابق اپنے فیصلے نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔(۱۴۶)

﴿۴۵﴾ ہم نے تورات میں یہود پر قصاص میں مساوات فرض کی تھی یعنی جان کے بدلے جان لی جائے، آنکھ کے بدلے آنکھ پھوڑ دی جائے، ناک کے بدلے ناک کاٹ دی جائے، کان کے بدلے کان قطع کر دیا جائے اور دانت کے بدلے دانت نکال دیا جائے یونہی باقی زخموں کا بھی بدلہ لیا جائے اور اس میں بھی مساوات کو ملحوظ رکھا جائے جیسا کسی نے زخم لگایا ہو ویسا ہی زخم اسے لگایا جائے لیکن اگر مساوات ممکن نہ ہو تو کسی عدل کرنے والے قاضی کے فیصلے کا اعتبار ہوگا، البتہ مساوات کے لیے دونوں کے اعضاء کا ایک جیسا ہونا ضروری نہیں، اگر مجرم نے کسی کی بھینگی اور کمزور آنکھ پھوڑ دی تو اس کے بدلے اس کی صحیح آنکھ پھوڑی جا سکتی ہے، یونہی عمل اور فعل کے اعتبار سے بھی مساوات ضروری نہیں، اگر قاتل نے مقتول کو پانی میں ڈبو کر ہلاک کیا ہو تو جواب میں اسے بھی پانی میں نہیں ڈبویا جائے گا بلکہ تلوار سے قتل کیا جائے گا۔(۱۴۷)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسلامی مملکت میں قیام پذیر غیر مسلم (ذمی) اور مسلمان کی جان کو برابر قرار دیتے ہیں۔ اگر کسی مسلمان نے ذمّی کو قتل کر دیا تو اس کے بدلے مسلمان کو قتل کیا جائے گا کیونکہ قرآن میں مسلم اور کافر کی جان میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔

"فَمَنْ تَصَدَّقَ" جو شخص مجرم کو معاف کر دے اور اس سے قصاص نہ لے تو یہ معاف کرنا اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنے جسم پر ہونے والی زیادتی کو معاف کر دے اسے معاف کرنے کی بقدر اجر عطا کیا جائے گا" (۱۴۸)

﴿۴۶﴾ بنی اسرائیل کے سلسلہ انبیاء کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے جنہوں نے تورات کی صداقت اور حقانیت کی تصدیق کی یونہی انہیں انجیل کی صورت میں جو مستقل کتاب دی گئی تھی وہ بھی تورات کی تصدیق کرتی تھی۔

اس آیتِ کریمہ میں انجیل کے لیے جو لفظ "ھدی" کا تکرار ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے انجیل کو ہدایت

---

(۱۴۶) ای ومن لم یحکم بما انزل اللہ ردّ القرآن وجحد القول الرسول علیہ الصلاۃ والسلام فھو کافر (قرطبی ۶/۱۸۰) معارف ۳/۱۶۱

(۱۴۷) قال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ: لا یستوفی القصاص الا بالسیف، سواء قتلہ القاتل بالسیف او طریق غیرہ (تکملہ ۲/۳۳۹)

(۱۴۸) طبرانی بحوالہ التفسیر المنیر ۶/۲۰۹

(ھدی) اس لیے کہا گیا کیونکہ اس میں احکام اور شرائع کا بیان تھا اور اسے دوسری بار ہدایت اس اعتبار سے کہا گیا کیونکہ وہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلالت کرتی تھی اور یہ چیز لوگوں کو اسلام تک پہنچانے کا ذریعہ بنتی تھی۔

﴿۴۷﴾ جیسے تورات والوں کو تورات کی ہدایات کے مطابق عملی زندگی کے فیصلے کرنے کا حکم تھا یونہی اہل انجیل کو انجیل کے مطابق فیصلے کرنے کا حکم دیا گیا اور جو لوگ ایسا نہیں کرتے انہیں فاسق اور اللہ کے نافرمان بتایا گیا ہے۔

حکمت وہدایت

۱......اصلی تورات اور انجیل میں نور اور ہدایت تھی، انبیاء اور اولیاء ان کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔(۴۴)

۲......تورات اور انجیل کی حفاظت کی ذمہ داری یہود و نصاریٰ کے مشائخ اور علماء کو سونپی گئی تھی، اس لیے وہ تحریف وتبدیلی سے محفوظ نہ رہ سکیں، اس کے برعکس قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لیا ہے چنانچہ وہ آج تک محفوظ ہے۔{۱۴۹}

۳......اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی صفت مسلم اور مطیع ہونا ذکر کی ہے یا تو مدح کے لیے یا فرق اور امتیاز کے لیے اور یا اس صفت کی عظمت بتانے کے لیے کہ وہ صفت کتنی عظیم ہوگی جس کے ساتھ انبیاء جیسی عظیم ترین شخصیات موصوف تھیں۔{۱۵۰}

۴......تورات اور انجیل کی تعریف کا مقصد یہود و نصاریٰ کو ایمان بالقرآن کی ترغیب دینا ہے کیونکہ یہ دونوں کتابیں اسی اصولوں اور احکام میں قرآن کے بہت قریب ہیں۔

۵......واجبات کی ادائیگی اور حرام کو چھوڑنے میں اللہ سے ڈرنا فرض ہے۔(۴۴)

۶......مال وجاہ جیسی دنیوی اغراض کے لیے حق میں تبدیلی کرنا یا اسے چھپانا حرام ہے۔(۴۴)

۷......جو لوگ قرآن اور حدیث کو غیر ضروری سمجھتے ہیں یا غیر شرعی احکام کو شرعی احکام قرار دیتے ہیں وہ کافر ہیں۔

خوارج{۱۵۱} کا اس آیت کی بناء پر ہر گناہ گار مسلمان کو کافر قرار دینا درج ذیل کئی وجوہ سے غلط ہے۔

{۱۴۹}التحریر والتنویر ۲۰۹/۴

{۱۵۰}ان الصفة قدتذكر للعظم فی نفسها ویسنوه بها اذا وصف بهاعظیم القدر (تفسیر القاسمی ۲۱۲/۶)

{۱۵۱} خوارج، خارجی کی جمع ہے یہ اسلام کے قدیم ترین فرقوں میں سے ایک ہے، اس فرقہ کا ظہور ۳۷ھ میں اس وقت ہوا جب جنگ صفین میں حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان صلح ہوئی، خارجیوں نے دونوں لشکروں کو معاذ اللہ کافر قرار دیا۔ اسلام کی سیاسی تاریخ میں یہ متواتر بغاوتیں کرتے رہے۔ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں نے ان کے خلاف کئی بار لشکر کشی کی۔ خوارج میں بھی کئی فرقے پیدا ہو گئے تھے، جن کے متعدد اور مستقل عقائد تھے۔ خوارج کا ایک بڑا عقیدہ یہ ہے کہ اگر کسی سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد ہو جائے تو وہ مرتد ہو جاتا ہے۔ اسی کے قریب معتزلہ کا عقیدہ ہے وہ یہ کہ ایسا شخص نہ مؤمن رہتا ہے نہ کافر (تفصیل کے لیے دیکھیے اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۸/۸۱۱ نیز مختصر دائرہ ۸۰۸)

الف: یہ تینوں آیات کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ {١٥٢}

ب: وہ لوگ مراد ہیں جن کا صرف عمل ہی نہیں عقیدہ بھی بگڑ چکا ہے اور وہ اللہ کے قانون کو غلط اور انسانوں کے خود تراشیدہ قوانین کو صحیح سمجھتے ہیں۔ {١٥٣}

ج: کسی مسلمان پر کفر کا فتوی اسی وقت لگایا جا سکتا ہے جبکہ وہ جان بوجھ کر یا استخفاف اور اہانت کی بناء پر اللہ کے حکم کو رد کر دے۔ {١٥٤}

٨......قصاص کا حکم جیسے شریعتِ موسویہ میں تھا، شریعتِ محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں بھی ہے، اسی آیت سے یہ اصول اخذ کیا گیا ہے کہ پہلی شریعتوں کے ایسے احکام پر عمل کرنا ہمارے لیے بھی واجب ہے جنہیں اللہ نے بغیر تردید کے نقل فرمایا ہے اور وہ منسوخ نہیں ہوئے۔ (٤٥)

٩......مرد کو عورت کے بدلے اور مسلمان کو ذمی کافر کے بدلے قتل کیا جائے گا، البتہ حربی کافر کے بدلے مسلمان کا قتل جائز نہیں۔

١٠......ایک کے بدلے دو کو یا غیر قاتل کو قتل کرنا یا ایک آنکھ کے بدلے دو آنکھیں پھوڑنا ظلم اور حرام ہے۔

١١......اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والوں کو ایک جگہ کافر، دوسری جگہ ظالم اور تیسری جگہ فاسق قرار دیا گیا ہے اس لیے کہ وہ اللہ کے احکام کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر، مظلوم کے ساتھ خدائی تعلیمات کے مطابق عدل نہ کرنے کی وجہ سے ظالم اور حدود اللہ سے تجاوز کرنے کی وجہ سے فاسق ہیں۔

قرآنی قوانین کے مطابق فیصلہ

﴿٤٨......٥٠﴾

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ

اور تجھ پر اتاری ہم نے کتاب سچی تصدیق کرنے والی سابقہ کتابوں کی اور ان کے مضامین پر نگہبان

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا

سو تو حکم کر ان میں موافق اسکے جو کہ اتارا اللہ نے۔ اور ان کی خوشی پر مت چل چھوڑ کر سیدھا راستہ جو تیرے پاس آیا ہر ایک کو تم میں سے دیا

{١٥٢} صحیح مسلم کتاب الحدود۔

{١٥٣} المراد به هنا عمل القلب وهو التصديق ولا نزاع فى كفر من لم يصدق بما انزل الله تعالىٰ (روح المعانى ٢١٣/٤)

{١٥٤} كفر الحاكم بغير ما أنزل بقيد الاستهانة والجحود له هو الذى نحاه كثيرون واثروه عن عكرمة وابن عباس (تفسير القاسمى ٢١٥/٦)

مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ

ہم نے ایک دستور اور راہ اور اللہ چاہتا تو تم کو ایک دین پر کردیتا لیکن تم کو آزمانا چاہتا ہے اپنے

مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ

دیئے ہوئے حکموں میں سو تم دوڑ کر لو خوبیاں اللہ کے پاس تم سب کو پہنچنا ہے پھر جتادے گا جس بات میں تم کو

تَخْتَلِفُوْنَ ۝۴۸ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ

اختلاف تھا اور یہ فرمایا کہ حکم کر ان میں موافق اسکے جو کہ اتارا اللہ نے اور مت چل ان کی خوشی پر اور بچتا رہ ان سے

اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ

کہ تجھ کو بہکا نہ دیں کسی ایسے حکم سے جو اللہ نے اتارا تجھ پر پھر اگر نہ مانیں تو جان لے کہ اللہ نے یہی چاہا ہے

اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝۴۹ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ

کہ پہنچائے ان کو کچھ سزا ان کے گناہوں کی اور لوگوں میں بہت ہیں نافرمان اب کیا حکم چاہتے ہیں کفر کے وقت کا

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۵۰

اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم کرنے والا یقین کرنے والوں کے واسطے

ربط: تورات اور انجیل کے بعد اس کتاب کا ذکر ہے جو تمام آسمانی کتابوں کی ناسخ بھی ہے اور محافظ بھی۔

تسہیل: ہم نے آپ پر یہ کتاب اتاری ہے جو سچائی لے کر آئی ہے اور اس سے پہلے جو آسمانی کتابیں آچکی ہیں یہ ان کی تصدیق بھی کرتی ہے اور ان پر محافظ بھی ہے، پس آپ ان کے درمیان اللہ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق ہی فیصلہ فرمایئے اور جو حق آپ کے پاس آچکا اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے، تم میں سے ہر امت کے لیے ہم نے خاص شریعت اور راستہ مقرر کیا ہے، اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا کیونکہ اس نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمانا چاہتا ہے، پس تم نیک کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کی کوشش کرو، تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے تو وہ بتادے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو○ آپ لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قوانین کے مطابق فیصلے فرماتے رہیں، اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے، اور ان سے بہت محتاط رہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کو اللہ کے اتارے ہوئے کسی حکم سے ہٹادیں، پھر اگر وہ اعراض کریں تو آپ جان لیجیے کہ اللہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے مصیبت میں ڈالنا چاہتا ہے، بلاشبہ بہت سے لوگ نافرمان ہیں○ کیا یہ لوگ زمانہ جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں؟ اور جو لوگ یقین وایمان رکھتے ہیں ان کی نظر میں

اللہ کے فیصلہ سے زیادہ بہتر فیصلہ کس کا ہو سکتا ہے ○

﴿تفسیر﴾

﴿۴۸﴾ اے نبی کریم! ہم نے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل کی تھی تو آپ پر یہ قرآن کریم نازل کیا ہے جو ان دونوں کتابوں کی صداقت کی تائید کرنے کے ساتھ ساتھ ان پر محافظ اور نگران بھی ہے، قرآن ہی تو ہے جس نے ساری سابقہ کتابوں کی اصل تعلیمات کو محفوظ رکھا اور ان کے وارثوں کی تحریفات اور باطل تاویلات کا پردہ چاک کیا، "مصدق" ہونے کی صفت بعض دوسری آسمانی کتابوں کو بھی حاصل تھی لیکن "مھیمن" ہونے کی صفت قرآن کے علاوہ کسی کتاب کو حاصل نہیں، اب دنیا والوں کے پاس حق وصداقت کی کسوٹی قرآن کے سوا کوئی نہیں، اب تورات اور انجیل کی صرف اسی بات کی تصدیق کی جائے گی جو قرآن کے موافق ہوگی اور جو اس کے خلاف ہوگی اسے رد کر دیا جائے گا۔(۱۵۵)

"فاحکم بینھم" جب قرآن سابقہ کتابوں کا ناسخ بھی ہے اور ان کی اصلی تعلیمات کا محافظ بھی ہے تو پھر ضروری ہے کہ سارے اختلافات اور معاملات کے فیصلے قرآن ہی کے مطابق کیے جائیں، اور ان لوگوں کی پیروی جائز نہیں جنہوں نے اپنی خواہشات ہی کو شریعت کا درجہ دے رکھا ہے۔

"لِکُلٍّ جعلنا" مختلف زمانوں اور حالات میں انسانی طبیعتوں، کمزوریوں اور ضرورتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لیے الگ الگ شریعت مقرر فرمائی، حضرت موسیٰ سے حضرت عیسیٰ علیہما السلام تک جو امت تھی اس کی شریعت تورات تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جو امت ہے اس کی شریعت انجیل تھی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد سارے انسانوں کی شریعت قرآن ہے کیونکہ جیسے آپ خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کسی دوسری نبی کے آنے کا امکان نہیں یونہی آپ کی شریعت کامل ترین شریعت ہے نہ اس میں نسخ کا امکان ہے نہ تغیر و تبدیل کا۔

"ولو شاء اللہ" اگر اللہ چاہتا تو ایسا کر سکتا تھا کہ ہر زمانے اور ہر قوم کے لیے ایک ہی کتاب اور ایک ہی شریعت مقرر فرما دیتا، وہ مختارِ کل ہے، اسے اختیار ہے کہ وہ اپنے بندوں کو جو چاہے حکم دے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا کیونکہ انسانوں کے مزاج اور زمانہ کے تقاضے مختلف ہونے کی وجہ سے کوئی ایک شریعت ایسی نہیں تھی جو سارے زمانوں اور

{۱۵۵}قال ابن عباس وابن جریج وآخرون "ومھیمنا علیہ" ...... ان کان فی القرآن فصدقوا، والافکذبوا (تفسیر الطبری ۶/۱۷۶)

انسانوں کے لیے کافی ہوجاتی، چنانچہ ہر رسول اور ہر امت کے لیے الگ شریعت نازل کی جاتی رہی تا آنکہ انسان اپنے کمال تک پہنچ گیا تو سب کے لیے ایک ہی شریعت مقرر کردی گئی۔

"ولٰکِنْ لِّیَبْلُوَکُم" مختلف شریعتیں نازل کرنے میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اللہ اپنے بندوں کو آزمانا چاہتا تھا کہ کون ہیں جو بندگی کا حق ادا کرتے ہوئے نئی کتاب اور نئی شریعت کی اتباع کرتے ہیں اور کون ہیں جو قدیم اور آبائی مذہب پر جمے رہتے ہیں؟ کون ہیں جو حکمِ الٰہی کی تعمیل ہی میں اپنے معاش اور معاد کی بہتری سمجھتے ہیں اور کون ہیں جو خواہشات کی اتباع کرتے ہیں؟

"فاستبقوا الخیرات" جب دنیوی اور اخروی مفاد حکمِ الٰہی کی تعمیل ہی میں پوشیدہ ہے تو تمہیں چاہیے کہ عقائدِ حقہ اور اعمالِ صالحہ کے اختیار کرنے میں جلدی کرو اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

﴿۴۹﴾ اس آیت میں تاکید کے طور پر دوبارہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے اور ان کی خواہشات کی پیروی سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

"فَاِنْ تَوَلَّوْا" اگر وہ شریعت سے اعراض کریں تو اس گناہ (۱۵۶) کی کچھ سزا انہیں دنیا میں مل کر رہے گی، پوری سزا آخرت میں ملے گی۔

﴿۵۰﴾ اس آیت میں ان کے حال پر تعجب اور انکار کیا جارہا ہے کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو اللہ کا قانون چھوڑ کر جاہلیت کا قانون چاہتے ہیں...... جاہلیت سے مراد ملتِ جاہلیہ ہے جو کہ نام ہے خواہشات کی پیروی کا، یہ جاہلیت کل بھی تھی، آج بھی ہے بلکہ آج اس کے پھیلاؤ اور تسلط میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا ہے۔ (۱۵۷)

حکمت وہدایت

۱...... قرآن کریم اور کتبِ سابقہ میں واضح مناسبت پائی جاتی ہے، ساری آسمانی کتابیں ہدایت اور روشنی کے لیے نازل ہوئیں، علاوہ ازیں عقائد واحکام اور اخلاق وفضائل کے اصول تمام کتابوں میں ایک جیسے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ دوسری کتابیں انسانی تصرف سے محفوظ نہیں رہیں جبکہ قرآن نہ صرف یہ کہ خود محفوظ ہے بلکہ بقیہ کتابوں کی تعلیمات کا محافظ بھی ہے۔ (۴۸)

۲...... جب اہلِ ذمہ اپنا کوئی معاملہ مسلمان قاضی کے سامنے پیش کریں تو اس پر لازم ہے کہ وہ ان کے درمیان اسلامی

{۱۵۶} "ببعض ذنوبهم" وهو ذنب التولي والاعراض (روح المعاني ۲۲۷/۶/۴)

{۱۵۷} والمراد بالجاهلية الملة الجاهلية التي هي متابعة الهوى (روح المعاني ۲۲۸/۶/۴)

شریعت کے مطابق فیصلہ کرے۔(۴۸)

۳......شریعت کے کسی بھی حکم کو چھوڑنا حرام ہے۔(۴۸)

۴......انسانوں کے مختلف امتوں اور گروہوں میں تقسیم ہونے میں کئی تکوینی مصلحتیں ہیں۔(۴۸)

۵......انسان مجبور محض نہیں ہے اگر وہ مجبور محض ہوتا تو اسے آزمائش میں نہ ڈالا جاتا۔(۴۸)

۶......نیکی کے کاموں بالخصوص عباداتِ واجبہ میں جلدی کرنا صلحاء کی علامت ہے......نماز کا بھی مستحب وقت شروع ہو جانے کے بعد تاخیر جائز نہیں۔{۱۵۸}(۴۸)

۷......کفار سے محتاط رہنا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہمیں راہِ حق سے ہٹادیں۔(۴۹)

۸......انسان پر اکثر مصائب گناہوں کی وجہ سے نازل ہوتے ہیں۔(۴۹)

۹......ظلم اور خواہش پرستی کی ہر صورت جاہلیت ہے۔(۵۰)

۱۰......شریعتِ اسلامیہ سے زیادہ دنیا کے کسی قانون میں عدل وانصاف نہیں۔(۵۰)

یہود ونصاریٰ کی دوستی

﴿۵۱......۵۳﴾

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلْيَهُودَ وَٱلنَّصَٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ

اے ایمان والو مت بناؤ یہود اور نصاریٰ کو دوست وہ آپس میں دوست ہیں ایک دوسرے کے

وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُۥ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٥١﴾ فَتَرَى ٱلَّذِينَ

اور جو کوئی تم میں سے دوستی کرے ان سے تو وہ انہی میں ہے اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو اب تو دیکھے گا ان کو جن

فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَٰرِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰٓ أَن تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ ۚ فَعَسَى

کے دل میں بیماری ہے دوڑ کر ملتے ہیں ان میں کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ نہ آجائے ہم پر گردش زمانہ کی سو قریب ہے کہ

ٱللَّهُ أَن يَأْتِىَ بِٱلْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِۦ فَيُصْبِحُوا۟ عَلَىٰ مَآ أَسَرُّوا۟ فِىٓ أَنفُسِهِمْ نَٰدِمِينَ ﴿٥٢﴾ ۚ

اللہ جلد ظاہر فرمادے فتح یا کوئی حکم اپنے پاس سے تو لگیں اپنے جی کی چھپی بات پر پچھتانے

وَيَقُولُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَهَٰٓؤُلَآءِ ٱلَّذِينَ أَقْسَمُوا۟ بِٱللَّهِ جَهْدَ أَيْمَٰنِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ

اور کہتے ہیں مسلمان کیا یہ وہی لوگ ہیں جو قسمیں کھاتے تھے اللہ کی تاکید سے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں

{۱۵۸} وهذا يدل على ان تقديم الواجبات افضل من تاخيرها (قرطبی ۱۹۹/۶)

حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فَاَصۡبَحُوۡا خٰسِرِيۡنَ ﴿۵۳﴾
برباد گئے ان کے عمل پھر رہ گئے نقصان میں

تسہیل: اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا وہ بھی انہی میں سے ہوگا، یقیناً اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا○ جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے تم انہیں دیکھو گے کہ وہ ان کی دوستی کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں، کہتے ہیں ہمیں اندیشہ ہے کہیں ہم کسی گردش میں نہ پھنس جائیں، سو یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ اللہ مسلمانوں کو فتح عطا فرمادے یا کوئی دوسری خاص بات اپنی طرف سے ظاہر فرمادے پھر اپنے پوشیدہ قلبی خیالات پر شرمندہ ہوکر رہ جائیں○ (ان کی حقیقت کھل جانے کے بعد) مسلمان تعجب سے کہیں گے کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں جو بڑے زور شور سے اللہ کی قسمیں اٹھایا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ان کے سارے اعمال ضائع ہوگئے اور وہ خسارے میں پڑ گئے○

تفسیر

شانِ نزول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو کفار تین گروہوں میں تقسیم ہوگئے:

پہلا گروہ وہ تھا جن کے ساتھ آپ نے مصالحت فرمائی اور ان سے یہ عہد لے لیا کہ وہ نہ تو آپ کے خلاف جنگ کریں گے، نہ کسی دشمن کی مدد کریں گے، نہ ہی آپ کے دشمنوں سے دوستی رکھیں گے۔

دوسرا گروہ وہ تھا جو علانیہ مسلمانوں سے برسرِ پیکار رہا۔

تیسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جنہوں نے مصالحت بھی نہ کی اور انہیں مسلمانوں کے سامنے آنے کی جرات بھی نہ ہوئی، یہ بظاہر خاموش تھے مگر حقیقت میں مسلمانوں کے دشمن تھے...... ان کی اکثریت منافقین پر مشتمل تھی۔

ان تینوں گروہوں میں سے یہود کا کردار تو اپنی فطرت کے مطابق حسد، عہد شکنی اور سازش کے اردگرد ہی گھومتا رہا، معاہدہ کبھی بھی ان کے پاؤں کی زنجیر نہ بن سکا، منافقین کا حال بھی یہود سے بہت زیادہ مختلف نہ تھا، منافق تو درحقیقت یہود ہی کا عکس اور بروز تھے وہ بظاہر کلمہ پڑھنے کے باوجود یہود کی دوستی سے اعلانِ برات کے لیے کسی طور بھی تیار نہ تھے، حضرت عطیہ بن سعدؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! بہت سے یہودی میرے دوست تھے مگر اب میں ان سے برات کا اور اللہ اور اس کے رسول سے دوستی کا اعلان کرتا، لیکن عبداللہ بن ابی نے کہا مجھے گردشِ ایام کا سخت اندیشہ ہے اس لیے میں اپنے دوستوں سے اعلانِ برات نہیں کر سکتا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوالحباب! یہ جو تم یہود کی دوستی کو عبادہ پر ترجیح دینے کا اعلان کر رہے ہو تو یہ تمہارے لیے ہے، عبادہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں، ابن ابی نے کہا مجھے یہ بات منظور ہے اس پر اللہ نے یہ آیت اتاری۔ {۱۵۹}

﴿۵۱﴾ اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ سے قلبی تعلق اور دوستی ہرگز نہ رکھو، انہیں راز کی باتیں نہ بتاؤ، ان پر اندھا اعتماد مت کرو، وہ کبھی بھی تمہارے دوست نہیں ہو سکتے، ان کافروں میں مذہب یا ملک کے اعتبار سے فرق اور امتیاز نہ کرو تمہارے مقابلے میں وہ سب ایک ہیں، کافر، کافر ہی ہیں چاہیں امریکہ کے ہوں یا چین کے، بھارت کے ہوں یا اسرائیل کے، مسلمانوں میں سے جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا وہ انہی میں سے شمار ہوگا، عجب نہیں کہ کفار کے ساتھ قلبی دوستی اسے بتدریج ایمان سے محروم کر دے اور وہ علانیہ مرتد ہو جائے، ایسا شخص ظالم ہے کیونکہ اس نے دوستی کے لیے غلط محل تلاش کیا ہے اور ایسے ظالموں کو اللہ خیر کی راہوں پر چلنے کی توفیق عطا نہیں کرتا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک عیسائی اپنا منشی رکھ لیا تھا امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا جنہیں اللہ نے ذلیل کہا ہے انہیں عزت مت دو، جنہیں اللہ نے خائن کہا ہے ان پر اعتماد نہ کرو اور جنہیں اللہ نے دور رکھا ہے انہیں اپنے قریب مت کرو، حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضرت بصرہ کو اس کی شدید ضرورت ہے تو آپ نے فرمایا اگر وہ مر گیا تو پھر بصرہ کا خدا حافظ ہے، مقصد یہ تھا کہ جو انتظام تم نے اس کی موت کی صورت میں کرنا ہے وہ آج ہی کر لو۔ {۱۶۰}

﴿۵۲﴾ جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ دشمنانِ اسلام کے ساتھ دوستی کے لیے یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ کل کلاں اگر مسلمانوں پر کوئی حادثہ، کوئی مصیبت اور کوئی گردش آ گئی تو ان کی دوستی ہمارے کام آئے گی اور ہم ان کے شر سے محفوظ رہیں گے، گویا سارے حوادث اور گردشیں صرف مسلمانوں کے لیے ہیں، کفار پر تو کوئی مصیبت آ ہی نہیں سکتی اور ان کے خلاف مسلمانوں کو فتح حاصل ہونے کا کوئی امکان نہیں، اگر معاملہ ان کی توقعات اور اندازوں کے برعکس ہو گیا تو انہیں اپنی کرتوتوں پر شرمندہ ہونا پڑے گا چنانچہ مکہ، خیبر اور فدک کی فتح، یہود کی ذلت

{۱۵۹} ابن کثیر ۲/۹۷
{۱۶۰} تفسیر القاسمی ۶/۲۴۱

آمیز شکست اور جلا وطنی کے بعد منافق رسوا اور پشیمان ہو کر رہے، وہ نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے، جن مشرکین اور یہود کی دولت اور طاقت پر ان کی نظریں تھیں وہ خواب پریشاں کی طرح بکھر گئی اور مسلمانوں کو تو انہوں نے کبھی دوستی کے قابل سمجھا ہی نہیں تھا اس لیے ان کی نظر میں بھی وہ بے وقعت ہی رہے۔

﴿۵۳﴾ منافقین کی حقیقت کھل جانے کے بعد مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو تعجب سے کہیں گے ارے یہ تو وہ لوگ ہیں جو قسمیں اٹھا اٹھا کر کہا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور بظاہر دکھاوے کے لیے کچھ اعمال بھی کیا کرتے تھے، ان کے نمائشی اعمال نے نہ تو انہیں دنیا میں کچھ فائدہ دیا اور نہ ہی آخرت میں۔[161]

حکمت و ہدایت

۱......یہود و نصاریٰ کے ساتھ ایسی دوستی حرام ہے جس سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچے۔ (۵۱)

۲......دنیا بھر کے کافر، مسلمان دشمنی میں ایک ہیں...... آج جبکہ یہ سطور (ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ) کو لکھی جارہی ہیں، امریکہ، اسرائیل برطانیہ اور دیگر کئی ممالک کے یہود و نصاریٰ عراق پر حملہ کرنے کے لیے متحد ہو چکے ہیں اور ان کی فوجیں قطر اور کویت جیسے اسلامی ممالک کے صحراؤں میں جنگی مشقیں کر رہی ہیں، ابھی گذشتہ سال ہی انہی ممالک نے امریکہ کی قیادت میں متحد ہو کر مملکتِ اسلامی افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجائی تھی اور وہاں وہ مظالم ڈھائے تھے کہ چنگیز خان کی روح بھی کانپ اٹھی ہوگی۔

۳......کفار کے ساتھ قلبی دوستی رکھنے والا انہی میں سے شمار ہوتا ہے، اس کا حشر انہی کے ساتھ ہوگا۔[162] (۵۱)

حضرت عبداللہ بن عتبہؓ نے ایک موقع پر فرمایا ''لوگو! ڈرتے رہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بے خبری میں یہودی یا نصرانی بن جاؤ''، امام ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ہمارا خیال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ کا اشارہ اسی آیتِ کریمہ کی طرف تھا۔

۴......محض حوادث کے ڈر سے کفار کے ساتھ دوستی رکھنا نفاق کی علامت ہے۔ (۵۲)

ان آیات میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی سے ممانعت کے لیے اللہ تعالیٰ نے بارہ پیرائے اختیار فرمائے ہیں:

۱۔ ان کے ساتھ دوستی رکھنے سے واضح طور پر منع فرمایا گیا۔ (۵۱)

{۱۶۱} استحقوا اللعن فی الدنیا والعقاب فی الآخرة (کبیر)

{۱۶۲} ای من جملتهم، وحكمه حكمهم كالمستنتج مماقبله وهو خرج مخرج التشديد والمبالغة فی الزجر (روح المعانی ۲۳۰/۶/۴) ای ومن والاهم منكم فانه من جملتهم (بیضاوی ۳۳۴/۲)

۲۔ فرمایا کہ سارے کافر آپس میں دوست ہیں۔(۵۱)

۳۔ کفار کے ساتھ دوستی رکھنے والا انہیں میں سے شمار ہوگا۔(۵۱)

۴۔ اللہ اسے ہدایت نہیں دے گا۔(۵۱)

۵۔ وہ ظالم ہے، کفار کے ساتھ دوستی خود اپنے اوپر ظلم ہے۔(۵۱) تاریخ گواہ ہے جس نے کفار کے ساتھ دوستی رکھی سب سے زیادہ وہی ان کے ظلم کا نشانہ بنا۔

۶۔ کفار کی دوستی، دل میں مرضِ نفاق کی علامت ہے۔(۵۲)

۷۔ دوستی رکھنے والوں کی نظر میں اللہ اور رسول کی اجازت سے زیادہ موہوم قسم کے حوادث کی زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔(۵۲)

۸۔ اللہ نے فتح کی خوشخبری سنا کر ان کے وہم پر کاری ضرب لگائی ہے۔(۵۲)

۹۔ پردۂ غیب سے کسی غیر متوقع صورت کے ظہور کی پیشنگوئی فرمائی ہے۔(۵۲)

۱۰۔ کفار کے ساتھ دوستی کے دعویداروں کو بالآخر اپنے فیصلے پر شرمندگی ہوگی۔(۵۲)

۱۱۔ حقائق واضح ہوجانے کے بعد اہلِ ایمان کی نظروں میں گر جائیں گے۔(۵۳)

۱۲۔ یہود و نصاریٰ کے دوستوں کے اعمال ضائع ہوجائیں گے۔(۵۳) اس سے مراد عبادات بھی ہوسکتی ہیں اور وہ فوائد بھی جن کی توقع وہ دوستی کی صورت میں رکھتے تھے، یونہی اس سے ان کی منافقانہ کاروائیاں بھی مراد لی جاسکتی ہیں جو دھری کی دھری رہ گئیں۔

ایک اہم پیشنگوئی

﴿۵۴......۵۶﴾

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِۦ فَسَوْفَ يَأْتِى ٱللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُۥٓ

اے ایمان والو جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ عنقریب لادے گا ایسی قوم کو کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اسکو چاہتے ہیں

أَذِلَّةٍ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ يُجَٰهِدُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ

نرم دل ہیں مسلمانوں پر زبردست ہیں کافروں پر لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں

لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ
کسی کے الزام سے یہ فضل ہے اللہ کا دے گا جس کو چاہے اور اللہ کشائش والا ہے خبردار تمہارا رفیق تو وہی اللہ ہے

وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾
اور اس کا رسول اور جو ایمان والے ہیں جو کہ قائم ہیں نماز پر اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾
اور جو کوئی دوست رکھے اللہ کو اور اسکے رسول کو اور ایمان والوں کو تو اللہ کی جماعت وہی سب پر غالب ہے

ربط: کفار کی دوستی سے منع کرنے کے ساتھ یہ بتایا گیا کہ جو لوگ ان کے ساتھ قلبی دوستی لگاتے ہیں وہ مرتد ہیں، یہاں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ مرتدین سے مستغنی اور بے نیاز ہے وہ اپنے دین کی خدمت اور اشاعت کے لیے بہترین لوگوں کو کھڑا کر دے گا۔

تسہیل: اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے (تو اس کے پھرنے سے دین کا کچھ نہیں بگڑتا) اللہ عنقریب ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہوں گے، وہ ایمان والوں کے لیے نرم اور کافروں کے مقابلہ میں سخت ہوں گے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، یہ اوصاف اللہ کا فضل ہیں وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اللہ بڑا وسعت والا اور بڑا علم والا ہے O تمہارے حقیقی دوست تو بس اللہ، اس کا رسول اور وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اور وہ اللہ کے سامنے جھکنے والے ہیں O جو لوگ اللہ اور اس کے رسول اور اہلِ ایمان سے دوستی رکھتے ہیں انہیں یہ یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ ہی کی جماعت غالب رہے گی O

تفسیر

شانِ نزول

یہ آیات مرتدین کے بارے میں نازل ہوئیں، ان میں سے تین قبائل ایسے تھے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں مرتد ہو گئے تھے یعنی:

ا۔ بنو مدلج جن کا رئیس اسود عنی تھا جسے کہانت میں شہرت حاصل تھی اس نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا اور اسے فیروز دیلمی نے جہنم رسید کیا۔

۲۔ بنوحنیفہ جو مسیلمہ کذاب کی قوم تھی اس نے یمامہ میں دعویٰ نبوت کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انتہائی نامساعد حالات میں اس کے خلاف جہاد کیا اور اسے قتل کرنے کی سعادت سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی، وہ کہا کرتے تھے "قتلت فی جاھلیتی خیر الناس وفی اسلامی شر الناس" میں نے اپنے زمانہ جاہلیت میں انسانوں میں سے بہترین کو شہید کیا اور عہدِ اسلام میں انسانوں میں سے بدترین کو قتل کیا۔

۳۔ بنواسد جن کی قیادت طلیحہ بن خویلد کے ہاتھ میں تھی، یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مرتد ہوگیا تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس پر لشکر کشی کی، یہ بھاگ کر شام چلا گیا وہاں جا کر دوبارہ اسلام قبول کیا اور پھر اسلام پر ہی ان کا خاتمہ ہوا۔

سات قبائل وہ تھے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مرتد ہوگئے تھے یعنی غطفان، فزارۃ، بنوسُلیم، بنویربوع، بنوتمیم کا کچھ قبیلہ، کندہ اور بنوبکر بن وائل۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت میں جبلہ بن ایہم غسانی مرتد ہوگیا...... یہ سارے ہی لوگ اس آیت کے ضمن میں آجاتے ہیں، باقی رہے وہ لوگ جنہیں قرآنی پیشگوئی کا مصداق بننے کی سعادت حاصل ہوئی اور ان سے اللہ نے دین کی سربلندی کا کام لیا تو اس کے بارے میں کئی اقوال ہیں:

۱۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی۔

۲۔ اہلِ یمن کے کچھ لوگ۔

۳۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قبیلہ۔

ان اقوال میں کوئی منافات نہیں، یہ سبھی حضرات اس آیت کا مصداق بن سکتے ہیں، چونکہ قرآن ایک زندہ اور تازہ کلام ہے اس لیے اس آیت کا مصداق اور جھلکیاں ہم آج کے دور میں بھی دیکھ سکتے ہیں، اصل میں تو اللہ کی قدرت اور بے نیازی کو بتانا ہے کہ اگر بالفرض کسی بھی دور میں کچھ لوگ دین سے مرتد اور باغی ہوجائیں تو ان کی وجہ سے دین کا کچھ نہیں بگڑے گا اور اللہ اس امر پر قادر رہے کہ ان سے کہیں زیادہ بہترین اوصاف کے حاملین کو ایمان قبول کرنے کی توفیق عطا فرمادے...... چنانچہ فرمایا:

﴿۵۴﴾ اے ایمان والو! اگر تم میں سے کسی نے دینِ اسلام کو چھوڑ کر کفر کی غلاظت اختیار کرلی تو اسے جان لینا

چاہیے کہ اس کے جانے سے ایمانی کارواں کا کچھ حرج نہیں ہوگا اور اللہ ان کی جگہ ایسے لوگوں کو کھڑا کردے گا جن کے اندر چھ بہترین صفات پائی جاتی ہوں گی۔

ا۔اللہ ان سے محبت کرے گا یعنی ان سے راضی ہوجائے گا اور ان کی عبادت واطاعت کا اچھا بدلہ دے گا۔

۲۔وہ اللہ سے محبت کریں گے، ہر وہ کام کریں گے جس سے وہ راضی ہوتا ہے اور ان کاموں سے بچیں گے جن سے وہ ناراض ہوتا ہے۔

۳۔ایمان والوں کے حق میں نرم ہوں گے، ان سے تواضع سے پیش آئیں گے، بوقتِ ضرورت ان کے لیے ہر ایثار کے لیے آمادہ ہوں گے۔

۴۔کافروں کے حق میں بڑے سخت ہوں گے، سورہ فتح میں بھی اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی یہی صفت بیان فرمائی ہے "أشِدّاء علی الکفار رُحَمَآءُ بَیْنَهم" (کافروں کے لیے سخت اور آپس میں مہربان ہوں گے۔)

۵۔دینِ الٰہی کی سربلندی کے لیے جہاد کریں گے۔

۶۔دین میں پختگی کی وجہ سے ملامت گروں کی ملامت کی وجہ سے وہ دل چھوٹا نہیں کریں گے۔

"ذلک فضل اللہ" (۱۶۳) ان صفات کا کسی کو مل جانا اللہ کا خاص فضل واحسان ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

﴿۵۵﴾ یہود ونصاریٰ کے ساتھ دوستی سے ممانعت کے بعد بتایا جارہا ہے کہ اہلِ ایمان کو تو بس اللہ، اس کے رسول اور مؤمنوں ہی سے دوستی رکھنی چاہیے اور مؤمن بھی وہ جن کا حال یہ ہے کہ وہ ایک طرف تو نماز کی پابندی کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور دوسری طرف انہیں اپنی کسی عبادت پر فخر اور غرور نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ کے سامنے جھکے ہوئے ہوتے ہیں اور عدمِ قبولیت سے ڈر رہے ہوتے ہیں۔

حکمت وہدایت

ا...... اس آیت میں ایک ایسے تکوینی امر کی خبر دی گئی ہے جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے اس کے وقوع پذیر ہونے سے قبل ہی دے دی تھی، چنانچہ ویسے ہی ہوا جیسے اللہ نے فرمایا تھا، یہ واقعہ قرآن کریم کی بہت ساری پیشنگوئیوں میں سے ایک پیشنگوئی ہے۔ محققین نے قرآنی پیشنگوئیوں کو بھی اس کے وجوہِ اعجاز میں سے ایک وجہ اور اس کی صداقت

{۱۶۳} "ذلک" اشارة الی ماتقدم من الاوصاف (بیضاوی ۲/۳۳۸)

کے دلائل میں سے ایک دلیل قرار دیا ہے، ان پیشگوئیوں میں اعجاز کے دو پہلو جمع ہیں، ایک وقوع سے قبل ان کا علم واطلاع، دوسرے اس اطلاع کے مطابق ان کا ظہور و وقوع۔

جس وقت قرآن نے بعض لوگوں کے ارتداد کی خبر دی تھی اس وقت بظاہر قبولِ اسلام کی طرف میلان زیادہ تھا اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے تھے، ارتداد کا کوئی نمایاں واقعہ اس وقت تک پیش نہیں آیا تھا لیکن اس پیشگوئی کے بعد تین بڑے واقعات تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری دنوں ہی میں پیش آ گئے اور آپ کے دنیا سے رحلت فرمانے کے بعد تو ارتداد کی ایسی اندھی چلی کہ مرکزِ اسلام ہل کر رہ گیا۔

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے تو تین مساجد...... یعنی مسجد مدینہ، مسجد مکہ اور مسجد جوائی...... کے علاوہ عرب میں ارتداد عام ہو گیا، ان کا ارتداد دو قسم کا تھا، کچھ لوگ وہ تھے جو مکمل طور پر دائرۂ شریعت سے باہر نکل گئے تھے اور کچھ لوگ ایسے تھے جو دیگر عبادات کی فرضیت کے تو قائل تھے مگر انہوں نے زکوٰۃ کی فرضیت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

یہ مسلمانوں کے لیے عجیب وقت تھا، ایک ایک دن میں کئی کئی قبیلے مرتد ہو رہے تھے یمن، حضر موت، بحرین اور نجد کے تمام علاقے مرتد ہو گئے، منافقین کا گروہ جنہوں نے چہروں پر، نقاب ڈالے ہوئے تھے انہوں نے کھل کر شرک ونفاق کی باتیں کرنی شروع کر دیں، اس وقت مسلمانوں کی وہ کیفیت تھی جو بارش کی رات میں بھیڑوں کی ہوتی ہے۔ اگر کسی اسباب وعلل کے پجاری کو فتنہ ارتداد کی تندی وتیزی کے بارے میں بتایا جائے تو وہ لازماً یہی نتیجہ نکالے گا کہ یہ طوفان سب کچھ بہا کر لے گیا ہو گا اور اسلام کا قصہ داستانِ پارینہ بن کر رہ گیا ہو گا لیکن حقائق بتاتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوا بلکہ جہاں اس قرآنی پیشگوئی کا پہلا جزء پورا ہوا وہیں دوسرا جزء بھی پورا ہوا اور اللہ نے اسلام کی حفاظت اور دعوت کے لیے ایسے لوگ کھڑے کر دیئے جن کے سینے نورِ ایمان سے منور اور وہ ایمانی صفات سے مالا مال تھے اس سلسلہ میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جس بے مثال عزیمت واستقامت اور ایمان ویقین کا ثبوت دیا اس کی مثال انبیاء کے سوا کسی دوسرے انسان میں دکھائی نہیں دیتی۔

۲...... اللہ سے محبت، ایمان والوں کے سامنے تواضع، کفار کے مقابلے میں سختی، اللہ کی راہ میں جہاد اور ملامت گروں کی ملامت سے بے نیازی کامل ایمان والوں کی صفات ہیں۔ (۵۴)

۳...... اللہ کے مخصوص بندے نماز کی پابندی کرتے ہیں، زکوٰۃ کی ادائیگی کرتے ہیں اور اللہ کے تمام احکام کے سامنے جھکے رہتے ہیں۔ (۵۵)

اس آیت کریمہ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے نازل ہوئی جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ تمام مؤمنین کے بارے میں عام ہے۔

۴...... جو لوگ اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کر دیتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں وہ حزب اللہ (اللہ کی جماعت) میں شامل ہو جاتے ہیں اور مآلِ کار حزب اللہ ہی کو غلبہ حاصل ہوگا۔(۵۶)

کفّار کی دوستی سے ممانعت اور اس کے اسباب

﴿۵۷......۶۳﴾

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَتَّخِذُواْ ٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُواْ دِينَكُمْ هُزُوٗا وَلَعِبٗا مِّنَ ٱلَّذِينَ
اے ایمان والو مت بناؤ ان لوگوں کو جو ٹھہراتے ہیں تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل وہ لوگ جو

أُوتُواْ ٱلْكِتَٰبَ مِن قَبْلِكُمْ وَٱلْكُفَّارَ أَوْلِيَآءَۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ وَإِذَا نَادَيْتُمْ
کتاب دیئے گئے تم سے پہلے اور نہ کافروں کو اپنا دوست اور ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے اور جب تم پکارتے ہو

إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ ٱتَّخَذُوهَا هُزُوٗا وَلَعِبٗاۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٞ لَّا يَعْقِلُونَ ﴿٥٨﴾ قُلْ
نماز کے لئے تو وہ ٹھہراتے ہیں اس کو ہنسی اور کھیل یہ اس واسطے کہ وہ لوگ بے عقل ہیں تو کہہ

يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ هَلْ تَنقِمُونَ مِنَّآ إِلَّآ أَنْ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَآ
اے کتاب والو کیا ضد ہے تم کو ہم سے مگر یہی کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو نازل ہوا ہم پر اور جو

أُنزِلَ مِن قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَٰسِقُونَ ﴿٥٩﴾ قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُم بِشَرّٖ مِّن ذَٰلِكَ
نازل ہو چکا پہلے اور یہی کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں تو کہہ میں تم کو بتلاؤں ان میں کس کی

مَثُوبَةً عِندَ ٱللَّهِۚ مَن لَّعَنَهُ ٱللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ ٱلْقِرَدَةَ وَٱلْخَنَازِيرَ
بری جزا ہے اللہ کے ہاں وہی جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر غضب نازل کیا اور ان میں سے بعضوں کو بندر کر دیا اور بعضوں کو سور

وَعَبَدَ ٱلطَّٰغُوتَۚ أُوْلَٰٓئِكَ شَرّٞ مَّكَانٗا وَأَضَلُّ عَن سَوَآءِ ٱلسَّبِيلِ ﴿٦٠﴾ وَإِذَا
اور جنہوں نے بندگی کی شیطان کی وہی لوگ بدتر ہیں درجہ میں اور بہت بہکے ہوئے ہیں سیدھی راہ سے اور جب تمہارے

جَآءُوكُمْ قَالُوٓاْ ءَامَنَّا وَقَد دَّخَلُواْ بِٱلْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُواْ بِهِۦۚ وَٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُواْ
پاس آتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور حالت یہ ہے کہ کافر ہی آئے تھے اور کافر ہی چلے گئے اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ

يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ
چھپاتے ہوئے تھے اور تو دیکھے گا بہتوں کو ان میں سے کہ دوڑتے ہیں گناہ پر اور ظلم اور حرام کھانے پر

لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ
بہت برے کام ہیں جو کر رہے ہیں کیوں نہیں منع کرتے ان کے درویش اور علماء گناہ کی بات کہنے سے

وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾
اور حرام کھانے سے بہت ہی برے عمل ہیں جو کر رہے ہیں

ربط: تاکید کے طور پر دوبارہ یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع کیا جارہا ہے۔

تسہیل: اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور وہ ایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے ان کو اور کافروں کو دوست نہ بناؤ اور اگر تم واقعی ایمان والے ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو O جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو یہ اسے ہنسی اور کھیل بنا لیتے ہیں کیونکہ یہ عقل سے بالکل کام نہیں لیتے O فرما دیجیے اے اہلِ کتاب! تمہیں ہمارے اندر اس کے سوا کیا برائی نظر آتی ہے کہ ہم اللہ پر اور اس تعلیم پر جو ہمارے اوپر اور ہم سے پہلے نازل ہوئی ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور تم میں سے اکثر نافرمان ہیں O فرما دیجیے کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ کے ہاں اس سے بھی بدتر جزا کن لوگوں کو ملے گی؟ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جن پر اس کا غضب نازل ہوا اور جن میں سے بعض کو اس نے بندر اور خنزیر بنا دیا اور جنہوں نے شیطان کی، بندگی کی ایسے لوگوں کا بہت برا ٹھکانا ہے اور وہ سیدھے راستے سے بہت دور ہیں O جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ وہ کفر کے ساتھ آئے تھے اور کفر کے ساتھ ہی واپس چلے گئے اور جو کچھ انہوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھا ہے اللہ اسے خوب جانتا ہے O اور تم ان میں سے اکثر کو دیکھو گے کہ وہ گناہ اور ظلم اور حرام کھانے میں دوڑے دوڑے پھرتے ہیں، بہت سی بری حرکتیں ہیں جو یہ کرتے ہیں O ان کے مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے، بہت ہی بُری عادت ہے جس میں وہ ملوث ہو چکے ہیں O

تفسیر

﴿۵۷﴾ ایمان والوں کو یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع کیا گیا ہے کیونکہ وہ مسلمانوں کے دینی نظریہ، مذہبی شخصیات اور طریقہ عبادت کا مذاق اڑاتے ہیں۔

﴿۵۸﴾ یہاں تک کہ جب اذان دی جاتی تو وہ کہتے ایسی بری آواز تو ہم نے آج تک نہیں سنی تھی، یہ اونٹوں کی طرح بڑبڑانے کا طریقہ تم نے کہاں سے نکال لیا مدینہ میں ایک نصرانی رہتا تھا وہ جب بھی مؤذن کی زبان سے یہ کلمات سنتا "اشھدانّ محمد رسول اللہ" تو وہ بددعا دیتا کہ "جھوٹا جل جائے" ایک رات جبکہ وہ اہل خانہ سمیت سویا ہوا تھا اس کی خادمہ کے ہاتھ سے ایک انگارہ گر پڑا جس سے وہ گھر والوں سمیت جل گیا(۱۶۴)...... یہ صرف ایک نصرانی ہی کا معاملہ نہ تھا بلکہ یہود اور مشرکین سب ہی اذان کا مذاق اڑاتے تھے، حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ نے بھی مذاق کے طور پر اذان کی نقل اتاری تھی لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پکڑ کر اپنے سامنے اذان دلوائی تو یہ نقل، اصل بن گئی، ان کے دل میں حضور کی محبت اتر گئی اور انہوں نے ایمان قبول کر لیا، آپ نے انہیں مسجد حرام میں مؤذن مقرر فرما دیا۔(۱۶۵)

"ذلک بانھم قوم لّایعقلون" ایسی حرکتیں وہی لوگ کرتے ہیں جو عقل سے خالی ہوتے ہیں، جس شخص کی عقل میں خلل واقع ہو جاتا ہے وہ اللہ کے نام تک کا مذاق اڑانے سے باز نہیں آتا ورنہ کیسے ممکن تھا کہ اللہ پر ایمان رکھنے کا دعوٰی کرنے والے ایسے کلمات کا مذاق اڑاتے جن میں اللہ کی توحید و کبریائی، اللہ کے رسول کی رسالت اور اللہ کی عبادت کی دعوت دی گئی ہے یہ تو ایسی دعوت اور ایسے متأثر کن کلمات ہیں جنہیں سن کر بے شمار لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں...... اذان میں صرف نماز ہی کی دعوت نہیں ہوتی بلکہ پورے اسلام کی دعوت ہوتی ہے کیونکہ اذان میں اسلامی تعلیمات کا خلاصہ آ گیا ہے۔

﴿۵۹﴾ آپ ان سے پوچھیں تو سہی کہ ہمارا جرم کیا ہے، وہ کیا اسباب اور وجوہات ہیں جن کی وجہ سے تم پوری امتِ مسلمہ کی مخالفت میں کمینگی کی حد تک پہنچ گئے ہو...... اس سوال میں تعجب بھی ہے اور انکار بھی(۱۶۶) ہمارے ساتھ تمہاری دشمنی اور مخالفت کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں جبکہ تمہاری اکثریت ایمان سے خارج ہو چکی ہے۔(۱۶۷)

مسلمانوں کے ساتھ یہود و نصارٰی کی دشمنی کا سلسلہ صدیوں سے جاری ہے بلکہ یہودیت کے رنگ میں رنگے

{۱۶۴}ابن کثیر ۱۰۱/۲

{۱۶۵} ابن کثیر ۱۰۲/۲

{۱۶۶}قال علی سبیل التعجب هل تجدن فی هذا الدین الاالایمان باللّٰه والایمان بماانزل علی محمد صلی اللّٰه علیه وسلم والایمان بجمیع الانبیاء (کبیر)

{۱۶۷}کانه قیل ماتنقمون مناالامخالفتکم حیث دخلنا الایمان وانتم خارجون عنه (ابی سعود ۲۹۱/۲)

ہوئے نصاریٰ نے جو کچھ کیا وہ یہود نے بھی نہیں کیا یہ جنگ ''اس وقت سے شروع ہوگئی جب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دور میں سلطنت روم کے ساتھ مسلمانوں کی مڈبھیڑ شروع ہوئی اور یہ مڈبھیڑ صلاح الدین ایوبی کے وقت تک صلیبی جنگوں کی شکل میں جاری رہی۔ اس کے بعد عالم اسلام کے خلاف تمام مغربی ممالک نے جمع ہو کر یہاں سے خلافتِ اسلامیہ کو ختم کیا۔ اس کے بعد مغربی استعمار پیدا ہوا جس کی آغوش میں صلیبیت چھپی ہوئی تھی اور کبھی کبھار اس استعمار کی زبان سے اس کا اظہار بھی ہو جاتا تھا۔ اس استعمار کے زیر سایہ مسیحی تبلیغ آئی، مسیحی تبلیغ اور استعمار دونوں اندر سے ملے ہوئے تھے، آج بھی ان لوگوں کے خلاف یہود و نصاریٰ کی یہ جنگ جاری ہے جو اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور احیائے اسلام کے لیے کسی بھی جگہ کام کرتے ہیں اور ان حملوں میں یہودی، عیسائی اور تمام مشرکین بحیثیت ملتِ واحدہ شریک ہیں''۔

مسلمانوں کے خلاف یہود و نصاریٰ کی اس جنگ میں اب بہت تیزی آ چکی ہے لیکن وہ پروپیگنڈا کے زور پر انہیں یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ مذہب کے نام پر جنگ جوئی ختم ہو چکی ہے وہ تو ایک تاریک دور تھا جب مذہب کے نام پر جنگیں ہوتی تھیں اب تو روشنی، ترقی اور تعلیم کا دور ہے انسان نے اپنے ماضی سے بہت کچھ سیکھا ہے اور اب وہ مذہبی تعصبات سے بالاتر ہو کر سوچتا ہے لیکن یہ ساری باتیں اور تقریریں مسلمانوں کو غفلت کی نیند سلانے بے وقوف بنانے اور ان کی معاشیات اور معدنیات پر قبضہ کرنے کے لیے کی جاتی ہیں، افسوس یہ کہ فریب خوردہ مسلمان ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر اپنے وسائل ان کے تصرف میں دے دیتے ہیں اور اپنے صحراء، دریا، ساحل اور زمین ان کے حوالے کر دیتے ہیں اور سمجھنے لگتے ہیں کہ چودہ سو سال کی تاریخ نے الٹا گھومنا شروع کر دیا ہے اور معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ نے سارے اہلِ ایمان کو خطاب کر کے ایسا حکم دے دیا جو محدود وقت اور مخصوص لوگوں کے لیے تھا لیکن ایک سچے مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ کسی پروپیگنڈا سے متأثر نہ ہو اور اپنے اللہ کے ان حکموں، خبروں اور باتوں پر یقین رکھے جن میں سے کوئی بھی کبھی بھی غلط نہیں ہو سکتی۔

''وانّ اکثرکم فسقون'' مسلمانوں سے یہود و نصاریٰ کی عداوت کی پہلی وجہ تو خارجی ہے یعنی مسلمانوں کا صاحب ایمان ہونا اور اس کی دوسری وجہ داخلی ہے، وہ یہ کہ کفار فسق و فجور میں مبتلا ہیں اور یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ جو لوگ گندگی میں مبتلا ہوتے ہیں وہ پاکباز انسانوں کو بھی اسی گندگی میں ملوث کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

﴿۶۰﴾ اس آیتِ کریمہ میں تاریخی آئینہ سامنے رکھ کر ان یہودیوں کو ان کا مکروہ اور خوفناک چہرہ دکھایا جا رہا

ہے جو مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہمارے علم میں تمہارے دین اور تم سے بدتر کوئی نہیں ہے، (۱۶۸) انہیں بتایا جارہا ہے کہ یہ دین اور اس کے ماننے والے بدترین نہیں بلکہ بدترین لوگ تو وہ تھے جن پر اللہ کا غضب ٹوٹا، انہیں اللہ نے اپنی رحمت سے مایوس کردیا اور ان کی شکلیں بگاڑ دی گئیں۔ یہ وہ بدبخت تھے جنہوں نے اللہ کی عبادت چھوڑ کر طاغوت کی عبادت شروع کردی تھی۔ طاغوت شیطان بھی ہوسکتا ہے، بت بھی، جنات بھی، گمراہ رؤساء بھی اور بگڑے ہوئے پیشوا بھی، ہر وہ نظریہ اور ہر وہ شخص طاغوت ہے جو برحق نہ ہو۔ جیسے ان یہودیوں کے آباء، طاغوت کی عبادت کرتے تھے یونہی یہ بھی طاغوت کی عبادت کرتے ہیں۔

﴿۶۱﴾ یہود کا تاریخی کردار بتانے کے بعد ان کی کچھ نشانیاں بتائی جارہی ہیں تاکہ انہیں شناخت کرنے میں مسلمانوں کو دشواری پیش نہ آئے۔ یہود میں سے جو منافقین ہیں ان کا حال یہ ہے کہ وہ بظاہر ایمان کے دعوے کرتے ہیں لیکن ان کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

"واللہ اعلم بما کانوا یکتمون" ان دعوؤں کے ذریعے وہ اللہ کو دھوکہ نہیں دے سکتے کیونکہ اللہ ان کے قلبی خیالات اور پوشیدہ رازوں کو خوب جانتا ہے۔

﴿۶۲﴾ ان کی بدترین صفت اور علامت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر گناہ، ظلم اور حرام خوری میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، چونکہ ان کے اخلاق تباہ ہوچکے ہیں اور ان پر حیوانیّت غالب آچکی ہے اس لیے کیا امیر اور کیا غریب، کیا طاقتور اور کیا کمزور سب ہی ظلم اور حرام کے عادی ہوچکے ہیں...... ہر وہ معاشرہ جس پر شر کا غلبہ ہو اس کا یہی حال ہوتا ہے، اور اس سے بھی بڑھ کر تباہ کن چیز اس قسم کے معاشرہ میں جو پیدا ہوجاتی ہے وہ یہ کہ:

﴿۶۳﴾ وہاں کے مشائخ اور علماء چپ سادھ لیتے ہیں اور لوگوں کو ظلم و بربریت سے منع نہیں کرتے، فرد یا جماعت پر درندگی کا دورہ پڑ جانا کوئی انوکھی اور تعجب خیز بات نہیں ہے۔ اصل خطرناک بات یہ ہے کہ اس دورہ کو دور کرنے والے اور گناہوں کی بیماریوں کا علاج کرنے والے علماء اور مشائخ اپنی ذمّہ داری بھلادیں یا خود بھی انہی بیماریوں میں مبتلا ہوجائیں تو ایسے معاشرہ کو تباہی سے کوئی نہیں بچاسکتا...... اس آیتِ کریمہ میں یہود کے علماء اور مشائخ کو ڈانٹ ڈپٹ کی گئی ہے کہ تم نے اپنی ذمہ داری کیوں بھلادی ہے اور ظالموں اور حرام خوروں کو ظلم اور لوٹ کھسوٹ سے منع کیوں نہیں کرتے۔

{۱۶۸} لانعلم شر امن دینکم (روح المعانی ۴/۶/۲۵۵) "بشر من ذلک" ای من ذلک المنقوم (بیضاوی ۲/۳۴۲)

حکمت وہدایت

۱...... یہودو نصاریٰ اور مشرکین کے ساتھ دوستی لگانا جائز نہیں بالخصوص ان کے ساتھ جو دین کا مذاق اڑاتے ہیں۔(۵۸)

۲......اذان اسلام کے شعائر میں سے ہے، دارالاسلام اور دارالکفر میں اسی سے فرق ہوتا ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ جب کوئی لشکر بھیجا کرتے تھے تو اسے تاکید فرمایا کرتے تھے کہ ”اگر تم (بستی سے) اذان سنو تو رُک جاؤ اور اگر اذان کی آواز سنائی نہ دے تو حملہ کردو“۔

۳......رب تعالیٰ نے پوری دنیا میں اوقات کی ترتیب کچھ ایسی رکھی ہے کہ دن اور رات کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جب دنیا میں کہیں نہ کہیں اذان نہ ہورہی ہو۔ ایک ملک اور شہر میں اذان ختم ہوتی ہے تو دوسرے ملک اور شہر میں شروع ہوجاتی ہے۔

۴......اذان سمیت اسلام کے کسی بھی شعار کا مذاق اڑانا حرام ہے، ایسا کرنے والے پرلے درجے کے احمق ہیں۔

۵......کفار کی مسلمانوں کے ساتھ دشمنی صرف اور صرف ایمان کی وجہ سے ہے، اس سلسلہ میں مسلمانوں کو کفار کی زبانوں اور ان کے میڈیا پر نہیں بلکہ اللہ کی کتاب پر اعتماد کرنا چاہیے۔(۵۹)

۶......جو خود گمراہ ہوتا ہے وہ دوسروں کو بھی گمراہ دیکھنا چاہتا ہے۔(۵۹)

۷...... جب کسی قوم کی اخلاقی حالت تباہ ہوجائے اور وہ مجموعی طور پر ایمانی صفات سے محروم ہوجائے تو اس کے افراد، شر، گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں یہاں تک کہ اس کا جو کمزور طبقہ ہوتا ہے، اگر اس کا کچھ اور بس نہ چلے تو وہ آپس ہی میں ایک دوسرے پر ظلم شروع کردیتے ہیں۔

۸......لوگوں کو گناہوں سے اور حرام خوری سے روکنا علماء اور مشائخ کی ذمہ داری ہے......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کو علماء اور مشائخ کے حق میں سخت ترین آیت قرار دیا ہے۔(۱۶۹)

۹......جو دوسروں کو قدرت کے باوجود برائی سے نہیں روکتا وہ خود بھی برائی کرنے والا شمار ہوتا ہے، ہمارے آقا ﷺ کا فرمان ہے کہ جب کسی قوم میں کچھ لوگ برائی کا ارتکاب کریں اور دوسرے انہیں قدرت کے باوجود منع نہ کریں تو انہیں موت سے پہلے اللہ عذاب میں مبتلا کرے گا۔(۱۷۰)

{۱۶۹}عن ابن عباسؓ، قال: مافی القرآن آیۃ اشد توبیخا من ھذہ الآیۃ (ابن کثیر ۲/۱۰٤)

{۱۷۰}وقدرواہ ابن ماجہ (ابن کثیر ۲/۱۰٤)

۱۰......اللہ تعالیٰ نے گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے عمل (یعملون) اور انہیں منع نہ کرنے والوں کے لیے صنع (یصنعون) کا لفظ استعمال کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے موقع پر خاموشی اختیار کرنے والے علماء کو گناہ گاروں سے بھی زیادہ گناہ ہوتا ہے کیونکہ ہر عمل پر صنع کا اطلاق نہیں ہوسکتا، صنع کا لفظ تو صرف اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو اپنے کام میں خوب مہارت حاصل کرلے۔(۱۷۱)

یہود کی بد گوئی اور اللہ کے وعدے

(۶۴......۶۶)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ

اور یہود کہتے ہیں اللہ کا ہاتھ بند ہوگیا انہی کے ہاتھ بند ہوجاویں اور لعنت ہے ان کو اس کہنے پر بلکہ اس کے تو

مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ

دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں خرچ کرتا ہے جس طرح چاہے اور ان میں بہتوں کو بڑھے گی اس کلام سے جو تجھ پر اترا تیرے رب کی طرف

طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا

سے شرارت اور انکار اور ہم نے ڈال رکھی ہے ان میں دشمنی اور بیر قیامت کے دن تک جب کبھی آگ

نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٤﴾

سلگاتے ہیں لڑائی کے لئے اللہ اسکو بجھا دیتا ہے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرتے ہوئے اور اللہ پسند نہیں کرتا فساد کرنے والوں کو

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ

اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور ڈرتے تو ہم دور کردیتے ان سے ان کی برائیاں اور ان کو داخل کرتے نعمت کے

النَّعِيمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ

باغوں میں اور اگر وہ قائم رکھتے توریت اور انجیل کو اور اسکو جو کہ نازل ہوا ان پر ان کے رب کی طرف سے

لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ۚ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ

تو کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کچھ لوگ ان میں ہیں سیدھی راہ پر اور بہت سے ان میں برے

مَا يَعْمَلُونَ ﴿٦٦﴾

کام کر رہے ہیں

---

(۱۷۱) کأنهم جعلوا اكثر اثما من مرتكبي المنكرات لان كل عامل لايسمى صانعا ولا كل عمل يسمى صناعة حتى يتمكن فيه ويتدرب وينسب إليه (الكشاف ۱/۴۷۱) والصنع بمعنى العمل الاانه يقتضي الجودة (قرطبی ۶/۲۳۷)

تسہیل: یہودی کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، اس قسم کی بکواس کی وجہ انہی کے ہاتھ باندھے جائیں اور ان پر لعنت ہو، اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں وہ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے جو کلام نازل ہوا، یہ ان کی سرکشی اور کفر میں اضافہ کا سبب بن گیا ہے اور ہم نے اس کی سزا کے طور پر ان کے درمیان قیامت تک کے لیے دشمنی اور کینہ ڈال دیا ہے، وہ جب بھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اسے بجھا دیتا ہے اور وہ اللہ کی زمین پر فساد پھیلانے کے لیے دوڑے دوڑے پھرتے ہیں جبکہ اللہ فساد کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا O اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے اور تقوٰی اختیار کرتے تو ہم ان کی برائیاں ان سے ضرور دور کر دیتے اور ہم انہیں نعمت کے باغوں میں داخل کر دیتے O اور اگر وہ تورات اور انجیل پر اور جو کچھ انہیں ان کے رب کی طرف سے ملا ہے اس پر عمل کرتے تو اوپر اور نیچے ہر طرف سے ان پر رزق کی فراوانی ہو جاتی، ان میں سے کچھ لوگ میانہ رو بھی ہیں لیکن ان میں سے اکثر کے اعمال بہت بُرے ہیں O

تفسیر

{٦٤} یہودی صرف ظلم اور حرام خوری ہی میں ملوّث نہ تھے ان کی فکری کجی کا حال یہ تھا کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں بھی گستاخی سے باز نہیں آتے تھے، مسلمانوں کے فقر و فاقہ اور تنگدستی پر طنز کے طور پر کہتے تھے کہ معلوم ہوتا ہے تمہارا خدا بخیل ہو گیا ہے اور اس نے خرچ کرنے سے ہاتھ روک لیا ہے، ان کی اس گستاخی اور بکواس کے جواب میں انہیں بددعا دی گئی کہ ان کے ہاتھ باندھے جائیں اور ان پر لعنت ہو، چنانچہ ایسا ہی ہوا، تاریخ انسانی میں اس لعنتی قوم سے زیادہ بخیل کوئی نہیں گذرا، یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں حقیقۃً ہاتھ باندھے جانے کی بددعا دی گئی ہو جس کا ظہور دنیا میں تو یوں ہوا کہ ہاتھوں میں زنجیریں ڈال کر انہیں گرفتار کیا گیا اور آخرت میں ان کی گردنوں میں جہنم کے طوق ڈالے جائیں گے (۱۷۲)...... اس کے بعد ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا "بل یداہ مبسوطتٰن" اللہ کے تو دونوں ہاتھ کشادہ ہیں، اس کے فضل و احسان کی کوئی حد نہیں (۱۷۳)، اس کی عطا اور بخشش کی بارش اپنے پرائے سب پر ہو رہی ہے، اس کے جود و کرم کا سلسلہ ازل سے جاری ہے اور ابد تک رہے گا، وہ اپنی مصلحت کے مطابق جسے چاہتا ہے، جتنا چاہتا ہے

{۱۷۲} دعاء علیهم بالبخل والنكد او بالفقر والمسكنة، أو بغل الايدى حقيقة يغلون أسارى فى الدنيا ومسحوبين الى النار فى الآخره (بیضاوی ۲/۳٤٥)

{۱۷۳} اى بل نعمته مبسوطة، فاليد بمعنى النعمة...... فاحد النعمتين نعمة الدنيا والثانى نعمة الآخره وقيل نعمتا الدنيا النعمة الظاهره والنعمة الباطنة (قرطبى ٦/٢٢٦)

عطا کرتا ہے، کسی کے فقیر ہونے کا معاذ اللہ یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے بخل سے کام لیا ہے، اس میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے، اگر اللہ سب کو غنی بنا دیتا تو ممکن تھا کہ بندے باغی اور سرکش ہو جاتے {۱۷۴}، پھر یہ بھی تو ہے کہ اللہ بعض بندوں کو اس لیے غنا عطا کرتا ہے تاکہ وہ اپنے ضرورت مند بھائیوں پر خرچ کریں، اگر دنیا میں کوئی فقیر ہی نہ ہوتا تو وہ کس پر خرچ کرتے اور انہیں فضیلت اور اللہ کا قرب کیسے حاصل ہوتا...... آگے بتایا جا رہا ہے کہ ان کی اس قسم کی گستاخیوں سے دلبرداشتہ نہ ہوں، یہ ان کی بدنصیبی ہے کہ "ولیزیدن کثیرا منھم" اللہ کا کلام جو مؤمنوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنتا ہے وہ ان کے حق میں گمراہی اور سرکشی میں اضافہ کا سبب بنتا ہے، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا "اور ہم قرآن نازل کرتے ہیں جو مؤمنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے لیکن ظالموں کو اس سے سوائے خسارہ کے کچھ حاصل نہیں ہوتا" {۱۷۵}

"والقینا بینھم" اس گستاخی اور کفر و سرکشی کی سزا انہیں یہ دی گئی کہ ان کے مختلف فرقوں اور قبیلوں کے درمیان بغض و عداوت کا بیج ڈال دیا گیا کہ ہر فرقہ دوسرے کا مخالف ہے، آج اگر وقتی طور پر وہ اسرائیلی مملکت کی صورت میں متحد نظر آتے ہیں تو اس سے کسی کو دھوکہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ان کی پوری تاریخ باہمی جنگ و جدل سے عبارت رہی ہے، اسی لیے وہ ہمیشہ جلاوطن اور دربدر پھرتے رہے ہیں، اس وقت ان کا اتفاق اور طاقت جو نظر آ رہی ہے وہ اس وجہ سے ہے کیونکہ ان کے مقابلے میں مسلمان نہ تو امتِ واحدہ کی صورت میں ہیں اور نہ ہی ایمانی جذبات سے سرشار ہیں، جب مسلمان، امت بن جائیں گے اور واقعی ایمان کا نور ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے گا، تب یہود و نصاریٰ کی طاقت مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ثابت ہوگی۔

"کلما اوقدوا نارا" چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں صحابہ ایک امت بن چکے تھے اس لیے اللہ ان کی حفاظت خود فرماتا تھا، یہودی جب کبھی کسی سازش اور فتنہ کے ذریعہ جنگ کی آگ بھڑکانا چاہتے یا مسلمانوں کو باہم لڑانا چاہتے اللہ ان کی تدبیریں باطل کر دیتا اور انہیں ذلیل و رسوا کر دیتا۔

ویسے عمومی تاریخ میں بھی یہی ہوتا رہا کہ انہوں نے جب کبھی فساد اور شورش کرنے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی کو ان پر مسلط کر دیا چنانچہ یہی ہوتا رہا کہ کبھی بختنصر، کبھی پطرس رومی کبھی مجوسی اور کبھی ہٹلر ان پر مسلط رہے {۱۷۶}...... ان کے ساتھ اللہ کا یہ معاملہ اس لیے رہا کیونکہ شر اور فساد ان کی فطرت اور طبیعت بن چکا ہے وہ ہر وقت

{۱۷۴} ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض (الرعد ۱۳/۲۶)

{۱۷۵} الاسراء ۱۷/۸۲

{۱۷۶} او کلما ارادوا حرب احد غلبوا فانھم لما خالفوا حکم التورۃ سلط اللہ علیھم الخ (بیضاوی ۲/۳۴۶)

اسی کے لیے کوشاں رہتے ہیں جبکہ اللہ فساد کرنے والوں کو قطعاً پسند نہیں کرتا۔

﴿٦٥﴾ چونکہ اللہ توبہ کا دروازہ کسی کے لیے بھی بند نہیں کرتا اس لیے ڈانٹ ڈپٹ کے بعد انہیں ایمان لانے کی ترغیب دی جارہی ہے اور وعدہ کیا جارہا ہے کہ اگر اہلِ کتاب ایمان لے آئیں تو ہم ان کے سارے گناہ معاف کردیں گے اور ان کی آخرت کی زندگی سنوار دیں گے۔

﴿٦٦﴾ اور صرف آخرت کی زندگی ہی نہیں بلکہ تورات اور انجیل کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور ایمان لانے کی صورت میں انہیں دنیوی زندگی میں بھی راحتیں اور آسانیاں نصیب ہوتیں، آسمان سے بارش برستی، زمین سونا اگلتی، پیداوار میں اضافہ ہوتا اور رزق میں فراوانی ہوجاتی، لیکن انہیں ایسا کرنے کی توفیق نصیب نہ ہوئی، نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی آخرت تو تباہ ہو ہی گئی، ان کی دنیاوی زندگی بھی تلخیوں اور پریشانیوں سے دوچار رہی۔

"مِنهُم اُمَّةٌ مُقتَصِدَہ" لیکن وہ سارے ایسے نہیں ہیں ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دین کے معاملے میں اعتدال کی راہ پر چلتے ہیں۔

حکمت و ہدایت

۱...... اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی باتوں کی نسبت کرنا بے ادبی اور لعنتی عمل ہے جو اس کے جلال اور کمال کے مناسب نہیں۔ (٦٤)

۲...... اللہ تعالیٰ کے لیے دونوں ہاتھ ثابت ہیں، ان پر ایمان رکھنا واجب ہے لیکن ہم ان کی حقیقت اور کیفیت نہیں جانتے...... یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مراد اللہ کی دو نعمتیں ہوں، ایک دنیا کی نعمت اور دوسری آخرت کی نعمت یا دنیا ہی کی ظاہری اور باطنی نعمتیں مراد لی جائیں۔[۱۷۷] (٦٤)

۳...... قرآن کسی کی ہدایت کا سبب بنتا ہے اور کسی کی ضلالت کا۔ (٦٤)

۴...... اللہ کی زمین پر فساد پھیلانا یہود کی دائمی فطرت ہے...... سوشلزم، کمیونزم، مغربی جمہوریت، الحاد اور لادینیت جیسی تمام فسادی تحریکوں کے پیچھے یہودیوں ہی کا ہاتھ دکھائی دیتا ہے، میڈیا کے ذریعہ نسلِ انسانی کو تباہ کرنے میں بھی یہود ہی پیش پیش ہیں۔

۵...... بڑے سے بڑا کافر اور مشرک بھی اگر ایمان لے آئے تو اس کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔ (٦٥)

٦...... احکامِ الٰہیہ پر عمل کرنے سے دنیوی زندگی میں بھی راحتیں نصیب ہوتی ہیں، اللہ کا یہ وعدہ صرف تورات اور انجیل

﴿۱۷۷﴾ قرطبی (٦/٢٢٦)

کے ماننے والوں کے لیے نہیں تھا بلکہ قرآن پر ایمان رکھنے والوں کے لیے بھی ہے، قرآن نے ویسے بھی دین ودنیا کی تفریق ختم کی ہے اور دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی مانگنے اور اس کے لیے کوشش کرنے کا حکم دیا ہے، نیت درست ہو تو دنیا اور آخرت میں کوئی تضاد باقی نہیں رہتا، عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دینی حالت درست رکھنے سے دنیاوی حالت بھی درست ہو جاتی ہے اور دنیاوی حالت کی اصلاح کی کوشش کرنا تقویٰ کے منافی نہیں ہے۔

سورہ طلاق میں ہے ''اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے پریشانیوں سے نکلنے کی صورت خود پیدا فرما دے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے وہم وگمان بھی نہ ہوگا''۔ (الطلاق ۶۵/۲)

سورہ اعراف میں ہے ''اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ (اعراف ۷/۹۶)

حکمِ تبلیغ اور دعوتِ ایمان

﴿۶۷......۶۹﴾

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُۥ ۚ

اے رسول پہنچا دے جو تجھ پر اترا تیرے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام

وَٱللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ ٱلنَّاسِ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٦٧﴾ قُلْ يَٰٓأَهْلَ

اور اللہ تجھ کو بچالے گا لوگوں سے بیشک اللہ راستہ نہیں دکھلاتا قوم کفار کو کہہ دے اے

ٱلْكِتَٰبِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَىْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا۟ ٱلتَّوْرَىٰةَ وَٱلْإِنجِيلَ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْكُم

کتاب والو تم کسی راہ پر نہیں جب تک نہ قائم کرو توریت اور انجیل کو اور جو تم پر اترا تمہارے

مِّن رَّبِّكُمْ ۗ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَٰنًا وَكُفْرًا ۖ فَلَا

رب کی طرف سے اور ان میں بہتوں کو بڑھے گی اس کلام سے جو تجھ پر اترا تیرے رب کی طرف سے شرارت اور کفر سو تو

تَأْسَ عَلَى ٱلْقَوْمِ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٦٨﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَٱلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلصَّٰبِـُٔونَ وَٱلنَّصَٰرَىٰ

افسوس نہ کر اس قوم کفار پر بیشک جو مسلمان ہیں اور جو یہودی ہیں اور فرقہ صابی اور نصاریٰ

مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَعَمِلَ صَٰلِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٩﴾

جو کوئی ایمان لاوے اللہ پر اور روز قیامت پر اور عمل کرے نیک نہ ان پر ڈر ہے نہ وہ غمگین ہوں گے

ربط: اہلِ کتاب میں اعتدال پر رہنے والے بہت تھوڑے تھے ان میں اکثریت بدعملوں ہی کی تھی اس لیے سخت اندیشہ تھا کہ اگر اللہ کا پیغام ان تک پہنچایا گیا اور بداعمالیوں پر روک ٹوک کی گئی تو وہ آپ کے درپے آزاد ہوجائیں اس لیے فرمایا۔

تسہیل: اے ہمارے پیغمبر! آپ پر جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے وہ سب کا سب لوگوں تک پہنچا دیجیے اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ نے فریضہء رسالت ادا نہیں کیا اور اللہ لوگوں کے شر سے آپ کی حفاظت کرے گا، یقیناً اللہ کافروں کو راہ نہیں دکھائے گا○ فرما دیجیے اے اہلِ کتاب! جب تک تم تورات اور انجیل اور جو بھی کتابیں تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوئی ہیں، ان سب پر عمل نہیں کرو گے، دین کے ساتھ تمہارے تعلق کا کچھ بھی اعتبار نہیں ہوگا، یہ بات یقینی ہے کہ آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا ہوا یہ کلام ان میں سے اکثر کی سرکشی اور کفر کو بڑھا دے گا، لہٰذا آپ کافروں کے حال پر دل گرفتہ نہ ہوں○ جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے انہیں نہ خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے○

﴿تفسیر﴾

﴿۶۷﴾ وہ دن بھی عجیب تھے جب کفر وشرک میں ڈوبے ہوئے ماحول میں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ورسالت سے نوازا گیا۔ نظر یوں آتا تھا کہ توحید کی دعوت قبول کرنے کے لیے کوئی بھی آمادہ نہیں ہوگا، آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا "یارب کیف اصنع وانا وحدی یجمعون علی" (اے پروردگار میں کیا کروں، اکیلا ہوں اور یہ سب میرے خلاف اکھٹے ہوجاتے ہیں) اس پر یہ آیت نازل ہوئی﴿۱۷۸﴾ جس میں آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ بھی نازل ہوا ہے وہ سب کا سب بلاکم وکاست انسانوں تک پہنچا دیں، چنانچہ آپ اس ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ نے اللہ کی امانت اللہ کے بندوں تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس تفسیر کے ذیل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ جو شخص تمہیں یہ کہے کہ اللہ نے جو کلام اتارا ہے اس میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بات چھپائی ہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے کیونکہ اللہ فرماتا ہے "اے رسول جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دیجیے"﴿۱۷۹﴾

﴿۱۷۸﴾ اخرج ابن ابی حاتم عن مجاھد (التفسیر المنیر ۶/۲۵۸)

﴿۱۷۹﴾ صحیح بخاری ۲/۶۶۴

امام زُھری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے رسالت تھی، رسول کے ذمہ پہنچانا تھا اور ہمارے ذمہ تسلیم کرنا ہے، آپ کی امت نے خود اس بات کی شہادت دی کہ آپ نے اللہ کا پیغام اور اس کی امانت بندوں تک پہنچا دی، حجۃ الوداع کے موقع پر جب کہ آپ کی زندگی کا سب سے بڑا مجمع جمع تھا، آپ نے انہیں اداءِ رسالت پر گواہ بنایا جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

اے لوگو! تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے پہنچا دیا بلکہ پہنچانے کا حق ادا کر دیا اور خیر خواہی کی، صحابہ کے اس جواب کے بعد آپ بار بار آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر لوگوں کی طرف جھکاتے تھے اور فرماتے تھے (اے اللہ یہ مجمع گواہی دے رہا ہے کہ میں نے تیری امانت ان تک پہنچا دی)۔(۱۸۰)

"وان لم تفعل" اگر آپ نے اللہ کی رسالت کا کچھ حصہ بھی چھپا لیا اور اسے بندوں تک نہ پہنچایا تو یوں سمجھا جائے گا گویا آپ نے کچھ بھی نہیں پہنچایا اس لیے کہ بعض کا چھپانا ایسے ہے جیسے کل کا چھپانا، ان الفاظ میں بظاہر تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ اور تاکید ہے لیکن حقیقت میں آپ کی امت کے علماء کو تنبیہ ہے کہ وہ شریعت کا کوئی حکم نہ چھپائیں کیونکہ ہمارے آقا کے بارے میں تو اللہ جانتا تھا کہ وہ وحی کا کوئی جزء بھی نہیں چھپائیں گے اسی لیے تو اس نے آپ کو مقامِ نبوت پر فائز کیا تھا۔

"واللہ یعصمک من الناس" حکم یہ دیا گیا کہ آپ پر جو کچھ اتارا گیا ہے وہ انسانوں تک پہنچا دیجیے اور اس سلسلہ میں کسی کی ناراضگی کی پرواہ مت کیجیے یہ آپ کی زندگی کا چراغ گل نہیں کر سکیں گے، اللہ آپ کی حفاظت کرے گا۔ ترمذی اور حدیث کی دوسری کئی کتابوں میں متعدد صحابہ سے روایت ہے کہ "اس آیت کے نزول سے قبل مکہ میں صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کیا کرتے تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفاظت کا سلسلہ ترک فرما دیا۔(۱۸۱)

{۱۸۰} صحیح بخاری ۲/٦٣٢
فان كتمت منه شيأ فمابلغت رسالته وهذا تاديب للنبى صلى الله عليه وسلم وتاديب لحملة العلم من امته الايكتمو اشيأ من أمر شريعته (قرطبی ٦/٢٢٨)
{۱۸۱} ترمذی

اس آیت کریمہ میں صرف قتل سے حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا اس لیے کوئی یہ اعتراض نہیں کرسکتا کہ اس آیت کے نزول کے بعد بھی آپ کو مکہ اور طائف میں ستایا گیا اور غزوہ احد میں آپ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے۔{۱۸۲}

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس آیت کریم میں اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے حفاظت کا ذمہ لیا ہے جو کہ عصمتِ انبیاء کا بنیادی تقاضا بھی ہے۔{۱۸۳}

﴿۶۸﴾ اے میرے نبی! آپ ان سے صاف صاف کہہ دیجیے کہ تمہارے اللہ کے چہیتے ہونے کے دعووں کی، تمہاری عبادت کی، تمہاری کتاب خوانی کی اور تمہاری دینداری کی کچھ بھی حقیقت نہیں جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم نہ کرو اور انہیں قائم کرنے کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ تم مجھ پر اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لاؤ۔ اس لیے کہ میری صفات اور علامات ان کتابوں میں واضح طور پر موجود ہیں اور مجھ پر ایمان لانے کا تم سے وعدہ بھی لیا گیا تھا۔

"وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا" اس واضح اعلان کے بعد یہ بات یقینی تھی کہ اہلِ کتاب میں ہیجان پیدا ہوتا، وہ مشتعل ہوتے، ان کے کفر اور سرکشی میں اضافہ ہوتا، وہ بڑبڑاتے اور اول فول بکتے لیکن جب یہ بات طے ہے کہ اللہ ہی کی بات فیصلہ کن ہے تو پھر کسی کی ناراضگی اور ہیجان کی کیا حیثیت ہے، ان کی اس بیہودگی پر افسردہ ہونے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ ان سے اس کے سوا کسی دوسری چیز کی توقع ہی نہ تھی۔

﴿۶۹﴾ اب اللہ کے ہاں مقبولیت کے لیے عام قانون صرف ایک ہے وہ یہ کہ جو کوئی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے وہ اللہ کا محبوب اور پیارا ہے، یہاں ضمنی طور پر یہ بات بھی شامل ہے کہ نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن پر بھی ایمان لائے کیونکہ یہ بات قرآن میں سینکڑوں مقامات پر کھلے الفاظ میں بیان کردی گئی ہے ویسے بھی اللہ پر ایمان کا تب ہی اعتبار ہوتا ہے جب اللہ کی بتلائی ہوئی ساری چیزوں پر ایمان لایا جائے، جو شخص اللہ کے کہنے پر تمام انبیاء اور کتابوں پر ایمان نہیں رکھتا اس کے ایمان باللہ کا بھی کوئی اعتبار نہیں، پھر یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو تسلیم کیے بغیر بھی ایمان معتبر ہے تو آپ نے ان لوگوں کے ساتھ جہاد کیوں کیا جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے تھے مگر آپ پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ یہ وضاحت کرنے کی ضرورت ہمیں اس لیے پیش آئی کیونکہ بعض حضرات نے اس آیت میں رسالت کا صراحۃً ذکر نہ

{۱۸۲} والمراد بالعصمة من الناس حفظ روحه عليه الصلاة والسلام من القتل والاهلاك (روح المعانی ۲۹۰/٤)
{۱۸۳} والمعنى بلغ والله تعالىٰ يمنحك الحفظ من صدور الذنب من بين الناس (روح المعانی ۲۹۱/٤)

ہونے کی وجہ سے یہ نظریہ قائم کر لیا کہ ہر وہ شخص جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ آخرت میں نجات کا مستحق ہے خواہ وہ یہودی اور نصرانی ہو یا ہندو اور سکھ ہو، اس قسم کے نظریات وہ لوگ قائم کرتے ہیں جو غیر مسلموں کی افرادی طاقت سے، ان کی مادی قوت سے، سائنسی ترقی سے اور جنگی ساز و سامان سے بری طرح متاثر ہیں، وہ جب دیکھتے ہیں کہ صاف صاف حق بیان کرنے سے یہ کفار ناراض ہو جاتے ہیں تو وہ انہیں خوش کرنے کے لیے ایسی آیات تلاش کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے ایمانیات کا ذکر اجمالی طور پر کیا ہے، ان آیات سے غلط استدلال کرتے ہوئے وہ یہود و نصاریٰ کو بھی مؤمن ثابت کرنے کی ناروا کوشش کرتے ہیں، انہیں یہ حوصلہ نہیں ہوتا کہ وہ ایسے ترقی یافتہ اور اتنے زیادہ لوگوں کو گمراہ کہہ دیں لیکن سچا داعی کبھی بھی اس طرح کی تاویلات نہیں کرتا، اس کی دعوت میں حکمت اور محبت کی چاشنی ضرور ہوتی ہے مگر مداہنت نہیں ہوتی، واضح طور پر بتا دیتا ہے کہ اس وقت تم کس پوزیشن میں ہو اور تمہیں حصولِ نجات کے لیے اپنے افکار اور اعمال میں کیا تبدیلی لانی ہے، وہ یہ وضاحت اس لیے کرتا ہے تاکہ ”جسے مرنا ہے وہ حجت قائم ہونے کے بعد مرے اور جسے زندہ رہنا ہے وہ بھی حجت قائم ہونے کے بعد زندہ رہے“ (۱۸۴)

بعض حضرات نے اس آیت کے حوالے سے ایک سوال یہ بھی اٹھایا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ اہلِ ایمان کا تذکرہ کیوں کیا گیا ہے، جو پہلے سے مؤمن ہیں ان کے ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام کا شاہانہ انداز ہے، جیسے کوئی حاکم یا بادشاہ اعلان کرے کہ ہمارا قانون عام ہے خواہ کوئی موافق ہو یا مخالف جو بھی اس کی پابندی کرے گا اسے انعام سے نوازا جائے گا، اب ظاہر ہے کہ موافق تو بہر حال اطاعت ہی کرے گا اصل میں تو مخالفین کو سمجھانا مقصود ہے کہ موافق کی طرف ہماری خصوصی توجہ کسی خاندانی تعلق کی بناء پر نہیں بلکہ اس کی اطاعت اور قانون پسندی کی وجہ سے ہے اگر مخالفین بھی یہی روش اختیار کر لیں تو انہیں بھی محروم نہیں رکھا جائے گا۔

حکمت و ہدایت

۱......اس آیت کریمہ سے ان روافض وغیرہ کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ معاذ اللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقیہ کرتے ہوئے دین کی بعض باتیں چھپالی تھیں۔(۱۸۵) (۶۷)

۲......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر رسالت کی ادائیگی واجب تھی اور آپ نے اس کا حق ادا کر دیا۔(۶۷)

{۱۸۴}الانفال ۸/۴۲

{۱۸۵}وزعمت الشیعة ان المراد "ما انزل الیک" خلافة علی کرم اللہ وجهه...... فکان یخاف ان یشق ذلک علی جماعة من اصحابه فانزل اللہ تعالیٰ هذه الآیة تشجیعا له (روح المعانی ۲۸۲/۶/۴)

۳......دین کے جزء کا چھپانا بھی ایسے ہے جیسے کل کا چھپانا۔(۶۷)

۴......رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلقاً عصمت حاصل تھی، آپ کی جان کی حفاظت بھی اللہ نے فرمائی اور کردار کی بھی۔(۶۷)

۵...... جولوگ اللہ کی کتاب کو قائم نہیں کرتے اور اس کے بعد عمل نہیں کرتے ان کے دین داری کے دعووں کا اعتبار نہیں۔(۶۸)

۷......صرف کسی دین کی طرف نسبت کرنے کا کوئی اعتبار نہیں اصل اعتبار ایمان، عملِ صالح اور گناہوں کے چھوڑنے کا ہے۔

۸......حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر نجات حاصل نہیں ہوسکتی۔(۶۹)

یہود کا انبیاء کو جھٹلانا اور قتل کرنا

﴿۷۰......۷۱﴾

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ
ہم نے لیا تھا پختہ قول بنی اسرائیل سے اور بھیجے ان کی طرف رسول جب لایا ان کے پاس کوئی رسول

بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ
وہ حکم جو خوش نہ آیا ان کے جی کو تو بہتوں کو جھٹلایا اور بہتوں کو قتل کرڈالتے تھے اور خیال کیا کہ کچھ خرابی نہ

فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ
ہوگی سو اندھے ہوگئے اور بہرے پھر توبہ قبول کی اللہ نے ان کی پھر اندھے اور بہرے ہوئے ان میں سے بہت

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝
اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں

تسہیل: ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کے پاس بہت سارے رسول بھیجے، جب بھی ان کے پاس کوئی رسول ایسا حکم لے کر آتا جو ان کی خواہشات کے خلاف ہوتا تو بعض کو وہ جھٹلا دیتے اور بعض کو قتل کر دیتے ○ ان کا خیال یہ تھا کہ ان کی حرکتوں کی وجہ سے ان پر کوئی آفت نہیں آئے گی سو وہ اندھے اور بہرے ہوگئے، پھر اللہ نے انہیں توبہ کی توفیق دی لیکن دوبارہ اندھے اور بہرے ہوگئے اور اللہ ان کے کرتوت خوب دیکھ رہا ہے ○

﴿تفسیر﴾

﴿۷۰﴾ اللہ نے بنی اسرائیل سے تورات میں عہد لیا تھا توحید پر قائم رہنے کا، انبیاء پر ایمان لانے کا اور شریعت کی اتباع کرنے کا لیکن انہوں نے اس عہد کو توڑ دیا اور اپنی خواہشات ہی کو قبول اور رد کا معیار ٹھہرالیا، جو حکم ان کی خواہشات کے مطابق ہوتا اسے مان لیتے اور جس حکم کی زد ان کی خواہشات پر پڑتی اسے ٹھکرا دیتے، اس سلسلہ میں قتلِ انبیاء تک سے باز نہ آتے۔

﴿۷۱﴾ اس تکذیب وانکار اور قتل پر وہ اس لیے دلیر ہوگئے تھے کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ ہمارے اوپر اللہ کی طرف سے کوئی آفت نہیں آئے گی اور اللہ نے ہمیں دشمن قوموں کے غلبے کی صورت میں جو وعید سنائی ہے اس کا ظہور نہیں ہوگا(۱۸۶) چنانچہ انہوں نے تورات میں آیاتِ الٰہیہ سے آنکھیں مونده لیں اور انبیاء کی نصیحتوں سے کان بند کر لیے، اللہ نے ان پر بابلیو کو مسلط کر دیا، انہوں نے مسجد اقصیٰ کو جلا ڈالا، ان کے اموال چھین لیے اور ان کے بچوں اور خواتین کو قید کر لیا پھر اللہ نے ان کے حال پر رحم کیا، ان کو توبہ کی توفیق دی اور ان کی کھوئی ہوئی عزت وسلطنت واپس لوٹا دی لیکن وہ اپنے قول وقرار کا پاس کرنے والے کہاں تھے دوبارہ شر اور فساد کی راہ پر چل پڑے، انہوں نے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو قتل کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی تدبیریں کیں، اب کی بار اللہ نے پہلے اہلِ فارس کو اور پھر رومانیوں کو ان پر مسلط کر دیا۔

"کثیرا منہم" ان کی اکثریت نافرمان ہوگئی تھی اور ان میں سے بہت تھوڑے تھے جو ایمان اور تقویٰ کی راہ پر قائم رہے۔

"واللہ بصیرٌ بما یعملون" ان کا ماضی تو جو تھا وہ تھا، ان کا حال بھی ماضی سے بہت مختلف نہیں ہے، وہ آج بھی اندھے اور بہرے ہو کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں لیکن انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ ان کے کرتوت دیکھ رہا ہے۔

حکمت وہدایت

۱......بنی اسرائیل کا قصہ امتِ مسلم کو بار بار اس لیے سنایا جاتا ہے تاکہ وہ ان جیسی عہد شکنی، سنگدلی، خواہشات کی پرستش

{۱۸۶} تفصیل کے لیے دیکھیے سورہ بنی اسرائیل آیت ۴ سے ۸ تک۔

اور تکذیب وانکار سے بچیں۔(۷۰)

۲......ایمان اور اسلام کی حقیقت اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب شریعت پر عمل کرنے سے خواہشات کو پامال کرنا پڑے۔(۷۰)

۳......حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں ''تمام کبائر کی اصل اتباع ہوی ہے اس لیے صوفیہ اس کے استیصال میں سخت کوشش کرتے ہیں۔(۱۸۷)

۴......یہ بھی حضرت ہی کے ارشاد کا حاصل ہے کہ گناہوں پر اصرار کرنے سے نیکی کی استعداد کمزور ہو جاتی ہے، اسی کو ''بطلانِ استعداد'' (استعداد کا ختم ہو جانا) کہتے ہیں......بنی اسرائیل کے اندھے اور بہرے ہو جانے کا مطلب یہی ہے کہ ان کے اندر نیکی کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہی تھی۔

۵......جب اللہ کی گرفت اور عذاب کا خوف دل سے نکل جائے تو انسان گناہوں پر جری ہو جاتا ہے۔(۷۱)......صحیفہ زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک مناجات میں بھی یہی حقیقت بیان ہوئی ہے، فرماتے ہیں:

''اے خداوند! شریر کب تک، ہاں شریر کب تک شادیانے بجائیں گے وہ ڈکارتے اور گستاخی کی باتیں بولتے، سارے بدکاری کرنے والے لاف زنی کرتے، وہ اے خداوند تیرے لوگوں کو پیس ڈالتے ہیں اور تیری میراث کو دکھ دیتے ہیں، اور بیوہ اور پردیسی کو جان سے مارتے ہیں اور یتیم کو قتل کرتے ہیں اور کہتے ہیں خداوند نہ دیکھے گا، یعقوبؑ کا خدا ہر گز نہ سمجھ لے گا۔(زبور۔۹۴: ۳-۱)(۱۸۸)

حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے دعویٰ الوہیت

﴿۷۲......۷۵﴾

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوٓا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ

بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا اور مسیح نے کہا ہے کہ اے بنی اسرائیل

اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ

بندگی کرو اللہ کی جو رب ہے میرا اور تمہارا بیشک جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا سو حرام کی اللہ نے اس پر جنت

(۱۸۷) بہاد القرآن ۳/ ۴۸

(۱۸۸) تفسیر ماجدی ۱/ ۹۴۷

وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ
اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کوئی نہیں گنہگاروں کی مدد کرنے والا بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ ہے تین میں کا

ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ
ایک حالانکہ کوئی معبود نہیں بجز ایک معبود کے اور اگر نہ باز آویں گے اس بات سے کہ کہتے ہیں تو بیشک پہنچے گا ان میں سے

كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾
کفر پر قائم رہنے والوں کو عذاب دردناک کیوں نہیں توبہ کرتے اللہ کے آگے اور گناہ بخشواتے اس سے اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ
نہیں ہے مسیح مریم کا بیٹا مگر رسول گذر چکے اس سے پہلے بہت رسول اور اسکی ماں ولی ہے

كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾
دونوں کھاتے تھے کھانا دیکھ ہم کیسے بتلاتے ہیں ان کو دلیلیں پھر دیکھ وہ کہاں الٹے جا رہے ہیں

ربط: یہود کی عملی اور فکری قباحتیں بیان کرنے کے بعد نصاریٰ کے عقیدہ کا فساد بیان کیا جا رہا ہے۔

تسہیل: وہ لوگ یقیناً کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے حالانکہ خود مسیح علیہ السلام کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی ہے، جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے گا، اس پر اللہ جنت حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگاO وہ لوگ بھی یقیناً کافر ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تین میں کا ایک ہے، حالانکہ ایک اللہ کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں، اگر یہ لوگ اس قسم کی باتوں سے باز نہیں آئے تو ان میں سے جو کفر پر رہیں گے ان پر دردناک عذاب واقع ہو کر رہے گاO یہ اللہ کے سامنے توبہ اور استغفاء کیوں نہیں کرتے حالانکہ اللہ بہت درگزر کرنے والا اور بڑا مہربان ہےO مسیح ابن مریم صرف اللہ کے رسول تھے، ان سے پہلے بھی کئی رسول گذر چکے تھے، ان کی والدہ ولیہ اور راست باز تھیں، وہ دونوں کھانا کھاتے تھے، غور کرو ہم ان کے سامنے کیسے کھول کھول کر دلائل بیان کرتے ہیں، اس کے باوجود دیکھو وہ حق کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیںO

تفسیر

﴿۷۲﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت بھی عقیدہ توحید پر مشتمل تھی، انہوں نے اپنی قوم کو ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی، لیکن ان کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد مسیحی عقائد میں بتدریج بگاڑ پیدا ہونے لگا اور

انہوں نے حضرت مسیح علیہ السّلام کے لیے الوہیت اور خدائی کے دعوے کرنے شروع کر دیئے، اس سلسلہ میں اگر چہ ان کی عبارات مختلف ہیں کسی نے ان کو خدا، کسی نے خدا کا بیٹا اور کسی نے ذاتِ باری کا اقنوم قرار دیا لیکن کسی نہ کسی انداز میں ان کی خدائی پر ان کے قدیم اور جدید تمام فرقوں بشمول ملکیہ، یعقوبیہ، نسطوریہ، کیتھولک اور پروٹسٹنٹ سب کا اتفاق ہے بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تینوں اقانیم میں سے ان کا زیادہ زور حضرت مسیح علیہ السلام ہی کی خدائی کے اثبات پر ہے لہٰذا قرآن کا یہ دعویٰ بھی درست ہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عینِ خدا قرار دیتے ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ وہ آپ کو تینوں اقانیم (اصولوں) میں سے ایک اقنوم قرار دیتے ہیں، یہ دونوں دعوے ان کے مختلف فرقوں کے مختلف اقوال کے اعتبار سے بھی درست ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کی خدائی پر بہت زیادہ زور دینے کے اعتبار سے بھی درست ہیں۔

یہ بات ذہن میں رکھیے کہ قرآن ایسا مشرکانہ عقیدہ رکھنے والوں کو نہ تو نصاریٰ کے لفظ سے ذکر کرتا ہے اور نہ ہی اہلِ کتاب کے نام سے بلکہ ایسے لوگوں کو قرآن واضح طور پر کافر ہی قرار دیتا ہے۔ یہ بدبخت تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہتے ہیں جبکہ ان کا اپنا حال یہ تھا کہ اس دنیا میں آنے کے بعد ان کی زبان سے سب سے پہلا لفظ جو نکلا وہ یہ تھا "انی عبد اللہ" (میں اللہ کا بندہ ہوں)۔

﴿۷۳﴾ حضرت مسیح علیہ السّلام ہی کو خدا قرار دینے والوں کی طرح وہ بھی کافر ہیں جو انہیں تین میں کا تیسرا کہتے ہیں۔ باپ اللہ، بیٹا مسیح اور زوجہ مریم۔ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے توحید اور تثلیث کو یکجا کرنا چاہا اور یوں کہا کہ خدا واقعی تین میں مگر تینوں مل کر ایک ہیں، یہ وہ توجیہ اور تاویل ہے جو خود ان کی سمجھ میں بھی نہیں آتی چنانچہ وہ یہ کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں کہ فی الحال تو ہم اتنا ہی سمجھ سکے ہیں، جب اللہ آسمانوں اور زمینوں کے رازوں سے پردہ اٹھائے گا تو ہم اس عقیدہ کو واضح طور پر سمجھ سکیں گے۔

"وان لم ینتھوا" تثلیث کا عقیدہ رکھنے والوں کے لیے وعید ہے کہ اگر وہ اس عقیدہ سے باز نہ آئے اور انہوں نے توبہ نہ کی تو انہیں آخرت میں دردناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

﴿۷۴﴾ چونکہ اللہ بندوں پر بڑا شفیق اور مہربان ہے اس لیے وعید اور ترہیب کے ساتھ ساتھ انہیں ترغیب بھی دی جارہی ہے کہ وہ شرک سے توبہ اور عقیدۂ تثلیث سے استغناء کر لیں تو اللہ انہیں معاف کر دے گا کیونکہ وہ بڑا درگذر کرنے والا اور مہربان ہے۔

﴿۷۵﴾ اس آیت میں حضرت مسیح علیہ السلام کا حقیقی مقام بتایا جا رہا ہے وہ یہ کہ آپ دوسرے رسولوں کی طرح ایک رسول تھے اور آپ کی والدہ ایک راست باز مومنہ اور اللہ کی ولیہ تھیں، دونوں جنسِ انسانی سے تعلق رکھتے تھے، جتنے بھی انسانی عوارض ہیں وہ انہیں بھی لاحق تھے، انہیں بھوک لگتی تھی، کھانا کھاتے تھے، بول و براز کرتے تھے گویا جسمانی طور پر سراپا احتیاج تھے اور جو محتاج ہو وہ خدا نہیں بن سکتا، یہ ایسی سیدھی سادی حقیقت ہے جس کے تسلیم کرنے سے کوئی بھی عقلمند انسان انکار نہیں کرسکتا لیکن وہ محض نفس پرستی کی وجہ سے اسے ایک اختلافی اور مشکل مسئلہ بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔

حکمت و ہدایت:

۱...... وہ تمام لوگ جو حضرت مسیح علیہ السّلام کے لیے کسی بھی انداز میں خدائی کے دعوے کرتے ہیں وہ کافر ہیں۔ (۷۲)

۲...... جس کا شرک پر انتقال ہو جائے اس پر جنت حرام ہے۔ (۷۲)

۳...... تثلیث کا عقیدہ عقلی اور نقلی ہر اعتبار سے غلط اور نا قابلِ فہم ہے۔ (۷۳)

۴...... کوئی کتنا بڑا مشرک اور گناہ گار کیوں نہ ہو اسے توبہ کی ترغیب دینی چاہیے۔ (۷۴)

۵...... جو کھانے، پینے، بول و براز اور نیند وغیرہ کا محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ عیسائیوں کا یہ کہنا ضلالت در ضلالت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بشریت اور الوہیت کا مجموعہ تھے، وہ ناسوت اور بشر ہونے کے اعتبار سے کھانا کھاتے تھے نہ کہ لاہوت اور خدائی کے اعتبار سے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کے اندر انسانی کمزوریاں ہو سکتی ہیں۔ معاذ اللہ

مزید مناقشہ، مطالبہ اور لعنت

﴿۷۶...... ۸۱﴾

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ

تو کہہ دے کیا تم ایسی چیز کی بندگی کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر جو مالک نہیں تمہارے برے کی اور نہ بھلے کی اور اللہ وہی ہے سننے والا

الْعَلِيْمُ ۝ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ

جاننے والا تو کہہ اے اہل کتاب مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں ناحق کا اور مت چلو خیالات پر ان لوگوں کے

ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ﴿۷۷﴾ لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا
جو گمراہ ہو چکے پہلے اور گمراہ کر گئے بہتوں کو اور بہک گئے سیدھی راہ سے ملعون ہوئے کافر

مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا
بنی اسرائیل میں کے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ بیٹے مریم کی یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے

یَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾
گذر گئے تھے آپس میں منع نہ کرتے برے کام سے جو وہ کر رہے تھے کیا ہی برا کام ہے جو کرتے تھے

تَرٰى كَثِیْرًا مِّنْهُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ
تو دیکھتا ہے ان میں کہ بہت سے لوگ دوستی کرتے ہیں کافروں سے کیا ہی برا سامان بھیجا انہوں نے اپنے واسطے وہ یہ کہ

سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَفِی الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلَوْ كَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِیِّ
اللہ کا غضب ہوا ان پر اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں اور اگر وہ یقین رکھتے اللہ پر اور نبی پر

وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِیَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾
اور جو نبی پر اترا تو کافروں کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں بہت سے لوگ نافرمان ہیں ف

تسہیل: فرما دیجیے کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ نقصان دے سکتے ہیں اور نہ ہی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور اللہ ہی ہے سننے والا اور جاننے والا ○ فرما دیجیے اے اہلِ کتاب! تم دین میں ناحق غلو نہ کرو اور نہ ہی ایسے لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرو جو اس سے پہلے خود بھی گمراہ ہو چکے اور دوسرے بہت ساروں کو بھی گمراہ کر چکے اور وہ سیدھے راستے سے ہٹ گئے تھے ○ حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی زبان سے بنی اسرائیل کے کافروں پر لعنت کی گئی، یہ لعنت اس لیے کی گئی کیونکہ وہ نافرمان تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے ○ وہ ایک دوسرے کو برے کاموں سے منع نہ کرتے تھے جن میں وہ مبتلا تھے یہ کیسی بری حرکت تھی جو وہ کرتے تھے ○ آپ ان میں سے اکثر کو دیکھیں گے کہ وہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں، انہوں نے اپنے لیے آگے جو ذخیرہ جمع کیا ہے وہ بہت برا ہے یعنی یہ کہ ان پر اللہ کا غضب ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے ○ اور اگر ان کا ایمان ہوتا اللہ پر نبی پر اور اس شریعت پر جو نبی پر نازل کی گئی ہے تو وہ کافروں کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں ○

تفسیر

﴿۷۶﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا روح القدس اور حضرت مریم صدیقہ یا کوئی دوسرا انسان، جن، فرشتہ اور

زمین وآسمان کی کوئی مخلوق......ان میں سے کوئی بھی نفع نقصان کا مالک نہیں تو پھر اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ حضرت مسیح علیہ السلام کی عاجزی اور کمزوری تو عیسائی اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے جب یہود ان کی شان میں گستاخی، الزام تراشی اور دست درازی میں انتہاء تک پہنچ گئے تھے لیکن آپ ان کی شرارتوں کا دفعیہ نہ کر سکے۔

"ھو السّمیع العلیم" نفع نقصان کا مالک صرف وہی ہے جو بندوں کی ہر پکار بھی سنتا ہے اور اس کا پس منظر اور دل کا حال بھی خوب جانتا ہے۔

﴿۷۷﴾ اس آیتِ کریمہ میں اہلِ کتاب کو دو باتوں کا حکم دیا جا رہا ہے:

پہلا یہ کہ وہ غلو نہ کریں......حد سے تجاوز کر جانے کو غلو کہتے ہیں، جب دین میں غلو کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے وحی کی حد سے تجاوز کر جانا، انبیاء کو رب قرار دینا یا انہیں نفع نقصان کا مالک سمجھنا، دین میں نئی نئی عبادتیں گھڑ لینا، حلال کو حرام ٹھہرا لینا، یہ سب غلو فی الدین کی صورتیں ہیں اور حرام ہیں......یہود و نصاریٰ دونوں ہی غلو میں مبتلا ہو چکے تھے اور یہ غلو ان کے عقائد، عبادات اور معاملات سارے ہی شعبوں میں داخل ہو چکا تھا، ان کے غلو کی واضح اور نمایاں صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کا تصور تھا جنہیں عیسائی، افراط کا شکار ہو کر خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے اور یہودی تفریط میں مبتلا ہو کر انہیں معاذ اللہ ایک شریف اور معزز انسان ماننے کے لیے بھی تیار نہ تھے۔

دوسری بات جس کا اہلِ کتاب کو حکم دیا گیا ہے وہ یہ کہ گمراہ قوموں اور جاہل پیشواؤں کی تقلید نہ کرو۔

قرآن کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو جو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے تھے یا دوسری گمراہیوں میں جو مبتلا تھے تو وہ حقیقت میں گمراہ قوموں کی اندھی تقلید کی وجہ سے ایسا کر رہے تھے......قرآن نے عیسائیوں پر یہ جو فردِ جرم ڈنکے کی چوٹ پر عائد کی ہے یہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور قرآن کی حقانیت کی واضح دلیل ہے اس لیے کہ خود فرنگیوں نے بھی برسہا برس کی تحقیق کے بعد تسلیم کر لیا ہے کہ عیسائیوں سے پہلے بھی ایسی مشرک قومیں گذر چکی ہیں جو اپنے دیوتاؤں کو خدا اور خدا کے بیٹے کہتی تھیں، جن میں سرِ فہرست یونانی تھے جو مصری شرک کو پوری طرح قبول کر چکے تھے، یہ یونانی جب عیسائیت میں داخل ہوئے تو اپنے ساتھ شرکیہ عقائد کو بھی لیتے آئے اور مسیحیوں نے ان عقائد کو بلا تامل قبول کر لیا، پھر پولوس (سینٹ پال) نے جو موجودہ عیسائیت کا ڈھانچہ کھڑا کیا تو اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے مذہب اور تعلیمات کو مسخ کر کے اسے یونانی شرک ہی کی ایک شاخ بنا دیا۔

"سواء السبیل" وہ سیدھے راستے سے بہت دور چلے گئے تھے، "سواء السبیل" یعنی سیدھا اور درمیانہ راستہ، درمیانہ راستہ حقیقت میں صرف اسلام ہے، اس میں ہر اعتبار سے اعتدال پایا جاتا ہے۔ (۱۸۹)

﴿۷۸﴾ کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ بنی اسرائیل، انبیاء کی اولاد تھے پھر وہ پستی میں اتنا کیسے گر گئے کہ انہوں نے مشرک قوموں کی اتباع شروع کردی، خود بھی گمراہ ہوئے، اوروں کو بھی گمراہ کیا تو اس سوال کا جواب اس آیتِ کریمہ میں دیا جارہا ہے کہ اللہ کے دو محبوب بندوں اور مقبول نبیوں نے ان پر لعنت کی تھی جس کی وجہ سے وہ اللہ کی رحمت، توفیق اور ہدایت سے بہت دور چلے گئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان لوگوں پر لعنت کی جنہوں نے یوم السبت (ہفتے کے دن) کی حرمت کو پامال کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان اسرائیلیوں پر لعنت کی جنہوں نے ان کی نبوت کا انکار کیا اور انہیں ستایا اور پریشان کیا، عہد جدید کے صحیفہ متّی میں ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "غرض اپنے باپ دادوں کا پیمانہ بھردو، اے سانپو، اے افعی کے بچو، تم جہنم کی سزا سے کیوں کر بچو گے۔ (متی ۲۳، ۳۱، ۳۲)۔

"ذلک بما عصوا" (۱۹۰) یہ لعنت انہوں نے ایسے ہی نہیں کی بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے، بنی اسرائیل کے مذہبی صحیفوں میں ان کی نافرمانیوں کی داستان خوب تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔

﴿۷۹﴾ اسرائیلیوں کی نافرمانیوں اور گناہوں کی کثرت کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے برے کاموں پر روک ٹوک چھوڑ دی تھی، (۱۹۱) جس کی وجہ سے فاسق فاجر لوگ گناہوں پر جری ہوگئے تھے اور ہوتا یوں ہے کہ جب مذہبی پیشوا اپنی آنکھوں سے اللہ کی نافرمانی دیکھیں اور اپنے کانوں سے اس کی داستانیں سنیں اور پھر بھی وہ خاموشی اختیار کیے رکھیں تو خود ان کے دلوں سے بھی گناہوں کی نفرت ختم ہوجاتی ہے۔

اس کا دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ منکرات کے ارتکاب سے باز نہیں آتے تھے۔ (۱۹۲)

"لبئس ما کانوا یفعلون" یہ جملہ ماقبل کے کلام کی تاکید اور مسلمانوں کی تحذیر کے لیے ہے یعنی مسلمانوں،

{۱۸۹} اس اعتدال کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں تسهیل البیان/

{۱۹۰} كانه قيل: باى سبب وقع ذلك؟ فقيل: ذلك اللعن الهائل الفظيع بسبب عصيانهم واعتدائهم المستمر (ابی سعود ۲/۳۰۸)

{۱۹۱} اى لاينهى بعضهم بعضا عن معاودة منكر فعلوه (بيضاوى ۲/۳۵۵)

{۱۹۲} وقيل التناهى بمعنى الانتهاء (ابى سعود ۲/۳۰۸)

چاہیے کہ وہ اہلِ کتاب کے نقشِ قدم پر نہ چلیں اور منکرات کے خلاف آواز اٹھاتے رہیں، کیونکہ معاشرے میں منکرات کا عام ہوجانا پورے معاشرے کو لے ڈوبتا ہے اور امر بالمعروف اور نہی المنکر (نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا) سوسائٹی کو گھٹیا اخلاق، گندے اعمال اور بری عادات سے بچائے رکھتا ہے، اسی لیے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل میں سب سے پہلی خرابی جو پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ ایک شخص کسی (گناہوں میں مبتلا) شخص سے ملتا تو اسے کہتا کہ اللہ سے ڈرو اور جو حرکتیں کر رہے ہو وہ چھوڑ دو کیونکہ یہ تمہارے لیے جائز نہیں، پھر دوسرے دن اسے ملتا تو ویسے ہی پاتا جیسے وہ تھا لیکن اس کی یہ حرکتیں اس کے ساتھ کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے سے مانع نہ ہوتیں، جب وہ ایسے (بے حس) ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے سب کے دل ایک جیسے کر دیئے...... یہ فرمانے کے بعد آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی "لُعن الّذین کفروا...... الی قوله...... فاسقون" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنی امت کو خطاب کرتے ہوئے) فرمایا تم ان جیسے نہ بن جانا اللہ کی قسم نیکی کا حکم دیتے رہنا، برائی سے روکتے رہنا، ظالموں کا ہاتھ پکڑنا اور انہیں حق پر قائم رہنے اور حق تک محدود رہنے پر مجبور کرنا، اگر یہ کام نہیں کرو گے تو اللہ تمہارے دلوں کو ایک جیسا کر دے گا پھر تمہارے اوپر بھی اپنی پھٹکار نازل فرمائے گا جیسے ان پر نازل فرمائی"۔ {۱۹۳}

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو ورنہ ہوسکتا ہے اللہ تمہارے اوپر اپنا عذاب مسلط کر دے پھر تم اس سے دعائیں کرو لیکن قبول نہ ہوں۔ {۱۹۴}

﴿۸۰﴾ اس آیت میں ان یہودیوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے گویا ماضی سے حال کی طرف انتقال ہو رہا ہے، یہودیوں کا جو حال دورِ نبوت میں تھا وہی حال آج بھی ہے، کل بھی ان کی دوستی کفار اور مشرکین سے تھی آج بھی ان کی دوستی ہر ایسی قوم سے ہے جو مسلمانوں کی دشمن ہے، یہودیوں جیسے اخلاق اور صفات رکھنے والے عیسائیوں کا بھی یہی حال ہے۔

"لبئس ما قدّمت لهم" کفار کے ساتھ دوستی رکھنے کا بدلہ انہیں یہ ملے گا کہ وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوجائیں گے۔

{۱۹۳} ترمذی فی تفسیر سورہ ۵ باب ۷۰۶
{۱۹۴} ترمذی

﴿۸۱﴾ دشمنانِ اسلام کے ساتھ ان کی دوستی کی وجہ یہ ہے کہ وہ حقیقت میں نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ اللہ کے نبی پر اور نہ ہی اللہ کے کلام پر، اور جن کے ساتھ یہ دوستی رکھتے ہیں ان کا بھی یہی حال ہے گویا ان کے درمیان محبت اور دوستی کی بنیاد کفر ہے یہ دونوں کفر پر متفق ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں دراصل منافقوں کا تذکرہ ہے۔(۱۹۵) یعنی یہودی، منافقوں سے ان کے کفر کی وجہ سے دوستیاں لگاتے ہیں، اگر یہ منافق واقعی مؤمن ہوتے تو یہود ہرگز ان سے دوستی نہ لگاتے۔ حاصل ایک ہی ہے وہ یہ کہ مشرکین ہوں یا منافقین ان سے یہود کی دوستی کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ سب گروہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ دشمنی اور بغض رکھنے میں متفق ہیں۔

حکمت و ہدایت

۱...... جب سیدنا عیسیٰ روح اللہ علیہ السّلام کی عبادت، شرک ہے تو پھر اولیاء میں سے کسی ولی کی عبادت کی قباحت کا اندازہ خود لگا لینا چاہیے۔(۱۹۶) (۷۶)

۲...... گمراہ فرقوں کے ساتھ مباحثہ جائز ہے (۷۶) لیکن اس سے اپنی برتری ثابت کرنا مقصود نہ ہو۔

۳...... دین میں غلو کرنا حرام ہے (۷۷) غلو کی کئی قسمیں ہیں:

(الف)...... باطل عقائد کے ذریعہ غلو...... جیسے عیسائیوں نے غلو کرتے ہوئے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے تھے اور یہود نے کہا کہ ان کی والدہ کا کردار اچھا نہیں تھا یا جیسے بعض جاہل لوگ اولیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے ہیں اور ان کے لیے خدا کی صفات ثابت کرتے ہیں، اسی لیے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے بارے میں ایسے غلو نہ کرنا جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں غلو کیا، میں تو محض بندہ ہوں مجھے تو بس اللہ کا بندہ اور رسول ہی کہا کرو۔(۱۹۷)

اس سے ان نام نہاد مسلمانوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو محبت کے نام پر احمد اور احد میں فرق مٹانا چاہتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہی علم، وہی قدرت اور وہی اختیار ثابت کرنا چاہتے ہیں جو صرف اللہ کے لیے ثابت ہے۔

{۱۹۵} ای لو کان المنافقون یؤمنون باللّٰہ تعالیٰ و نبینا محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم ایمانا صحیحا (۳۱۲/۶/۴)

{۱۹۶} قال فی (فتح البیان) اذا کان ھذا فی حق عیسی النبی، فما ظنک بولی من الاولیاء؟ فانہ اولی بذلک (تفسیر القاسمی ۳۲۱/۶)

{۱۹۷} صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب واذکر فی الکتاب مریم۔

(ب)......عبادت اور طہارت میں غلو......بعض حضرات نوافل اور مستحبات میں غلو کرتے ہوئے انہیں فرائض کا درجہ دے دیتے ہیں، بعض رات بھر نوافل میں مشغول رہ کر فرائض فوت کر دیتے ہیں، بعض حلال و حرام میں بال کی کھال اتارتے ہیں جبکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر تین بار ارشاد فرمایا ''غلو کرنے والے اور بال کی کھال اتارنے والے ہلاک ہو گئے'' {۱۹۸}

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دین میں غلو سے بچو کیونکہ تم سے پہلوں کو دین میں غلو نے ہلاک کر دیا'' {۱۹۹}

بعض طہارت میں غلو کرتے ہیں کئی بار اعضاء کو اور جسم کو دھوتے ہیں پھر بھی انہیں اپنے وضو اور غسل میں شک رہتا ہے کہ نہ معلوم صحیح ہوا ہے یا نہیں۔

ابنِ عقیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، مجھ سے ایک شخص نے پوچھا کہ میں کئی بار پانی میں ڈبکی لگاتا ہوں لیکن پھر بھی مجھے اپنے پاک ہونے کا یقین نہیں آتا، آپ بتائیے کیا میرا غسل صحیح ہو جائے گا یا نہیں؟ میں نے اس سے کہا بڑے میاں آپ کے لیے پاکی ناپاکی کا مسئلہ ہی نہیں اس لیے کہ آپ سے نماز ساقط ہو گئی ہے، اس نے تعجب سے پوچھا وہ کیوں؟ میں نے جواب دیا وہ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین آدمی مرفوع القلم ہیں، دیوانہ جب تک کہ تندرست نہ ہو جائے، سویا ہوا جب تک کہ بیدار نہ ہو جائے اور بچہ جب تک کہ بالغ نہ ہو جائے اور جس شخص کو پانی میں کئی ڈبکیاں لگانے کے بعد بھی غسل ہو جانے کا یقین نہ آئے وہ یقیناً دیوانہ ہے۔ {۲۰۰}

(ج) تلاوتِ قرآن میں غلو......جیسا کہ بعض قاری منہ پھاڑ پھاڑ کر انتہائی تکلف سے اور بعض اوقات گانے کے سے انداز میں تلاوت کرتے ہیں اور بعض لوگ تاویل اور تفسیر میں بہت دور کی کوڑی لاتے ہیں اور ایسے ایسے معنی بیان کرتے ہیں جو نہ کسی نے کہیں پڑھے نہ سنے۔

(د) علم میں غلو......امام زمخشری فرماتے ہیں کہ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ غلو کی دو قسمیں ہیں! ایک ناحق اور باطل، دوسرے حق اور جائز جس کی مثال میں انہوں نے علمی تحقیق و تدقیق کو پیش کیا ہے لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ علم میں جتنی علمی تحقیق اور گہری نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور تابعین سے ثابت ہے وہ غلو کی تعریف میں

{۱۹۸} صحیح مسلم کتاب العلم
{۱۹۹} مسند احمد حدیث ۱۸۵۱
{۲۰۰} اغاثة اللهفان بحواله نضرة النعيم ۱۱/۵۱۲۶

داخل ہی نہیں۔ ہاں اگر اس سے بھی زیادہ موشگافی کی جائے تو وہ ناجائز ہے۔

۴ اہل ''اھـــواء'' یعنی اہلِ خواہشات کی اتباع حرام ہے، اس میں وہ تمام مذاہب شامل ہیں جن کی بنیاد، دلیل کے بجائے محض خواہشات پر ہو، امام ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں "ھوی" کا لفظ ہمیشہ مذمت اور برائی ہی کے مقام پر آیا ہے۔(۲۰۱)

۵......اللہ تعالیٰ نے گمراہی کے اعتبار سے اہلِ کتاب کے تین درجات بیان فرمائے ہیں:

(۱) پہلے خود گمراہ ہوئے۔ (۲) پھر دوسروں کو گمراہ کیا۔ (۳) اور پھر اس گمراہی پر ہی قائم رہے(۲۰۲) کسی فرد یا جماعت کا گمراہی کے ان تینوں درجات میں مبتلا ہو جانا اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے لیے کافی ہے۔

۶......برائی سے روکنا واجب ہے ورنہ اللہ کی پھٹکار پڑتی ہے۔(۷۹) آج امتِ مسلم نے بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے غفلت شروع کر دی ہے چنانچہ پھٹکار کے اثرات بھی صاف نظر آ رہے ہیں۔

۷......کافروں، فسادیوں اور شریروں سے دوستی حرام ہے۔(۸۰)

۸......مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی لگانا اور ان کی مدد کرنا کفر کی علامت ہے۔(۸۱)

مسلمانوں سے یہود و نصاریٰ کا تعلق

﴿۸۲......۸۶﴾

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ

تو پاوے گا سب لوگوں سے زیادہ دشمن مسلمانوں کا یہودیوں کو اور مشرکوں کو اور تو پاوے گا

اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ

سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں کے ان لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس واسطے کہ نصاریٰ میں

قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ

عالم ہیں اور درویش ہیں اور اس واسطے کہ وہ تکبر نہیں کرتے اور جب سنتے ہیں اس کو جو اترا رسول پر

تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا

تو دیکھے تو ان کی آنکھوں کو کہ ابلتی ہیں آنسوؤں سے اس وجہ سے کہ انہوں نے پہچان لیا حق بات کو کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے سو تو لکھ ہم کو

{۲۰۱}قال الشعبی ماذکر اللّٰہ لفظ الھوی الاذمّہ...... قال ابوعبیدہ لم نجدا لھوی یوضع الا فی موضع الشر (تفسیر القاسمی ۶/۳۲۴)

{۲۰۲}تفسیر کبیر ۴/۶/۴۱۱

مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۸۳ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ
ماننے والوں کے ساتھ اور ہم کو کیا ہوا کہ یقین نہ لاویں اللہ پر اور اس چیز پر جو پہنچی ہم کو حق سے اور توقع رکھیں اسکی کہ

يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝۸۴ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
داخل کرے ہم کو رب ہمارا ساتھ نیک بختوں کے پھر انکو بدلے میں دیئے اللہ نے اس کہنے پر ایسے باغ کہ جن کے نیچے بہتی ہیں

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۸۵ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ
نہریں رہا کریں ان میں ہی اور یہ ہے بدلا نیکی کرنے والوں کا اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلانے لگے ہماری آیتوں کو وہ ہیں

اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۸۶
دوزخ کے رہنے والے

تسہیل: تم انسانوں میں سے مسلمانوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے اور ایمان والوں کے ساتھ محبت میں سب سے آگے ان لوگوں کو پاؤ گے جو اپنے آپ کو نصارٰی کہتے ہیں، اس لیے کہ ان میں علماء اور درویش پائے جاتے ہیں اور وہ تکبّر نہیں کرتے O وہ جب اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اتارا گیا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ حق کو پہچان لینے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑتے ہیں، وہ کہہ اٹھتے ہیں، اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے، پس تو ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ دے O آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ پر اور اس حق پر ایمان نہ لائیں جو ہمارے پاس آیا ہے جبکہ ہم اُمید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں میں شامل کردے گا O اللہ انہیں ان کے ایمان کی بدولت ایسے باغات عطا کرے گا جن کے ساتھ ساتھ نہریں بہہ رہی ہوں گی، وہاں یہ ہمیشہ رہیں گے، نیکی کرنے ولوں کا یہی بدلہ ہے O لیکن جو لوگ کافر ہیں اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا وہ دوزخ کے مستحق ہیں O

﴿۸۲﴾ شانِ نزول

حضرت سعید بن مسیّب اور دوسرے حضرات سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ ضمیری رضی اللہ عنہ کو خط دے کر نجاشی کے پاس بھیجا، انہوں نے نجاشی کے سامنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھا تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ ہجرت کرنے والے دوسرے صحابہ کو بھی بلا لیا اور ساتھ

ہی اپنے راہبوں اور پادریوں کو بھی دربار میں حاضر ہونے کے لیے کہا پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے کہنے پر سورہ مریم پڑھی، جسے سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں "ولتجدن اقربھم مودۃ" سے "فاکتبنا مع الشھدین" تک آیات اللہ نے نازل فرمائیں۔ {۲۰۲}

اللہ تعالیٰ نے قسم اور تاکید کے ساتھ فرمایا ہے کہ انسانوں میں سے مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن یہودی اور مشرکین ہیں، یہودیوں کی عداوت کا تو یہ حال ہے کہ انہوں نے کئی بار ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے منصوبے بنائے، آپ کو زہر دیا، آپ پر سحر کیا، ذومعنی الفاظ میں آپ کو گالیاں دیں، آپ کے خلاف مشرکوں کو بھڑکایا، صلح کا معاہدہ ہونے کے باوجود ہمیشہ خفیہ سازشیں کرتے رہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے پسِ پردہ بھی یہود ہی کا ہاتھ تھا، اسلام کی آخری خلافت، خلافتِ عثمانیہ کے دور میں قومیت کے نعرے انہوں نے لگوائے، سوشلزم، کمیونزم، مادیت پرستی اور ملحدانہ نظریات کے بانی یہی ہیں، تمام ذرائعِ ابلاغ بشمول ٹی وی، فلم، انٹرنیٹ اور اخبارات کے ذریعہ فحاشی، جنسی بے راہروی پھیلانے میں فعال کردار انہی کا ہے، اسلام اور مسلمانوں کے لیے ان کے دلوں میں غیظ وغضب کی ایسی آگ بھڑک رہی ہے جو بجھنے کا نام نہیں لیتی۔

مشرک بھی اپنی جہالت، مادہ پرستی اور اللہ کے وجود، نبوت ورسالت کے منصب اور دینی حقائق کا انکار کرنے کی وجہ سے یہود جیسے جذبات رکھتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حجاز کے یہودیوں اور جزیرۂ عرب کے مشرکین ہی سے سب سے زیادہ مخالفت اور اذیت کا سامنا کرنا پڑا۔ اہلِ ایمان سے محبت اور دوستی میں پیش پیش وہ لوگ ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام اور انجیل پر ایمان رکھنے کے دعویدار ہیں، اس لیے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات میں نرمی، محبت اور تواضع پر بڑا زور تھا اور خود آپ کی شخصیت پر جلال کے بجائے جمال ہی کا غلبہ تھا، آپ کا یہ ارشاد انجیل میں آج تک موجود ہے کہ "اگر کوئی تمہارے دائیں رخسار پر تھپڑ مارے تو بایاں رخسار بھی پیش کردو"۔

مشرکینِ مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آئے ہوئے مسلمانوں کو حبشہ کے نصاریٰ نے اس وقت پناہ دی تھی جب ان کے لیے اللہ کی اتنی بڑی زمین پر امن کی کوئی جگہ نہ تھی، روم کے عیسائی بادشاہ ہرقل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی مکتوب کا بڑا حوصلہ افزا جواب دیا تھا، اور قبط کے سردار مقوقس نے خط کا جواب بھی اچھا دیا اور ساتھ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ بھی بھیجا، مصر اور شام جب فتح ہوئے تو وہاں کے بہت سے نصاریٰ نے اسلام

{۲۰۲} اخرجہ ابن ابی حاتم عن سعید بن مسیب وابی بکر بن عبدالرحمن وعروہ بن الزبیر (التفسیر المنیر ۶/۷)

قبول کرلیا، حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے بھی اپنے کئی ساتھیوں کے ہمراہ اسلام کی سچائی کے آگے گردن جھکالی تھی، جب اس کا انتقال ہوا تو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تھی۔

"ذٰلک بانّ منھم" مسلمانوں سے نصاریٰ کے قرب اور محبت کی اللہ تعالیٰ نے دو وجہیں بیان فرمائی ہیں ایک یہ کہ ان کے اندر علماء اور درویش پائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے ایمان، زھد وتواضع اور اچھے اخلاق کی دعوت ملتی رہتی ہے اور دوسری وجہ یہ کہ وہ حق کے سننے اور اس کے آگے گردن جھکانے سے تکبر نہیں کرتے جبکہ نصاریٰ کے مقابلہ میں یہود میں ایسے علماء اور درویش نہیں ہیں، ان میں جو علماءِ حق تھے انہوں نے ایمان قبول کرلیا اور باقی جو تھے وہ ایمان فروش اور حق پوش تھے، مشرکین اور یہود میں تکبر اور حبِ دنیا کا بھی غلبہ تھا، وہ حق بات سننا ہی نہیں چاہتے تھے۔

ایک بڑا اشکال

موجودہ حالات کے تناظر میں اشکال ہوتا ہے کہ آج کل کے عیسائی تو اسلام دشمنی میں یہود کے قدم بقدم چل رہے ہیں اور ان میں اور یہودیوں میں کچھ بھی فرق دکھائی نہیں دیتا، اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ آیت عام نہیں ہے بلکہ اس میں مخصوص عیسائیوں کا تذکرہ ہے(۲۰۴) یہ نکتہ بھی ملحوظ رہے کہ عیسائیوں کے دل میں مسلمانوں کے لیے نرم گوشہ تب تھا جب ان کے اندر عبادت گذار علماء اور تارکُ الدنیا فقراء اور صوفیاء پائے جاتے تھے لیکن آج جب کہ نہ ان کے اندر زاہد وعابد علماء پائے جاتے ہیں اور نہ ہی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنے والے فقراء اور درویش نظر آتے ہیں بلکہ مادیت کی محبت اور روحانیت کی نفی میں وہ ساری دنیا کے پیشوا بن گئے ہیں، مال ودولت ان کے سب سے بڑے دیوتا کا نام ٹھہر گیا ہے اور تکبر میں انہوں نے فرعون اور نمرود کو بھی مات دے دی ہے، جب اچھی صفات نہ رہیں تو حق پرست مسلمانوں کے لیے محبت بھی ان کے دلوں میں باقی نہ رہی۔

دوسرا جواب یہ کہ مذکورہ آیت میں مسیحیوں یا عیسائیوں کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے تھے، یہ ایک قدیم فرقہ تھا جو حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا نہیں بلکہ نبی اور رسول مانتا تھا، اربابِ کلیسا اس فرقہ کا شمار ہزار ڈیڑھ ہزار سال سے "ملحدوں" میں کررہے ہیں، بعض قدیم مفسّرین نے بھی اس جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔(۲۰۵)

{۲۰۴} قال ابن عباس...... المراد به النجاشی وقومه الذین قدموا من الحبشة علی الرسول صلی اللّٰه علیه وسلم وآمنوا به ولم یرد جمیع النصاری مع ظهور عداوتهم للمسلمین (تفسیر کبیر ۴/۶/۱۳)

{۲۰۵} قال قتادة نزلت فی ناس من اهل الکتب کانوا علی شریعة مما جاء به عیسی آمنوا بالرسول فاثنی اللّٰه علیهم (بحر محیط بحواله تفسیر ماجدی ۱/۹۵۵)

﴿۸۳﴾ ان نرم دل اور متلاشیانِ حق نصاریٰ کا حال یہ ہے کہ جب وہ قرآن سنتے ہیں تو حق شناسی کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑتے ہیں اور وہ اپنے رب کے حضور دستِ دعا اٹھا کر بلا ساختہ پکار اٹھتے ہیں ''اے رب ہم ایمان لے آئے ہیں پس تو ہمارا نام ان لوگوں کے ساتھ لکھ دے جو تیری وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا نام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے ساتھ لکھ دیجیے جو قیامت کے دن ساری امتوں پر گواہ ہوگی اور خود اپنے نبی کے حق میں بھی انہوں نے گواہی دی کہ آپ نے دین ہم تک پہنچا دیا۔(۲۰۶)

﴿۸۴﴾ ایمان اور سچائی ان لوگوں کے دلوں میں اتر چکی ہے وہ دوٹوک انداز میں واضح طور پر اعلان کرتے ہیں کہ ہمارے لیے ایمان قبول کرنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں ہے،(۲۰۷) جب ہم امید یہ لگائے بیٹھے ہیں کہ اللہ ہمیں نیکوکار لوگوں میں شامل فرما دے تو پھر ہماری یہ امید ایمان قبول کیے بغیر کیسے پوری ہوسکتی ہے۔(۲۰۸)

﴿۸۵﴾ ان کے اس قول و اقرار اور ایمان و یقین کا بدلہ جنت کی صورت میں دیا جائے گا۔

﴿۸۶﴾ ان کے مقابلے میں کافر جہنم کے حقدار ٹھہریں گے۔

حکمت و ہدایت

۱......یہودی اور مشرک کل کے ہوں یا آج کے وہ مسلمانوں کے سخت ترین دشمن ہیں۔(۸۲) (ان کی سوچ یہ ہے کہ مسلمانوں کو سیاسی، معاشی اور اخلاقی ہر اعتبار سے نقصان پہنچایا جائے۔)

۲......کسی قوم اور معاشرہ میں علماء اور مشائخ کا وجود خیر و برکت کا باعث ہوتا ہے۔(۸۲)

۳......علوم اور اخلاق کا عمل کی درستگی میں بہت بڑا حصہ ہوتا ہے اسی لیے مشائخ اپنے مریدین کے اخلاق اور علوم کی درستگی کا اہتمام اعمال سے بھی زیادہ کرتے ہیں۔(۲۰۹)

۴......جو نصاریٰ واقعی نصرانیت پر قائم ہوں وہ مسلمانوں سے قریب تر ہوں گے۔(۸۲) لیکن یہ نکتہ ملحوظ رہے کہ یہاں قُربِ مطلق کا بیان نہیں بلکہ قربِ اضافی کا بیان ہے یعنی یہود کے مقابلہ میں عیسائی، مسلمانوں کے زیادہ قریب ہیں۔

{۲۰۶}ابن کثیر ۲/۱۲۰، قرطبی ۶/۲٤۲

{۲۰۷}کلام مستانف قالوہ تحقیقا لایمانہم وتقریرا لہ بانکار اسبب انتفائہ (ابی سعود ۲/۳۱۲)

{۲۰۸}علی معنی انہم انکروا علی انفسہم عدم ایمانہم مع انہم یطمعون فی صحبۃ المؤمنین (ابی سعود ۲/۳۱۳)

{۲۰۹}بیان القرآن ۳/۵۲ (حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں میں نے اپنے ناقص فہم کے مطابق آسان الفاظ میں مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔(م۔ا۔ش)

۵......تواضع کی فضیلت اور تکبر کی قباحت اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوتی ہے۔(۸۲)

۶......قرآن پڑھ اور سُن کر رونا حق شناس اور مقبولِ بارگاہ ہونے کی علامت ہے۔(۸۳) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "البکاء عند قراۃ القرآن صفة العارفین وشعار الصالحین" (قرآن کی تلاوت کے وقت رونا عارفین کی صفت اور صالحین کا شعار ہے) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن کریم پڑھتے یا سنتے تھے تو آپ کی آنکھیں بہہ پڑتی تھیں، بعض اوقات دورانِ نماز تلاوت کرتے ہوئے رونے کی وجہ سے آپ کے سینہ مبارک سے ایسی آواز آتی تھی جیسی دیگچی کے ابال کی آواز ہوتی ہے، تلاوتِ قرآن کے وقت رونا تب آئے گا جب اس کی عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور معانی میں تدبر کرتے ہوئے اسے پڑھا اور سنا جائے۔

۷......پہلی امتوں کے نیک افرادامتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل ہونے کی امید اور آرزو رکھتی تھیں......اور اس سے اس امت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔(۸۴)

۸......اگر کوئی کتابی سچے دل سے اسلام لے آئے تو اسے دہرا اجر ملتا ہے۔(۸۵)

۹......منکرینِ اسلام کا ٹھکانہ جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔(۸۶)

۱۰......قرآن کریم ترغیب اور ترہیب دونوں اسلوب اختیار کرتا ہے ہر داعی کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔

طیّبات کی اباحت

﴿۸۷......۸۸﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ
اے ایمان والو مت حرام ٹھہراؤ وہ لذیذ چیزیں جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کردیں اور حد سے نہ بڑھو بیشک اللہ

لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي
پسند نہیں کرتا حد سے بڑھنے والوں کو اور کھاؤ اللہ کے دیئے ہوئے میں سے جو چیز حلال پاکیزہ ہو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر

أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾
تم ایمان رکھتے ہو

ربط: سورت کی ابتداء میں عہد و پیمان کے پورا کرنے کا حکم تھا، اس میں یہ شق بھی شامل تھی کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام اور حرام کردہ چیزوں کو حلال نہ سمجھا جائے پھر صراحۃً بھی اس شق کو بیان کردیا گیا تھا جبکہ نصاریٰ

جن کا ابھی ذکر ہوا ان کے راھب اور زاہد لوگ بہت سی حلال چیزوں کو بھی اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے، جب نصاریٰ کی محبت اور تواضع کی تعریف کی گئی تو اندیشہ تھا کہ کہیں مسلمانوں کے اندر بھی یہ رجحان پیدا نہ ہو جائے اس لیے فرمایا۔

تسہیل: اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں انہیں حرام قرار نہ دو اور حد سے آگے نہ بڑھو، کیونکہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا O جو حلال اور پاک روزی اللہ نے تمہیں دی ہے اس میں سے کھاؤ اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو O

شانِ نزول

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے کہا تھا کہ ہم اپنا آلہ تناسل کاٹ دیں گے، دنیا کی خواہشات سے کنارہ کشی کر لیں گے اور دنیا میں ایسے رہیں گے جیسے راھب رہتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے خیالات کی اطلاع ملی تو آپ نے انہیں بلوا کر دریافت فرمایا کیا واقعی تم نے اس طرح کے عزائم کا اظہار کیا ہے، انہوں نے اقرار کر لیا تو آپ نے فرمایا ”جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے تو میں (نفلی) روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں، عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جس نے میری سنت پر عمل کیا وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری سنت پر عمل نہ کیا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ (۲۱۰)

بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کچھ حضرات نے خفیہ خفیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات سے آپ (کی عبادت) کے معمولات کے بارے میں سوال کیا (جب انہیں آپ کی عبادت کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے اسے اپنے اندازے سے کم سمجھا مگر یہ سوچ کر خاموش رہے کہ آپ تو بخشے بخشائے ہیں مگر ہم تو گناہ گار ہیں چنانچہ) ان میں سے ایک نے کہا میں کبھی گوشت نہیں کھاؤں گا، دوسرے نے کہا میں نکاح نہیں کروں گا، تیسرے نے کہا میں بستر پر نہیں سوؤں گا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں، میں روزے بھی رکھتا

---

(۲۱۰) رواہ ابن ابی حاتم (ابن کثیر ۲/۱۲۰)

ہوں، افطار بھی کرتا ہوں، سوتا بھی ہوں، قیام بھی کرتا ہوں، گوشت بھی کھاتا ہوں، نکاح بھی کرتا ہوں پس جو میری سنت سے اعراض کرے گا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا۔(۲۱۱)

﴿۸۷﴾ ایمان والوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال کی ہیں انہیں حرام نہ کہو اور ان سے دور رہنے کو اللہ کے تقرب اور رضا کا ذریعہ مت سمجھو، اور اللہ کی حدود سے آگے نہ بڑھو(۲۱۲)...... حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھنا یا حلال کے دائرے سے نکل کر حرام چیزوں کو کھانا اور استعمال کرنا یا حلال ہی کے استعمال میں اسراف اور فضول خرچ کرنا(۲۱۳) یہ سب حدود سے آگے بڑھنے ہی کی مختلف صورتیں ہیں اور ان سب صورتوں سے اسلام نے منع کیا ہے کیونکہ اسلام اعتدال کا مذہب ہے، اسلام نہ تو مادی لذتوں سے کنارہ کش ہونے، رہبانیت اختیار کرنے، اپنے جسم کو حد سے زیادہ تکلیف دینے اور اہل وعیال سے الگ رہنے کی اجازت دیتا ہے، اگر قدرت اور وسعت ہو تو اچھا لباس پہنئے، لذیذ کھانا کھانے اور آرام دہ سواری پر سوار ہونے میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر طاقت نہ ہو تو سادگی ہی میں راحت ہے، جو لوگ اس لیے لذیذ چیزوں سے بچتے ہیں کہ ہم ان کے شکر کا حق ادا نہیں کرسکتے تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ شکر کا حق تو ہم اللہ کی کسی نعمت کا بھی ادا نہیں کرسکتے، چاہے وہ پانی کا ایک گھونٹ ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو بتایا گیا کہ فلاں اس لیے فالودہ نہیں کھاتا کیونکہ اس کا کہنا یہ ہے کہ میں اس کا شکر ادا نہیں کرسکتا، آپ نے پوچھا کیا وہ ٹھنڈا پانی پیتا ہے، جواب ملا کہ جی ہاں! آپ نے فرمایا وہ جاہل ہے کیونکہ ٹھنڈا پانی فالودہ سے بھی بڑی نعمت ہے۔

﴿۸۸﴾ لذیذ اور پاکیزہ اشیاء سے اپنے آپ کو دور رکھنے سے ممانعت کے بعد ایجابی انداز میں حکم دیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو کچھ دیا ہے اس میں جو حلال اور پاکیزہ ہے صرف اسے استعمال کرو مگر حرام کے قریب نہ جاؤ چاہے وہ ذاتی طور پر حرام ہو جیسے مردار اور خنزیر کا گوشت وغیرہ، یا کسب کی وجہ سے حرام ہو جیسے سود، جوا، چوری اور رشوت وغیرہ۔

آگے ایک ایسی صفت اختیار کرنے کا حکم دیا جارہا ہے جس کا عبادت، معاشرت، معیشت، اکل وشرب غرضیکہ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق ہے اور اس صفت کے اختیار کرنے کے بعد حلال پر اکتفاء کرنا اور حرام سے بچنا بہت آسان

{۲۱۱} ابن کثیر ۱۲۱/۲

{۲۱۲} ای لاتلتذ وا فتحر مواحلاله ولا تتر خصوا فتحلّو احراما قاله الحسن البصری (قرطبی ۲۴۶/۶)

{۲۱۳} ویحتمل ان یکون نهیا عن الاسراف فی الحلال وعن ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما ومجاهد و قتادة ان المراد لاتحبوا انفسکم (روح المعانی ۱۲/۶/۵)

ہو جاتا ہے اور وہ صفت ہے تقویٰ، یعنی اللہ کا ڈر اور نیکی اور بدی کا احساس۔

حکمت وہدایت

۱......اس آیت سے اسلام کا ایک اہم اصول اخذ کیا گیا ہے وہ یہ کہ نیک بننے کے لیے اپنے آپ کو حد سے زیادہ مشقت میں ڈالنے، حلال اور لذیذ چیزوں سے اجتناب کرنے، روح اور جسم کے جائز تقاضوں سے دستبردار ہونے اور رہبانیت اختیار کرنے کی ضرورت ہے نہ اجازت۔(۸۷) البتہ کسی طبی یا انتظامی مصلحت کی بناء پر کسی حلال چیز سے وقتی طور پر دستبردار ہونا جائز ہے۔

۲......آیت میں ان زاہدوں کی بھی تردید ہے جو اس قدر تشدد کرتے ہیں کہ رہبانیت تک پہنچ جاتے ہیں اور ان صوفیوں کا بھی رد ہے جن کے ہاں رخصت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔(۲۱۴) (۸۷) کمال ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شعبے میں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعتدال اور آسانی ہی کو پسند فرماتے تھے جو کہ آپ کی شریعت کا امتیازی وصف ہے۔حضرت ابوامام باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مجھے یہودیت اور نصرانیت دے کر نہیں بھیجا گیا، میں تو ایسی شریعت لے کر آیا ہوں جو آسان اور سادی ہے''(۲۱۵)

۳......حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینا بھی قسم ہے اور یہ ایسی قسم ہے جس کا توڑنا واجب ہے اور توڑنے کی صورت میں اس پر کفارہ لازم ہوگا۔

قسم اور اس کا کفّارہ

﴿۸۹﴾

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ

نہیں پکڑتا تم کو ۰ اللہ ۰ تمہاری بیہودہ قسموں پر ۰ لیکن پکڑتا ہے ۰ اس پر جس قسم کو تم نے مضبوط باندھا

---

(۲۱۴) قال علماؤنا رحمة الله عليهم في هذه الآية وماشابها والاحاديث الواردة في معناها رد على غلاة المتزهدين، وعلى اهل البطالة من المتصوفين اذ كل فريق منهم قد عدل عن طريقه (قرطبی ۲۴۵/۶)

(۲۱۵) اخرجه احمد بحواله تفسير منير ۱۷/۷

فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ

سو اس کا کفارہ کھانا دینا ہے دس محتاجوں کو اوسط درجہ کا کھانا جو دیتے ہو اپنے گھر والوں کو یا کپڑا پہنا دینا دس محتاجوں کو

تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ

یا ایک گردن آزاد کرنی پھر جس کو میسر نہ ہو تو روزے رکھنے ہیں تین دن کے یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب قسم کھا بیٹھو

وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

اور حفاظت رکھو اپنی قسموں کی ۵ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنے حکم تاکہ تم احسان مانو

ربط: حضرت امام ابو حنیفہ قدس اللہ سرہ کا قول لیا جائے تو ربط بالکل واضح ہے وہ یہ کہ حلال کو حرام ٹھہرا لینا بھی قسم کے حکم میں شامل ہے اور یہاں قسم ہی کا حکم بیان کیا جا رہا ہے، ویسے یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعض صحابہ نے بظاہر زہد و تقوی اور خوفِ آخرت کی بناء پر حلال چیزوں کے ترک کی قسم اٹھائی تھی جب اللہ نے حلال کو حرام کرنے سے منع فرما دیا تو انہوں نے سوال کیا کہ ہماری قسموں کا کیا بنے گا اس پر جواب دیا گیا کہ:

تسہیل: اللہ تعالیٰ تمہاری بے معنی قسموں پر مواخذہ نہیں کرے گا لیکن مضبوط قسموں پر مواخذہ کرتا ہے، ان کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلاؤ جیسا کہ تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا انہیں کپڑے پہناؤ یا ایک غلام آزاد کرو اور جسے اس کی استطاعت نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا کر توڑ دو اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو، اللہ اپنی آیتیں اسی لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اس کا شکر کرو ٥

﴿تفسیر﴾

﴿۸۲﴾ اس آیت کریمہ میں یمین (قسم) کی دو قسموں کا بیان ہے جنہیں اصطلاح میں یمینِ لغو اور یمینِ منعقدہ کہا جاتا ہے، بلا قصد و ارادہ جو قسم اٹھائی جاتی ہے اگرچہ اس پر بھی بعض علماء "یمینِ لغو" کا اطلاق کرتے ہیں لیکن جمہور علماء یمینِ لغو کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اپنے خیال اور گمان کے مطابق سچی قسم کھانا حالانکہ وہ کام اس کے گمان کے خلاف تھا[۲۱۶]، اس قسم پر نہ گناہ ہوتا ہے اور نہ ہی کفارہ لازم آتا ہے۔

یمینِ منعقدہ یہ ہے کہ اللہ کے نام یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم اٹھائی جائے، اللہ کے نام اور صفت کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے کیونکہ غیر اللہ کے ساتھ جو قسم اٹھائی

﴿۲۱۶﴾ هو ما يبدو من المرء بلا قصد لقول الرجل: لا واللّٰه بلى واللّٰه...... وقيل الحلف على ما يظن انه كذلك ولم يكن (بيضاوى ۲/۳۶۰)

جائے وہ منعقد نہیں ہوتی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جسے قسم اٹھانی ہو وہ اللہ کے نام پر اٹھائے ورنہ خاموش رہے" یمینِ منعقدہ کی صورت میں اگر اس نے اپنی قسم پوری کردی تو وہ بری ہو جائے گا اور اگر قسم توڑ دی یعنی اسے پورا نہ کر سکا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا، کفارہ تین چیزوں میں سے کسی ایک کے ذریعے ادا کیا جائے گا۔

۱۔ دس مساکین کو درمیانے درجے کا کھانا کھلا دیا جائے۔ احناف کے نزدیک اس کی مقدار صدقۂ فطر کے برابر ہوگی، سارا کفارہ ایک مسکین کو بھی دیا جا سکتا ہے۔(۲۱۷)

۲۔ یا دس مساکین کو لباس دیا جائے، یہ لباس کم از کم اتنا ہونا چاہیے جو ستر پوشی کے تقاضے پورے کرے اور اس میں نماز جائز ہو۔(۲۱۸)

۳۔ یا غلام آزاد کیا جائے، چاہے مؤمن ہو یا کافر ہو۔

اور اگر ان تینوں میں سے کسی چیز کی بھی طاقت نہ ہو تو مسلسل تین روزے رکھے جائیں۔(۲۱۹) اگرچہ کفارہ کا کوئی مخصوص اور متعین وقت نہیں ہے لیکن اس میں تعجیل مستحب ہے۔

"واحفظوا أیمانکم" (اپنی قسموں کی حفاظت کرو) قسم کھانے میں جلدی نہ کرنا، کھا لینے کی صورت میں اسے توڑنے سے بچنا اور اگر بالفرض قسم ٹوٹ جائے تو اس کا کفارہ ادا کرنا یہ ساری صورتیں، قسموں کی حفاظت کے مفہوم میں داخل ہیں۔(۲۲۰)

۱۔ اگر واجب کے کرنے یا حرام کے ترک کی قسم کھائی تو اسے پورا کرنا واجب ہے، اس کا حنث (توڑنا) حرام ہے۔

۲۔ اگر واجب کے ترک یا حرام کے کرنے کی قسم کھائی تو حانث ہونا واجب ہوگا مثال کے طور پر والدین کی نافرمانی یا صاحبِ حق کا حق نہ دینے کی قسم اٹھانا۔

۳۔ اگر مستحب کے کرنے یا مکروہ کے ترک کی قسم اٹھائی تو اس کا ایفاء مستحب ہوگا اور حانث ہونا مکروہ ہوگا۔

{۲۱۷}"فکفارته اطعام عشرة مساکین" عموم فی جمیع من یقع علیه الاسم منهم فیصح الاحتجاج به فی جواز اعطاء مسکین واحد جمیع الطعام فی عشرة ایام (جصاص ۲/۴۵۸)

{۲۱۸}وذلك ادنی ماتجزی فیه الصلاة (جصاص ۲/۴۲۰)

{۲۱۹}روی مجاهد عن عبدالله بن مسعود وابو العالیة عن ابی "فصیام ثلثه۔ ایام متتابعات" (حواله مذکوره)

{۲۲۰}بان تصنوا بها ولاتبذلوها لکل امر، أوبان تبروا فیها مااستطعتم ولم یفت بهاخیر، أوبان تکفروها اذاحنثتم (بیضاوی ۲/۳۶۲)

۴۔ مستحب کے ترک یا مکروہ کے کرنے کی قسم اٹھائی تو اسے توڑنا مستحب ہوگا۔ایسی ویسی قسم کے توڑنے کا جواز کئی احادیث سے ثابت ہے جن میں سے ایک حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم کسی معاملہ پر قسم کھاؤ پھر اس کے مخالف پہلو میں بہتری نظر آئے تو وہ کام کرو جو بہتر ہو اور اپنی قسم کا کفارہ دو'' (۲۲۱)

حکمت و ہدایت

۱......قسم کی تین قسمیں ہیں: لغو، منعقدہ اور غموس (ان تینوں کا بقدرِ ضرورت بیان جلد اول میں بھی ہو چکا ہے) (۲۲۲)

۲......اللہ کی ذات اور اسماء وصفات کے علاوہ دوسری شخصیات اور چیزوں کی قسم جائز نہیں۔

۳......حانث ہونے (قسم توڑنے) سے پہلے کفارہ دینا جائز نہیں، کیونکہ کفارہ تو حانث ہونے کی وجہ سے آتا ہے جب ایک شخص حانث ہی نہیں ہوا تو کفارہ واجب ہونے کا کیا مطلب، حدیث سے بھی یہی ثابت ہے جیسا کہ اوپر حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا پہلے وہ کام کرو جو بہتر ہے پھر اپنی قسم کا کفارہ دو۔

۴......جھوٹی قسم کبیرہ گناہوں میں سے ہے......ایک اعرابی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کبیرہ گناہ کون کونسے ہیں آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، پوچھا اور کون سا؟ آپ نے فرمایا والدین کی نافرمانی کرنا، پوچھا اور کیا؟ آپ نے فرمایا یمینِ غموس (جھوٹی قسم)، سوال کیا یمینِ غموس کیا ہوتی ہے آپ نے فرمایا وہ جھوٹی قسم جس کے ذریعے کسی مسلمان کا مال ہتھیا لیا جائے (اسے یمینِ غموس کہتے ہیں) (۲۲۳)

۵......قرآن کی قسم اٹھانے سے بھی قسم منعقد ہو جاتی ہے۔

۶......اگر کسی نے یوں کہا کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو میں کافر ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسے بھی قسم کہتے ہیں، جس کے توڑنے پر کفارہ لازم ہوگا۔

۷......اسلامی مملکت میں رہنے والے ذمیوں کو بھی کفارہ دیا جا سکتا ہے۔

{۲۲۱} بخاری فی الایمان باب ۱، مسلم فی الایمان حدیث ۱۹

{۲۲۲} تسہیل البیان ۲۶۷۔۲۶۸

{۲۲۳} صحیح بخاری

شراب، جوا، بت اور پانسے کی حرمت

﴿۹۰.....۹۳﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا ۚ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٩٢﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوا وَّآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوا وَّآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوا وَّأَحْسَنُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿٩٣﴾

اے ایمان والو یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانسے سب گندے کام ہیں شیطان کے سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں دشمنی اور بیر بذریعہ شراب اور جوئے کے اور روکے تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے سو اب بھی تم باز آؤ گے اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور بچتے رہو پھر اگر تم پھر جاؤ گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ صرف پہنچا دینا ہے کھول کر جو لوگ ایمان لائے اور کام نیک کئے ان پر گناہ نہیں اس میں جو کچھ پہلے کھا چکے جبکہ آئندہ کو ڈر گئے اور ایمان لائے اور عمل نیک کئے پھر ڈرتے رہے اور یقین کیا پھر ڈرتے رہے اور نیکی کی اور اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو

لغوی تحقیق

"خمر" لغت میں خمر کا اصل معنی کسی چیز کو چھپانا ہے، عورت کی اوڑھنی اور دوپٹے کو بھی اسی چھپانے کے معنی کی وجہ سے خمار کہا جاتا ہے، شراب کو خمر اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ عقل کو چھپالیتی ہے۔(۱) بعض حضرات اسی لغوی معنی کے لحاظ کی وجہ سے ہر نشہ آور چیز پر "خمر" کا اطلاق کرتے ہیں مگر احناف کی رائے یہ ہے کہ وہ شراب جس کا ایک قطرہ پینے سے بھی حد واجب ہو جاتی ہے وہی ہوگی جسے انگوروں سے بنایا گیا ہو۔

"میسِــــر" یسر سے ماخوذ ہے جو کہ عسر کی ضد ہے، یسر، یسری، یسیر، میسور اور میسران سب کے اندر سہولت اور آسانی کا معنی پایا جاتا ہے، چونکہ جوے سے بھی بسہولت مال ہاتھ آ جاتا ہے اس لیے اسے "میسر" کہا جاتا ہے یہ لفظ جوئے کی تمام اقسام کو شامل ہے۔

"رجــــس" ہر گندی اور قابل نفرت چیز اور کام کو کہتے ہیں اس کا قابلِ نفرت ہونا یا تو طبیعت اور عقل کے اعتبار سے ہوگا یا شریعت کے اعتبار سے یا ان تینوں کی وجہ سے۔

ربط: چونکہ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ لذیذ چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہ کرو اور یہ کہ حلال اور لذیذ چیزیں کھایا کرو...... تو ممکن تھا کہ کوئی شخص اس حکم میں وسعت پیدا کرتے ہوئے شراب اور جوے کو بھی لذیذ چیزوں میں شامل کرلے کیونکہ یہ دونوں بھی زمانہ جاہلیت میں ازحد مقبول اور لذیذ چیزوں میں شامل تھے اس لیے فرمایا:

تسہیل: اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور پانسے یہ سب ناپاک کام اور شیطان کے اعمال میں سے ہیں، سو ان سے دور رہو تا کہ تم نجات پا جاؤ○ شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور نفرت ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے، سو اب تم باز آتے ہو یا نہیں؟○ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور ڈرتے رہو، اگر تم اطاعت سے اعراض کرو گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمّے تو صرف یہ ہے کہ وہ ہمارا پیغام کھول کر پہنچا دے○ جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک اعمال کرتے رہے ان پر اس چیز کا کوئی گناہ نہیں جسے وہ کھاتے پیتے رہے جبکہ انہوں نے تقویٰ اختیار کرلیا اور ایمان لائے اور نیک کام کیے پھر وہ تقوی اور ایمان پر ثابت قدم رہے پھر تقوی اور نیکو کاری میں آگے ہی بڑھتے چلے گئے اور اللہ نیکو کاروں سے محبت کرتا ہے○

تفسیر

﴿۹۰﴾ شانِ نزول

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شراب تین مراحل میں حرام ہوئی ہے، جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ سے ہجرت فرما کر) مدینہ تشریف لائے اس وقت لوگ شراب نوشی بھی کرتے تھے اور جوا بھی کھیلتے تھے، انہوں نے ان دونوں کے بارے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو اس پر (سورہ بقرہ کی) یہ آیت نازل ہوئی "آپ سے یہ لوگ شراب اور جوے کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجیے کہ ان دونوں میں

بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے فوائد بھی ہیں'' لوگوں نے یہ آیت سُن کر کہا کہ اللہ نے ہمارے اوپر شراب حرام تو نہیں کی کیونکہ یوں فرمایا ہے کہ ''ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے فوائد بھی ہیں'' چنانچہ وہ شراب نوشی کرتے رہے یہاں تک کہ ایک دن ایسا ہوا کہ مہاجرین میں سے ایک شخص نے نمازِ مغرب میں امامت کروائی تو نشہ میں ہونے کی وجہ سے قراءت میں گڑبڑ کردی، اس کے بعد پہلے سے زیادہ سخت حکم نازل ہوا اور فرمایا گیا ''اے ایمان والو! تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم جان نہ لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو'' اس کے باوجود لوگ شراب نوشی سے باز نہ آئے یہاں تک کہ ان میں سے بعض جب نماز کے لیے آتے تو وہ شراب سے سیر ہوتے تھے اس پر پہلے سے بھی زیادہ سخت حکم نازل ہوا ''اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور پانسے یہ سب ناپاک کام اور شیطان کے اعمال میں سے ہیں سو ان سے دور رہو تاکہ تم نجات پا جاؤ'' (آگے فرمایا گیا سو اب تم باز آتے ہو یا نہیں؟) یہ سن کر صحابہ کہنے لگے اے ہمارے رب! ہم باز آ گئے، لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کچھ لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے اور کچھ طبعی موت سے وفات پا گئے حالانکہ وہ شراب بھی پیتے تھے، اور جوے کا پیسہ بھی کھاتے تھے اب جبکہ اللہ نے اسے ناپاک چیز اور شیطان کا عمل قرار دیا ہے (تو ان مرحومین کا کیا بنے گا) اس پر اللہ نے فرمایا ''جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک اعمال کرتے رہے اُن پر اس چیز کا کوئی گناہ نہیں جسے وہ کھاتے پیتے رہے'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر ان مرحومین کی زندگی میں حرمت کا حکم نازل ہو جاتا تو وہ بھی شراب کو ایسے ہی ترک کر دیتے جیسے تم نے ترک کر دیا ہے'' (۲۲۴)

بتدریج شراب کے حرام کیے جانے میں حکمت یہ تھی کہ زمانہء جاہلیت میں لوگ شراب کے دیوانے تھے وہ اس کے بغیر زندگی گذارنا محال سمجھتے تھے، اگر ابتداءِ اسلام میں شراب کی حرمت کا حکم نازل ہو جاتا تو بہت سے لوگ اسلام سے پھر جاتے بلکہ شاید اس کی صداقت کے دلائل میں غور و فکر کے لیے آمادہ ہی نہ ہوتے، چنانچہ بتقاضائے حکمت پہلے مرحلہ میں بتایا گیا کہ اس مین بہت بڑا گناہ ہے، دوسرے مرحلے میں نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا پھر جب دلوں میں ایمان راسخ ہو گیا اور شراب نوشی کے نقصانات کھل کر سمجھ آ گئے تو پھر اس کی حرمت کا قطعی حکم نازل کر دیا گیا، یہ حکم لوگوں کے لیے بہت بھاری اور مشکل تھا، (۲۲۵) لیکن جب انہوں نے جان لیا کہ یہ قطعی حکم ہے اور اس

{۲۲٤}رواہ احمد ابن کثیر ۲/۱۲۸

{۲۲٥}وقالوا ماحرم علینا شیء اشد من الخمر حتی جعل الرجل یلقی صاحبه فیقول: ان فی نفسی شیأ فیقول صاحبه: لعلك تذکر الخمر۔ فیقول نعم فیقول ان فی نفسی مثل مافی نفسك (تفسیر المنار ۷/۴۲)

کے نسخ کا کوئی امکان نہیں تو انہوں نے شراب کے مٹکے اور جام توڑ ڈالے اور اس سے سچی توبہ کرلی۔

(میسر کے بارے میں سورہ بقرہ میں اور انصاب اور ازلام کے بارے میں سورۂ مائدہ کے آغاز میں بحث ہو چکی ہے۔)

﴿۹۱﴾ اگر چہ اوپر والی آیت میں ''انصاب اور ازلام'' کا بھی ذکر تھا لیکن یہاں صرف شراب اور جوے کا ذکر ہے کیونکہ اصل میں تو ان دونوں کی حرمت ہی کو بیان کرنا مقصود ہے لیکن ان کی قباحت کو نمایاں کرنے کے لیے ''انصاب اور ازلام'' کو بھی ذکر کر دیا جو کہ مشرکانہ خرافات سے تعلق رکھتے تھے، اور خطاب فرمایا ان اہلِ ایمان سے جو شرک کے ہر انداز سے بیزار اور عقیدۂ توحید سے سرشار ہو چکے تھے، اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سن کر فرمایا اے شراب کیا تجھے جوے، بتوں اور پانسوں کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے؟ دفعان ہو جا اور دور ہو جا ہم سے۔{۲۲۶}

جہاں تک شراب نوشی کی وجہ سے لوگوں کے درمیان بغض وعداوت پیدا ہونے کا تعلق ہے تو یہ بداہۃً سمجھ آنے والی بات ہے کیونکہ اس کی وجہ سے انسان کی وہ قوت یعنی عقل مفقود ہو جاتی ہے جو اسے مغلوب الغضب ہونے اور ناشائستہ حرکات سے بچائے رکھتی ہے۔ شرابی نشے میں اول فول بکتا ہے اور یہ چیز باہمی بغض وعداوت اور قتل وقتال کا سبب بن جاتی ہے، وہ نشہ کی حالت میں اہم ملکی اور خانگی راز بھی افشاء کر دیتا ہے، پردہ دری کرتا ہے، ملک اور قوم سے خیانت کا مرتکب بھی ہو سکتا ہے اور یہ نشہ اسے چوری چکاری کا راستہ بھی دکھا سکتا ہے۔

جوا بھی بغض وعداوت کا بیج بونے کا سبب بنتا ہے اس لیے کہ جو ہار جاتا ہے وہ بسا اوقات اپنا سب کچھ یہاں تک کہ بیوی بچوں کو بھی داؤ پر لگا دیتا ہے جس کی وجہ سے اس کے دل میں جیتنے والے کے لیے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

''وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ'' شراب اور جوے کا دنیاوی نقصان بیان کرنے کے بعد اس کا دینی نقصان بیان کیا جا رہا ہے، شراب نوش کو نشہ میں غرق ہونے کی وجہ سے نہ اللہ یاد آتا ہے نہ اس کی عبادت اور بندگی کی طرف دھیان جاتا ہے اگر اس کے مکان کو آگ بھی لگ جائے یا اس کے اہلِ وعیال پر کوئی مصیبت نازل ہو جائے تو اسے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی، اگر بالفرض شرابی اور جواری نماز پڑھ بھی لیں تو صرف ان کا بدن ہی حرکت کر رہا ہوتا ہے، دل اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور نہ ہی خشوع خضوع اور تدبّر کا ادنیٰ درجہ انہیں نصیب ہوتا ہے۔

''فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ'' شراب کی حرمت اور حرمت کی علت وحکمت بیان کرنے کے بعد ایسے استفہامیہ انداز

{۲۲۶} تفسیر المنار ۷/ ۵۰

میں شراب نوشی سے باز آ جانے کی تلقین کی جارہی ہے جو امر اور حکم کو بھی شامل ہے گویا یوں کہا گیا کہ جب شراب نوشی میں اتنی خرابیاں اور قباحتیں ہیں تو کیا تم ان کے جان لینے کے بعد باز آ جاؤ گے یا ویسے ہی اس نجاست میں مبتلا رہو گے جیسے کہ تم تھے۔(۲۲۷)

﴿۹۲﴾شراب کی حرمت کو مزید مؤکد کرنے کے لیے فرمایا جارہا ہے کہ تمہیں اللہ اور رسول نے شراب اور جوے سے دور رہنے کا جو حکم دیا ہے اس میں ان کی اطاعت کرو اور ان دونوں سے ایسے ہی دور رہو جیسے بتوں اور پانسوں سے دور رہتے ہو۔

"واحذروا" (ڈرتے رہو) اللہ اور رسول کی مخالفت کی صورت میں تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے جس کا سامنا آخرت میں تو کرنا ہی پڑے گا، دنیا میں بھی تم اس کی گرفت میں آ سکتے ہو۔

"فان تولیتم" اگر تم اطاعت سے اعراض کرو گے تو ہمارے رسول کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا تھا سو آپ نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی اب حساب اور عذاب کا معاملہ ہمارے حوالے ہے اسے تم وقت آنے پر دیکھ لو گے۔

قرآن کریم میں کسی بھی جرم اور گناہ کی قباحت بیان کرنے کے لیے ویسا انداز اختیار نہیں کیا گیا جیسا کہ شراب اور جوا کے سلسلہ میں اختیار کیا گیا ہے، آج پوری دنیا میں یورپ کی دجالی تہذیب کے زیر اثر ان دونوں برائیوں کا جو چلن اور رواج ہے اسے دیکھ کر اس تاکید در تاکید کی حکمت سمجھ آتی ہے ورنہ اندیشہ تھا کہ بعض مسلمان بھی ان کا جواز ثابت کرنے کے لیے تاویل کا راستہ اختیار کرتے، اور اندیشہ کیا معنی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ رب تعالیٰ کی اتنی تاکیدات کے باوجود بعض کلمہ گو مسلمان ان دو برائیوں سے باز آنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں، بعض بد بخت تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ اللہ نے یہ تو نہیں فرمایا "انتھوا" (باز آ جاؤ) بلکہ سوال کیا ہے "فھل انتم منتھون" (کیا تم باز آتے ہو) اور ہم نے کہہ دیا "لا" (ہم باز نہیں آتے) لیکن جو واقعی مؤمن تھے انہوں نے یہ سوال سنتے ہی کہہ دیا تھا "اِنتَھَینا اِنتَھَینا رَبَّنا" (اے ہمارے رب! ہم باز آ گئے ہم باز آ گئے)، حالانکہ ان میں وہ لوگ بھی تھے کہ شراب جن کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اور ان کے لیے شراب کا چھوڑنا، شریعت کے سارے احکام سے زیادہ مشکل حکم تھا لیکن شراب کی حرمت کا قطعی حکم انہوں نے سن لیا تو انہوں نے شراب کے مٹکے گلی کوچوں میں بہا دیے، بہائی گئی شراب کی مقدار اتنی زیادہ تھی کہ ایک عرصہ تک مٹی میں اس کا اثر اور بو باقی رہی، البتہ بعض حضرات کو بدر واحد کے شہداء کے حوالے سے اشکال ہوا کہ ان کے زمانے میں شراب حرام نہ ہوئی تھی تو ان کا کیا بنے گا، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ

(۲۲۷)فھل انتم مع ھذہ الصوارف منتھون؟ ام انتم علی ما کنتم علیہ کأن لم توعظوا ولم تزجروا (کشاف)

سوال ان لوگوں کی طرف سے ہوا جو حرمت کا حکم نازل ہونے کے بعد بھی اپنے لیے رخصت اور استثناء کی کوئی صورت چاہتے تھے (۲۲۸)......اس پر فرمایا گیا:

﴿۹۳﴾ جو لوگ حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے شراب پیتے رہے یا جوے کا مال کھاتے رہے چاہے وہ زندہ ہوں یا دنیا سے جا چکے ہوں ان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، بس شرط یہ ہے کہ وہ ایمان قبول کر چکے ہوں، نیک اعمال کرتے ہوں اور انہوں نے تقوی اختیار لیا ہو لیکن حرمت کا حکم نازل ہونے کے بعد اب اگر کوئی شراب نوشی کا مرتکب ہوگا تو اس پر حد جاری کی جائے گی چاہے وہ کتنا ہی تقوی کیوں نہ اختیار کرلے۔

"ثم اتقوا و آمنو" اس آیت میں تقوی کا ذکر تین بار آیا ہے یعنی تقوی، ایمان اور عملِ صالح (اتقوا آمنوا واعملوا الصلحت) پھر صرف تقویٰ اور ایمان "اتقوا و آمنوا" پھر تقویٰ اور احسان "اتقوا واحسنوا" یہاں اس انداز میں تقوی کا لفظ بار بار کیوں آیا ہے؟ اس کی مختلف توجیہات مفسرین نے کی ہیں جن میں سے دو دل کو زیادہ لگتی ہیں:

۱۔ پہلے ایمان وتقوی سے مراد اصلِ تقوی اور اصلِ ایمان کا حصول ہے جس کا لازمی تقاضا عملِ صالح ہے، دوسری بار تقوی اور ایمان کا ذکر ثابت قدمی اور دوام کو بتانے کے لیے ہے اور تیسری بار تقوی سے مراد یہ ہے کہ بندوں پر ظلم سے بچتا رہے، اعمال کو اچھی طرح سے ادا کرے اور انسانوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے۔(۲۲۹)

۲۔ امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصل میں یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو رہبانیت کی طرف مائل تھے اور گوشت اور دوسرے لذیذ کھانوں سے بچ کر رہتے تھے انہیں سمجھایا گیا کہ اہلِ ایمان سے اللہ تعالیٰ کا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ وہ لذیذ چیزوں سے دور رہیں اور پاک غذاؤں کو اپنے اوپر حرام کرلیں بلکہ ان سے اصل مطالبہ تو یہ ہے کہ وہ تقوی اور ایمان کے مدراج میں ترقی کرتے ہوئے اخلاص اور یقین کے مرتبہ تک پہنچ جائیں اور یہ مرتبہ انہیں تب حاصل ہوگا جب وہ ایمان اور تقویٰ حاصل کرنے کے بعد اس پر ثابت قدم رہیں، یہ ثابت قدمی اور استقامت انہیں بتدریج اس مشاہدہ کے مقام تک پہنچا دے گی جہاں بندہ اللہ کی عبادت یوں کرتا ہے گویا وہ اسے دیکھ رہا ہوتا ہے اور اسی مشاہدہ ہی کو مرتبۂ احسان کہا جاتا ہے۔

{۲۲۸} وقد قدح بعض اذکیائهم زناد الفکر عسى ان يهتدوا الى شيء يحدون فيه بعض الرخصة من النبى صلى الله عليه وسلم (المنار ۷/۵۵)

{۲۲۹} قال الاكثرون الاول عمل الاتقاء، والثانى: دوام الاتقاء والثبات عليه، والثالث: اتقاء ظلم العباد مع ضم الاحسان اليه (كبير ٤/٧/٤٢٧)

حکمت وہدایت

۱......شراب، جوا، بت اور پانسے حرام ہیں(۹۰)......شراب نوشی کا جرم ثابت ہونے پر اسی کوڑے لگائے جائیں گے۔

۲...... ہر نشہ آور چیز حرام ہے، مگر اس کے استعمال کرنے پر شراب والی حد جاری نہیں کی جائے گی البتہ کوئی تعزیر جاری کی جاسکتی ہے۔

۳......اللہ تعالیٰ نے جتنی تاکید اور شدّت کے ساتھ شراب اور جوے کی حرمت کو بیان فرمایا ہے، کسی بھی دوسرے گناہ کے سلسلہ میں یہ تاکید اور شدّت اختیار نہیں کی، اہلِ علم نے ان آیات میں چودہ تاکیدات کی نشاندہی کی ہے:

۱۔ شراب اور جوے پر ''رجس'' کا اطلاق کیا ہے اور یہ لفظ انتہاء درجہ کی قباحت اور خباثت کو ظاہر کرتا ہے۔

۲۔ جملہ کی ابتداء ''انما'' سے کی ہے جو کہ حصر پر دلالت کرتا ہے، گویا یوں فرمایا گیا کہ شراب اور جوے میں نجاست اور خباثت کے سوا کچھ بھی نہیں۔

۳۔ شراب اور جوے کے ساتھ بتوں اور پانسوں کا ذکر کیا ہے جو کہ مشرکوں کے اعمال اور خصوصیات میں سے ہیں بعض مفسرین نے اس موقع پر حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ ''دائمی شراب نوش ایسے ہے جیسے بت کی پرستش کرنے والا'' {۲۳۰}

۴۔ ان دونوں کو شیطان کا عمل قرار دیا ہے اور ظاہر ہے شیطان کے عمل سے اللہ کی ناراضگی کے سوا کیا حاصل ہوسکتا ہے۔

۵۔ شراب سے بچنے کے لیے اللہ نے ''اجتناب'' (فاجتنبوہ) کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور یہ لفظ ''ترک'' سے بھی زیادہ مؤثر اور زوردار ہے کیونکہ اس کے اندر صرف چھوڑنے کا معنی نہیں، بہت دور رہنے کا معنی بھی پایا جاتا ہے۔

۶۔ خمر اور قمار سے اجتناب کو اللہ تعالیٰ نے حصولِ فلاح کا ذریعہ بتایا ہے، گویا انہیں استعمال کرنے سے دنیا اور آخرت میں خسارہ ہوگا۔

۷۔۸۔ خمر اور قمار کی وجہ سے دلوں میں بغض وعداوت جیسے قبیح جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

۹۔۱۰۔ یہ دونوں انسان کو اللہ کے ذکر سے اور نماز سے محروم کردیتے ہیں۔

{۲۳۰}ابن ماجه كتاب الاشربه باب ۳

۱۱۔ بڑے بلیغ اور سوالیہ انداز میں شراب اور جوے سے باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔
۱۲۔ خمر اور میسر سے دور رہنے کے بارے میں اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔
۱۳۔ "وَاحْذَرُوا" ڈرنے اور بچنے کا حکم دے کر حقیقت میں عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔
۱۴۔ آخر میں پھر انذار اور ڈراوا ہے کہ ہمارے رسول نے ہمارا حکم پہنچا دیا اب بھی تم باز نہ آئے تو ہم خود نمٹ لیں گے۔

۴...... جمہور علماء شراب کو پیشاب پائخانہ کی طرح نجس اور ناپاک کہتے ہیں، کپڑے اور بدن کو لگ جانے کی صورت میں پاک کرنا اور دھونا ضروری ہے۔

۵...... چونکہ اللہ تعالیٰ نے شراب سے اجتناب (دور رہنے) کا حکم دیا ہے اس لیے اس سے کسی بھی اعتبار سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں، نہ خریدنا، نہ بیچنا نہ اس کا بنانا اور نہ ہی پینا پلانا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ اللہ جس نے اس کا پینا حرام ٹھہرایا ہے اس نے اس کے فروخت کرنے کو بھی حرام ٹھہرایا ہے" (۲۳۱)

مسلم اور ابوداؤد میں روایت ہے کہ حضرت طارق بن سوید جعفر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں شراب کو دوا کے طور پر استعمال کرتا ہوں آپ ؐ نے فرمایا "انه ليس بدواء ولكنه داء" (یہ دوا نہیں بلکہ بیماری ہے)

احناف کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی بیماری ہو جس کا علاج شراب کے سوا کوئی نہ ہو، اور شراب نوشی میں شفاء یقینی ہو تو کسی متدین اور ماہر ڈاکٹر اور حکیم کے مشورہ پر اس کا پینا جائز ہے کیونکہ اضطرار اور مجبوری میں حرام کا کھانا جائز ہوتا ہے۔

۶...... وہ کھیل جو دلوں میں بغض وعداوت پیدا کریں اور اللہ کے ذکر اور نماز سے محروم کر دیں ان میں مشغول ہونا جائز نہیں...... ان میں سے بعض کھیل تو ویسے ہی ناجائز ہوتے ہیں جیسے کبوتر بازی، پتنگ اڑانا، کتے لڑانا وغیرہ اور بعض فی نفسہ حرام تو نہیں ہوتے لیکن اپنی زندگی کا مقصد بنا لینے اور بعض مفاسد کے در آنے کی وجہ سے انہیں ناجائز کہا جاتا ہے جیسے کرکٹ وغیرہ۔

۷...... ایمان اور تقویٰ یہ نہیں ہے کہ انسان حلال چیزوں سے بھی احتراز کرے بلکہ ایمان اور تقویٰ یہ ہے کہ نیکی پر جما

{۲۳۱} صحیح مسلم

رہے اور گناہوں سے بچتا رہے یہاں تک کہ تقویٰ اور احسان کے اعلیٰ ترین مرتبہ تک پہنچ جائے۔

آیتِ کریمہ میں جس احسان کا تذکرہ ہے اس سے مراد یا تو احسانِ عمل ہے یعنی ہر عمل کو اچھے طریقے سے کیا جائے، یا احسانِ الی الخلق مراد ہے یعنی اللہ کی مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور یا اس سے احسانِ مشاہدہ مراد ہے یعنی اللہ کی عبادت یوں کرے گویا اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ تصور دل میں نہ بیٹھے تو کم از کم اتنا یقین تو رکھے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

حالتِ احرام میں شکار اور خشکی کے شکار کی جزا

﴿۹۴......۹۶﴾

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَيَبْلُوَنَّكُمُ ٱللَّهُ بِشَىْءٍ مِّنَ ٱلصَّيْدِ تَنَالُهُۥٓ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ ٱللَّهُ

اے ایمان والو البتہ تم کو آزماوے گا اللہ ایک بات سے اس شکار میں کہ جس پر پہنچتے ہیں ہاتھ تمہارے اور نیزے تمہارے تاکہ معلوم کرے اللہ

مَن يَخَافُهُۥ بِٱلْغَيْبِ ۚ فَمَنِ ٱعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُۥ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٤﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟

کون اس سے ڈرتا ہے بن دیکھے پھر جس نے زیادتی کی اس کے بعد تو اس کیلئے عذاب دردناک ہے اے ایمان والو

لَا تَقْتُلُوا۟ ٱلصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَهُۥ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ

نہ مارو شکار جس وقت تم ہو احرام میں اور جو کوئی تم میں اس کو مارے جان کر تو اس پر بدلہ ہے اس مارے ہوئے کے برابر مویشی

ٱلنَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِۦ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًۢا بَٰلِغَ ٱلْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّٰرَةٌ طَعَامُ مَسَٰكِينَ

میں سے جو تجویز کریں دو آدمی معتبر تم میں سے اس طرح سے کہ وہ جانور بدلے کا بطور نیاز پہنچایا جاوے کعبہ تک یا اس پر کفارہ ہے چند محتاجوں کو کھلانا

أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِۦ ۗ عَفَا ٱللَّهُ عَمَّا سَلَفَ ۚ وَمَنْ عَادَ فَيَنتَقِمُ

یا اس کے برابر روزے تاکہ چکھے سزا اپنے کام کی اللہ نے معاف کیا جو کچھ ہو چکا اور جو کوئی پھر کریگا اس سے

ٱللَّهُ مِنْهُ ۗ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ ذُو ٱنتِقَامٍ ﴿٩٥﴾ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ ٱلْبَحْرِ وَطَعَامُهُۥ مَتَٰعًا

بدلہ لیگا اللہ اور اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا حلال ہوا تمہارے لئے دریا کا شکار اور دریا کا کھانا تمہارے فائدہ

لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ ٱلْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ٱلَّذِىٓ

کے واسطے اور سب مسافروں کے اور حرام ہوا تم پر جنگل کا شکار جب تک تم احرام میں رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے

إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾

جس کے پاس تم جمع ہوگے

ربط: حلال اور حرام غذاؤں کے احکام بیان ہو رہے ہیں اسی ضمن میں حرم میں اور حالتِ احرام میں شکار کا حکم بیان کیا جا رہا ہے۔

تسہیل: اے ایمان والو! اللہ تمہیں اس شکار کے ذریعے آزمائش میں ڈالے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکتے ہیں تاکہ اللہ یہ دیکھ لے کہ کون ہے جو اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے، جس شخص نے اس وضاحت کے باوجود حد سے تجاوز کیا اس کے لیے دردناک عذاب ہے ○ اے ایمان والو! جب تم حالتِ احرام میں ہو تو شکار کو قتل نہ کرو، اور تم میں سے جو کوئی دانستہ اسے مارے گا تو اس کا جرمانہ اسی جیسا جانور مویشیوں میں سے دینا ہوگا جیسا اس نے مارا ہے اور اس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے یا تو اس جانور کو نذرانہ کے طور پر کعبہ پہنچایا جائے یا چند مسکینوں کو کھانا کھلا دیا جائے یا اس کے مساوی روزے رکھ لیے جائیں تاکہ وہ اپنے کیے کا مزہ چکھ لے، جو کچھ ہو چکا اللہ نے اسے معاف کر دیا، لیکن اگر کسی نے دوبارہ یہ حرکت کی تو اللہ اسے سزا دے گا، اللہ سب پر غالب ہے اور سزا دے سکتا ہے ○ تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے، اس میں تمہارا فائدہ بھی ہے اور مسافروں کا بھی، اور جب تک تم حالتِ احرام میں ہو تم پر خشکی کا شکار حلال کر دیا گیا ہے، اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم جمع کیے جاؤ گے ○

تفسیر

﴿٩٤﴾ اے ایمان والو! اللہ تمہیں آزمائے گا، اللہ کو حق حاصل ہے کہ وہ بندوں کو آزمائے بلکہ عام طور پر آزمائش کے بغیر کسی کو اعلیٰ مرتبہ سے نوازا ہی نہیں جاتا، جن کے رتبے سوا ہوتے ہیں وہ بڑی سے بڑی ابتلاؤں میں ثابت قدم رہتے ہیں اور یہ آزمائش تو بہت معمولی اور حقیری سی ہے، {٢٣٢} وہ یہ کہ حالتِ احرام میں خشکی کے جانوروں کا شکار نہ کرو، حدیبیہ کے مقام پر جب کہ صحابہ کرام احرام کی حالت میں تھے، انہیں اس آزمائش کا سامنا کرنا پڑا، {٢٣٣} شکار ان کی معیشت بھی تھا اور شوق بھی، وہ شکار کی تلاش میں گھنٹوں مارے مارے پھرا کرتے تھے جبکہ حدیبیہ میں یہ حال تھا کہ شکار ان کے دائیں بائیں پھر رہا تھا، کبھی کبھار خیموں میں بھی گھس آتا تھا وہ اگر چاہتے تو بآسانی اسے پکڑ سکتے تھے لیکن حالتِ احرام میں ہونے کی وجہ سے انہوں نے اپنے ہاتھ روک کر رکھے، ایسی ہی آزمائش کا سامنا بنی اسرائیل کو بھی کرنا پڑا تھا جب انہیں ہفتے کے دن مچھلی کے شکار سے منع کیا گیا تھا اور یونہی جب حضرت طالوت نے

{٢٣٢} "من الصید" بیانیۃ قطعا ای بشیء حقیر ھو الصید (ابی السعود ٣١٩/٢)

{٢٣٣} نزلت عام الحدیبیہ۔ ابتلاھم اللہ تعالیٰ بالصید وھم محرمون کانت الوحوش تغشاھم فی رحالھم۔ (ابی السعود ٣١٩/٢)

انہیں پانی کا صرف ایک چلو پینے کی اجازت دی تھی {۲۳۴} لیکن وہ ان دونوں مواقع کے علاوہ بے شمار مواقع پر آزمائش میں ناکام رہے لیکن امتِ اسلامیہ کامیاب رہی، اسی لیے اسے خلافت کا مستحق قرار دیا گیا، آزمائشوں میں کامیابی ہی کسی فرد اور جماعت کو عزت اور مرتبے کا مستحق ثابت کرتی ہے۔

ایسی چیز جو نفس کو مرغوب اور لذیذ بھی ہو اور اس کا حصول آسان بھی ہو، اسے اللہ کے ڈر سے چھوڑ دینا اس بات کی دلیل ہے کہ دل میں ایمان بالغیب راسخ ہو چکا ہے، اور انسان، نفس کی غلامی اور حیوانیت کی سطح سے بلند ہو کر روحانیت کے قریب ہو گیا ہے۔

"لیعلم اللہ" اس دنیا میں قدم قدم پر ایسی آزمائشیں اس لیے پیش آتی ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ، اپنی سزا اور گرفت سے بن دیکھے ڈرنے والوں اور نہ ڈرنے والوں کو جدا کر دے۔ {۲۳۵}

"فمنِ اعتدی" جو شخص اس تنبیہ اور وضاحت کے باوجود باز نہیں آتا اور حرم میں یا حالتِ احرام میں شکار کرتا ہے تو وہ اپنے اوپر یہ الزام ثابت کر دیتا ہے کہ اس کے دل میں خوفِ خدا نہیں ہے اور یہ شان منافق کی ہوتی ہے سچے مؤمن کی نہیں ہوتی۔ جو شخص ایسی چھوٹی چھوٹی آزمائشوں میں اپنے اوپر قابو نہیں پا سکتا وہ بڑی آزمائشوں میں کہاں ثابت قدم رہ سکتا ہے، ایسے لوگ جو سمجھانے کے باوجود حدودِ الٰہی سے تجاوز کرتے ہیں ان کے لیے دنیا میں بھی عذاب ہے اور آخرت میں بھی۔ {۲۳۶}

﴿۹۵﴾ اے وہ لوگو! کہ اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور رسول کی صداقت اور قرآن کی حقانیت کی تصدیق کرتے ہو جب تم نے حج یا عمرہ کا احرام باندھ رکھا ہو تو خشکی کا شکار نہ خود کرو نہ اس کی طرف اشارہ کرو اور نہ ہی کسی دوسرے کی مدد کرو، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بعض صحابہ نے غیر محرم کے شکار کیے ہوئے جانور کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے ان سے سوال کیا، هل اَشرتم (کیا تم نے اشارہ کیا تھا) "هل دللتم" (کیا تم نے رہنمائی کی تھی) صحابہ نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا "اذن فکلوا" (تو پھر تمہیں کھانے کی اجازت ہے)۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کسی جانور کو شکار کرنے میں محرم نے کسی طور بھی تعاون نہ کیا ہو تو وہ اس کا گوشت کھا سکتا ہے خواہ شکاری نے اسی کو کھلانے کے لیے شکار کیا ہو یا کہ اپنے لیے کیا ہو۔

"ومن قتله منکم معتمِدا" (اور تم میں سے جو کوئی دانستہ اسے مارے گا) جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ جانور کو

{۲۳۴} تسہیل البیان ۱/۳۰۰

{۲۳۵} لیتمیز الخائف من عقابه وهو غائب منتظر لقوة ایمانه ممن لا یخافه لضعف قلبه وقلة ایمانه (بیضاوی ۲/۳۶۵)

{۲۳۶} والمراد بالعذاب الالیم عذاب الدارین قال ابن عباس رضی الله عنهما یوسع ظهره وبطنه جلدا وینزع ثیابه (ابی السعود ۲/۳۲۰)

قتل کرنے کی صورت میں محرم پر بہر صورت جزاء لازم ہوگی خواہ وہ عمداً قتل کرے یا خطا، اسے اپنا محرم ہونا یاد ہو یا کہ نہ ہو باقی قرآن کریم میں "متعمدا" (دانستہ قتل) کی قید اس نکتہ کی طرف اشارہ کے لیے ہے کہ اگر یہ شخص دوبارہ جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اللہ کے انتقام اور سزا کا مستحق ہو جائے گا۔(۲۳۷) اگر محرم نے خشکی کے کسی جانور کا شکار کرلیا تو اس پر شکار کیے گئے جانور جیسا جانور ذبح کرنا فرض ہے، احناف کہتے ہیں کہ دونوں جانوروں کے درمیان قیمت کے اعتبار سے مماثلت ضروری ہے، جسمانی اعتبار سے مماثلت ضروری نہیں ہے اس قیمت کا فیصلہ دو معتبر اور تجربہ کار افراد کریں گے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اگر ہلاک شدہ جانور ایسا ہو جس کا گوشت کھانا جائز نہیں جیسے بھیڑیا، گیدڑ، شیر وغیرہ تو اس کی قیمت ایک بکری سے زیادہ نہیں لگائی جائے گی اور اگر وہ حلال جانور ہو تو اس کی قیمت کی کوئی حد نہیں ہے۔ قیمت کا تعین ہو جانے کے بعد محرم کو تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے۔

۱۔ اس قیمت سے جانور خرید کر اسے جوار حرم میں ذبح کردے اور اس کا گوشت وہیں کے مساکین میں تقسیم کردے۔

۲۔ مساکین کو کھانا کھلا دے، کھلانے کے بجائے خام غلّہ یا نقدی تقسیم کرنا بھی جائز ہے، کھانا کھلانے یا تقسیم کرنے میں صدقۂ فطر کی مقدار کا اعتبار ہوگا۔

۳۔ جتنے مساکین میں غلّہ تقسیم ہوسکتا تھا ان کے شمار سے روزے رکھے، روزے رکھنے یا غلّہ تقسیم کرنے میں حرم کی قید نہیں ہے۔

"ومن عاد فینتقم اللہ" جو شخص دوبارہ شکار کے جرم کا ارتکاب کرے گا وہ آخرت میں سخت سزا کا مستحق ہوگا لیکن اخروی سزا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ دنیاوی سزا سے بچ جائے گا وہ جتنی بار شکار کرے گا اتنی ہی بار اس پر کفارہ لازم ہوگا۔

﴿۹۶﴾ سمندر کا شکار محرم اور غیر محرم، مقیم اور مسافر سب کے لیے جائز ہے تازہ بھی کھایا جاسکتا ہے اور زادراہ کے طور پر اپنے ساتھ سفر میں بھی لے جایا جاسکتا ہے، البتہ خشکی کا شکار احرام کی مدت تک جائز نہیں خواہ وہ ایسا جانور ہو جس کا گوشت کھانا جائز ہے یا ایسا ہو کہ جس کا گوشت حرام ہے۔

حکمت و ہدایت

۱...... یہ دنیا ابتلاء اور امتحان کا گھر ہے، یہاں ہر کسی کو آزمایا جاتا ہے، کسی پر چھوٹی آزمائش آتی ہے اور کسی پر بڑی

﴿۲۳۷﴾ بیضاوی ۳۶۶/۲

آزمائش آتی ہے، جو جتنی ثابت قدمی دکھاتا ہے، اسے اللہ کے ہاں سے اتنا زیادہ نوازا جاتا ہے......امت اسلامیہ ابتلاؤں میں ثابت قدم رہنے کی وجہ سے خلافت اور سیادت کی حقدار ہوئی تھی۔

۲......جو لوگ چھوٹی چھوٹی آزمائشوں میں پھسل جاتے ہیں ان سے کسی بڑے امتحان میں ثابت قدم رہنے کی توقع عبث ہے۔

۳......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شکار پر پکڑنے اور مارنے والے کا حق ہوگا، کمین گاہ سے نکالنے والے کا اس پر کوئی حق نہیں ہوگا۔

۴......صید یعنی شکار ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جو وحشی ہوں، عادۃً انسانوں کے پاس نہ رہتے ہوں، پس جو خلقۃً اہلی ہوں جیسے بھیڑ، بکری، گائے، اونٹ ان کا ذبح کرنا اور کھانا درست ہے۔{۲۳۸}

۵......کوا، چیل، بھیڑیا، سانپ، بچھو، کاٹنے والا کتا اور ہر وہ درندہ جو خود حملہ کرے اس کا قتل جائز ہے، کیونکہ حدیث میں ان کے قتل کی اجازت دی گئی ہے۔

۶......جس جانور کا شکار کرنا محرم کے لیے حرام ہے اس کا ذبح کرنا بھی حرام ہے، اگر اس نے ذبح کیا تو وہ جانور مردار شمار ہوگا۔

۷......حرمِ مدنی کا شکار کرنا احناف کے نزدیک جائز ہے۔

۸......شکار کی طرف اشارہ کرنے یا شکاری کے ساتھ تعاون کرنے کا بھی وہی حکم ہے جو خود شکار کرنے کا ہے۔

۹......جیسے قصداً شکار کرنے پر جزاء واجب ہوتی ہے اسی طرح خطا اور نسیان میں بھی واجب ہوتی ہے۔

۱۰......جو شخص بار بار شکار کرے گا اس پر بار بار اجزاء لازم ہوگی۔

۱۱......اگر پوری جماعت نے مل کر شکار کو قتل کیا تو ہر ایک پر پوری جزا واجب ہوگی۔

۱۲......سمندر کی مخلوق میں سے احناف کے نزدیک مچھلی کے سوا کسی جانور کا کھانا جائز نہیں، جھینگے کے بارے میں خود احناف کے ہاں جو اختلاف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا مچھلی ہونا ہی اختلافی مسئلہ بن گیا ہے، جو حضرات اسے مچھلی تسلیم کرتے ہیں وہ اس کے کھانے کی اجازت دیتے ہیں اور جو اس کے مچھلی ہونے سے انکار کرتے ہیں وہ کھانے کی اجازت نہیں دیتے۔{۲۳۹}

{۲۳۸}معارف القرآن ۲۳٤/۳ {۲۳۹} تفصیل کے لیے دیکھیے تکملہ فتح الملہم

ولکعبة کل بیت علی هیئته فی التربیع وبها سمیت الکعبة (المفردات/ ٤۳۲

۱۳......جو مچھلی سمندر میں طبعی موت مر کر پانی پر تیرنے لگے، احناف کے نزدیک اس کا کھانا جائز نہیں۔

۱۴......اگر غیر محرم نے شکار کیا ہو تو محرم کے لیے اس کا کھانا جائز ہے خواہ اس نے اسی کو کھلانے کی نیت سے شکار کیا ہو یا اپنے لیے کیا ہو۔

۱۵......اگر محرم نے کسی بھی طریقے سے شکاری کے ساتھ تعاون کیا یا شکار کی طرف اشارہ کیا تو اس پر جزاء لازم ہوگی۔

بیت اللہ اور شہرِ حرام کا مقام

﴿۹۷﴾

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ

اللہ نے کر دیا کعبہ کو جو کہ گھر ہے بزرگی والا قیام کا باعث لوگوں کے لئے اور بزرگی والے مہینوں کو اور قربانی کو جو نیاز کعبہ کی ہو اور جنکے گلے میں پٹہ

ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾

ڈالکر لیجاویں کعبہ کو یہ اس لئے کہ تم جان لو کہ بیشک اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کہ ہے آسمان اور زمین میں اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے

ربط: گذشتہ آیت میں حرم میں شکار حرام قرار دیا گیا، یہاں بتایا جا رہا ہے جیسے حرم میں وحشی جانوروں اور پرندوں کو امن حاصل ہو جاتا ہے یونہی حرم انسانوں کے لیے بھی آفات وخطرات سے حفاظت اور سعادتوں کے حصول کا ذریعہ ہے۔(۲۴۰)

تسہیل: اللہ نے کعبہ کے محترم گھر کو، حرمت والے مہینے، حرم کی قربانی اور ان جانوروں کو جن کے گلے میں پٹے بندھے ہوں، انسانوں کی بقا کا مدار ٹھہرایا ہے، یہ اس لیے تا کہ تم جان لو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ سب کو جانتا ہے اور یہ کہ اللہ کو ہر چیز کا علم ہے O

﴿۹۷﴾ اگرچہ یہاں چار چیزیں مذکور ہیں لیکن ان میں مرکزیت کعبہ ہی کو حاصل ہے باقی تین چیزوں کو کعبہ

لغوی تحقیق: "کعبة" اٹھی ہوئی چیز کو کعبہ کہتے ہیں، کعب پاؤں کے ٹخنے کو کہتے ہیں کیونکہ وہ اٹھا ہوا ہوتا ہے۔ جو لڑکی بالغ ہونے کے قریب ہو اور اس کا سینہ ابھر رہا ہو اس کے لیے بھی "کاعب" کا لفظ استعمال ہوتا ہے، ہر مربع گھر کو بھی کعبہ کہا جاتا ہے، بیت اللہ بھی مربع شکل میں ہے، لغوی تحقیق جو بھی ہو اب کعبہ کا اطلاق مسجد حرام میں سیاہ پتھروں سے بنے ہوئے اس سیاہ کوٹھے پر ہوتا ہے جس کی طرف نماز میں رخ کرنا فرض ہے اور حج وعمرہ میں طواف بھی اسی کا کیا جاتا ہے۔

{۲۴۰} تفسیر کبیر

کے ساتھ دائمی تعلق کی وجہ سے ذکر کیا گیا ہے، بتانا یہ مقصود ہے کہ تکوینی اور شرعی دونوں اعتبار سے انسانوں کی حفاظت اور بقا کا مدار بیت اللہ کے وجود پر ہے، تکوینی اعتبار سے یوں کہ اللہ ازل ہی سے فیصلہ فرما چکا کہ دنیا اسی وقت تک باقی رہے گی جب تک خانہ کعبہ اور اس کا احترام کرنے والے انسان موجود ہیں، جس وقت اللہ تعالیٰ اس دنیا کو ختم کرنے کا ارادہ فرمالے گا تو سب سے پہلے اسی مبارک مکان کو اٹھالیا جائے گا جسے ''بیت اللہ'' کہا جاتا ہے، اور یہ بھی طے ہو چکا کہ اس کے قرب وجوار میں رہنے والوں کی معاشی ضروریات اور ظاہری مصالح اسی کے دم قدم سے پوری ہوں گی، انسانوں کے دلوں میں بیت اللہ کی محبت ڈال دی جائے گی اور وہ اس کی طرف ایسے کھنچیں گے جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے، وہاں زمین کے ناقابلِ کاشت ہونے کے باوجود ہر قسم کے پھلوں اور کھانے پینے کے سامان کی فراوانی ہوگی۔ کوئی طاقتور سے طاقتور قوم اسے گرانے اور ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گی بڑے بڑے ظالموں کے دلوں میں اس کا رعب ہوگا اور کوئی بدخواہ کعبہ پر دست درازی کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا سے بھی اسی (تکوینی حفاظت) کی تائید ہوگی ہے ''اے پروردگار میں نے تیرے حرمت والے گھر کے قریب اپنی اولاد کو ایسی وادی میں لا بسایا ہے جہاں کھیتی نہیں اُگتی، اے پروردگار میرا مقصد یہ ہے کہ یہ نماز قائم کریں، پس لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کردے اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما تا کہ یہ تیرا شکر کریں'' {۲۴۱}

ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں چار چیزوں کو انسانوں کی بقا کا مدار ٹھہرایا ہے، یہ اس زمانے کی بات ہے جب مختلف ملکوں اور قوموں میں بادشاہ ہوتے تھے جو انہیں باہم دست وگریبان ہونے سے روکتے تھے جبکہ عرب میں کوئی بادشاہ نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ اور چند دوسری چیزوں کو باہمی قتل وقتال سے روکے رکھنے کا سبب بنا دیا ہے، یہاں تک کہ سرزمینِ حرم میں اگر کسی شخص کا اپنے سگے یا چچازاد بھائی کے قاتل سے بھی آمنا سامنا ہو جاتا تھا تو بھی وہ اس سے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا۔ {۲۴۲}

آسان الفاظ میں یوں سمجھیے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش ہی سے آفتاب وماہتاب کو روشنی، پانی کو سیرابی اور ہوا کو زندگی کا ذریعہ بنایا ہے یونہی رب تعالیٰ نے بیت اللہ کو بقائے عالم کا ذریعہ بنایا ہے اور ہماری عقلیں اس نکتے کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ دنیا کی بقا کا بیت اللہ کے وجود کے ساتھ کیا تعلق ہے۔

{۲۴۱} سورہ ابراھیم ۱۴/۳۷ {۲۴۲} تفسیر طبری ۷/۵۰

اور تشریعی اعتبار سے انسانوں کی بقا کا مدار کعبہ پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے مادی غذائیں، جسمانی قیام کا سبب ہوتی ہیں اسی طرح کعبہ انسانوں کے روحانی قیام کا سبب ہے، یہیں پر انسانیت کے سب سے بڑے محسن اور مصلح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، جن کے ذریعہ پوری دنیا کو توحید اور روحانیت کا سبق ملا، یہیں پر حج اور عمرہ کے ارکان ادا کیے جاتے ہیں، جن کا اگر حق ادا کیا جائے تو نفوس کا تزکیہ ہو جاتا ہے، اندر کی غلاظتیں دھل جاتی ہیں اور روحانیت کا نور دل میں پیدا ہو جاتا ہے، خود بیت اللہ کے اندر اللہ نے ایسی تاثیر رکھی ہے کہ اس کی جانب محبت اور عقیدت کی نظر سے دیکھنے والے اپنے باطن کی سرزمین پر روحانیت کی رم جھم واضح طور پر محسوس کرتے ہیں۔

اگر مسلمان صحیح طور پر اپنے اس ایمانی اور روحانی مرکز سے استفادہ کرتے تو اس کے ذریعے مشرق و مغرب میں بسنے والے مسلمانوں میں اسلامی اخوت کا رشتہ مضبوط ہو سکتا تھا، اور ان کے بہت سارے اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی معاملات درست ہو سکتے تھے لیکن صد افسوس کہ ایک عظیم مرکز جس کی مثال دنیا کی کوئی دوسری قوم پیش نہیں کر سکتی اس سے مسلمان صحیح طور پر فائدہ نہ اٹھا سکے اور البعض لوگوں نے تو اسے ایک اسلامی تفریح گاہ کی حیثیت دے دی ہے خواتین کی بے حجابی، بازاروں میں آزادانہ آمد و رفت، خورد و نوش اور سامانِ تعیش کی طرف حد سے زیادہ میلان دیکھ کر اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ یہ لوگ یہاں روحانی تزکیہ کے لیے آئے ہیں، چنانچہ کچھ دن ''انجوائے'' کرنے کے بعد وہ شاپنگ کے سامان سے لدے وطن پھندے واپس چلے آجاتے ہیں، جہاں ان کا استقبال کرنے والا ایک ہجوم جمع ہوتا ہے جو ان کی دعاؤں سے زیادہ تحائف میں اپنے حصے کا طلبگار رہتا ہے۔

''والشھر الحرام والھدی والقائد'' عرض کیا جا چکا ہے کہ ان تینوں چیزوں کا ذکر، بیت اللہ کے ساتھ تعلق کی وجہ سے کیا گیا ہے، ان کا احترام بھی حقیقت میں بیت اللہ ہی کا احترام ہے، اگر حرم کی صورت میں عربوں کو امن کا ایک خطہ میسر آیا تھا تو حرمت والے مہینوں کی صورت میں ان کی باہمی کشاکش سے بھرپور زندگی میں ایک ایسا طویل وقفہ آجاتا تھا جو ان کے دلوں میں امن اور سلامتی کا احساس پیدا کر دیتا تھا، یونہی قربانی کے جانوروں کی وجہ سے ان کے دل میں پرائے مال کی حرمت کا شعور اجاگر ہوتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ امن اور راحت کے یہ وقفے انسانوں کو جنگ وجدل سے روکنے، اور ان کے اندر مصالحت اور عدل کا شعور پیدا کرنے میں بڑے مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔

''ذلک لتعلموا'' اگر تم ان احکامِ الٰہی میں غور و فکر کرو تو جان لو گے کہ اللہ کا علم محیط ہے، اسے ہر چیز کی خبر ہے اور وہ جو بھی حکم دیتا ہے اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان جاہلوں کے دلوں میں جو

حیوانوں سے بدتر زندگی گذار رہے تھے حرم کے مقدس مکان کی، وہاں سرانجام دیے جانے والے اعمال کی اور مخصوص مہینوں اور اوقات کی ایسی حرمت رکھ دی جو انہیں ظلم وستم سے باز رکھنے، جانوں کی حفاظت اور رزق میں وسعت کا سبب بن گئی، آج کی بظاہر مہذب، ترقی یافتہ اور علوم وفنون کی بلندیوں تک پہنچی ہوئی دنیا کو نہ اقوامِ متحدہ ظلم سے باز رکھ سکتی ہے، نہ سلامتی کونسل، نہ کوئی مہینہ اور نہ کوئی خطہ لیکن پندرہ سو سال پہلے کی دنیا کو حرم اور نسبتِ حرم ہر قسم کی زیادتی اور اقدام سے باز رکھنے کی طاقت رکھتی تھی۔

حکمت وہدایت

۱......تکوینی اور تشریعی دونوں اعتبار سے انسانوں کی حفاظت اور بقا کا مدار بیت اللہ کے وجود پر ہے۔(۹۷)

۲......دل میں بیت اللہ کی محبت کا ہونا اللہ کی خصوصی عنایت کی علامت ہے۔

۳......دنیا بھر کے انسانوں کو روحانی غذا کعبہ ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

۴......جنگ وجدل کے ماحول میں امن اور مصالحت کے وقفے اور خطے، انسانوں کو پرامن زندگی کی طرف مائل کرنے میں خاص اثر رکھتے ہیں۔

ترھیب وترغیب

﴿۹۸......۱۰۰﴾

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

جان لو کہ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے اور بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے رسول کے ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا اور اللہ کو معلوم ہے جو تم ظاہر میں کرتے ہو اور جو چھپا کر کرتے ہو تو کہہ دے کہ برابر نہیں ناپاک اور پاک اگرچہ تجھ کو بھلی لگے ناپاک کی کثرت سو ڈرتے رہو اللہ سے اے عقل مندو تاکہ تمہاری نجات ہو

ربط: چار چیزوں کی حرمت بیان کرنے کے بعد مخالفت کرنے والوں کے لیے عذاب اور فرمانبرداروں کے لیے ثواب کا بیان ہے یعنی ترھیب بھی ہے اور ترغیب بھی۔

تسہیل: جان لو کہ اللہ ایک طرف نافرمانی کی سزا دینے میں سخت ہے اور دوسری طرف بہت بخشنے والا بے حد رحم کرنے والا ہےO رسول کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہوO آپ فرما دیجیے کہ اللہ کے ہاں ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ تم ناپاک کی کثرت دیکھ کر حیران رہ جاؤ، سوائے عقل والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پا جاؤO

تفسیر

﴿۹۸﴾ ترہیب کے ساتھ ترغیب...... یہ وہ اسلوب ہے جس کی جھلکیاں قرآن کریم میں جابجا دکھائی دیتی ہیں، ایمان کی تکمیل کے لیے امید اور خوف دونوں ضروری ہیں، نافرمانوں کے لیے عذاب ہے اور فرمانبرداروں کے لیے ثواب، وہ اللہ جس کے علم و حکمت کی نشانیاں بیت اللہ سمیت ارض و سما کی ہر چیز میں پائی جاتی ہیں اس نے انسان کو فضول اور عبث پیدا نہیں کیا، اور نہ ہی وہ اسے بے کار چھوڑے گا، یہ چیز اس کی حکمت اور عدل کے خلاف ہے کہ وہ مؤمن اور کافر، نیک اور بد، مصلح اور مفسد اور ظالم اور مظلوم کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرے، وہ ہر کسی کو اس کے ہر عمل کا پورا پورا بدلہ دے گا اور پورا پورا بدلہ وہی دے سکتا ہے جو عذاب بھی دے سکتا ہو اور بخشنے کی قدرت بھی رکھتا ہو، اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی اسی قدرت اور حکمت و مصلحت کا بیان ہے۔

﴿۹۹﴾ جزا اور سزا کا نظام اللہ کے ہاتھ میں ہے، یہ کام رسول کا نہیں، رسول کی ذمہ داری تو صرف یہ ہے کہ اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں کو صاف صاف پہنچا دے۔ سورہ رعد میں بھی یہی فرمایا "فانما علیک البلاغ وعلینا الحساب" (آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمہ حساب لینا ہے)، اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو اپنے باطل دیوتاؤں اور مذہبی پیشواؤں ہی کو جزا اور سزا کا مالک سمجھتے تھے۔

"واللہ یعلم" اس جملہ میں طاعت کے کرنے اور معصیت سے بچنے کی ترغیب ہے کیونکہ دل میں اللہ تعالیٰ کے علمِ کلی کا یقین بیٹھ جانے سے طاعت کا شوق اور معصیت سے نفرت ہو جاتی ہے۔

﴿۱۰۰﴾ یہ بتانے کے بعد کہ جزا اور سزا کا نظام اللہ کے ہاتھ میں ہے، یہاں بتایا جا رہا ہے کہ اچھے اور برے اعمال برابر نہیں ہو سکتے بلکہ اس اصول کا تعلق صرف اعمال ہی سے نہیں اشیاء اور شخصیات سے بھی ہے، ظالم اور عادل، مضر اور نافع، جاھل اور عالم، ردّی اور عمدہ، ناپاک اور پاک، حرام اور حلال مساوی نہیں ہو سکتے، ان میں سے ہر ایک کا الگ انجام، الگ جزا اور الگ مقام ہے۔

"ولو اعجبک کثرۃُ الخبیث" اگرچہ خبیث اور ناپاک کی کثرت دیکھ کر آپ دیکھتے ہی رہ جائیں لیکن اللہ کے نزدیک دونوں یکساں نہیں ہوسکتے، بلکہ کوئی بھی سلیم الفطرت اور عقلمند انسان دونوں کو مساوی حیثیت نہیں دیتا، تھوڑا سا حلال بہتر ہے، رشوت وخیانت کے ذریعہ سے حاصل ہونے والے بہت زیادہ حرام سے۔ عمدہ اور صحت افزا تھوڑی سی غذا بہتر ہے، ردی اور مضرِ صحت غذا کے انبار سے۔ نیک، متقی اور بااخلاق انسانوں کی چھوٹی سی جماعت بہتر ہے، فاسق وفاجر اور بد اخلاق انسانوں کے ہجوم سے۔ یونہی علم اور بصیرت والے چند افراد کہیں بہتر ہیں، احمقوں اور جاہلوں کے لشکر سے۔

ابتداءِ اسلام میں مشرک اپنی افرادی کثرت اور مالی وسعت پر فخر کیا کرتے تھے بلکہ اسے اپنے حق پر ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا کرتے تھے۔

"وقالوا نحن اکثر اموالا واولادا" (کہتے تھے ہم مال اور اولاد دونوں میں تم سے بڑھے ہوئے ہیں) اس لیے یہاں بتادیا گیا کہ عددی برتری کسی کے حق پر ہونے کی دلیل نہیں۔

"فاتقوا اللہ" چونکہ ہمیشہ ہی سے جاہلوں اور غافلوں کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ کثرت پر اتراتے ہیں اس لیے اللہ نے فرمایا اے عقلِ سلیم والو! تم ناپاک مال اور ناپاک افراد کی کثرت سے دھوکا نہ کھاؤ بلکہ اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ کا ڈر تمہیں حلال اور پاک پر اکتفاء کرنے پر مجبور کردے گا...... آیت کی ابتداء میں ہر مکلف انسان سے خطاب تھا مگر آیت کے اختتام پر صرف اہلِ عقل سے خطاب فرمایا کیونکہ تمام معاملات کے انجام میں غور وفکر بھی وہی کرتے ہیں اور عبرت ونصیحت بھی وہی حاصل کرتے ہیں، ورنہ بے عقل اور کم فہم لوگ تو بہرحال کثرت ہی کی طرف لپکتے ہیں، کثرت مال کی ہو یا افراد کی دونوں ہی سے وہ دھوکا کھا جاتے ہیں، نہ وہ ان مالداروں کے برے انجام سے عبرت حاصل کرتے ہیں جن کے خزانوں کی کنجیاں طاقتور جماعت اٹھاتی تھی اور نہ ہی وہ ان فسادیوں، فاسقوں اور بدکاروں کی بھیڑ سے کوئی نصیحت حاصل کرتے ہیں جو ایسے مٹادیے گئے کہ کوئی ان کا نام لینے والا بھی باقی نہ رہا۔

حکمت وہدایت

۱......کامل مؤمن وہ ہے جس کے دل میں اللہ کی رحمت کی امید بھی ہو اور عذاب کا خوف بھی۔ (۹۸)

۲......عذاب اور ثواب دونوں پر قدرت کا ہونا اللہ کے عدل کا تقاضا ہے۔ (۹۸)

۳......ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے چار طریقے سے نیکی کے کرنے اور برائی سے بچنے کی تلقین کی ہے O اعلموا انّ اللہ O واللہ یعلم O قل لایستوی O فاتقوا اللہ O

۳......مغربی جمہوریت قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے کیونکہ اس میں صرف کثرت کو دیکھا جاتا ہے چاہے وہ فاسقوں، جاہلوں اور دین کے باغیوں کی کثرت ہی کیوں نہ ہو۔

کثرتِ سوال سے ممانعت

﴿۱۰۱......۱۰۲﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا

اے ایمان والو مت پوچھو ایسی باتیں کہ اگر تم پر کھولی جاویں تو تم کو بری لگیں اور اگر پوچھو گے یہ باتیں

حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا

ایسے وقت میں کہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جاویں گی اللہ نے ان سے درگذر کی ہے اور اللہ بخشنے والا تحمل والا ہے ایسی باتیں پوچھ چکی ہے

قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

ایک جماعت تم سے پہلے پھر ہو گئے ان باتوں سے منکر

ربط: سورہ مائدہ، نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کی آخری سورت ہے، اسی سورہ میں اللہ تعالیٰ نے تکمیلِ دین کا اعلان فرمایا ہے لہٰذا آخر میں یہ بتا دینا مناسب ہے کہ رسول نے پہنچانے کے ذمہ داری ادا کر دی ہے اور اہلِ ایمان کو چاہیے کہ وہ کثرت سے سوال نہ کیا کریں تا کہ یہ سوال کرنا کثرتِ تکلیف کا سبب نہ ہو۔ ویسے قریبی آیات کے اعتبار سے دیکھا جائے تو آیت ۹۹ میں کہا گیا تھا کہ رسول کی ذمہ داری صرف پہنچا دینا ہے لہٰذا جو کچھ اللہ کے نبی نے تم تک پہنچایا ہے اس پر عمل کرو اور جو کچھ نہیں پہنچایا اس کے بارے میں بحث و تحقیق میں نہ پڑو۔

تسہیل: اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کیا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں تکلیف دیں اور اگر تم ایسے وقت میں اُن کے بارے میں سوال کرو گے جبکہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو تمہارے سامنے ظاہر کر دی جائیں گی، اللہ نے بہت سی باتوں سے درگذر فرمایا ہے، اللہ بخشنے والا انتہائی بردبار ہے ○ تم سے پہلے لوگوں نے بھی اس قسم کے سوالات کیے پھر وہ ان سے منکر ہو گئے ○

﴿تفسیر﴾

﴿۱۰۱﴾ شانِ نزول

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا خطبہ دیا کہ میں نے

ویسا خطبہ کبھی نہیں سنا تھا، اس میں آپ نے فرمایا جو میں جانتا ہوں، اگر تم جان لو، تو تم بہت کم ہنسو اور بہت زیادہ روؤ، صحابہ نے اپنے چہروں پر کپڑے ڈال لیے اور ان کے رونے کی آوازیں آنے لگیں، ایک آدمی نے سوال کیا میرا والد کون ہے؟ آپ نے بتایا فلاں ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی "لاتسالوا عن اشیاء" {۲۴۳}

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا" (اور لوگوں پر اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج کرنا لازم ہے جو وہاں تک جانے کی طاقت رکھتا ہو) صحابہ نے سوال کیا یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپ خاموش رہے، انہوں نے دوبارہ یہی سوال کیا آپ پھر بھی خاموش رہے، جب انہوں نے تیسری بار سوال کیا تو آپ نے فرمایا نہیں ہر سال نہیں اور اگر میں "ہاں" کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا لیکن ہر سال حج کرنا تمہارے لیے ممکن نہ ہوتا، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی "یاأیھاالذین آمنوا لاتسالوا الخ"۔

اس آیت کریمہ میں "اشیاء" کا لفظ آیا ہے جو کہ شئی کی جمع ہے اور شئی ایسا لفظ ہے جو موجودات پر دلالت کرنے والے الفاظ میں سے سب سے زیادہ عام ہے۔ گویا شرعی احکام ہوں، یا عقائد اور مخفی اسرار یا تکوینی نشانیاں وغیرہ وہ ساری چیزیں اس میں آ گئی ہیں جن کا اظہار تکلیف کا سبب بن سکتا ہے یا تو ان کی گہرائی اور مشقت کی وجہ سے یا ایسے حقائق کے ظاہر ہو جانے کی وجہ سے جو مسائل کی ذلت اور رسوائی کا سبب بن جائیں۔

"وان تسالوا عنھا" وہ باتیں جن کا اظہار تمہارے لیے تکلیف اور ناگواری کا سبب بن سکتا ہے اگر تم ان کے بارے میں ایسے وقت میں سوال کرو گے جب کہ قرآن اتر رہا ہے تو اللہ اپنے نبی کی زبان سے انہیں ظاہر کر دے گا اور اس میں تمہارے لیے مشقت اور تکلیف ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کوئی ایسا عمل تم پر فرض کر دیا جائے جو پہلے فرض نہ تھا یا ایسی چیز کو حرام کر دیا جائے جس کے استعمال کرنے کی تمہیں پہلے سے اجازت تھی اسی لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جو کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کرے جو حرام نہیں کی گئی پھر اس کے سوال کی وجہ سے وہ حرام کر دی جائے" {۲۴۴} البتہ اگر کوئی آیت مجمل ہو تو اس کے بیان اور وضاحت کے لیے سوال کرنا جائز ہے، صحابہ کرام ایسے سوالات کیا کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وضاحت فرمایا کرتے تھے۔

{۲۴۳} بخاری کتاب التفسیر سورہ ۵ باب ۱۲۔ مسلم فضائل ۱۳۴

{۲۴۴} بخاری فی الاعتصام باب ۳۔ ومسلم فی الفضائل

"عفا اللہ عنہا" یعنی جن باتوں سے اللہ نے درگذر فرمایا ہے اور اپنی کتاب مقدس میں انہیں ذکر نہیں کیا تم بھی ان کے بارے میں خاموشی اختیار کرو۔{۲۴۵}

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے کئی چیزوں کو فرض کیا انہیں ضائع نہ کرو، بعض حدود اس نے متعین کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور بعض اشیاء اس نے حرام کی ہیں، ان کی حرمت نہ توڑو، اور بعض کے بارے میں بغیر نسیان کے محض رحم وکرم کے طور پر خاموشی اختیار کی ہے، لہٰذا تم ان کے بارے میں بحث وتحقیق نہ کرو"{۲۴۶}

صحیح بخاری میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا "میں تمہیں جس کام سے روکوں اس سے دور رہا کرو، جس کام کا حکم دوں اسے اپنی طاقت کے مطابق سرانجام دیا کرو کیونکہ تم سے پہلی قوموں کو کثرتِ سوال اور اپنے انبیاء سے اختلاف کی وجہ سے ہلاک کردیا گیا۔{۲۴۷}

﴿۱۰۲﴾ اس آیت میں امم سابقہ کی مثال پیش کی ہے کہ انہوں نے بار بار سوالات کر کے اپنی زندگی کو مشکلات سے دوچار کرلیا اور اپنی زندگی کا دائرہ تنگ کرلیا، اگر وہ خاموش رہتے تو ان پر سختی نہ کی جاتی اس کی ایک واضح مثال بنی اسرائیل کا وہ مشہور واقعہ ہے جس میں انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ جونسی گائے بھی ذبح کردیتے اللہ کے حکم کی تعمیل ہوجاتی مگر انہوں نے ازخود ہی گائے کے اوصاف اور اس کے رنگ کے بارے میں سوالات کرنا شروع کردیئے جن کے نتیجے میں ان پر سختی ہوتی گئی۔

بعض قوموں نے اپنے انبیاء سے مخصوص قسم کے معجزات دکھانے کے جو مطالبے کیے، ان مطالبات کو بھی اس آیت کی تفسیر میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ جیسے کہ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے چٹان سے اونٹنی ظاہر کرنے کا مطالبہ کیا پھر اس اونٹنی کو خود ہی ہلاک کردیا، بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ہمیں براہِ راست اللہ کی تجلی دکھائی جائے لیکن یہ تجلی ان کے لیے وبال بن گئی، نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمارے لیے آسمان سے دسترخوان اتارا جائے اور جب دسترخوان اتار دیا گیا تو انہوں نے اس کا انکار کردیا گویا کہ مسلمانوں کو اقوامِ سابقہ کی طرح مختلف مطالبات اور سوالات سے منع کیا گیا تاکہ ان مطالبات کی منظوری کی صورت

{۲۴۵}ای مالم یذکرہ فی کتابہ فھو مما عفاعنہ، فاسکتوا انتم عنھا کما سکت عنھا۔(ابن کثیر ۲/۱۴۷)

{۲۴۶}ابن کثیر ۲/۱۴۷

{۲۴۷}صحیح بخاری

میں وہ بھی انہی قوموں جیسے انجام سے دوچار نہ ہوں۔{۲۴۸}

دراصل قرآن ایسی جماعت تیار کرنا چاہتا ہے جو اپنے تشخص اپنی فکر اور اپنی پہچان ہر اعتبار سے اقوامِ سابقہ سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہو، وہ حقیقت پسندی کو اپنا شعار بنائے، نہ تصوراتی زندگی گذارے، نہ فرضی قسم کے مسائل میں الجھی رہے اور نہ ہی لایعنی قسم کے سوالات اور مطالبات میں پڑکر اپنا وقت ضائع کرے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا اور دوسروں کے حقوق کی ادائیگی سے انکار اور اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا حرام قرار دیا ہے، اور تین چیزوں کو تمہارے لیے ناپسند کیا ہے یعنی قیل وقال، کثرتِ سوال اور مال کا ضائع کرنا۔{۲۴۹}

بہت سے علماء کی رائے یہ ہے کہ "کثرتِ سوال" سے مراد یہ ہے کہ محض تعصب اور تکلّف کی بناء پر فقہی مسائل میں زیادہ نہ پڑے، یونہی فقہی پہیلیاں اور الجھانے والے مسائل بھی اس میں شامل ہیں۔{۲۵۰} "رہا یہ معاملہ کہ حضرات فقہاء نے خود ہی بہت سی مفروضہ صورتیں مسائل کی نکال کر اور سوالات قائم کر کے ان کے احکام بیان کردیئے ہیں سو یہ بے ضرورت چیز نہ تھی، آنے والے واقعات نے بتلادیا کہ آئندہ نسلوں کو ان کی ضرورت تھی، اس لیے وہ فضول اور لایعنی سوالات نہ تھے، اسلام کی تعلیمات میں یہ بھی ایک تعلیم ہے کہ علم ہو یا عمل، کوئی کام ہو یا کلام جب تک اس میں کوئی دینی یا دنیوی فائدہ پیشِ نظر نہ ہو اس میں لگ کر وقت ضائع نہ کریں"۔{۲۵۱}

حکمت وہدایت

۱......ایسے سوالات جن کے جواب سے دل میں ناگواری پیدا ہونے کا خطرہ ہو ان سے اعراض ہی بہتر ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے ارشاد فرمایا "مجھے کوئی شخص کسی کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات نہ پہنچائے کیونکہ میں یہ چاہتا ہو کہ میں دنیا سے اس حال میں جاؤں کہ میرا سینہ صاف ہو"۔{۲۵۲}

{۲۴۸}فکانہ تعالیٰ یقول اولئك سالوا فلما أعطوا سؤلهم ساء هم ذلك فلاتسالوا عن اشياء فلعلكم ان اعطيتم سؤلكم ساء كم ذلك (تفسیر کبیر ٤/٦/٥٤٥)

{۲٤٩}صحيح مسلم

{٢٥٠}قال كثيرمن العلماء: المراد بقوله "وكثرة السوال" التكثير من السوال فی المسائل الفقهية تنطعا وتكلفا فيما لم ينزل والاغلوطات وتشقيق المولدات (قرطبی ٦/٣٠٨)

{٢٥١}معارف القرآن ٣/٢٤٦

{٢٥٢}ترمذی کتاب المناقب

۲......اللہ تعالیٰ سے بھی یہ سوال نہیں کرنا چاہیے کہ اے اللہ! میرا انجام اور میرے مخفی احوال مجھ پر ظاہر فرما دے کیونکہ ممکن ہے کہ ان کے اظہار سے اسے تکلیف پہنچے۔{۲۵۳}

۳......واقعی اور حقیقی ضرورت کے بغیر سوال نہ کرنا ایمان اور عقلمندی کی نشانی ہے اسی لیے حضرات صحابہ کی تعریف کی گئی ہے، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت سے بہتر جماعت کوئی نہیں دیکھی انہوں نے آپ کے وصال تک صرف تیرہ سوالات کیے جو کہ اللہ نے قرآن میں ذکر فرما دیئے ہیں مثلاً سورۂ بقرہ میں ہے "یسالونک عن الشھر الحرام" {۲۵۴} اور اسی سورہ میں ہے "ویسألونک عن المَحیض" {۲۵۵}

۴......امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دس مواقع پر سوال کرنا مکروہ ہے:

۱۔ جس سوال کا کوئی دینی فائدہ نہ ہو جیسا کہ عبداللہ بن حذافہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا من ابی{۲۵۶} (میرا والد کون ہے؟)۔

۲۔ بقدرِ ضرورت علم حاصل ہونے کے باوجود سوال کرنا، جیسا کہ حج کے بارے میں یہ سوال أکلّ عام ؟{۲۵۷} (کیا ہر سال حج فرض ہے۔)

۳۔ ایسے مسائل کے بارے میں سوال کرنا جن کی اس وقت ضرورت نہ ہو۔

۴۔ خواہ مخواہ پریشان کرنے اور فتنہ اٹھانے کے لیے مشکل اور مغلق قسم کے سوالات کرنا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہیلیوں (اغلوطات){۲۵۸} سے منع فرمایا ہے۔{۲۵۹}

۵۔ حکم کی علت کے بارے میں سوال کرنا، جیسا کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ کتاب وسنت کے ہر حکم کی علت اور حکمت کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں۔

۶۔ ایسے سوالات جو تکلف اور تعمق کی حد تک پہنچ جائیں۔ جسے اردو میں کہا جاتا ہے بال کی کھال نکالنا۔ ایک سفر میں

{۲۵۳} وكذلك لاينبغي للعبد أن يسأل ربه أن يبدي له من احواله وعاقبته ماطواه عنه وستره (تفسير القاسمي ۳۷۶/۶)

{۲۵۴} بقره ۲۱۷/۲

{۲۵۵} بقره ۲۲۲/۲ بحواله قرطبی ۳۰۹/۶

{۲۵۶} بخاری كتاب العلم

{۲۵۷} مسلم كتاب الحج

{۲۵۸} هي المسائل التي يغالط بها العلماء ليزلّوا فيها فيهيج بذلك شروفتنة (تفسير القاسمي ۳۹۴/۶)

{۲۵۹} ابوداؤد كتاب العلم

جب کہ صحابہ کرام جنگل میں واقع حوض سے وضو کرنا چاہتے تھے، ایک صاحب نے حوض کے مالک سے پوچھا اس حوض سے درندے تو پانی نہیں پیتے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یاصاحب الحوض! لاتخبرنا" (اے حوض کے مالک! ہمیں درندوں کے بارے میں بتانے کی ضرورت نہیں۔)(۲۶۰)

۷۔ ایسا سوال جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ سائل اپنی عقل اور رائے سے کتاب وسنت کا معارضہ کرنا چاہتا ہے۔

۸۔ متشابہات کے بارے میں سوال کرنا جبکہ قرآن کریم میں متشابہات کی تحقیق میں پڑنے والوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان کے دلوں میں کجی ہے۔(۲۶۱) امام مالک رحمہ اللہ متشابہات کے بارے میں سوال کرنے کو بدعت کہا کرتے تھے۔

۹۔ صحابہ کرام اور سلف صالحین کے درمیان جو مشاجرات اور تنازعات ہوئے ان کے بارے میں سوال کرنا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے جب اہلِ صفین کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جیسے ہمارے ہاتھوں کو ان کے خون میں رنگین ہونے سے بچالیا ایسے ہی میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں اپنی زبان کو بھی ان پر جرح اور تنقید سے بچائے رکھوں۔

۱۰۔ ایسے سوالات جن کا مقصد مخالف کو لاجواب کرنا اور اس پر اپنی علم برتری ثابت کرنا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جھگڑالو قسم کے لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔(۲۶۲)

۵......ایسے سوالات کی اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ ان کا حکم دیا ہے جن کی ضرورت دینی مسائل پر عمل کرنے کے لیے پیش آئے...... قرآن کریم میں ہے "اگر تمہیں علم نہ ہو تو اہلِ علم سے سوال کرلیا کرو"۔(۲۶۳)

جاہلوں کی جاہلانہ باتیں

۱۰۳......۱۰۴

مَاجَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

نہیں مقرر کیا اللہ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی ولیکن کافر

{۲۶۰} موطا امام مالک کتاب الطھارۃ {۲۶۱} آل عمران ۷/۳

{۲۶۲} البقرہ ۲۰۴/۲ ...... یہ ساری تفصیل علامہ محمد جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ نے امام شاطبی نور اللہ مرقدہ کی کتاب "الموافقات" کے حوالے سے نقل کی ہے ہم نے یہاں آسان الفاظ میں اس کا خلاصہ ذکر کردیا ہے......دیکھیے تفسیر القاسمی ۳۹۲/۶۔۳۹۶

{۲۶۳} النحل ۴۳/۱۶

يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٣﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ
باندھتے ہیں اللہ پر بہتان اور ان میں اکثروں کو عقل نہیں اور جب کہا جاتا ہے ان کو آؤ اس کی طرف

اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ
جو کہ اللہ نے نازل کیا اور رسول کی طرف تو کہتے ہیں ہم کو کافی ہے وہ جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اگر انکے باپ دادے

لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـــًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿١٠٤﴾
نہ کچھ علم رکھتے ہوں اور نہ راہ جانتے ہوں تو بھی ایسا ہی کرینگے

ربط: پچھلی آیات میں ایسے امور کے بارے میں بحث وتحقیق سے منع کیا گیا جن کے بارے میں بحث وتحقیق کا انسان کو مکلف نہیں کیا گیا، یہاں ایسے امور کے التزام سے منع کیا جا رہا ہے جن کے التزام کا انسان کو حکم نہیں دیا گیا۔

تسہیل: اللہ تعالیٰ نے نہ کسی جانور کو بحیرہ قرار دیا ہے، نہ سائبہ، نہ وصیلہ اور نہ حام۔ لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ کی طرف جھوٹی نسبت کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے ○ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کلام نازل کیا ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف رجوع کرو تو وہ کہتے ہیں ہمارے لیے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے، اچھا یہ بتاؤ کہ اگر ان کے بڑے نہ تو علم رکھتے تھے اور نہ ہی ہدایت پر تھے تو کیا یہ پھر بھی انہی کی اتباع کریں گے ○

تفسیر

اس آیت کریمہ کی تفسیر سے قبل اس میں ذکر کیے گئے چار مخصوص الفاظ کی تشریح ضروری ہے۔

﴿۱۰۳﴾ "بَحِيرة" بحر سے مشتق ہے جس کے معنی شق کرنا اور پھاڑنا ہیں جب کوئی اونٹنی پانچ بچے جن لیتی اور آخری نر ہوتا تو اس کا کان چیر کر اسے آزاد کر دیتے، اسے ایک قسم کا تقدس دے دیا جاتا نہ اسے ذبح کرتے نہ اس پر سوار ہوتے، اور نہ ہی چراگاہ میں چرنے اور کسی بھی چشمے سے پانی پینے سے روکا جاتا۔

"سَائِبة" ساب سے ہے جس کا معنی ہے زمین پر چلنا، وہ اونٹنی جسے بتوں کے نام وقف کرنے کی وجہ سے یا دس مادہ بچوں کو جنم دینے کی وجہ سے ہر قسم کے کام کاج اور بار برداری سے آزاد کر دیا جاتا تھا، صرف مسافروں کو اس کا دودھ پینے کی اجازت ہوتی تھی۔

"وَصِيلة" وصل سے ہے جس کا معنی ملانا ہے، اگر بکری نر کو جنم دیتی تو اسے اپنے معبودوں کے لیے وقف

کر دیتے اور اگر مادہ کو جنم دیتی تو وہ اسے اپنا شمار کرتے اور اگر نر اور مادہ دونوں ایک پیٹ سے پیدا ہو جاتے تو کہتے "وصلت اخاھا" (بہن بھائی کے ساتھ مل کر پیدا ہوئی ہے) لہٰذا اس نر کو بتوں کے نام پر ذبح نہیں کرتے تھے۔

"حام" حمی سے ہے جس کا معنی منع کرنا اور محفوظ رکھنا ہے، وہ نر جس کی پشت سے دس بچے پیدا ہو جاتے تو اس کی پشت محفوظ ہو جاتی تھی اور اسے تقدس حاصل ہو جاتا تھا۔(۲٦٤)

یہ چاروں قسم کے جانور جن کا اوپر ذکر ہوا، اللہ تعالیٰ نے انہیں حرام قرار نہیں دیا تھا، بلکہ زمانہء جاہلیت میں نفس اور رسم ورواج کے بندوں نے ان کی حرمت کا فلسفہ از خود اختراع کر لیا تھا لیکن اس حرمت کی نسبت وہ اللہ کی طرف کرتے تھے۔

عمرو بن لحی خزاعی وہ پہلا شخص تھا جس نے اس قسم کی خود ساختہ حرمتوں اور بت پرستی کو رواج دیا۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے جہنم کو دیکھا کہ اس کے شعلے ایک دوسرے پر لپٹ رہے تھے اور میں نے عمرو کو وہاں دیکھا کہ وہ اپنی انتڑیاں گھسیٹتا پھر رہا تھا یہ وہ پہلا شخص تھا جس نے بتوں کے نام پر جانور چھوڑنے کی رسم جاری کی"(۲٦٥) پھر زمانہء جاہلیت کے لوگوں نے عمرو بن لحی کی ایجاد کردہ اس مشرکانہ رسم کو اپنے سینہ سے لگا لیا اور اس پر اتنا پختہ ہو گئے کہ اس کے مقابلے میں اللہ اور رسول کی بات سننے کے بھی روادار نہ تھے، جب انسان اندھی تقلید اور جاہلیت کی تاریکیوں میں کھو جاتا ہے تو اس کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے اور اس کے کان حق بات سننے سے بہرے ہو جاتے ہیں۔

﴿۱۰٤﴾ یہی حال مشرکینِ عرب کا ہوا جب ان سے کہا گیا کہ وہم پرستی اور جاہلیت کو ترک کر دو اور عبادت کے طور طریقوں کے بارے میں اللہ اور رسول کی بات تسلیم کر لو تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم اپنے باپ دادا کا راستہ چھوڑنے کے لیے کسی صورت بھی تیار نہیں ہیں۔

"اَوَلَو کان آباؤھم" ان سے کہا گیا کہ جن آباء واجداد کی تم بات کرتے ہو ان کا حال تو یہ تھا کہ نہ انہیں شریعت کا علم تھا اور نہ ہی وہ ہدایت پر تھے انہوں نے توحید کا فطری اور سیدھا سادا راستہ چھوڑ کر شرک اور اوہام پرستی کا پیچ در پیچ راستہ اختیار کر لیا تھا، پھر وہ زندگی بھر اسی میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہے۔ ان کا انسانی شرف ووقار ختم ہو گیا تھا اور وہ حیوانی سطح پر اتر آئے تھے، بیٹیوں کو قتل کرنا، شرابیں پینا، یتیموں اور عورتوں پر ظلم کرنا، فواحش اور منکرات کا ارتکاب،

---

(۲٦٤) زمانہ جاہلیت کے ان چاروں ناموں کی تفسیر اور تشریح کے بارے میں بہت سارے اقوال صحابہ، تابعین اور ائمہ لغت کے مذکور ہیں، ہم نے چند اقوال یہاں ذکر کر دیے ہیں تفصیل کے لیے دیکھیے روح المعانی ۵/٦/٦۰۔٦۲

(۲٦٥) ابن کثیر: ۲/۱۰۷۔ صحیح بخاری فی تفسیر سورہ مائدہ، باب ۱۳۔ ۲/٦٦۵

باہمی قتل وغارت گری، چوری چکاری اور اس پر فخر کرنا، غرضیکہ کونسی برائی تھی جو ان کے اندر نہیں پائی جاتی تھی...... کیا یہی ہیں جن کی تقلید پر تم فخر کرتے ہو؟ اگر انہیں علمِ صحیح حاصل ہوتا اور وہ اس پر عمل پیرا بھی ہوتے تو ان کی تقلید اور اتباع عقل میں آنے والی بات تھی لیکن جب نہ تو ان کے پاس علم تھا اور نہ ہی ان کا عمل صحیح تھا تو ان کی اتباع کیسے جائز ہو سکتی ہے، یونہی کسی علمی اور عملی معیار کے بغیر محض ان کا باپ دادا ہونا بھی انہیں مقتدا اور پیشوا ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں، کسی معیار کا لحاظ رکھے بغیر اندھی تقلید انسان کو شرک تک پہنچا دیتی ہے۔

حکمت و ہدایت

۱...... دین میں بدعتوں کا نکالنا حرام ہے، انسانوں میں شرک کے وجود کا ایک سبب یہ بدعتیں بھی ہیں۔

۲...... جو عقل کو واقعی استعمال کرے وہ کبھی بھی بت پرستی اور شرک نہیں کر سکتا۔

۳...... مقتدا اور پیشوا صرف ایسے شخص کو بنانا جائز ہے جس کے پاس دین کا علم بھی ہو اور اس کے مطابق وہ عمل بھی کرتا ہو {۲۶۶}...... ائمہ مجتہدین ایسے ہی تھے اس لیے ان کی تقلید جائز ہے لیکن تقلید سے مقصود ان کی اتباع نہیں ہوتی بلکہ اللہ اور رسول کی اتباع پیشِ نظر ہوتی ہے۔

۴...... امام رازی رحمہ اللہ نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ جب غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کرنا جائز ہے تو جانوروں کو آزاد کرنا کیوں جائز نہیں؟ پھر اس کا جواب یہ دیا ہے کہ انسان کو دراصل اللہ کی عبادت اور بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اسے آزاد کر کے گویا کلی طور پر بندگیِ رب کے لیے فارغ کر دیا جاتا ہے جب کہ حیوانوں کو انسانوں کی خدمت اور نفع رسانی کے لیے پیدا کیا گیا ہے لہٰذا انہیں آزاد کرنا حکمت اور مصلحت کے خلاف ہے۔ {۲۶۷} لیکن دونوں میں ایک واضح سا فرق یہ بھی ہے کہ مشرکین عام طور پر حیوانوں کو ایک درجۂ تقدس دے کر اپنے بتوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے جبکہ غلاموں اور لونڈیوں کی آزادی میں یہ شرکیہ تصور نہیں ہوتا۔

اصلاحِ نفس...... اہم ذمہ داری

{۱۰۵}
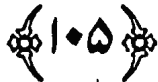
يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ ۖ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ إِلَى اللَّهِ

اے ایمان والو | تم پر لازم ہے فکر اپنی جان کا | تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا | جو کوئی گمراہ ہوا | جبکہ تم ہوئے راہ پر | اللہ کے پاس

{۲۶۶} واعلم ان الاقتداء انما يجوز بالعالم المهتدى وانما يكون عالما مهتديا اذا بنى قوله على الحجة والدليل، فاذالم يكن كذلك لم يكن عالما مهتديا فوجب ان لايجوز الاقتداء به (كبير ۴۴۸/۶/۴)

{۲۶۷} كبير ۴۴۷/۶/۴

مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۰۵﴾
لوٹ کر جانا ہے تم سب کو پھر وہ جتلا دیگا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے

ربط: اگر سمجھانے کے باوجود گمراہ لوگ، تقلیدِ آباء اور جہالت وضلالت سے باز نہیں آتے تو تم ان کی پرواہ نہ کرو اور اپنی ذات کی اصلاح کی طرف توجہ دو۔

تسہیل: اے ایمان والو! تمہارے اوپر اپنی ذات کی اصلاح لازم ہے، اگر تم سیدھے راستے پر چل رہے ہو تو دوسروں کی گمراہی سے تمہارا کچھ بھی نہیں بگڑے گا تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر وہ تمہیں بتادے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے ○

﴿تفسیر﴾

﴿۱۰۵﴾ اے وہ لوگو! کہ اللہ اور رسول کی تصدیق کرتے ہو تمہارے اوپر سب سے اہم ذمہ داری اپنے نفس اور ذات کی اصلاح ہے اگر تم اپنی اصلاح کرلو گے اور راہِ ہدایت پر جمے رہو گے تو دوسروں کے کفر وفسق اور گمراہی سے تمہارا کچھ بھی نہیں بگڑے گا، اس لیے کہ ایک کے جرم کی سزا دوسرے کو دینا اللہ تعالیٰ کے نظامِ عدل کے خلاف ہے، جہاں تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تعلق ہے تو اس آیتِ کریمہ سے اس کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ وہ تو ہدایت (اهتديتم) میں شامل ہے، جو شخص قدرت کے باوجود اس سے پہلوتہی کرتا ہے اسے ہدایت یافتہ نہیں کہا جاسکتا۔

"لا یضرکم" البتہ اگر تمہارے سمجھانے کے باوجود بدنصیب لوگ کفر اور فسق سے باز نہیں آتے تو تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی گمراہی کے بارے میں تم سے سوال نہیں کرے گا۔

آیت کے اس مفہوم کی تائید میں متعدد احادیث پیش کی جاسکتی ہیں:

☆ حضرت قیس فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک موقعہ پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس میں اللہ کی حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو 'یاأیها الذین آمنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اهتدیتم'' لیکن تم اس سے غلط مطلب نکالتے ہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''جب لوگ برائی کا ارتکاب دیکھیں گے مگر اسے روکنے کی کوشش نہیں کریں گے تو ممکن ہے اللہ ان سب پر اپنا عمومی عذاب نازل فرمادے''(۲۶۸)

(۲۶۰) ابوداؤد فی الملاحم باب ۱۷ ۔ ترمذی فی تفسیر سورۃ المائدہ ۲/۱۳۶

☆ ابوامیہ شعبانی کہتے ہیں میں حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے پوچھا کہ آپ اس آیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے پوچھا کونسی آیت؟ میں نے عرض کیا، اللہ کا یہ فرمان "یاایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم الخ" انہوں نے فرمایا کہ تم نے ایسے شخص سے سوال کیا ہے جو اس بارے میں جانتا ہے، میں نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے حوالے سے سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا "تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو یہاں تک کہ جب تم دیکھو کہ حرص عام ہوگئی ہے، خواہشات کی پرستش ہو رہی ہے، دنیا کو ترجیح دی جارہی ہے اور ہر صاحبِ رائے اپنی رائے پر اصرار کر رہا ہے، تو پھر تم صرف اپنی فکر کرو اور عوام کو چھوڑ دو کیونکہ تمہارے بعد ایسا زمانہ آنے والا ہے جب دین پر استقامت ایسے ہی مشکل ہوگی جیسے انگارے ہاتھ میں پکڑنا، اس وقت دین پر عمل کرنے والوں کو پچاس مردوں کے برابر اجر ملے گا"...... دوسری روایت میں ہے کہ حاضرین میں سے کسی نے سوال کیا کہ پچاس مرد ہم میں سے مراد ہیں یا خود انہیں میں سے؟ آپ نے فرمایا "نہیں تم میں پچاس عمل کرنے والوں کے برابر اجر نہیں ملے گا"۔{۲۶۹}

ان روایات سے معلوم ہوا کہ علماء سلف کا اس بات پر اتفاق تھا کہ کسی شخص کو محض ذاتی اصلاح کی بناء پر ہدایت یافتہ نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ وہ دوسرے کی اصلاح کی فکر نہ کرے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہ کرے، البتہ بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ اگر ایسے لوگوں کا سامنا ہو جن کے بارے میں یہ یقین ہو کہ ان پر وعظ و تلقین کا کوئی اثر نہیں ہوگا تو انہیں تبلیغ کرنا فرض نہیں ہے۔{۲۷۰}

یونہی اگر واعظ کی جان کو خطرہ لاحق ہو یا اس کی وجہ سے مسلمانوں کے کسی فتنہ سے دوچار ہونے کا خطرہ ہو تو پھر یہ فریضہ عارضی طور پر ساقط ہوجائے گا۔{۲۷۱} لیکن اگر اللہ کا کوئی مخلص بندہ اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر بھی نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی پر روک ٹوک کرتا ہے تو وہ صاحبِ عزیمت شمار ہوگا۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ معروف سے مراد ہر وہ فعل ہے جس کا اچھا ہونا عقل یا شریعت سے ثابت ہو اور منکر سے مراد ایسا فعل ہے جو عقل اور شرع کے اعتبار سے برا ہو۔{۲۷۲} لہٰذا وہ مسائل جن کے بارے میں

{۲۶۹} ابوداؤد ملاحم باب ۱۷۔ ترمذی

{۲۷۰} وقیل الآیۃ فی اھل اھوا الذین لا ینفعھم الوعظ (قرطبی ۶/۳۲۰)۔ أن الآیۃ مخصوصۃ بالکفار الذین علم أنہ لا ینفعھم الوعظ (تفسیر کبیر ۴/۶/۴۴۹)

{۲۷۱} مالم یخف الأمر ضرراً یلحقہ فی خاصتہ، او فتنۃ یدخلھا علی المسلمین (قرطبی ۶/۳۲۰)

{۲۷۲} والمعروف اسم لکل فعل یعرف بالعقل او الشرع حسنہ، والمنکر ماینکر بھما (المفردات/۳۳۱)

اجتہادی اختلافات اور متضاد اقوال پائے جاتے ہیں ان میں سے کسی کو منکر قرار دے کر ان کے خلاف نازیبا طریقے سے آواز اٹھانا اور اسے جہاد اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سمجھنا قطعاً غلط ہے، وہ لوگ جو ان اختلافی مسائل کو منکرات قرار دے کر ان کے خلاف قلم اور زبان کی ساری صلاحیتیں صرف کر رہے ہیں وہ اللہ کی دی ہوئی ذہانت اور زندگی کو غلط مواقع پر ضائع کر رہے ہیں۔ حیرت تو اس وقت ہوتی ہے جب دیکھا جاتا ہے کہ نہ تو ان کے قلم مسلمانوں کی گرتی ہوئی اخلاقی اور مذہبی حالت کی اصلاح کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کی زبانیں اس موضوع پر بولنے کا کوئی سلیقہ جانتی ہیں، ان کے طرزِ عمل سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ انہیں سارا دین چند اجتہادی اور اختلافی مسائل میں محدود اور بند دکھائی دیتا ہے۔

حکمت وہدایت -

۱......مؤمن پر اپنے نفس کی اصلاح اور اسے شرک اور معصیت کی گندگی سے پاک رکھنا واجب ہے۔ (۱۰۵)

۲......"انفسکم" کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا کہ اپنوں یعنی مسلمان بھائیوں کی اصلاح تم پر لازم ہے، باقی رہے یہود و نصاریٰ تو ان کے کفر اور گمراہی کا وبال تم پر نہیں پڑے گا۔ {۲۷۳}

۳......کسی شخص کو اس وقت تک ہدایت یافتہ نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ وہ اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ دوسروں کی اصلاح کی فکر نہ کرے۔ {۲۷۴}

۴......اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باوجود لوگ گناہوں سے باز نہ آئیں تو ان کے بارے میں نیک لوگوں سے نہیں پوچھا جائے گا۔

۵......اجتہادی اختلافات کو "منکرات" کا درجہ قرار دے کر ان کے خلاف اپنی صلاحیتوں کو صرف کرنے والے صحیح راستے پر نہیں ہیں۔ معارف میں ہے "ان مسائل (اجتہادی اختلافات) کو محاذِ جنگ بنانا صرف ناواقفیت یا جہالت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے"۔ {۲۷۵}

{۲۷۳} وقال ابن المبارکؒ قوله تعلیٰ "علیکم انفسکم" خطاب لجمیع المؤمنین" ای علیکم اهل دینکم لقوله تعالیٰ "ولا تقتلوا انفسکم" (قرطبی ۶/۳۱۹)

{۲۷۴} ان الاهتداء لایتم الا ذلك مع القدرة علیه ضلال (روح المعانی ۵/۶/۶۵)

{۲۷۵} معارف القرآن ۳/۲۵۳

وصیت پر شہادت

﴿۱۰۶......۱۰۸﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ

اے ایمان والو گواہ درمیان تمہارے جبکہ پہنچے کسی کو تم میں موت وصیت کے وقت دو شخص

ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ

معتبر ہونے چاہئیں تم میں سے یا دو شاہد اور ہوں تمہارے سوا اگر تم نے سفر کیا ہو ملک میں پھر پہنچے تم کو

مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ

مصیبت موت کی تو کھڑا کرو ان دونوں کو بعد نماز کے وہ دونوں قسم کھاویں اللہ کی اگر تم کو شبہ پڑے کہیں

لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

کہ ہم نہیں لیتے قسم کے بدلے مال اگرچہ کسی کو ہم سے قرابت بھی ہو اور ہم نہیں چھپاتے اللہ کی گواہی نہیں تو ہم بیشک گنہگار ہیں

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ

پھر اگر خبر ہو جاوے کہ وہ دونوں حق بات دبا گئے تو دو گواہ اور کھڑے ہوں ان کی جگہ ان میں سے کہ جن کا حق دبا ہے جو سب

عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ

سے زیادہ قریب ہوں میت کے پھر قسم کھاویں اللہ کی کہ ہماری گواہی تحقیقی ہے پہلوں کی گواہی سے اور ہم نے زیادتی نہیں کی

اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا

نہیں تو ہم بے شک ظالم ہیں اس میں امید ہے کہ ادا کریں شہادت کو ٹھیک طرح پر اور ڈریں

اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

کہ الٹی پڑے گی قسم ہماری ان کی قسم کے بعد اور ڈرتے رہو اللہ سے اور سن رکھو اور اللہ نہیں چلاتا سیدھی راہ پر

الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

نافرمانوں کو

ربط: بتایا جارہا ہے کہ تم اپنی اصلاح کے ذمہ دار ہو، زندگی میں بھی اور حتی الامکان زندگی کے بعد کے معاملات میں بھی، مثلاً یہ کہ تم وصیت کرنے میں ظلم نہ کرو پھر اگر وصیت کے گواہوں نے ظلم یا زیادتی کا ارتکاب کیا تو اس کی ذمہ داری تمہارے اوپر نہیں ہوگی۔

تسہیل: اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ پہنچا ہو اور وہ وصیت کرنا چاہتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی وصیت پر تم میں سے دو عادل آدمیوں کو گواہ بنالے، یا اگر تم سفر میں ہو اور تمہیں موت کی مصیبت آ پہنچے تو اپنے غیروں ہی میں سے دو گواہ بنالے، پھر اگر تمہیں شک ہو جائے تو تم ان دونوں گواہوں کو نماز کے بعد روک لو اور وہ دونوں اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم اپنی قسم کے عوض کوئی ذاتی نفع حاصل کرنا نہیں چاہتے اگر چہ ہمارا کوئی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اور نہ ہی ہم اللہ واسطے گواہی کو چھپائیں گے، اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم گناہ گار شمار ہوں گے ○ پھر اگر پتہ چل جائے کہ وہ دونوں حق بات دبا گئے ہیں تو ان کی جگہ دو دوسرے گواہ کھڑے ہوں جو ان لوگوں کے زیادہ قریب ہوں جن کی حق تلفی ہوئی ہے، اور وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ درست ہے اور ہم نے اپنی گواہی میں کوئی زیادتی نہیں کی اگر ہم نے ایسا کیا ہے تو ہم ظالم شمار ہوں گے ○ یہ طریقہ اختیار کرنے میں اس بات کی زیادہ امید ہے کہ وہ ٹھیک ٹھیک گواہی دیں یا کم از کم انہیں یہ خوف ہو کہ اُن کی قسموں کے بعد ہماری قسموں کی تردید نہ ہو جائے، اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے احکام سنتے رہو اور جان لو کہ اللہ نافرمانوں کو راہِ ہدایت پر چلنے کی توفیق نہیں دیتا ○

﴿۱۰۶﴾ شانِ نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ تمیم داری اور عدی بن بدّاء جو کہ اس وقت عیسائی تھے، یہ دونوں زمانہ جاہلیت میں تجارت کے لیے مکہ آ کر وہاں طویل قیام کیا کرتے تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت فرمائی تو انہوں نے بھی اپنی تجارت مکہ سے مدینہ منتقل کرلی، بدیل سہمی جو کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے غلام تھے اور مدینہ میں تجارت کرتے تھے، وہ تجارت کی نیت سے ان دونوں کے ساتھ شام گئے، راستہ میں بُدیل بیمار ہو گئے، انہوں نے پورے سامان کی فہرست لکھ کر سامان میں رکھ دی اور سفر کے دونوں ساتھیوں کو وصیت کی کہ یہ سارا سامان میرے وارثوں تک پہنچا دینا، جب بدیل کا انتقال ہو گیا تو تمیم اور عدی نے سامان کھول کر اس میں سے چاندی کا منقش پیالہ نکال لیا پھر اسے ویسے ہی بند کر دیا جیسا کہ وہ تھا، مدینہ پہنچ کر انہوں نے بدیل کا سامان اس کے ورثہ کے حوالے کیا، جب انہوں نے کھول کر فہرست دیکھی تو اس کے اعتبار سے سامان پورا نہ تھا، تمیم اور عدی سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں اس نے جو کچھ دیا تھا وہ ہم نے تمہارے حوالے کر دیا ہے اور اس میں کوئی چیز بھی ہم نے نہیں

چھپائی، ورثہ نے یہ مقدمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوگئی "یاایھا الذین اٰمنوا شھادۃ بینکم الخ" اس آیت کی روشنی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم اور عدی کو نمازِ عصر کے بعد قسم اٹھانے کا حکم دیا چنانچہ انہوں نے قسم اٹھائی کہ 'اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، نہ تو ہم نے اس سامان کے علاوہ کوئی دوسری چیز بدیل سے وصول کی تھی اور نہ ہی کوئی چیز چھپائی ہے۔ کچھ عرصہ گذرنے کے بعد چاندی کا وہ پیالہ ان کے پاس مل گیا جس پر سونے کے نقش ونگار تھے، بدیل کے وارثوں نے اس کا مطالبہ کیا تو انہیں جواب یہ ملا کہ ہاں یہ پیالہ بدیل کا تھا مگر ہم نے اس سے خرید لیا تھا اور قسم کے وقت اس کا ذکر کرنا ہم بھول گئے تھے اور بعد میں ہمیں اچھا نہیں لگا کہ ہم اپنے آپ کو جھوٹا قرار دیں، اب دوبارہ معاملہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی "فان عُثِرَ علی انّھما استحقا الخ" اب کی بار آپ نے بدیل کے ورثہ میں سے دو مردوں کو قسم کھانے کا حکم دیا کہ یہ پیالہ میت کی ملکیت تھا اور یہ دونوں نصرانی جھوٹے ہیں۔

بعد میں اللہ تعالیٰ نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو قبولِ اسلام کی توفیق دے دی اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی، وہ کہا کرتے تھے 'اللہ اور رسول نے سچ فرمایا واقعی میں نے وہ برتن لیا تھا'۔ {۲۷۶}

ان آیات کا شانِ نزول تو تمام مفسرین نے مذکورہ بالا واقعہ ہی کو قرار دیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ قرآن کا کوئی حکم اور کوئی آیت شانِ نزول کے ساتھ خاص نہیں ہے، اس لیے اب یہ آیات تمام مسلمانوں کے لیے عام ہیں اور ان سے جو احکام صراحۃً یا اشارۃً ثابت ہوتے ہیں، وہ بالترتیب ذیل میں نقل کیے جا رہے ہیں۔

حکمت وہدایت

۱......وصیت کی ترغیب اور اہتمام، چاہے انسان سفر ہی میں کیوں نہ ہو حالانکہ سفر میں نماز میں قصر کیا جاتا ہے اور فرض روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے لیکن وصیت کا اہتمام سفر میں بھی کرنا چاہیے۔

۲......جس شخص کو اپنے دینی اور دنیاوی معاملات کی وصیت کی جائے اسے وصی کہا جاتا ہے، وصی ایک شخص بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ بھی۔

۳......خواہ حالتِ سفر ہو یا حضر، وصی کا مسلمان ہونا ضروری نہیں البتہ افضل ہے۔

۴......حضر اور سفر دونوں حالتوں میں وصیت پر گواہوں کا اہتمام کر لینا چاہیے تا کہ اسے ثابت کرنے اور نافذ کرنے

{۲۷۶}رواہ البخاری والدارقطنی والطبری وابن المنذر عن عکرمہ عن ابن عباسؓ (تفسیر الطبری ۷/۷۵ التفسیر المنیر ۷/۹۷۔۹۸)

میں آسانی ہو، ورنہ اس وصیت کے ضائع ہوجانے یا اس میں نزاع پیدا ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

۵......کفار کی گواہی آپس میں تو ایک دوسرے کے خلاف جائز ہے لیکن مسلمانوں کے خلاف جائز نہیں...... یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے، دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ کافر کی گواہی مطلقاً جائز نہیں۔{۲۷۷}

۶......(تحبسونهما) جس پر کسی کا کوئی حق واجب ہو، اسے حق کی خاطر قید کیا جاسکتا ہے۔{۲۷۸}(۱۰۶)

۷......(من بعد الصلوة) گواہی کے لیے کوئی ایسا وقت اختیار کیا جاسکتا ہے جس کے بارے میں خیال ہو کہ اس کی عظمت کا خیال رکھتے ہوئے گواہ سچ بولنے پر مجبور ہوں گے، مثال کے طور پر نمازِ عصر کے بعد ان سے گواہی لی جائے کہ یہ ایسا وقت ہے کہ اس کی تعظیم سارے ہی مذاہب میں کی جاتی ہے اور اس وقت جھوٹ سے اور جھوٹی قسم سے بچا جاتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جو شخص نماز عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائے گا وہ اللہ کے سامنے اس حال میں پیش ہوگا کہ اللہ اس سے ناراض ہوگا''۔{۲۷۹}

۸......(من بعد الصلوٰة) قسم میں شدت (تغلیظ) پیدا کرنے کے لیے ایسے طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں جو قسم اٹھانے والے کو جھوٹ بولنے سے روکنے میں مؤثر ثابت ہوں، یہ تغلیظ اور شدت چار چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔

۱۔ وقت کے ذریعہ......مثلاً نمازِ عصر کے بعد قسم لی جائے۔{۲۸۰}

۲۔ مقام اور مکان کے ذریعہ......مثال کے طور پر مسجد میں یا منبر کے پاس قسم لی جائے۔ حضرت ابوامامہ بن ثعلبہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص نے کسی مسلمان کا مال ہتھیانے کے لیے میرے اس منبر کے پاس جھوٹی قسم کھائی اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت ہے اللہ اس سے کوئی فدیہ وغیرہ قبول نہیں کرے گا؟{۲۸۱}

۳۔ حال کے ذریعہ......مثلاً کسی سے کہا جائے کہ تم قبلہ رخ کھڑے ہوکر قسم کھاؤ۔

۴۔ الفاظ کے ذریعہ......مثال کے طور پر اسم جلالہ کے ساتھ صفات بھی ذکر کی جائیں، جیسے بـالله الذى لا الـه الا

{۲۷۷}هذان شرطان لجواز استشهاد الذميين عند فقد المؤمنين ان يكون ذلك فى سفر وان يكون فى وصية كما صرح بذلك شريح القاضى (ابن كثير ۲/۱۰٤)

{۲۷۸}وهذه الآية اصل فى حبس من وجب عليه (قرطبى ٦/٣٢٦)

{۲۷۹}بخارى ۲۳٦۹، ۷٤٤٦۔ مسلم ۱۰۸

{۲۸۰}عن الحسن ان المراد بها صلاة العصر أو الظهر لان اهل الحجاز كانوا يقعدون للحكومة بعدهما (قرطبى ٦/٦٩)

{۲۸۱}نسائى باب القسامة باب ۳۲

ھو عالم الغیب والشھادۃ ......وغیرہ احناف کہتے ہیں کہ عام حالات میں قسم صرف اللہ کے نام پر ہی کھانا ضروری ہے لیکن اگر قاضی کو مدعی علیہ پر جھوٹی قسم کھانے کا شک ہو تو وہ اسے تغلیظ اور تشدید کے ساتھ قسم اٹھانے کے لیے کہہ سکتا ہے۔{۲۸۲}

۹......(اِنِ ارْتَبْتُمْ) اصل یہی ہے کہ قسم کے بغیر ہی گواہوں کی خبر قبول کر لی جائے، البتہ اگر ان کے بارے میں شک ہو جائے تو پھر ان سے قسم لی جاسکتی ہے۔{۲۸۳}

۱۰......(فان عثر) انسانوں میں اصل یہی ہے کہ وہ امانت دار ہوں، ان کا جھوٹا یا خائن ہونا ایک شاذ امر ہے۔{۲۸۴} (افسوس کہ آج عام انسانوں کو چھوڑیئے خود مسلمانوں میں معاملہ برعکس ہے، خیانت عام ہے اور امانت شاذ ہے خائن قسم کے لوگ آپ کو ہر گلی، ہر محلے اور ہر ادارے میں مل جائیں گے جبکہ امانتدار افراد کو نہیں، ایک فرد کو بھی خوردبین لے کر ڈھونڈنا پڑتا ہے)۔

۱۱......بوقت ضرورت اپنا مال، بطور امانت، غیر مسلم کے حوالے بھی کیا جاسکتا ہے۔

۱۲......قاعدہ یہ ہے کہ پہلے مدعی سے اپنے دعوٰی پر گواہ پیش کرنے کا مطالبہ کیا جائے، اگر وہ پیش نہ کر سکے تو مدعی علیہ سے قسم لے کر اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے البتہ اگر وہ قسم سے انکار کر دے تو پھر مدعی مقدمہ جیت جائے گا۔

۱۳......شرعی اصطلاح میں مدعی اسے کہتے ہیں جو کسی زائد چیز کو ثابت کرے اور مدعی علیہ اسے کہیں گے جو اس کی نفی کرے۔ اس اصطلاح کی روشنی میں دیکھا جائے تو پہلے حضرت بدیل رضی اللہ عنہ کے ورثہ مدعی تھے اور تمیم اور عدی، مدعٰی علیہ تھے اس لیے ان سے قسم لی گئی، لیکن جب تمیم اور عدی نے اس برتن کے خریدنے کا دعوٰی کیا تو وہ مدعی بن گئے کیونکہ انہوں نے ایک زائد چیز (خریداری) کو ثابت کیا اور ورثہ مدعٰی علیہ بن گئے لہٰذا ان ورثہ سے قسم لی گئی۔{۲۸۵}

۱۴......اگر مدعٰی علیہ اپنے کسی فعل کے متعلق قسم کھائے تو وہ ان الفاظ میں قسم کھائے گا کہ "مجھے اس فعل کی اطلاع نہیں"۔

{۲۸۲}وقال الحنفية: يحلف بالله لاغير، فان اتهمه القاضى، غلظ عليه اليمين (التفسير المنير ۷/۱۰۵)

{۲۸۳}"وان ارتبتم" اعتراض يفيد اختصاص القسم بحال الارتياب (بيضاوى ۲/۳۷۵)

{۲۸۴}فافادت اداة الشرط ان الاصل فى هذا ان لايقع، وانه ان وقع كان شاذا (المنار ۷/۱۸۹)

{۲۸۵}"فآخران يقومان مقامهما" يعنى فى اليمين لانهما صارا فى هذه الحال مدعيين للشرى فصارت اليمين على الورثة وعلى انه لم يكن للميت الاوارثان فكانا مدعى عليهما فلذلك استحلفا (جصاص ۲/۴۹۴) ورثہ سے قسم لینے کے بارے میں دوسری توجیہات بھی تفاسیر میں مذکور ہیں جن کے لیے تفسیر قرطبی، روح المعانی اور تفسیر کبیر کا مطالعہ مناسب رہے گا۔

۱۵......اگر وراثت کے مقدمہ میں وارث مدعیٰ علیہ ہو تو قسم صرف ان پر آئے گی جن کا میراث میں حصہ ہو خواہ وہ ایک ہو یا زیادہ ہوں لیکن جو شرعی وارث نہیں ان پر قسم نہیں آئے گی۔{۲۸۶}

۱۶......(الاولیان) اگر میت کے ترکہ کے متعلق کوئی مسئلہ اٹھے تو اس بارے میں سب سے پہلے بات کرنے کا حق ان کو ہوگا جو رشتہ میں میت کے قریب تر ہوں۔{۲۸۷}

۱۷......طلباءِ علم کو اس طرف متوجہ کرنا ضروری ہے کہ ترکیب، اعراب اور معنی کے اعتبار سے یہ آیات، قرآن کریم کی مشکل آیات میں سے ہیں۔{۲۸۸}

قیامت کے دن انبیاء سے سوال

﴿۱۰۹﴾

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

جس دن اللہ جمع کرے گا سب پیغمبروں کو پھر کہے گا تم کو کیا جواب ملا تھا وہ کہیں گے ہم کو خبر نہیں تو ہی ہے چھپی باتوں کو جاننے والا

ربط: امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی یہ عادت جاری ہے کہ بعض احکام و مسائل بیان کرنے کے بعد ایمانی عقائد، انبیاء کے واقعات یا قیامت کے احوال ذکر فرما دیتے ہیں تا کہ ان کا تذکرہ احکام و مسائل کے لیے مؤید کا کام دے اور عمل کا داعیہ قوی تر ہو جائے۔{۲۸۹}

مندرجہ بالا آیتِ کریمہ قرآن کریم کے اسی انداز کی مظہر ہے، ویسے بھی قارئین جانتے ہیں کہ اس سورہ مبارکہ میں اہلِ کتاب سے عام طور پر اور نصاریٰ سے خاص طور پر بحث مباحثہ چلتا رہا ہے، یہاں قیامت اور حساب و جزا کا ذکر فرما کر ان لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے جو سچے دین سے اختلاف کرتے تھے۔

تسہیل: اس دن سے {۲۹۰} ڈرو جس دن اللہ سارے رسولوں کو جمع کر کے ان سے پوچھے گا کہ تمہیں تمہاری قوم کی

{۲۸۶}كذا فی الهدية وغيره (بين القرآن ۳/۶۸)

{۲۸۷}فروی عن سعيد بن جبير قال معنى الاوليان بالميت وقيل الاوليان بالشهادة وهى الايمان فى هذه الآية (جصاص ۲/۴۹۴)

{۲۸۸}قال مكى رحمه الله: هذه الآيات الثلاث عندأهل المعانى من اشكل مافى القران اعرابا ومعنى وحكما (قرطبى ۶/۳۲۱)

{۲۸۹}التفسير الكبير ۴/۶/۴۵۶

{۲۹۰}التقدير اذكروا أواحذروا يوم القيمة حين يجمع الله الرسل...... والمراد التهديد والتخويف (قرطبى ۶/۳۳۴)

طرف سے کیا جواب ملا تھا، وہ عرض کریں گے ہمیں علم نہیں، پوشیدہ حقیقتوں کا واقعی علم تو بس آپ ہی کے پاس ہے O

﴿تفسیر﴾

﴿۱۰۹﴾ بظاہر یہ سوال انبیاء کرام علیہم السلام سے ہوگا لیکن اصل مقصود نافرمان اور کافر امتیوں کی ڈانٹ ڈپٹ ہوگی، [۲۹۱] یہ سوال اسی نوعیت کا ہوگا جیسا کہ زندہ درگور کی گئی بیٹی سے سوال ہوگا کہ اسے کس جرم میں قتل کیا گیا تھا [۲۹۲] پھر یہ سوال صرف انبیاء سے نہیں ہوگا بلکہ خود امتیوں سے بھی ہوگا جیسا کہ سورہ اعراف میں ہے "فلنسئلن الذین ارسل الیھم ولنسئلن المرسلین فلنقصن علیھم بعلم وما کنا غائبین" [۲۹۳] (ہم ان سے بھی ضرور سوال کریں گے جن کی طرف پیغمبروں کو بھیجا گیا اور خود پیغمبروں سے بھی سوال کریں گے پھر ان کے سامنے علم کے ساتھ حقیقتِ حال بیان کردیں گے اور ہم غائب نہیں تھے)۔

"قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا" (پیغمبر عرض کریں گے ہمیں علم نہیں) یہاں ایک مشہور اشکال ہوتا ہے کہ جو لوگ انبیاء کی وفات کے بعد پیدا ہوئے ان کے حوالے سے تو انبیاء کا یہ جواب صحیح ہے کہ ہم ان کے ایمان اور عمل کے بارے میں کچھ نہیں جانتے لیکن ان کی امت میں بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی تو تھی جن میں سے کسی نے ایمان قبول کرلیا اور کوئی مسلسل دعوت کے باوجود کفر پر ہی اڑا رہا، اس سوال کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں۔

۱۔ انبیاء علیہم السلام جانتے ہوں گے کہ اس سوال کا مقصد نہ تو جواب کا حصول ہے اور نہ ہی معلومات کا، بلکہ ان کے دشمنوں کی برسرِ عام تذلیل اور توبیخ ہی پیشِ نظر ہے اس لیے وہ خود کچھ عرض کرنے کے بجائے معاملہ کو اللہ کے علم کے حوالے کردیں گے اور یوں گویا اپنے مخالفین کا مقدمہ اللہ کے حضور پیش کر کے اسی سے انصاف کے طلبگار ہوں گے۔ [۲۹۴]

۲۔ علمِ یقینی اور چیز ہے، اور گمان یا ظنِ غالب دوسری چیز ہے، دوسرے کے بارے میں ہم جو بھی رائے قائم کرتے ہیں وہ حقیقت میں ہمارے ظن پر ہی مبنی ہوتی ہے ورنہ یقینی اور قطعی علم مشکل ہی سے کسی کے بارے میں ہمیں حاصل ہوتا ہے، حدیث میں ہے "نحکم بالظاھر و اللہ یتولی السرائر" (ہم تو ظاہر کی بناء پر حکم لگاتے ہیں،

{۲۹۱} والسوال لتوبیخ اولئک ایضا والا فھو سبحانہ علام الغیوب (روح المعانی ۷۸/۶/۵)

{۲۹۲} التکویر ۸،۹)

{۲۹۳} الاعراف ۶۔۷

{۲۹۴} قلت: یعلمون ان الغرض بالسوال توبیخ اعداء ھم، فیکلون الامر الی علمہ...... اظھارا للتشکی واللجا الی ربھم فی الانتقام منھم۔ (کشاف ۶۹۰/۱)

اندر کا حال تو بس اللہ ہی جانتا ہے) اس حقیقت سے کون بے خبر ہے کہ بہت سے منافقوں کے ساتھ، ان کے ظاہر حال کی وجہ سے مسلمانوں والا معاملہ ہی کیا جاتا تھا لیکن ظن اور ظاہر حال کی بناء پر دنیا میں تو فیصلے کیے جاسکتے تھے، آخرت میں سارے فیصلے یقین اور حقائق کی بنیاد پر ہوں گے اس لیے انبیاء علیہم السلام عرض کریں گے "لاعلم لنا" یعنی ہمیں یقینی علم نہیں ہے۔ {۲۹۵}

۳۔انبیاء کا یہ جواب ادب کی بناء پر ہوگا۔ وہ جان لیں گے کہ اس مقام پر سکوت ہی بہتر ہے ورنہ ہمارے کچھ عرض کرنے سے نہ ہی ہماری امت کو کوئی فائدہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی ان سے عذاب ٹل سکتا ہے۔ {۲۹۶} یہ جو ایک ہی سوال کے مختلف جوابات مفسرین کرام نے دیئے ہیں، اسے اختلافِ تضاد نہیں بلکہ اختلافِ تنوع سے تعبیر کیا جائے گا۔

حکمت و ہدایت

۱......قیامت کے دن ہر کسی سے سوال ہوگا، انبیاء سے بھی اور ان کی امت سے بھی، صلحاء سے بھی اور فاسقوں فاجروں سے بھی، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "انسان کو اس وقت تک قدم اٹھانے کی اجازت نہ ہوگی جب تک اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرلیا جائے ایک یہ کہ زندگی کن کاموں میں گذاری، دوسرا یہ کہ جوانی کہاں خرچ کی، تیسرا یہ کہ مال کہاں سے کمایا، چوتھا یہ کہ اسے خرچ کہاں کیا اور پانچوں یہ کہ علم پر کتنا عمل کیا"۔ {۲۹۷}

۲......امام ماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک ایسی چیز جس کے بارے میں اللہ خود خوب جانتا ہے اس کے بارے میں انبیاء سے سوال دو وجہ سے کرے گا ایک تو اس لیے تاکہ انبیاء کو بتایا جائے کہ ان کی امت نے ان کے دنیا سے جانے کے بعد کیسے کفر و نفاق کا راستہ اختیار کرلیا تھا، دوسرے اس لیے تاکہ ان کفار اور مکذبین کو سارے انسانوں کے سامنے رسوا کیا جائے اور یہ رسوائی بھی ان کی سزا کا حصہ ہوگی۔ {۲۹۸}

۳......اللہ تعالیٰ پر لفظ "علّام" کا اطلاق تو ہوسکتا ہے لیکن "علّامہ" کا اطلاق باری تعالیٰ پر جائز نہیں۔

{۲۹۵}ونقول: ان هذا رأى ضعيف...... وذلك ان الرسل يعلمون كثيرا من الحقائق علما يقينيا، كاستكبار المجرمين عن اجابة دعوتهم واصرارهم على كفرهم (المنار ۲۰۱/۷)

{۲۹۶}علموا ان قولهم لايفيد خيرا، ولايدفع شرا فرأوا الادب فى السكوت وفى تفويض الامر الى عدل الحى القيوم الذى لايموت (كبير ۴۵۷/۶/۴)

{۲۹۷}ترمذى

{۲۹۸}التفسير المنير ۱۰۸/۷

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر چند مخصوص انعامات کا ذکر

﴿۱۱۰......۱۱۱﴾
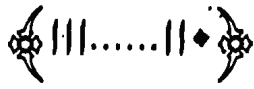
إِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدْتُّكَ

جب کہیگا اللہ ف اے عیسیٰ مریم کے بیٹے یاد کر میرا احسان جو ہوا ہے تجھ پر اور تیری ماں پر جب مدد کی میں

بِرُوحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

نے تیری رُوح پاک سے تو کلام کرتا تھا لوگوں سے گود میں اور بڑی عمر میں اور جب سکھائی میں نے تجھ کو کتاب اور تہ کی باتیں

وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيلَ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ

اور توریت اور انجیل اور جب تو بناتا تھا گارے سے جانور کی صُورت میرے حکم سے پھر پھونک مارتا تھا اسمیں تو ہو جاتا

طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِإِذْنِي

اڑنے والا میرے حکم سے اور اچھا کرتا تھا مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور جب نکال کھڑا کرتا تھا مُردوں کو میرے حکم سے

وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَآءِيلَ عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ

اور جب روکا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے جب تو لے کر آیا انکے پاس نشانیاں تو کہنے لگے جو کافر تھے ان میں

إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۱۰﴾ وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ اٰمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي

اور کچھ نہیں یہ تو جادُو ہے صریح اور جب میں نے دل میں ڈال دیا حواریوں کے کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر

قَالُوٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ﴿۱۱۱﴾

تو کہنے لگے ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں

ربط: گذشتہ آیت کے ضمن میں بتایا جاچکا کہ قیامت کے دن سوال تو بظاہر انبیا سے ہوگا مگر اس سوال سے ان کی امت کو ملامت کرنا مقصود ہوگا، ان امتوں میں سے اس اعتبار سے نصاریٰ ملامت کے زیادہ مستحق ہوں گے کہ انہوں نے رب تعالیٰ کے لیے بیوی اور بیٹا تک ثابت کردیا تھا اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ خاص طور پر اپنی نعمتیں یاد کرائے گا۔

لغوی تحقیق: "روح" اس جزء کا نام ہے جس سے زندگی اور حرکت حاصل ہوتی ہے اور قدس کا معنی ہے پاکیزگی اور طہارت، جبرائیل کو روح القدس اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اللہ کی جانب سے ایسا کلام لے کر نازل ہوتے ہیں جو انسانی نفوس اور قلوب کی صفائی اور تطہیر کا ذریعہ بنتا ہے۔

"مہد" اس بچھونے کو کہتے ہیں جو بچے کے لیے بچھایا جاتا ہے، اس لفظ کو بچپن کے معنی میں بھی استعمال کرلیا جاتا ہے۔

"کہل" عمر کا وہ دور جب بال سفید ہونا شروع ہو جائیں، جوانی اور بڑھاپے کے درمیان جو زمانہ ہے اسے کہولت کا زمانہ کہا جاتا ہے۔

تسہیل: اس دن کو یاد کیجیے جب اللہ کہے گا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے! میرے ان احسانات کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کیے، جب میں نے پاک روح سے تمہاری مدد کی، تم لوگوں سے گود میں اور ادھیڑ عمر میں بات کرتے تھے اور یاد کرو جب میں نے تمہیں کتاب وحکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی، اور یاد کرو جب تم مٹی سے پرندے کی مورتی میرے حکم سے بناتے تھے پھر اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتی تھی، اور تم مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے، اور جب میرے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتے تھے اور یاد کرو جب میں نے تمہیں بنی اسرائیل کے شر سے بچالیا جب کہ تم ان کے پاس واضح معجزات لے کر آئے لیکن ان میں سے جو کافر تھے انہوں نے کہا یہ صریح جادو کے سوا کچھ نہیں O اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈال دیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لے آؤ، وہ بولے کہ ہم ایمان لے آئے اور آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلم ہیں O

﴿تفسیر﴾

﴿۱۱۰﴾ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے وہ معجزات ذکر فرمائے ہیں جو اللہ کے حکم اور اس کی قدرت سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ظاہر ہوئے:

۱۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا اے عیسیٰ! یاد کرو، میں نے تم پر احسان کیا کہ تمہیں بغیر باپ کے پیدا کیا اور تمہیں اپنے کمالِ قدرت پر قطعی دلیل اور نشانی بنایا۔

۲۔ تمہاری والدہ پر یوں احسان کیا کہ اس کے بطن سے وقت کا نبی پیدا فرمایا اور جب بعض ظالموں اور جاہلوں نے بدکاری کا الزام لگایا تو تمہیں ماں کی گود میں بولنے کی صلاحیت دے کر اس کی براءت اور طہارت کا اعلان کروایا۔

"حکمۃ" علم اور عقل کے ذریعہ حق تک رسائی کو حکمت کہتے ہیں، انسان کی طرف جب حکمت کی نسبت کی جاتی ہے تو اس کا معنی ہوتا ہے موجودات کی معرفت اور نیکیوں کا کرنا۔ {۲۹۹}

"اکمہ" جو پیدا ہی نابینا ہوا ہو، بعض اوقات کسی بیماری کی وجہ سے نابینا ہو جانے والے پر بھی "اکمہ" کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

"ابرص" جسے برص کی بیماری ہو، جس کی وجہ سے جسم پر سفیدی ظاہر ہونے لگتی ہے اردو میں اس کا معنی کوڑھ کیا جاتا ہے۔

"حواریین" حوار کی جمع ہے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے خصوصی انصار پر اس کا اطلاق ہوتا ہے کسی نے کہا یہ دھوبی تھے اور کسی نے انہیں مچھلی کے شکاری بتایا ہے، علماء فرماتے ہیں کہ انہیں حواری کا لقب دیئے جانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ نفوسِ انسانی کو دین اور علم کے ذریعے پاک صاف کرتے تھے "حواری" حور سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے صاف اور سفید کر دینا، بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ انہیں دھوبی اور شکاری کہنے کی وجہ بھی یہ ہے کہ وہ دلوں کو دھوتے تھے اور نفوسِ انسانی کو حق کی طرف لانے کے لیے شکار کرتے تھے۔

{۲۹۹} والحکمۃ اصابۃ الحق بالعلم والعقل فالحکمۃ من اللہ معرفۃ الاشیاء وایجادھا علی غایۃ الاحکام ومن الانسان معرفۃ الموجودات وفعل الخیرات (مفرادت ۱۲۷)

روح القدس یعنی جبرائیل امین کے ذریعے تمہاری تائید کی جو ہر مشکل مرحلہ میں تمہارے ساتھ ہوتے تھے اور تمہیں ڈگمگانے نہیں دیتے تھے۔

۳۔ تمہیں میں نے ماں کی گود ہی میں قوتِ گویائی عطا کردی جس کی وجہ سے تم نے اپنی والدہ کی براءت کا اعلان کیا اور اپنے مستقبل اور مقام کا تعارف کرایا، یہ قوتِ گویائی تمہیں نزولِ ثانی کے بعد اس وقت بھی عطا کی گئی جب تمہاری جوانی ڈھلنی شروع ہوگئی اور تم نے بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھ دیا، کمال یہ کہ بچپن اور کھولت دونوں زمانوں کی قوت اور صلاحیت میں کوئی فرق ہی نہ تھا۔{۳۰۰}

۴۔۷۔ تمہیں میں نے لکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت عطا کی اور ایسی دانائی سے نوازا جو عمل پر آمادہ کرنے والی تھی اور تورات اور انجیل دونوں کا علم دیا۔

۸۔ تمہاری صداقت کے لیے مختلف معجزات بھی اپنی قدرت سے ظاہر فرمائے، جن میں سے ایک یہ تھا کہ تم مٹی سے پرندے کا ڈھانچہ بنا کر اس میں پھونک مارتے تھے اور وہ اڑنے لگتا تھا علاوہ ازیں مادرزاد اندھوں کا بینا ہوجانا، کوڑھیوں کا شفا پاجانا اور مردوں کا زندہ ہوجانا یہ سب کام میرے حکم اور ارادے سے وقوع پذیر ہوئے۔

۹۔ جب بنی اسرائیل نے تمہیں ساحر کہہ کر جھٹلا دیا اور پھر برسرِ اقتدار ٹولے کو ورغلا کر تمہیں سولی دے کر قتل کرنا چاہا تو میں نے تمہیں نجات دی اور ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیئے۔

﴿۱۱۱﴾ تم یکہ وتنہا تھے، یہود انتہائی گھٹیا حرکتوں پر اتر آئے تھے، ان کے زہریلے پروپیگنڈا سے متأثر ہوکر کوئی بھی تمہاری دعوت پر کان رکھنے کو تیار نہ تھا لیکن میں نے حواریوں کے دل میں ایمان قبول کرنے کا داعیہ پیدا فرمادیا چنانچہ انہوں نے ایمان قبول کرلیا اور آپ کے ساتھی اور مددگار بن گئے۔

حکمت وہدایت

۱...... ہر نبی اور ولی اللہ تعالیٰ کے انعامات کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔

۲...... دیگر انبیاء کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مختلف معجزات عطا کیے گئے جو کہ محض اللہ کی قدرت سے ان کے ہاتھوں ظاہر ہوئے۔

{۳۰۰} والمعنى تكلمهم فى الطفولة والكهولة على سواء، والمعنى الحاق حاله فى الطفولية بحال الكهولية فى كمال العقل والتكلم (بيضاوى ۲/۳۷۹)

۳......حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے زمانے میں چونکہ طب اور حکمت کا بڑا زور تھا اس لیے آپ کو معجزات بھی ایسے ہی عطا کیے گئے جو بظاہر علاج معالجہ سے تعلق رکھتے تھے۔

۴......ایمان اور عمل کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے دلوں کا انتخاب اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔

آسمانی خوان کا مطالبہ

﴿۱۱۲......۱۱۵﴾

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا

جب کہا حواریوں نے اے عیسیٰ مریم کے بیٹے تیرا رب کرسکتا ہے وہ کہ اتارے ہم پر

مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ

خوان بھرا ہوا آسمان سے بولا ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے بولے کہ ہم چاہتے ہیں کہ کھاویں اس

مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۱۱۳﴾

میں سے اور مطمئن ہو جاویں ہمارے دل اور ہم جان لیں کہ تو نے ہم سے سچ کہا اور رہیں ہم اس پر گواہ

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا

کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اے اللہ رب ہمارے اتار ہم پر خوان بھرا ہوا آسمان سے کہ وہ دن

عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللَّهُ

عید رہے ہماری پہلوں اور پچھلوں کے واسطے اور نشانی ہو تیری طرف سے اور روزی دے ہم کو اور تو ہی ہے سب سے بہتر روزی دینے والا کہا اللہ نے

إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَا أُعَذِّبُهُ

میں بیشک اتاروں گا وہ خوان تم پر پھر جو کوئی تم میں ناشکری کریگا اس کے بعد تو میں اس کو وہ عذاب دونگا جو کسی کو نہ

أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿۱۱۵﴾

دوں گا جہان میں

تسہیل: (حواریوں کا وہ قصہ بھی یاد کرو) جب انہوں نے کہا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تمہارا رب ایسا کرسکتا ہے کہ ہمارے لیے آسمان سے خوان اتارے، انہوں نے کہا اگر تم واقعی مومن ہو تو اللہ سے ڈرو ○ وہ بولے ہم تو بس یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس خوان میں سے کھائیں تاکہ ہمارے دل مطمئن ہوں اور ہمیں مزید یقین آجائے کہ آپ نے ہم سے سچ

کہا اور ہم اس واقعہ پر گواہ بن جائیں O تب عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی، اے اللہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے لیے آسمان سے ایک خوان اتار دیجیے جو ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے خوشی کا موقع قرار پائے اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو، آپ ہمیں عطا کر دیجیے آپ ہی بہترین عطا کرنے والے ہیں O اللہ نے فرمایا میں تمہارے لیے وہ خوان ضرور اتاروں گا لیکن اس کے بعد تم میں سے جو کوئی کفر کرے گا میں اسے ایسی سزا دوں گا جو میں نے دنیا میں کسی کو بھی نہیں دی ہوگی O

﴿تفسیر﴾

﴿۱۱۲﴾ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی ایک اور نعمت کا ذکر ہے وہ یہ کہ حواریوں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کو ایک منہ مانگا معجزہ دکھایا گیا، جس کا پسِ منظر یہ بیان کیا گیا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جب کبھی نکلا کرتے تھے، آپ کے ساتھ پانچ ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگ ہوتے تھے، ان میں سے بعض آپ کے ساتھی ہوتے تھے اور بعض محض تماشابین اور مذاق اڑانے والے، ایک دن آپ چلتے چلتے ایک جنگل مین جا پہنچے، کسی کے پاس نان نفقہ بھی نہ تھا، جب بھوک نے پریشان کیا تو تماش بینوں نے حواریوں سے کہا کہ اپنے مسیح سے کہو ہمارے لیے آسمان سے کھانا اتارا جانے کی دعا کرے، چنانچہ ان لوگوں کے کہنے پر شمعون جو کہ تمام حواریوں کے رئیس تھے انہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ درخواست کی تو انہوں نے فرمایا ''اگر تم واقعی ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو'' اور اس قسم کے مطالبات نہ کرو، حضرت شمعون نے جب قوم کو یہ جواب سنایا تو انہوں نے کہا ہماری طرف سے جا کر جواب دو ''ہم چاہتے ہیں کہ ہم اس میں سے کھائیں اور ہمارے قلبی اطمینان میں اضافہ ہو''۔ {۳۰۱}

اس روایت کے مطابق آسمانی کھانے کے نزول کا مطالبہ بھوک کی مجبوری کی بناء پر تھا، لیکن دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ بھوک کی مجبوری نہ تھی بلکہ محض برکت کا حصول پیش نظر تھا۔ {۳۰۲}

"ھل یستطیع" (کیا تمہارا رب ایسا کر سکتا ہے؟) اگر اس سوال کو تماش بینوں کی طرف منسوب کیا جائے تو پھر تو اچنبھے کی کوئی بات نہیں لیکن اگر یہ فرض کیا جائے کہ یہ سوال خود حواریوں نے کیا تھا تو پھر اشکال پیدا ہوگا کیونکہ ہر مومن جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور حواری جو کہ صرف مومن ہی نہیں آپ کے مخصوص اصحاب اور

{۳۰۱} الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۳۳۹/۶

{۳۰۲} قال الماوردی: وھذا اشبہ، لانھم لو احتاجوا لم ینھوا عن السوال (حوالہ مذکورہ)۔

انصار بھی تھے انہوں نے یہ سوال کیسے کیا کہ کیا تمہارا رب یوں کر سکتا ہے؟

تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ یہ سوال کریں تو کیا آپ کا رب اس درخواست کو قبول کرے گا؟ تا کہ ہمیں اس معجزہ کے نظارہ سے مزید قلبی اطمینان اور علم و یقین حاصل ہو۔{۳۰۳}

﴿۱۱۳﴾ جب ان سے کہا گیا کہ اس قسم کے معجزات کا مطالبہ ایک سچے مسلمان کی شان سے بہت بعید ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے سوال کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک ہے بلکہ ایک تو ہمیں کھانے کی ضرورت بھی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ برھانی اور نظری علم کے ساتھ ساتھ ہم حسّی مشاہدہ بھی چاہتے ہیں تا کہ ہمارے قلبی اطمینان اور ایمان میں مزید اضافہ ہو۔{۳۰۴}

﴿۱۱۴﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے اتمام حجت کے لیے ان کی درخواست قبول کر لی اور اللہ سے خوان اتارنے کی درخواست کی تا کہ اس کے نزول کے دن کو یوم عید{۳۰۵} قرار دیا جائے، "عیدا" اس حالت، دن وغیرہ کو کہا جاتا ہے جو انسان پر بار بار لوٹ کر آئے، ہر خوشی والے دن پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسلامی شریعت کی اصطلاح میں فطر اور قربانی والے دن کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس دن کو محترم سمجھا جائے اور اللہ کی خوب عبادت کی جائے۔

"و آیۃ منک" اور اس خوان کا اترنا تیری طرف سے میری نبوت کی صحت اور صداقت کی ایک حسّی دلیل قرار پا جائے۔

﴿۱۱۵﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں کھانے کا خوان اتار ضرور دوں گا لیکن اس کے اترنے کے بعد اگر کسی نے کفر کیا تو اسے ایسی سزا دوں گا جو میں نے جہانوں میں سے کسی کو نہیں دی ہوگی، اس لیے کہ جو لوگ حسّی اور مطلوبہ معجزہ دیکھ لینے کے باوجود ایمان قبول نہ کریں ان کے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہ جاتا اور وہ عبرتناک عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

حکمت و ہدایت

۱......(هل يستطيع) گفتگو کا یہ انداز یہود کے بے ادب اور منہ پھٹ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

{۳۰۳}فالمعنى هل يفعل ذلك؟ وهل يجيبني الى ذلك ام لا؟ وقد كانوا عالمين باستطاعة الله تعالىٰ ذلك ولغيره علم دلالة وخبر و نظر فارادوا علم معاينه كذلك كما قال ابراهيم صلى الله عليه وسلم (رب ارنى كيف تحى الموتى) قرطبى ۳۳۸/۶)

{۳۰۴}"ان ناكل منها" أكل تبرك وقيل: أكل تمتع وحاجة...... "وتطمئن قلوبنا" بازديادنا ليقين...... "وعلم" علم مشاهدة وعيان...... "من الشاهدين" للعين دون السامعين للخبر (روح المعانى ۸۶/۶/۵)

{۳۰۵}فقيل: ان المائدة نزلت عليهم يوم الاحد غدوة وعشية، فلذلك جعلوا الاحد عيدا (قرطبى ۳۴۰/۶)

۲......اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے عید منانے کا طریقہ بہت قدیم ہے...... اسلام میں بھی دو عیدیں ہیں یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔

۳......قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب آلِ فرعون، منافقوں اور ان لوگوں کو ہوگا جنہوں نے "مائدہ" کا معجزہ دیکھنے کے باوجود ایمان قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

۴......بظاہر حواریوں کے "مائدہ" کے مطالبہ کے چار اسباب تھے:

(الف) اپنی بھوک مٹانے کے لیے انہوں نے خوان کا مطالبہ کیا تھا۔

(ب) علم ویقین میں اضافہ کے لیے۔

(ج) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت پر دلیل کے طور پر۔

(د) اللہ کی قدرت کا ایک معجزہ دیکھنے کے لیے۔

نصاریٰ کے غلط خیالات سے عیسیٰ علیہ السلام کی براءت

﴿۱۱۶......۱۲۰﴾

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ
اور جب کہے گا اللہ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے تو نے کہا لوگوں کو کہ ٹھہرا لو مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ
سوا اللہ کے کہا تو پاک ہے مجھ کو لائق نہیں کہ کہوں ایسی بات جس کا مجھ کو حق نہیں اگر میں نے یہ کہا ہوگا

فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾
تو تجھ کو ضرور معلوم ہوگا تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے بیشک تو ہی ہے جاننے والا چھپی باتوں کا

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ
میں نے کچھ نہیں کہا ان کو مگر جو تو نے حکم کیا کہ بندگی کرو اللہ کی جو رب ہے میرا اور تمہارا اور میں ان سے

شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ
خبردار تھا جب تک ان میں رہا پھر جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا تو تو ہی تھا خبر رکھنے والا ان کی اور تو ہر چیز سے

شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾
خبردار ہے اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو تو ہی ہے زبردست حکمت والا

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
فرمایا اللہ نے یہ دن ہے کہ کام آئے گا سچوں کے ان کا سچ ان کے لئے ہیں باغ جن کے نیچے بہتی ہیں

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾
نہریں رہا کریں گے انہی میں ہمیشہ اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے یہی ہے بڑی کامیابی

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾
اللہ ہی کیلئے سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

ربط: احسانات ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کرے گا اور اس کا مقصد آپ کو خدا کہنے والوں کو رسوا کرنا اور ڈانٹنا ہوگا۔

تسہیل: جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے علاوہ مجھے اور میری والدہ کو بھی معبود بنالو، وہ جواب میں عرض کریں گے اے اللہ تو پاک ہے، میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا تھا جس کا مجھے کوئی حق ہی نہیں تھا، اگر میں نے یہ کہا ہوتا تو آپ کو اس کا ضرور علم ہوتا، جو کچھ میرے دل میں ہے آپ اسے جانتے ہیں لیکن جو کچھ آپ کے دل میں ہے وہ میں نہیں جانتا، آپ کو تو ساری پوشیدہ باتوں کا علم ہے ○ میں نے تو ان سے صرف وہی بات کہی تھی جس کے کہنے کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا وہ یہ کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی ہے، میں اسی وقت تک ان کا نگران تھا جب تک ان کے درمیان موجود رہا لیکن جب آپ نے مجھے اٹھا لیا تو آپ ہی اُن کے نگران تھے اور آپ کو ہر چیز کی خبر ہے ○ اگر آپ انہیں سزا دیں تو یہ آپ ہی کے بندے ہیں اور اگر آپ انہیں معاف کر دیں تو آپ غالب اور حکمت والے ہیں ○ اللہ فرمائے گا، یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کا سچ کام آئے گا، ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے ساتھ ساتھ نہریں بہہ رہی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، ان سے اللہ راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہی بڑی کامیابی ہے ○ سارے آسمان اور زمین اور تمام موجودات اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ○

تفسیر

﴿۱۱۶﴾ یہاں قیامت کا وہ منظر پیش کیا جا رہا ہے جب سارے انسانوں کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا جائے گا کہ کیا آپ نے لوگوں سے کہا تھا کہ توحید کے بجائے شرک کا عقیدہ رکھو اور مجھے اور میری والدہ کو خدا

بنالو؟اس سوال کا مقصد، استفہام نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کوتو خوب علم ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام زندگی بھرکن عقائد کی تبلیغ کرتے رہے، بلکہ یہ جواب طلبی اس لیے کی جائے گی تا کہ جولوگ اللہ کے اس نیک بندے اور برگزیدہ نبی کی عبادت کرتے تھے ان کا یہ غلط موقف دوسرے لوگوں کے علاوہ خود ان پر بھی واضح ہو جائے اور وہ خوب ذلیل اور رسوا ہوں۔

"قال سُبْحَانَکَ" حضرت مسیح علیہ السّلام اپنی پیغمبرانہ شان کے مطابق انتہائی ادب واحترام کے ساتھ جواب میں اپنی صفائی پیش کریں گے اور فرمائیں گے کہ اے اللہ! میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہوں جس کے کہنے کا مجھے حق ہی نہیں، انتہاءِ ادب یہ کہ صراحۃً نفی کے بجائے وہ یہ سارا معاملہ اللہ کے علم کے حوالے کر دیں گے اور عرض کریں گے کہ اگر میں نے اس قسم کی کوئی بات کہی ہوتی تو آپ کے علم میں ضرور ہوتی کیونکہ کوئی چیز بھی آپ کے علم سے باہر نہیں ہے، آپ کے علم میں کسی چیز کے نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا کوئی وجود نہیں۔ {۳۰۶}

﴿۱۱۷﴾ میں نے انہیں آپ کی بندگی کے سوا کسی بات کا حکم نہیں دیا۔

"فلما توفيتني" {۳۰۷} جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو پھر آپ ہی ان پر نگہبان تھے، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں "وفاۃ" کا لفظ تین معنی میں استعمال ہوا ہے:

۱۔موت......سورہ مائدہ میں ہے "الله يتوفي الأنفس حين موتها" (اللہ موت کے وقت جانوں کو اپنے قبضے میں لے لیتا ہے)۔

۲۔نیند......سورہ انعام میں ہے "وهو الذي يتوفاكم بالليل" (اللہ تمہیں رات کو سلا دیتا ہے۔)

۳۔اٹھالینا......جیسا کہ یہاں فرمایا گیا ہے "فلما توفيتني"۔

﴿۱۱۸﴾ اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام ثواب وعذاب کا سارا معاملہ اللہ کے حوالے کر دیں گے کہ تو قادر ہے جو چاہے کرے، جسے چاہے عذاب دے اور جسے چاہے معاف کر دے، کسی کو بھی آپ کے فیصلے اور حکم پر اعتراض کا حق حاصل نہیں۔

یہاں سوال ہوسکتا ہے کہ مشرک کی مغفرت تو کسی صورت بھی نہیں ہوسکتی پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے "وإن تغفر لهم" (اگر تو انہیں معاف کر دے۔) تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس ارشاد سے آپ کا مقصود تمام معاملات کو اللہ کے حوالے کرنا ہے کہ وہ جو چاہے کرسکتا ہے اور اس کے فیصلے کو کوئی بھی رد نہیں کرسکتا، باقی یہ دعوٰی جو کیا جاتا ہے کہ مشرک کی کسی صورت بھی مغفرت نہیں ہوسکتی تو یہ دعوٰی کتاب وسنت کے دلائل کی بناء پر کیا

{۳۰۶} استدلال على برأته من صدور القول المذكور عنه فان صدوره عنه مستلزم لعلمه به تعالىٰ قطعا والعلم به منتف فينتفي الصدور ضرورة لاان انتفاء اللازم مستلزم لانتفاء الملزوم (روح المعانی ۹۶/۶/۵)

{۳۰۷} اى قبضتنى بالرفع الى السماء ، روح المعانی ۱۰۰/۶/۵

جاتا ہے ورنہ اہلسنت والجماعت کی رائے یہ ہے کہ عقلی اعتبار سے مشرک کی مغفرت ہوسکتی ہے۔ {۳۰۸}

﴿۱۱۹﴾ قیامت کے دن انبیاء کرام علیہم السّلام کے سوال وجواب سے جو بات شروع ہوئی تھی وہ یہاں پر ختم ہورہی ہے، بتایا جارہا ہے کہ قیامت کا دن ہی وہ دن ہے جب ایمان اور قول وعمل میں سچائی پر قائم رہنے والوں کو ان کا سچ فائدہ دے گا۔ {۳۰۹}

﴿۱۲۰﴾ نصاریٰ اور ان جیسے دوسرے لوگ جو اللہ کے بندوں کو خدا یا خدائی اختیارات کے حامل قرار دیتے ہیں انہیں آگاہ کیا جارہا ہے کہ تمام موجودات کا مالک صرف اللہ ہے، نہ عیسیٰ علیہ السلام اس کے شریک ہیں نہ کوئی دوسرا۔

حکمت وہدایت

۱...... قیامت کے دن نصاریٰ کو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اور ان کی والدہ کو معبود بنانے پر زجر وتوبیخ ہوگی۔ (۱۱۶) اشکال ہوتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو خدا سمجھنے کا عقیدہ تو کسی کا بھی نہیں ہے، اس اشکال کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں:

۱۔ جب انہوں نے بیٹے کو خدا قرار دیا تو اس سے لازم آتا ہے کہ ان کی والدہ بھی خدا ہوں کیونکہ ماں اور بیٹے کی جنس ایک ہوتی ہے۔ {۳۱۰}

۲۔ جب کسی مخلوق کی تعظیم خدا کی طرح کی جاتی ہے تو اس پر خدا کا اطلاق کردیا جاتا ہے جیسے نصاریٰ ہی کے بارے میں فرمایا گیا کہ انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو خدا قرار دے رکھا ہے، یہی معاملہ عیسائیوں کا حضرت مریم کے بارے میں ہے۔

۳۔ ممکن ہے عیسائیوں کے کسی گروہ کا یہ عقیدہ ہو۔

۲ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام، مشرکین سے براءت کا اعلان فرمائیں گے۔

۳...... مشرکین کو عذاب دینا اور موحدین کو نوازنا، حکمتِ الٰہیہ پر مبنی ہے۔

۴...... سچائی دنیا اور آخرت دونوں میں فائدہ دیتی ہے، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے ''تم پر سچائی اختیار کرنا لازم ہے کیونکہ سچائی نیکی کی دعوت دیتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے، ایک شخص مسلسل سچ بولتا اور سچائی کا راستہ اختیار کرتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے''۔ {۳۱۱}

۵...... جب ہر چیز کا مالک اللہ ہے تو سوال بھی اسی سے کرنا چاہیے، غیر اللہ کو مالک اور مختار سمجھ کر مانگنا شرک ہے۔

{۳۰۸} انہ یجوز علی مذہبنا من اللہ تعالیٰ ان یدخل الکفار الجنۃ وان یدخل الزھاد والعباد النار لان الملک ملکہ ولا اعتراض لاحد علیہ (کبیر ۴/۶/۴۶۷)

{۳۰۹} وقیل المراد صدقھم المستمر فی دنیاھم الی آخرتھم (روح المعانی ۵/۶/۱۰۳)

{۳۱۰} روح المعانی ۵/۶/۹۴ {۳۱۱} بخاری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الانعام ایک نظر میں

سورۃ الانعام چند آیات کے سوا پوری کی پوری سوت مکّی ہے[۱]، اس کی ایک خصوصیت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ سورت یکبار نازل ہوئی ہے، متعدد صحابہ اور تابعین جن میں حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور حضرت مجاھدؒ اور حضرت عطاءؒ وغیرہ شامل ہیں فرماتے ہیں کہ یہ پوری سورت اس شان کے ساتھ نازل ہوئی کہ ستر ہزار فرشتے اس کے جلو میں تسبیح پڑھتے ہوئے آئے تھے[۲]۔

فاتحہ کے بعد انعام قرآن کریم کی ان چار سورتوں میں سے ایک ہے[۳] جن کی ابتداء ''الحمد'' سے ہوتی ہے باقی تین سورتیں کھف، سبا اور فاطر ہیں، چونکہ اس سورہ میں ''انعام'' یعنی چوپاؤں کے احکام ذکر کیے گئے ہیں اس لیے اس کا نام ''الانعام'' رکھ دیا گیا۔

ربط ومناسبت:

قرآن کریم کی پہلی سات سورتوں کو سبع طوال (سات لمبی سورتیں) کہا جاتا ہے، ان سات سورتوں کے مضامین پر غور کیا جائے تو اسلام کے اصول وفروع اور باطل فرقوں کے بیان پر مشتمل ہونے کے اعتبار سے سورۃ البقرہ قرآن کریم کی جامع ترین سورت ہے اس کے بعد سورۂ براۃ تک جتنی بھی سورتیں ہیں وہ اس کی تفصیل اور تکملہ ہیں، سورہ بقرہ میں اہلِ کتاب، مشرکین اور منافقین کے احوال بیان کیے گئے تھے، آل عمران، نساء اور مائدہ میں بھی ان تینوں گروہوں کا ذکر آیا ہے۔

آلِ عمران کے نصفِ اول اور نساء کے آخر میں نصاریٰ کے عقائد کی تردید تفصیل سے کی گئی ہے جبکہ اس کے درمیانی حصہ میں منافقین کا تفصیلی ذکر ہے، مائدہ میں یہود ونصاریٰ دونوں کے ساتھ مباحثہ ہے اور انعام میں مشرکین کے غلط عقائد کا بیان ہے، پھر مائدہ کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ ارض وسماء کا مالک صرف اللہ ہے اور انعام کی ابتداء میں فرمایا گیا کہ دونوں کا خالق بھی صرف اللہ ہے۔ علاوہ ازیں مائدہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ مشرکین بعض حلال چیزوں کو حرام ٹھہرا لیتے ہیں اور انعام میں بھی یہ مضمون تفصیل سے ذکر ہوا ہے۔

{۱} قرطبی ۳۵۲/۷/۶ {۲} ابن کثیر ۱۶۹/۲ {۳} تفسیر کبیر ۴۷/۴:۴

اجمالی نظر:

اگر غالب مضمون کے اعتبار سے کسی سورت کا کوئی نام تجویز کیا جا سکتا تو اس سورہ کو ''سورۃ العقائد'' یا ''سورۃ التوحید'' کہنا چاہیے، کیونکہ اس سورہ میں توحید کے دلائل، اللہ تعالیٰ کی صفات، کفار کے شبہات کی تردید، وحی و رسالت کا اثبات، بعث و جزاء اور وعدہ و وعید اور اصولِ دین کا بیان ہے، عقائد کے بیان کرنے کے سلسلہ میں تقریر کا اسلوب بھی اختیار کیا گیا ہے اور تلقین کا بھی، اسلوبِ تقریر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے وجود اور توحید کے دلائل ایسے مسلمات کی صورت میں پیش کیے گئے ہیں جو بالکل بدیہی اور واضح ہیں مثال کے طور پر کہیں اللہ کے خالق ہونے کا کہیں ہر جگہ موجود ہونے کا اور کہیں بندوں پر غالب ہونے کا ذکر ہے اور اسلوبِ تلقین کا مفہوم یہ ہے کہ سوال و جواب کے انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض دلائل سکھائے گئے ہیں تاکہ وہ ان دلائل کو مخالفین کے سامنے پیش کریں مثلاً یہ سوال ''آپ ان سے پوچھیے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے یہ کس کا ہے'' (۱۲/) یا یہ ارشاد ''کہو سب سے بڑی گواہی کس کی ہے (۱۹) یا یہ فرمان ''فرما دیجیے ذرا یہ تو بتاؤ کہ اگر اللہ تمہاری سماعت اور بصارت سلب کر لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں یہ چیز واپس لوٹا سکتا ہے'' (۴۶)

اہم مضامین:

۱...... اسلام کے تین بنیادی عائد یعنی توحید، نبوت و رسالت اور بعث و جزاء کا اثبات۔

۲...... اصولِ دین اور ان دس اجتماعی آداب و اخلاق کا بیان جو ہر شریعت میں رہے ہیں۔

۳...... اللہ کا دین، توحید اور اتفاق کا دین ہے، تمام انبیاء اسی پر کاربند رہے ہیں لہٰذا اپنی شخصی اغراض اور ذاتی مفادات کے لیے اس میں فرقہ بندی اور گروہ سازی دین کی روح کے منافی ہے۔

۴...... آخرت میں انسان کی کامیابی اور ناکامی امدار اس کے اعمال پر ہے وہاں ایک کے اعمال دوسرے کے کام نہیں آئیں گے اور کوئی بھی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

۵...... ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے اعمال پر جزاء مرتب ہوگی۔

۶...... انسان جو کچھ کرتے ہیں وہ اللہ کی سنت اور تقدیر کے نظام کے تحت اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتے ہیں لہٰذا وہ مجبور محض نہیں ہیں، انسانوں کے اختیار اور اللہ کی مشیت کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے، انسان کو جو تھوڑا بہت اختیار حاصل ہے وہ اللہ ہی کا عطا کردہ ہے۔

۷......مختلف امتوں اور افراد کے ساتھ مختلف سلوک اللہ کے عدل اور سنت کا تقاضا ہے، وہ ظالموں کو ہلاک کرتا ہے اور فرانبرداروں کو نوازتا ہے۔

۸......عقائدِ دینیہ کے سلسلہ میں یقین کا ہونا شرط ہے، یقین والوں ہی کو قرآن کی ہر آیت سے بصیرت حاصل ہوتی ہے۔

۹......کسی چیز کو حلال اور حرام کرنے کا اختیار صرف اللہ کو حاصل ہے۔

۱۰......امتوں کے احوال اور قوموں کے انجام کے بارے میں غور وفکر کرنا واجب ہے تاکہ عبرت ونصیحت حاصل ہو اس مقصد کے لیے سیر وسفر بھی جائز ہے۔

۱۱......ظلم، قوموں اور افراد کی ہلاکت کا ایک بڑا سبب ہے۔

۱۲......اس کائنات میں اللہ کے علم وحکمت کی بہت ساری نشانیاں اور دلائل پوشیدہ ہیں انہیں سمجھنے کے لیے سائنسی علوم کا حاصل کرنا بھی جائز بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہے۔

۱۳......حیوانات کی مختلف انواع اور حیوانی زندگی کا تحفظ بھی ضروری ہے کیونکہ حیوانات بھی انسانوں کی طرح مختلف امتیں اور جماعتیں ہیں۔

۱۴......مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ مشرکین کے معبودوں کو گالیاں نہ دیں۔

۱۵......ابتلاء اور آزمائش کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے درمیان حسن وقبح، فقر وغناء، ذکاوت وغباوت اور ضُعف وقوت کے اعتبار سے بہت فرق رکھا ہے۔

۱۶......سچی توبہ سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

توحیدِ باری تعالیٰ اور بعث کے دلائل

﴿۱......۳﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِیْنَ

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین اور بنایا اندھیرا اور اجالا پھر بھی یہ کافر

كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا
اپنے رب کے ساتھ اوروں کو برابر کئے دیتے ہیں وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو مٹی سے پھر مقرر کردیا ایک وقت

وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ② وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ
اور ایک مدت مقرر ہے اللہ کے نزدیک پھر بھی تم شک کرتے ہو اور وہی ہے اللہ آسمانوں میں اور زمین میں

يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③
جانتا ہے تمہارا چھپا اور کھلا اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو

تسہیل: تمام تعریفوں کا مستحق وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیرا اور اُجالا بنایا پھر بھی کافر دوسروں کو اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں ○ وہی ہے جس نے تم سب کو مٹی سے پیدا کیا پھر تمہارے مرنے کا ایک وقت معین کیا اور تمہارے زندہ ہونے کا بھی اس کے ہاں ایک معین وقت ہے پھر بھی اے کافرو! تم اللہ کے بارے میں شک کرتے ہو ○ آسمانوں اور زمین میں وہی ایک اللہ ہے، وہ تمہارے ظاہری اور پوشیدہ سارے حالات جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے بھی جانتا ہے ○

﴿تفسیر﴾

﴿۱﴾ سورت کی ابتداء اللہ کی تعریف سے ہوتی ہے وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو ایک خاص نظم اور ترتیب سے پیدا کیا، اس نے ظلمت اور نور کو پیدا کیا، ظلمت اور نور حسی بھی ہوتے ہیں اور معنوی بھی، رات کی تاریکی اور دن کی روشنی، حسی کی مثال ہیں اور کفر کی ظلمت اور ایمان کا نور، معنوی کی مثال ہیں ہر قسم کی ظلمت اور نور کا خالق اللہ ہے{۴}، اس کے باوجود کافر بہت سے جھوٹے معبودوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

﴿۲﴾ وہی اللہ ہے اس نے سارے انسانوں کو مٹی سے پیدا کیا ہے، چونکہ انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے اس لیے سارے انسانوں کی نسبت مٹی کی طرف کردی گئی ہے، ویسے بھی دیکھا جائے تو ہر فردِ انسانی مٹی کے خلاصہ سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ انسان غذا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور غذا مٹی سے پیدا ہوتی ہے، ایک اور اعتبار سے نظر ڈالی جائے تو انسان منی سے پیدا ہوتا ہے، منی خون سے، خون غذا سے اور غذا زمین کی نباتات یا حیوانی گوشت سے حاصل ہوتی ہے۔{۵}

{ ٤ } تفسير كبير ٤/٤٧٨

{ ٥ } وعندى فيه وجه آخر، وهو ان الانسان مخلوق من المنى ومن دم الطمث وهما يتولدان من الدم، والدم انما يتولد من الاغذيه الخ (كبير ٤/٤٨٠)

"ثم قضى اجلا" انسان کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی انتہاء کے لیے دو منزلیں متعین کر دیں، ایک منزل کو موت کہا جاتا ہے اور دوسری کا نام قیامت ہے، پہلی منزل انسان کی شخصی انتہاء کی ہے اور دوسری پوری نوع انسانی کی انتہاء کی ہے۔ (۶)

﴿۳﴾ ارض و سما میں صرف وہی ایسی ہستی ہے جسے "اللہ" کے نام سے پکارا جاتا ہے، اس کی عبادت کی جاتی ہے اور ہر حال میں صرف اسی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، پوشیدہ اور ظاہر، خفیہ اور علانیہ میں اس کا علم برابر ہے۔

حکمت و ہدایت

۱......ہر قسم کی تعریف کا حقیقی مستحق صرف اللہ ہے۔ (۱)

۲......اس کی قدرت، علم اور ارادہ کے دلائل پوری کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں۔

۳......مجوسیوں کا یہ عقیدہ قطعاً باطل ہے کہ ظلمت اور نور کا خالق جدا جدا ہے۔ (۱)

۴......عالمِ کبیر (کائنات) کا خالق بھی اللہ ہے اور عالمِ صغیر (انسان) کا خالق بھی اللہ ہے۔ (۲)

۵......اللہ تعالیٰ نے عالمِ صغیر اور عالمِ کبیر دونوں کی انتہاء اور اختتام کی مدت پہلے سے متعین کر رکھی ہے۔

۶......زمین و آسمان میں "اللہ" کے نام کا مستحق اور حقیقی معبود صرف ایک ہے۔

کفر کا سبب اور اس پر عذاب کی وعید

﴿۴......۶﴾

وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۴﴾ فَقَدْ كَذَّبُوا

اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں میں سے مگر کرتے ہیں اس سے تغافل سو بیشک جھٹلایا انہوں

بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۵﴾ أَلَمْ يَرَوْا

نے حق کو جب ان تک پہنچا سو اب آئی جاتی ہے ان کے آگے حقیقت اس بات کی جس پر ہنستے تھے کیا دیکھتے نہیں کہ

كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا

کتنی ہلاک کر دیں ہم نے ان سے پہلے امتیں جن کو جما دیا تھا ہم نے ملک میں اتنا کہ جتنا تم کو نہیں جمایا اور چھوڑ دیا ہم نے

{۶} بیضاوی ۲/۳۹۰

السَّمَآءَ عَلَيۡهِمۡ مِّدۡرَارًا وَّجَعَلۡنَا الۡاَنۡهٰرَ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهِمۡ فَاَهۡلَكۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ

ان پر آسمان کو لگاتار برستا ہوا اور بنا دیں ہم نے نہریں بہتی ہوئی ان کے نیچے پھر ہلاک کیا ہم نے انکو ان کے گناہوں پر

وَاَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِيۡنَ ۝۶

اور پیدا کیا ہم نے ان کے بعد اور امتوں کو

ربط: سورۃ کے خلاصہ میں عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ سورہ در حقیقت ''سورۃ العقائد'' ہے، یہاں دیکھیں تو گذشتہ آیات میں توحید، بعث بعد الموت اور دونوں کے دلائل مذکور ہوئے، یہاں نبوت سے ان کے اعراض کا سبب بیان کیا جا رہا ہے۔

تسہیل: ان کافروں کے سامنے اللہ کی جو نشانی بھی آتی ہے اس سے منہ پھیر لیتے ہیں ○ اب جب ان کے پاس قرآن آیا تو اسے بھی انہوں نے جھٹلا دیا، انہیں ان چیزوں کا انجام عنقریب معلوم ہو جائے گا جن کا وہ مذاق اڑاتے تھے ○ کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جنہیں ہم نے وہ قوت و طاقت عطا کی تھی جو تمہیں عطا نہیں کی، اور ہم نے ان پر موسلا دھار بارشیں برسائیں اور نیچے سے نہریں جاری کر دیں لیکن اس سب کچھ کے باوجود ہم نے انہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر دیا اور ان کے بعد دوسری امتوں کو پیدا کر دیا ○

تفسیر

﴿۴﴾ ان ضدی انسانوں کے پاس قرآن کی جو[۷] آیت اور توحید کی جو نشانی بھی آتی ہے اس سے اعراض کرتے ہیں اور اس میں غور و فکر نہیں کرتے۔

﴿۵﴾ اس اعراض کا اصل سبب تکذیب ہے، جب ان کے سامنے حق آیا تو انہوں نے بلا سوچے سمجھے حق کو جھٹلا دیا، اب تک اسی تکذیب پر جمے ہوئے ہیں، وہ حق کو تو جھوٹا کہتے ہیں مگر ان کے اندر یہ جراءت نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو جھوٹا کہہ دیں۔ حق سے مراد قرآن بھی ہو سکتا ہے اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس بھی۔

اگر غور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے ان ضدی انسانوں کے کفر کے تین مراحل بیان فرمائے ہیں، پہلے مرحلہ میں انہوں نے اعراض کیا، دوسرے مرحلہ میں تکذیب کی اور تیسرے مرحلہ میں انہوں نے استہزاء کا رویہ اختیار کر لیا اور

{۷} والمراد بها اما الآيات التنزيلية أو الآيات التكوينية الشاملة للمعجزات وغيرها (روح المعانی ۱۳۲/۷/۵)

ہر اگلا مرحلہ پہلے مرحلہ سے زیادہ سخت تھا اس لیے کہ بسا اوقات ایک شخص کسی حق بات سے اعراض کرتا ہے لیکن اس کی تکذیب نہیں کرتا، دوسرا شخص تکذیب کرتا ہے لیکن استہزاء نہیں کرتا{۸}......شیطان کا معاملہ کچھ ایسا ہی ہے کہ وہ انسان سے ایک گناہ کروانے کے بعد دوسرا گناہ جو پہلے سے شدید تر ہوتا ہے، اس کے لیے آسان اور خوبصورت کر دیتا ہے۔

﴿۶﴾ اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ حق کی تکذیب کرنے والوں کو ہلاک کرنا اللہ تعالیٰ کی پرانی سنت اور دستور رہا ہے......ان مشرکین سے پہلے کئی ایسی قومیں گذر چکی ہیں جو جسمانی صحت و طاقت، مالی وسعت اور خوشحالی، افرادی قوت و کثرت، اسباب کی فراوانی اور ملکی استحکام کے اعتبار سے ان سے کہیں آگے تھیں لیکن جب انہوں نے کفر و تکذیب اور ظلم و زیادتی کی روش اختیار کی تو ظاہری کرّ وفرّ اور جاہ و جلال انہیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکا لیکن اہلِ مکّہ کو نہ تو عاد و ثمود، قومِ فرعون اور قوم لوط جیسی قوت و طاقت حاصل ہے اور نہ ہی اہلِ شام و یمن جیسی خوشحالی، انہیں سوچنا چاہئیے کہ ان کے کفر اور مخالفت کا انجام کیا ہوگا۔

"وانشأنا من بعدهم" صرف یہی نہیں ہوا کہ ظالموں کو نیست و نابود کر دیا گیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے دوسری قومیں پیدا کر کے بزمِ دنیا کو ویسے ہی سجا دیا جیسے کہ پہلے سجی ہوئی تھی......ازل سے آج تک یہی سلسلہ جاری ہے، بڑے بڑے نامور اٹھ جاتے ہیں مگر اس جلوہ گاہِ ناز کی رونق میں کمی واقع نہیں ہوتی، یہ الگ بات ہے کہ کسی سچے اللہ والے کے اٹھ جانے سے برکتیں بھی اٹھ جاتی ہیں۔

حکمت و ہدایت

۱......آیاتِ الٰہیہ سے اعراض، کفر و تکذیب کا سبب بن جاتا ہے۔

۲......دین کا مذاق اڑانے سے اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے......اہلِ دین کا مذاق اڑانا منافقوں کی علامت ہے اور دین کا مذاق اڑانا یہود و نصاریٰ کی عادت ہے۔

۳......ظالموں اور کافروں کے انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

۴......کسی بھی قوم پر عذاب اس کے گناہوں ہی کی وجہ سے نازل ہوتا ہے...... بلکہ مصیبتیں اور پریشانیاں بھی گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں (قرآن کریم میں ہے "اور جو بھی مصیبت تم پر آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں سے کیے ہوئے اعمال کی وجہ سے آتی ہے اور بہت سے گناہ وہ معاف کر دیتا ہے۔){۹}

{۸} فبين تعالىٰ ان اولئك الكفار وصلوا الى هذه المراتب الثلاثة على هذا الترتيب (التفسير الكبير ۴/۴۸۳)

{۹} الشورى

کفّار کا عناد اور ناجائز مطالبات

﴿۷......۹﴾

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ
اور اگر اتاریں ہم تجھ پر لکھا ہوا کاغذ میں پھر چھولیں وہ اسکو اپنے ہاتھوں سے البتہ کہیں گے کافر

هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۞ وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَلَكًا
یہ نہیں ہے مگر صریح جادو اور کہتے ہیں کیوں نہیں اترا اس پر کوئی فرشتہ اور اگر ہم اتاریں فرشتہ تو

لَقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُونَ ۞ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا
طے ہو جاوے قصہ پھران کو مہلت بھی نہ ملے اور اگر ہم رسول بنا کر بھیجتے کسی فرشتہ کو تو وہ بھی آدمی ہی کی صورت میں ہوتا اور انکو

عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُونَ ۞
اسی شبہ میں ڈالتے جس میں اب پڑ رہے ہیں

تسہیل: اگر ہم کاغذوں پر لکھی ہوئی کتاب آپ پر نازل کر دیتے جسے وہ اپنے ہاتھوں سے چھو کر دیکھ لیتے پھر بھی کافر یہی کہتے کہ یہ تو بس صریح جادو ہے O کافر کہتے ہیں کہ اس پیغمبر کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا، اگر ہم کسی فرشتے کو بھیج دیتے تو ان کا قصہ ہی ختم ہو جاتا پھر انہیں مہلت بھی نہ دی جاتی O علاوہ ازیں اگر ہم فرشتہ بھیجنے کا فیصلہ کر لیتے تو اسے انسانی شکل ہی میں بھیجتے اور ایسا کرنے سے انہیں وہی اشتباہ پیش آتا جس اشتباہ میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں O

﴿تفسیر﴾

﴿۷﴾ **شانِ نزول:** نضر بن حارث، عبداللہ بن ابی امیہ اور نوفل بن خویلد وغیرہ مختلف مشرکین کے نام تفاسیر میں لکھے ہیں جو کبھی آسمان سے لکھی ہوئی کتاب اور کبھی گواہی کے لیے فرشتوں کے نازل کیے جانے کے مطالبات کرتے تھے ﴿۱۰﴾...... یہ محض کٹ حجتی کرنے والے لوگ تھے، ہدایت کی طلب ان کے اندر ذرا بھی نہیں تھی۔ اس لیے فرمایا گیا کہ اگر ہم ان کا مطالبہ پورا کرتے ہوئے کتاب نازل کر بھی دیں تو بھی یہ ایمان لانے والے نہیں۔

﴿۱۰﴾ روح المعانی ۱۳۸/۵

﴿۸﴾ جہاں تک فرشتہ نازل کرنے کا سوال ہے تو ہم دو وجہ سے ان کا یہ مطالبہ پورا نہیں کر رہے ایک تو اس لیے کہ اس مطالبہ کے پورا ہونے میں ان کی ہلاکت یقینی ہے کیونکہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو قوم منہ مانگا معجزہ دیکھ لینے کے باوجود ایمان قبول نہ کرے وہ عذاب کی مستحق ہو جاتی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ:

﴿۹﴾ فرشتوں کے نازل ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ فرشتہ اپنی اصل شکل وصورت میں نازل ہو، اس صورت میں اس سے استفادہ ناممکن ہے بلکہ عین ممکن ہے کہ اسے دیکھ کر ہی کسی پر غشی طاری ہو جائے یا ہلاک ہو جائے۔{۱۱}

دوسری صورت یہ ممکن ہے (قرآن نے یہ صورت بیان کی ہے) کہ فرشتہ انسانی شکل میں آئے اس صورت میں انہیں اس کے فرشتہ ہونے کا یقین ہی نہ آتا وہ فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرتا مگر یہ اسے فرشتہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے۔{۱۲}

یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنے مطالبہ کا رُخ بدل دیتے اور یوں کہتے کہ یہ کیا بات ہوئی کہ ہم انسان ہیں اور نبی فرشتہ۔

حکمت وہدایت

۱...... یہ ضروری نہیں کہ معجزات کسی کے ایمان لانے کا سبب بن جائیں، بعض اوقات وہ کفر وعناد کا سبب بھی بن جاتے ہیں (۷) خود ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر جن لوگوں کو ایمان لانے کی توفیق ملی ان میں سے اکثر نے کوئی معجزہ نہیں دیکھا تھا۔

۲...... بشریت کی وجہ سے انبیاء کی رسالت کے انکار کی بیماری بہت سی امتوں میں رہی ہے۔

استھزاء اور تکذیب کرنے والوں کا انجام

﴿۱۰......۱۱﴾

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

اور بلاشبہ ہنسی کرتے رہے ہیں رسولوں سے تجھ سے پہلے پھر گھیر لیا ان سے ہنسی کرنے والوں کو اس چیز نے

يَسْتَهْزِءُوْنَ ۟ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۟

کہ جس پر ہنسا کرتے تھے تو کہہ یہ کہ سیر کرو ملک میں پھر دیکھو کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا

{۱۱} ای لأتم أمر اهلاکهم بسبب مشاهدتهم له لمزید هول المنظر مع ماهم فیه من ضعف القوی وعدم اللیاقة (روح المعانی ۵/۷/۱٤۰) {۱۲} ابن کثیر ۲/۱۷۲

تسہیل: اور آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ہیں ان کا مذاق بھی اڑایا گیا بالآخر اس کا وبال انہی پر پڑا جو مذاق اڑایا کرتے تھے ۝ آپ فرما دیجیے تم زمین پر چل پھر کر دیکھو، جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا ۝

حکمت و ہدایت

۱...... انبیاء اور اہلِ حق کا استہزاء، زمانہ قدیم سے ہوتا چلا آ رہا ہے لہٰذا ضدی اور معاند افراد کے استہزاء کی وجہ سے دل چھوٹا نہیں کرنا چاہیے۔

۲...... جب اہلِ حق صبر و استقامت کا ثبوت دیتے ہیں تو استہزاء کرنے والوں کو اللہ اپنی سخت گرفت میں لے لیتا ہے۔

۳...... ہلاک شدہ قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا مستحب ہے۔

توحید اور بعث کے چند مزید دلائل

﴿۱۲......۱۶﴾

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ

پوچھ کہ کس کا ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں اور زمین میں کہہ دے اللہ کا ہے اس نے لکھی ہے اپنے ذمہ مہربانی البتہ تم کو اکٹھا کر دیگا

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑫ وَلَهٗ

قیامت کے دن تک کہ اس میں کچھ شک نہیں جو لوگ نقصان میں ڈال چکے اپنی جانوں کو وہی ایمان نہیں لاتے اور اللہ

مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا

ہی کا ہے جو کچھ کہ آرام پکڑتا ہے رات میں اور دن میں اور وہی ہے سب کچھ سننے والا جاننے والا تو کہہ دے کیا اور کسی کو بناؤں اپنا مددگار اللہ کے سوا

فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ

جو بنانے والا ہے آسمانوں اور زمین کا اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا تو کہہ دے مجھ کو حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے

مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ⑭ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ

حکم مانوں اور تو ہرگز نہ ہو شرک والا تو کہہ میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی ایک بڑے

يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ⑯

دن کے عذاب سے جس پر سے ٹل گیا وہ عذاب اس دن تو اس پر رحم کر دیا اللہ نے اور یہی ہے بڑی کامیابی

ربط: ابتداء ہی سے توحید، بعث اور نبوت کے اثبات کا مضمون چل رہا ہے، یہاں ان کے اثبات کے لیے تلقین کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔

تسہیل: آپ ان سے پوچھیے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے آپ کہہ دیجیے کہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے، اس نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر رکھا ہے۔ وہ قیامت کے دن تم سب کو اکٹھا کرلے گا جس میں کوئی شک نہیں، جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں رکھنے کا فیصلہ کرلیا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے O رات اور دن میں جو مخلوق پائی جاتی ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہے اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ فرما دیجیے کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو سرپرست بنالوں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے وہ سب کو کھلاتا ہے اور اسے کوئی نہیں کھلاتا، آپ کہہ دیجیے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسی کی فرمانبرداری اختیار کروں اور یہ کہ مشرکوں میں ہرگز شامل نہ ہوں O انہیں بتادیں کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں O اس دن جس شخص سے عذاب ٹل گیا اس پر اللہ نے بڑا ہی رحم کیا اور یہی بڑی کامیابی ہے O

تفسیر

﴿۱۲﴾ حکم دیا جارہا ہے کہ ان سے زمین وآسمان کے حقیقی مالک کے بارے میں سوال کریں اور پھر خود ہی جواب دے دیں کہ حقیقی مالک اللہ کے سوا کوئی نہیں، عام طور پر یہ انداز وہاں اختیار کیا جاتا ہے جہاں سوال کا جواب اتنا واضح ہو کہ کوئی اس کا انکار نہ کرسکے لیکن مخاطب کسی وجہ سے وہ جواب نہ دینا چاہتا ہو، یونہی یہ انداز وہاں بھی اختیار کیا جاتا ہے جہاں سائل اُس متعین جواب میں کسی چیز کا اضافہ کرنا چاہتا ہو، جیسے یہاں جواب دینے کے بعد فرمایا گیا ''كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ'' (اس نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر رکھا ہے) گویا ان سے یوں کہا گیا کہ وہ اللہ جسے تم بھی زمین وآسمان کا مالک سمجھتے ہو اس نے اپنی ذاتِ عالی پر رحمت کو لازم کر رکھا ہے جیسا کہ ظاہری اور باطنی نعمتیں اس کا واضح ثبوت ہیں اور اس کی رحمت ہی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ سارے انسانوں کو قیامت کے یقینی دن میں جمع کرے اور ان کے ساتھ کامل عدل کا معاملہ کرے۔

''اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْا'' لیکن جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈالنے کا تہیہ کر رکھا ہے وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اسی لیے وہ اللہ کی رحمت سے بھی محروم رہتے ہیں۔

﴿۱۳﴾ اس کائنات میں جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے چاہے ساکن چیز ہو یا متحرک۔ عربی کا ایک سلوب یہ بھی ہے کہ بعض اوقات ایک ضد کے ذکر کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے دوسری ضد خود بخود سمجھ میں آ جاتی ہے۔﴿۱۳﴾

"وھو السّمیع العلیم" وہ جو ساری کائنات کا مالک ہے وہ ہر آواز سنتا ہے یہاں تک کہ اس چیونٹی کی آواز بھی جو اندھیری رات میں چٹان پر رینگ رہی ہوتی ہے اور وہ اپنی ساری مخلوق کے احوال اور اسرار جانتا ہے گویا اس کی ملک بھی محیط ہے اور اس کی صفتِ سمع اور صفتِ علم بھی محیط ہے۔

﴿۱۴﴾ اس آیتِ کریمہ میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ پہلے کلام کا نتیجہ ہے، فرمایا گیا کہ جس اللہ کی شان یہ ہے کہ زمین و آسمان کا خالق بھی وہی ہے اور مالک بھی وہی ہے کیا میں اسے چھوڑ کر کسی اور کو اپنا سرپرست بنالوں، حالانکہ اس کے سوا جو کوئی بھی ہے وہ اپنے پیروکاروں کا محتاج ہے، لکڑی اور پتھر کا بُت ہو یا خدائی اختیارات کا دعوٰی کرنے والا انسان، یہ سب پرستش کرنے والوں کے رزق کے، ان کے نذرانوں کے اور ان کی دولت کے محتاج ہیں، صرف ایک اللہ ہے جو دیتا تو ہے مگر لیتا نہیں، جو کھلاتا تو ہے مگر کھاتا نہیں۔

﴿۱۵﴾ اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت پر واضح دلائل قائم ہونے کے بعد اگر بالفرض مجھ سے نافرمانی سرزد ہوگئی تو میں قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

﴿۱۶﴾ قیامت کے دن کے عذاب سے بچ جانا ہی حقیقی اور واضح کامیابی ہے اور یہ نتیجہ ہوگا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی رحمت کا، سورہ آلِ عمران میں بھی یہی مضمون بیان ہوا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے "جسے دوزخ کی آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہی حقیقت میں کامیاب ہے"۔﴿۱۴﴾

حکمت وہدایت

۱...... اللہ تعالیٰ کی رحمت عام ہے...... اس کا بندوں کو مہلت دینا، ان کی توبہ قبول کرنا، ساری مخلوق کو رزق پہنچانا، نبوت کا سلسلہ جاری کرنا وغیرہ امور اس کی رحمت ہی کا نتیجہ ہیں۔

۲...... ہر چیز کا مالک اور رب صرف اللہ ہے۔

۳...... اللہ کے سوا کسی اور کو حاجت روا اور کارساز سمجھنا حرام ہے۔

۴...... حقیقی کامیابی یہ ہے کہ انسان عذاب سے بچ جائے اور اسے جنت میں جگہ مل جائے۔

﴿۱۳﴾ وفی الکلام الاکتفاء باحد الضدین (روح المعانی ۵/۷/۱۵۷)

﴿۱۴﴾ آلِ عمران/۱۸۵

اللہ کی قدرت اور شھادت

﴿۱۷......۱۹﴾

وَاِنۡ يَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنۡ يَّمۡسَسۡكَ بِخَيۡرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ

اور اگر پہنچائے تجھ کو اللہ کچھ سختی تو کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں سوا اس کے اور اگر تجھ کو پہنچائے بھلائی تو وہ ہر چیز

شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الۡقَاهِرُ فَوۡقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الۡحَكِيۡمُ الۡخَبِيۡرُ ﴿۱۸﴾ قُلۡ اَىُّ شَىۡءٍ

پر قادر ہے اور اسی کا زور ہے اپنے بندوں پر اور وہی ہے بڑی حکمت والا سب کی خبر رکھنے والا تو پوچھ سب سے

اَكۡبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيۡدٌۢ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ ۚ وَاُوۡحِىَ اِلَىَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ

بڑا گواہ کون ہے کہہ دے اللہ گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان اور اترا ہے مجھ پر یہ قرآن

لِاُنۡذِرَكُمۡ بِهٖ وَمَنۡۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمۡ لَتَشۡهَدُوۡنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخۡرٰى ؕ قُلۡ

تاکہ تم کو اس سے خبردار کر دوں اور جس کو یہ پہنچے کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ معبود اور بھی ہیں تو کہہ دے

لَّاۤ اَشۡهَدُ ۚ قُلۡ اِنَّمَا هُوَ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ ﴿۱۹﴾

میں تو گواہی نہ دوں گا کہہ دے وہی ہے معبود ایک اور میں بیزار ہوں تمہارے شرک سے

تسھیل: اگر اللہ تمہیں تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا اور اگر وہ تمہیں کوئی نعمت عطا کرے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے○ وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور بڑی حکمت والا اور بہت باخبر ہے○ آپ ان سے پوچھیے کہ سب سے بڑی گواہی کس کی ہے؟ کہہ دیجیے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور مجھ پر یہ قرآن اس لیے اتارا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعے تمہیں اور جس جس کو یہ پہنچے سب کو خبردار کر دوں کیا تم لوگ یہ گواہی دے سکتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہیں آپ فرما دیجیے میں تو گواہی نہیں دیتا، کہہ دیجیے کہ صرف وہی ایک معبود ہے اور میں اس شرک سے بیزار ہوں جس میں تم مبتلا ہو○

﴿تفسیر﴾

﴿۱۷﴾ نفع اور نقصان، صحت اور بیماری، غنی اور فقر، عزت اور ذلت ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، وہ قادر مطلق ہے، جو چاہے کر سکتا ہے اور اس کے کیے ہوئے فیصلے کو کوئی ٹال بھی نہیں سکتا۔

﴿۱۸﴾ کیونکہ وہ سب پر غالب ہے، سارے نبیوں، ولیوں اور بادشاہوں کی گردنیں اس کے سامنے جھکی ہوئی ہیں، کیا جن اور کیا انسان، کیا حیوان اور کیا شجر وحجر سب اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں، اس پر کسی کا حکم نہیں چلتا لیکن اس کا حکم سب پر چلتا ہے لیکن اس کا ہر کلمہ اور فیصلہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے کیونکہ وہ ''حکیم'' بھی ہے اور ''خبیر'' بھی ہے اسے خبر ہے کہ کس وقت اور کس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا ہے۔

﴿۱۹﴾ توحید کے ساتھ نبوت ورسالت کا بھی اثبات کیا جارہا ہے اللہ اپنے نبی کی نبوت کا شاھد ہے اور نبی، اللہ تعالیٰ کی توحید کا گواہ ہے اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ کفار اور مشرکین سے سوال کیجیے کہ سب سے بڑی، سب سے سچی اور مبنی بر حقیقت گواہی کس کی ہو سکتی ہے؟ چونکہ اس سوال کا جواب متعین تھا اور اس سے مشرکین بھی انکار نہیں کر سکتے تھے اس لیے فرمایا گیا کہ آپ خود ہی جواب دے دیجیے کہ اللہ ہی کی شہادت سب سے سچی ہے، جب اللہ میری نبوت کا گواہ ہے تو مجھے کسی اور کی گواہی کی کیا ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی گواہی تین طرح سے دی ہے۔

۱۔ قرآن کریم میں آپ کی رسالت کا اعلان کیا ہے، کہیں فرمایا ''محمد رسول اللہ'' (محمد اللہ کے رسول ہیں) [۱۵] کہیں فرمایا ''انّا ارسلناک بالحق بشیرا ونذیرا'' [۱۶] (ہم نے آپ کو سچائی کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری سنانے اور ڈرانے کے لیے)۔

۲۔ معجزات کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تائید کی گئی ان میں سے اہم ترین معجزہ قرآن کریم ہے جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔

۳۔ تورات اور انجیل میں بھی آپ کی آمد اور بعثت کے بارے میں بشارتیں مذکور ہیں۔

''واُوحِیَ الیّ ھذا القرآن'' اس جملہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد بتایا ہے وہ یہ کہ میں اس قرآن کے ذریعہ تمہیں اور ان تمام لوگوں کو متنبہ کردوں جن تک یہ قرآن پہنچے، عرب وعجم میں رہنے والے وہ تمام لوگ جن کے کانوں تک قرآن کی آواز پہنچ گئی، ان کے بارے میں یہی سمجھا جائے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس انہیں متنبہ کیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص تک قرآن پہنچا وہ ایسا ہے گویا میں نے خود اسے دعوت پہنچائی، اس کے بعد آپ نے مذکورہ بالا آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی۔

{۱۵} الفتح ۲۹/۴۸
{۱۶} البقرۃ ۱۱۹/۲

محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ سے روایت ہے ”جسے قرآن پہنچا اس نے گویا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی“ (۱۷)

حکمت وہدایت

۱...... ہر بیماری اور پریشانی میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا واجب ہے کیونکہ اس کے سوا کوئی بھی تکلیف دور نہیں کرسکتا۔ (۱۷)

۲...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا سب سے بڑا گواہ اللہ تعالیٰ ہے۔

۳...... قیامت تک جس نے قرآن سن لیا، اسے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی دعوت پہنچادی۔

اہلِ کتاب کی ہٹ دھرمی اور مشرکین کا افتراء

﴿ ۲۰...... ۲۴ ﴾

الَّذِينَ آتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُونَهٗ كَمَا يَعْرِفُونَ اَبْنَآءَهُمْ اَلَّذِينَ خَسِرُوٓا اَنْفُسَهُمْ

جن کو ہم نے دی ہے کتاب وہ پہچانتے ہیں اسکو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو جو لوگ نقصان میں ڈال چکے اپنی جانوں کو

فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ

وہی ایمان نہیں لاتے اور اس سے زیادہ ظالم کون جو بہتان باندھے اللہ پر یا جھٹلادے اسکی آیتوں کو بلاشک بھلائی

لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُونَ ﴿٢١﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ اَشْرَكُوٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ

نصیب نہیں ہوگی ظالموں کو اور جس دن ہم جمع کریں گے ان سب کو پھر کہیں گے ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا تھا کہاں ہیں شریک تمہارے

الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا

جن کا تم کو دعویٰ تھا پھر نہ رہے گا ان کے پاس کوئی فریب مگر یہی کہ کہیں گے قسم ہے اللہ کی جو ہمارا رب ہے،

كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾

ہم نہ تھے شرک کرنے والے دیکھو تو کیسا جھوٹ بولے اپنے اوپر اور کھوئی گئیں ان سے وہ باتیں جو بنایا کرتے تھے

تسہیل: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ہمارے پیغمبر کو ایسے ہی پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، جنہوں نے اپنے آپ کو خود خسارے میں ڈال رکھا ہے وہ ایمان نہیں لاتے ○ اور اس سے بڑا ظالم کون ہوسکتا

{۱۷} التفسیر المنیر ۷/۱۵۷

ہے جو اللہ پر بہتان باندھتا ہے یا اس کی آیتوں کو جھٹلاتا ہے، ظالم لوگ یقیناً فلاح نہیں پا سکتے ○ جس دن ہم ان سب کو جمع کرلیں گے پھر مشرکوں سے پوچھیں گے، کہاں ہیں تمہارے وہ شریک جنہیں تم معبود سمجھتے تھے ○ پھر وہ اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہہ سکیں گے کہ اللہ کی قسم جو ہمارا ربّ ہے ہم مشرک نہیں تھے ○ دیکھیے یہ اپنے ربّ کے بارے میں کیسے جھوٹ بولیں گے اور جنہیں انہوں نے جھوٹا موٹا معبود سمجھ رکھا تھا وہ سب ان سے غائب ہو جائیں گے ○

﴿تفسیر﴾

﴿۲۰﴾ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے انکار کی وجہ یہ نہیں تھی کہ انہیں آپ کی صداقت میں کوئی شک تھا، کیونکہ ان کی کتابوں میں آپ کی علامات واضح طور پر مذکور تھیں، اصل بات یہ تھی کہ آپ پر ایمان لانے کی صورت میں انہیں جو عزّت، مقام، مرتبہ اور مالی مفادات حاصل تھے وہ سب ڈوبتے دکھائی دیتے تھے، چنانچہ انہوں نے ایمان کے مقابلے میں قومی تعصبات، مالی مفادات اور ذاتی اغراض کو ترجیح دی، ظاہر ہے یہ سودا سراسر خسارے کا سودا تھا۔

﴿۲۱﴾ نبوت کے ان منکرین کی زندگی میں عجیب تضاد پایا جاتا تھا ایک جانب تو وہ اللہ کی طرف ایسی چیزوں کی نسبت کرتے تھے جن پر کوئی بھی عقلی اور نقلی دلیل ان کے پاس نہیں تھی، مثال کے طور پر اللہ کے لیے بیٹے، بیٹیاں اور شریک ثابت کرتے تھے [۱۸] اور دوسری جانب ان حقائق کو جھٹلاتے تھے جو محکم دلائل سے ثابت تھے، قرآن کریم اور دوسرے معجزات کو سحر کہتے تھے، اللہ کی توحید اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

''انّه لایفلح الظّالمون'' وہ لوگ جو اس کذب اور تکذیب میں مبتلا ہیں وہ ظالم ہیں اور ظلم کا انجام ناکامی کے سوا کچھ نہیں۔

﴿۲۲﴾ اس ناکامی کا پتہ قیامت کے دن چلے گا جب مشرکوں کو ذلیل اور رسوا کرنے کے لیے ان سے سوال کیا جائے گا کہ تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تمہارا خیال تھا کہ وہ تمہیں اللہ کے قریب کرتے ہیں اور قیامت کے دن وہ تمہاری سفارش کریں گے۔

﴿۲۳﴾ اپنے کفر اور شرک کے بارے میں ان کے پاس اس کے سوا کوئی عذر نہیں ہوگا کہ وہ شرک ہی سے انکار کردیں گے [۱۹] لیکن اس انکار سے انہیں کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں ہوگا، یہ بھی ممکن ہے کہ قیامت کی ہولناکی کی وجہ

{۱۸} بادعائه ان له جل شانه شريكا وبقوله الملائكة بنات الله (روح المعانى ۵/۷/۱۷٤)

{۱۹} الفتنة الاختبار اى لم يكن جوابهم حين اختبروا بهذا السوال...... وقال قتادة معناه معذرتهم (قرطبى ٦/٧/٣٦٩)

سے حیرت اور دہشت کی بناء پر بلا سوچے سمجھے ان کی زبان سے اس قسم کے کلمات نکل جائیں۔{۲۰}

حکمت وہدایت

۱......اہلِ کتاب کے اسلام میں داخل نہ ہونے کا سبب جہالت نہیں بلکہ دنیا کی محبت اور ضد وعناد ہے۔(۲۰)

۲......اللہ کی طرف جھوٹی باتوں کی نسبت کرنا اور ثابت شدہ حقائق کو جھٹلانا سب سے بڑا ظلم ہے۔(۲۱)

۳......ظالم نہ دنیا میں کامیاب ہو سکتا ہے اور نہ آخرت میں۔(۲۱)

۴......قیامت کے دن مختلف مواقف اور مواقع ہوں گے، کسی موقع پر مشرکین اپنے کفر وشرک سے انکار کریں گے اور کسی موقع پر اپنے جرائم تسلیم کرلیں گے۔

قرآن کریم کے بارے میں مشرکین کے معاندانہ نظریات

﴿۲۵......۲۶﴾

وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۖ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي

اور بعضے ان میں کان لگائے رہتے ہیں تیری طرف اور ہم نے ان کے دلوں پر ڈال رکھے ہیں پردے تاکہ اسکو نہ سمجھیں اور رکھ دیا

آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا ۚ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ

ان کے کانوں میں بوجھ اور اگر دیکھ لیں تمام نشانیاں تو بھی ایمان نہ لاویں ان پر یہاں تک کہ جب آتے ہیں تیرے پاس تجھ سے جھگڑنے کو

يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٥﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ

تو کہتے ہیں وہ کافر نہیں ہے یہ مگر کہانیاں پہلے لوگوں کی اور یہ لوگ روکتے ہیں اس سے اور

يَنْأَوْنَ عَنْهُ ۖ وَإِن يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾

بھاگتے ہیں اس سے اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں سمجھتے

ربط: آخرت میں مشرکین کے احوال بیان کرنے کے بعد دنیا کے اعتبار سے ان میں سے بعض کے عناد کا تذکرہ ہے تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ایمان سے مایوس ہوجائیں۔

تسہیل: اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو بظاہر آپ کی طرف کان لگاتے ہیں مگر ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اس لیے وہ سمجھ نہیں پاتے اور ان کے کانوں کو بوجھل کردیا ہے اس لیے وہ حقیقت میں سن بھی نہیں پاتے

{۲۰} الممتحن ینطق بماینفعه وبما لاینفعه من غیر تمییز بینهما حیرة ودهشة (کشاف)

اور اگر یہ آپ کی صداقت کی ساری نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے، انتہاء یہ ہے کہ جب تمہارے پاس بحث کرنے کے لیے آتے ہیں تو جنہوں نے کفر پر جمے رہنے کا فیصلہ کر رکھا ہے وہ کہتے ہیں اس قرآن میں تو پہلوں کی کہانیوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے O وہ دوسروں کو بھی قرآن پر ایمان لانے سے روکتے ہیں اور خود بھی دور رہتے ہیں، ایسی حرکتوں سے وہ اپنے آپ ہم کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں مگر انہیں اس کا شعور نہیں O

﴿تفسیر﴾

﴿۲۵﴾ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تلاوت فرماتے تھے تو ابوسفیان بن حرب، ولید بن مغیرہ، نضر بن حارث، عتبہ، شیبہ، امیّہ اور ابی بن خلف وغیرہ بظاہر کان لگا کر سنتے تھے لیکن چونکہ اس سے ان کا مقصد قبولِ حق نہیں ہوتا تھا اس لیے انہیں کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا تھا اور وہ محروم کے محروم ہی رہ جاتے تھے، ان کے دل ضد اور عناد سے اس قدر بھر چکے تھے کہ ان میں سمجھنے اور متاثر ہونے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہی تھی اور اب ان کا حال ایسا ہو گیا تھا کہ کوئی دلیل، اور برھان اور کوئی ثبوت بھی انہیں متاثر نہیں کرتا تھا۔ {۲۱}

"حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ" ان کفر اور ان کی تکذیب کی انتہاء یہ ہے کہ وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو جھگڑنا شروع کر دیتے ہیں گویا ان کے آنے کا مقصد جدل ونزاع کے سوا کچھ ہوتا ہی نہیں، {۲۲} اور ان کا مجادلہ یہی ہے کہ وہ قرآن جیسی سچی اور حقائق پر مبنی کتاب کو خرافات اور جھوٹی کہانیاں قرار دیتے ہیں۔ {۲۳}

﴿۲۶﴾ اس آیت کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں ایک یہ کہ وہ دوروں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور قرآن کی اتباع سے روکتے ہیں اور خود بھی ایمان سے دور دور رہتے ہیں۔ {۲۴}

دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک طرف تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے ہیں اور آپ کو دشمنوں کے شر سے بچانے کی پوری کوشش کرتے ہیں لیکن دوسری طرف ان کا حال یہ ہے کہ وہ ایمان قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے جیسا کہ ابوطالب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض دوسرے چچاؤں کا حال تھا۔ {۲۵}

{۲۱} اخبر اللّٰہ تعالیٰ بعنادھم لانھم لما رأوا القمر منشقا قالوا: سحر (قرطبی ۶/۷/۳۷۱)

{۲۲} ای بلغ تکذیبھم الایات الی انھم جاؤا یجادلونك (بیضاوی ۲/۴۰۱)

{۲۳} ای یجعلون کلام اللّٰہ واصدق الحدیث خرافات واکاذیب وھی الغایة فی التکذیب (کشاف)

{۲۴} بیضاوی ۲/۴۰۱ {۲۵} وقیل: ھو خاص بأبی طالب ینھی الکفار عن اذایة محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم ویتباعد عن الایمان به (قرطبی ۶/۷/۳۷۲)

''وان یُھلکون'' ان کی اس حرکت کا وبال انہی پر پڑے گا لیکن انہیں اس بات کا شعور نہیں اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچا دیتے ہیں۔

حکمت و ہدایت

۱.....ضد اور تعصب انسان کو اندھا بہرا کر دیتے ہیں پھر وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا نہ سنتا ہے اور نہ ہی سمجھتا ہے۔(۲۵)

۲.....بدترین لوگ وہ ہیں جو خود بھی ہدایت سے محروم رہتے ہیں اور دوسروں کے بھی اس سے محروم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔(۲۶)

۳.....حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کے ساتھ جب تک عقلی محبت نہ ہو صرف طبعی محبت اور قوی نصرت کا کوئی فائدہ نہیں۔

بداعمالیوں کے نتائج کا ظہور

﴿۲۷.....۲۹﴾

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ

اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ کھڑے کئے جاوینگے وہ دوزخ پر پس کہیں گے اے کاش ہم پھر بھیج دیئے جاویں اور ہم نہ جھٹلائیں اپنے رب کی آیتوں کو اور ہو جاویں ہم

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا

ایمان والوں میں کوئی نہیں بلکہ ظاہر ہو گیا جو چھپاتے تھے پہلے اور اگر پھر بھیجے جاویں تو پھر بھی وہی کام کریں جس سے

نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾

منع کئے گئے تھے اور وہ بیشک جھوٹے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لئے زندگی نہیں مگر یہی دنیا کی اور ہم کو پھر نہیں زندہ ہونا

ربط: گذشتہ آیت میں بتایا گیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں، یہاں اسی ہلاکت کی تفصیل ہے۔

تسہیل: اگر تم انہیں اس وقت دیکھو جب انہیں دوزخ کے کنارے کھڑا کیا جائے گا تو تمہیں بڑا عجیب منظر دیکھنے کو ملے گا،{۲۶} اس وقت وہ کہیں گے اے کاش! ہمیں دنیا میں لوٹا دیا جائے اور ہم اپنے رب کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں اور ایمان والوں میں شامل ہو جائیں ○ دراصل وہ ایسی باتیں اس لیے کریں گے کیونکہ جو کچھ وہ پہلے چھپایا کرتے تھے، وہ

{۲۶} وجواب لومحذوف لیذھب الوھم الی کل شی فیکون ابلغ فی التخویف (۶/۷/۳۷۵)

ان پر ظاہر ہو جائے گا اور اگر انہیں دنیا میں لوٹا بھی دیا جائے تو بھی یہ وہی کام کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا اور یہ تو ہیں ہی جھوٹے O وہ کہتے ہیں کہ زندگی تو بس دنیا ہی کی زندگی ہے اور ہمیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا O

تفسیر

﴿۲۷﴾ دوزخ کی ہولناکی دیکھ کر مشرک اور نافرمان آرزو کریں گے کہ اگر ہمیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔

﴿۲۸﴾ لیکن ان کی یہ تمنا قبولِ ایمان کے لیے نہیں ہوگی بلکہ اس لیے ہوگی کہ آج ان کی بداعمالیوں کے نتائج کھل کر سامنے آجائیں گے، ان نتائج کے حوالے سے دنیا میں بھی ان کے دل میں کھٹک پیدا ہوتی تھی لیکن وہ ایک دوسرے سے چھپانے کی کوشش کیا کرتے تھے تاکہ کوئی انہیں ڈرپوک نہ سمجھ لے۔{۲۷}

''وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا'' اگر انہیں دنیا میں لوٹا دیا جائے تو وہی کچھ کریں گے جو وہ پہلے کرتے رہے ہیں کیونکہ معصیت ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی ہے اور جھوٹ اور عناد ان کے خون میں رچ بس چکا ہے۔

﴿۲۹﴾ ان کے کفر و شرک اور بداعمالیوں کا اصل سبب یہ ہے کہ وہ مرنے کے بعد کی زندگی اور جزا سزا کو تسلیم نہیں کرتے، اور دنیا ہی کی زندگی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔

حکمت و ہدایت

۱......انسان مصیبت اور عذاب کو دیکھ کر توبہ کرتا ہے لیکن اگر عذاب ٹل جائے تو دوبارہ بدکاریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

۲......جو لوگ خود اپنی بداعمالیوں کے نتیجے میں اپنی فطرت مسخ کر لیتے ہیں وہ بار بار مواقع ملنے کے باوجود ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔

۳......دنیا میں شر اور فساد کی بنیادی وجہ آخرت کا انکار اور دنیا ہی کی زندگی کو سب کچھ سمجھنا ہے۔

{۲۷} وقیل المراد الکفار و کانوا اذا وعظهم النبی صلی الله علیه وسلم خافوا وأخفوا ذلك الخوف لئلا یفطن بهم ضعفاؤهم فیظهر یوم القیمة ولهذا قال الحسن "بدالهم" ای بدالبعضهم ما کان یخفیه عن بعض (قرطبی۶/۷/۳۷۶)

کفار کی حسرت اور دنیا کی حقیقت

﴿۳۰......۳۲﴾

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ
اور کاش کہ تو دیکھے جس وقت وہ کھڑے کئے جاویں گے اپنے رب کے سامنے فرمائے گا کیا یہ سچ نہیں کہیں گے کیوں نہیں قسم ہے اپنے رب کی فرمائے گا

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى
تو چکھو عذاب بدلے میں اپنے کفر کے تباہ ہوئے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ جانا ملنا اللہ کا یہاں تک

اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ
کہ جب آپہنچے گی ان پر قیامت اچانک تو کہیں گے اے افسوس کیسی کوتاہی ہم نے اس میں کی اور وہ اٹھاویں گے

اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ
اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر خبردار ہو جاؤ کہ برا بوجھ ہے جس کو وہ اٹھاویں گے اور نہیں ہے زندگانی دنیا کی مگر کھیل اور جی بہلانا

وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾
اور آخرت کا گھر بہتر ہے پرہیزگاروں کے لئے کیا تم نہیں سمجھتے

ربط: اوپر کفار کے انکارِ آخرت کا ذکر ہوا ہے، یہاں بتایا جارہا ہے کہ قیامت کے دن ان کا کیا حال ہوگا، اس کے بعد دنیا اور آخرت میں موازنہ کیا گیا ہے۔

تسہیل: کاش! آپ اس منظر کو دیکھیں جب انہیں اپنے ربّ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور وہ ان سے پوچھے گا کیا یہ دوسری زندگی حق نہیں؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں، ہمیں اپنے ربّ کی قسم بالکل حق ہے، تب اللہ فرمائے گا، اس کفر کے بدلے عذاب کا مزہ چکھو جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے O وہ لوگ یقیناً تباہ ہو گئے جنہوں نے اللہ کے سامنے پیش ہونے کو جھوٹ کہا، یہاں تک کہ جب ان پر اچانک قیامت آموجود ہوگی وہ کہیں گے ہائے افسوس اس کوتاہی پر جو ہم قیامت کے بارے میں کرتے رہے اور ان کی حالت یہ ہوگی کہ وہ اپنی پیٹھوں پر گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے، ذرا دیکھو تو سہی وہ بوجھ کتنا برا ہے جو یہ اٹھا رہے ہیں O دنیا کی زندگی تو بس ایک کھیل تماشا ہے البتہ آخرت کا گھر ان کے لیے بہتر ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں کیا تم سمجھتے نہیں ہو O

﴿تفسیر﴾

﴿۳۰﴾ قیامت کا وہ منظر بھی بڑا ہولناک ہوگا جب اخروی زندگی کے منکرین کو سب سے بڑی عدالت کے روبرو یوں پیش کیا جائے گا جیسے مجرموں کو حاکم کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، پھران سے فرشتوں کے واسطہ سے سوال کیا جائے گا کہ کیا یہ دوسری اور حقیقی زندگی برحق نہیں ہے؟[۲۸] وہ قسمیں کھا کر اس کے حق ہونے کا اقرار کریں گے لیکن اس دن کا اقرار ان کے کسی کام نہیں آئے گا۔

﴿۳۱﴾ وہ لوگ یقیناً خسارہ میں ہیں جو اللہ کی ملاقات یعنی بعث وجزا کا انکار کرتے ہیں۔ یہی انکار ہے جو انسان کی جہد وسعی اور فکر وعمل کے دائرہ کو دنیوی لذّات تک محدود کردیتا ہے اور مادی آسائش اور آرائش میں ترقی ہی کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ٹھہرالیتا ہے۔ ان کا یہ انکار قیامت کے برپا ہونے تک جاری رہے گا۔ اس سے مراد قیامت صغریٰ یعنی موت بھی ہوسکتی ہے[۲۹] اور قیامتِ کبریٰ بھی۔

قیامت برپا ہونے کے بعد وہ اپنی کوتاہی اور بدعملی پر حسرت وندامت کا اظہار کریں گے اور انہیں اپنے گناہوں کا بوجھ اپنی پیٹھ پر اٹھانا پڑے گا۔

﴿۳۲﴾ دنیا اور دنیا کے وہ سارے کام اور ساری چیزیں جو اللہ کی ملاقات سے غافل کردیں وہ لہو ولعب میں شامل ہیں[۳۰] لیکن جو اعمال، آخرت کو اور اللہ کی ملاقات کو سامنے رکھ کر کیے جائیں وہ دنیا نہیں بلکہ آخرت ہیں[۳۱] کیونکہ ان کے فوائد آخرتِ میں ظاہر ہوں گے اور آخرت کا گھر کفر اور معاصی سے بچنے والوں کے لیے بہتر ثابت ہوگا۔

حکمت وہدایت

۱......قیامت کے مختلف مناظر بیان فرما کر بعث وجزاء کا عقیدہ بیان کیا گیا ہے۔ (۳۰)

۲......گناہوں کا بوجھ بدترین بوجھ ہے جو قیامت کے گناہ گار کو اپنی پیٹھ پر اٹھانا پڑے گا۔ (۳۱)

{۲۸} وقیل ان الملائکة تقول لهم بامر اللّٰه أليس هذا البعث وهذا العذاب حقًّا؟(قرطبی ۶/۷/۳۷۷)

{۲۹} لما كان الموت وقوعا فی احوال الآخرة ومقدماتها جعل من جنس الساعة وسمی باسمها (کشاف)

{۳۰} قال ابن عباس رضی اللّٰه عنه هذه حيوة الكافر لانه يزجّيها فی غرور وباطل (قربی ۶/۷/۳۸۱)

{۳۱} ليس من الهو واللعب ما كان من امور الآخرة فان حقيقة اللعب مالاينتفع به واللهو ما يلتهی به (قرطبی ۶/۷/۳۸۰)

۳......وہ لوگ سخت خسارے میں ہیں جو قیامت کا اور اللہ کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں۔(۳۱)

۴......قیامت اچانک آئے گی، اس کی متعین تاریخ کسی کو بھی معلوم نہیں۔(۳۱)

۵......کھیل کود کی طرح دنیا کی لذتیں بھی عارضی ہیں جبکہ آخرت کی لذتیں حقیقی اور دائمی ہیں۔(۳۲)

۶......وہ اعمال جو آخرت کے لیے کیے جائیں وہ "لہو ولعب" نہیں ہیں، لہو ولعب سے مراد صرف وہ اعمال ہیں جن میں نہ کوئی خیر ہو اور نہ کوئی نفع ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سابقہ انبیاء کی تکذیب کا بیان

﴿۳۳......۳۵﴾

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ
ہم کو معلوم ہے کہ تجھ کو غم میں ڈالتی ہیں ان کی باتیں سو وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے لیکن یہ ظالم

بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا
تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور جھٹلائے گئے ہیں بہت سے رسول تجھ کو پہلے پس صبر کرتے رہے جھٹلانے پر

وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِن نَّبَإِ الْمُرْسَلِينَ ﴿۳۴﴾
اور ایذا پر یہاں تک کہ پہنچی ان کو مدد ہماری اور کوئی نہیں بدل سکتا اللہ کی باتیں اور تجھ کو پہنچ چکے ہیں کچھ حالات رسولوں کے

وَإِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَن تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا
اور اگر تجھ پر گراں ہے ان کا منہ پھیرنا تو اگر تجھ سے ہو سکے کہ ڈھونڈھ نکالے کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی

فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُم بِآيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ ۚ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۳۵﴾
آسمان میں پھر لاوے ان کے پاس ایک معجزہ اور اگر اللہ چاہتا تو جمع کر دیتا سب کو سیدھی راہ پر سو تو مت ہو نادانوں میں

ربط: مسلسل کفار کے ساتھ مناقشہ چل رہا ہے اور انہیں اسلام کی دعوت دی جا رہی ہے اور ان کے اعراض و انکار کی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو قلبی رنج ہوتا تھا اس پر آپ کو تسلی دی جا رہی ہے۔

تسہیل: ہمیں معلوم ہے کہ کافروں کی باتیں آپ کو رنجیدہ کر دیتی ہیں مگر یہ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ ظالم لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں O اور آپ سے پہلے بھی کئی رسولوں کو جھٹلایا گیا مگر انہوں نے اس تکذیب اور ایذاء پر صبر

کیا یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی، اور اللہ کی باتوں کو کوئی بھی بدل نہیں سکتا اور آپ کو پیغمبروں کے حالات کا علم ہو چکا ہے (پس آپ بھی ان کی طرح صبر کیجیے) O اور اگر آپ پر ان کی بے رخی گراں گزرتی ہے تو پھر اگر آپ سے یہ ہو سکتا ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ تلاش کر کے یا آسمان پر سیڑھی لگا کر ان کا کوئی فرمائشی معجزہ لا سکیں تو لے آئیں، اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا لہٰذا آپ نادان مت بنیں O

﴿تفسیر﴾

﴿۳۳﴾ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور دعوت کے بارے میں مشرکین جو زبان درازی کرتے تھے اس کی وجہ سے آپ پریشان ہو جاتے تھے توحید کے واضح دلائل سامنے آ جانے کے باوجود ان کے ایمان قبول نہ کرنے کی وجہ سے آپ کو ایسا حزن وملال ہوتا تھا کہ لگتا تھا کہ آپ جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ اس کلام اور پیغام کی تکذیب کرتے ہیں جو آپ ان کے پاس لے آئے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو جہل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہا "انا لا نکذّبک ولکن نکذّب بماجئت به "[۳۲] (ہم آپ کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ ہم اس شریعت کو جھوٹا کہتے ہیں جو آپ لے کر آئے ہیں)۔

"یَجْحَدُوْن" ان کا کفر وانکار، ضد اور عناد پر مبنی تھا ورنہ دل سے تو وہ آپ کی صداقت اور شریعت کی حقانیت کو جانتے تھے۔[۳۳]

﴿۳۴﴾ یہ تکذیب اور انکار کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ نبوت ورسالت کی طرح اس کی تاریخ بھی بہت پرانی ہے، جب کبھی کسی نبی نے نبوت کا دعویٰ کیا، ضدی اور انا پرست لوگوں نے اس کا مذاق اڑایا، انکار کیا، اسے مختلف طریقوں سے ستایا، جواب میں اللہ کے نبی نے صبر کیا اور اللہ کی نصرت کے آنے کا انتظار کیا۔

"ولا مبدّل لکلمٰتِ اللہ "[۳۴] اللہ کے وعدوں میں کبھی تخلف نہیں ہو سکتا، اس کی نصرت کے وعدے مومنین کے حق میں اور عذاب کی وعیدیں منکرین کے حق میں پوری ہو کر رہیں گی، چنانچہ "اللہ کے کلمات" پورے ہو کر رہے،

{۳۲} رواہ الحاکم من طریق اسرائیل عن ابی اسحاق ثم قال صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ (تفسیر منار ۷/۳۰۶)
{۳۳} الجحود نفی مافی القلب اثباته واثبات مانفی القلب نفیه (مفردات)
{۳۴} لمواعیدہ (بیضاوی ۲/۴۰۵)

اسلام کی دعوت مشرق سے مغرب تک پھیل گئی اور مشرکین ذلیل وخوار ہوئے۔

﴿۳۵﴾ معاندین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف مادی اور حسی معجزات کا مطالبہ کرتے تھے کبھی مکہ میں نہریں بہانے کا، کبھی کھجور اور انگور کے باغات لہلہانے کا، کبھی سونے اور چاندی کے گھر بنانے کا، ان کے مطالبات سن کر آپ کو خیال آتا تھا کہ شاید اگر انہیں کوئی معجزہ دکھا دیا جائے تو یہ ضد اور عناد چھوڑ دیں، اس پر فرمایا گیا کہ اگر آپ پر ان کا اعراض گراں گذرتا ہے تو آپ کوشش کر دیکھیں اور انہیں کا مطلوبہ معجزہ دکھا دیں، آپ کی یہ چاہت اور کوشش کافروں کے حال پر شفقت اور ان کے ایمان لانے کی حد سے زیادہ حرص کی وجہ سے تھی[۳۵] اور یقیناً اگر آپ انہیں ان کے فرمائشی معجزات دکھا سکتے تو ضرور دکھا دیتے لیکن آپ کو ایسا کرنے کی قدرت حاصل نہیں ہے[۳۶] یوں بھی اور ایسے معجزات دکھانا کہ جنہیں دیکھ کر لوگ ایمان قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں اللہ تعالیٰ کی تکوینی مشیت کے بھی خلاف ہے۔[۳۷]

حکمت وہدایت

۱......حزن وملال جیسے عوارض آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لاحق ہوتے تھے جو کہ آپ کی بشریت کا ثبوت ہیں۔(۳۳)

۲......دعوت اور اصلاح کے کام میں صبر ضروری ہے، صبر کے بعد ہی اللہ کی نصرت نازل ہوتی ہے۔(۳۴)

۳......اہلِ حق کی مخالفت کا ہونا تعجب انگیز نہیں بلکہ نہ ہونا باعثِ تعجب ہے۔(۳۴)

۴......ضروری نہیں کہ بندے کا ہر ارادہ اور ہر دعا پوری ہو جائے خواہ وہ بندہ نبی ہی کیوں نہ ہو۔(۳۵)

۵......اللہ تعالیٰ انبیاء اور صلحاء کی راہِ حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے تاکہ وہ جاہلوں سے دور رہیں۔(۳۵)

مشرکین کی محرومی اور مطالبہ

﴿۳۶......۳۷﴾

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٣٦﴾ وَقَالُوا

مانتے وہی ہیں جو سنتے ہیں اور مُردوں کو زندہ کرے گا اللہ پھر اسکی طرف لائے جاوینگے اور کہتے ہیں

{۳۵} والمقصود بیان حرصه البالغ علی اسلام قومه، وانه لو قدر أن یاتیهم بآیة من تحت الارض او عن فوق اسماء لأتی بهار جاء ایمانهم (بیضاوی ۲/۴۰۵)

{۳۶} فافعل یعنی انك لا تستطیع ذلك (کشاف)

{۳۷} ای لاراهم آیة تضطرهم الی الایمان ولکنه اراد عزوجل ان یثیب منهم من آمن ومن احسن (قرطبی ۶/۷/۳۸۳)

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٣٦﴾ وَقَالُوا
مانتے وہی ہیں جو سنتے ہیں اور مُردوں کو زندہ کرے گا اللہ پھر اسکی طرف لائے جاوینگے اور کہتے ہیں

لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَن يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ
کیوں نہیں اتری اس پر کوئی نشانی اسکے رب کی طرف سے کہدے کہ اللہ کو قدرت ہے اس بات پر کہ اتارے نشانی لیکن

أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٧﴾
ان میں اکثر نہیں جانتے

تسہیل: یاد رکھیے صرف وہی لوگ حق کو قبول کرتے ہیں جو طلب کے ساتھ سنتے ہیں اور مُردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کرے گا پھر انہیں اسی کے سامنے پیش کیا جائے گاO وہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے ربّ کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل کی گئی آپ فرما دیجیے کہ اللہ نشانی اتارنے پر قادر ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتےO

﴿تفسیر﴾

﴿۳۶﴾ آپ ان کے کفر اور اعراض کی وجہ سے پریشان نہ ہوں، حق کی دعوت صرف وہی قبول کریں گے جو فہم وتدبر اور طلبِ حق کی نیت سے سنیں گے باقی رہے ضد وعناد میں آخری حد تک پہنچے ہوئے یہ کافر تو یہ حقیقت میں مردہ ہیں[۳۸] نہ سنتے ہیں، نہ سمجھتے ہیں کیونکہ یہ آیاتِ الٰہیہ میں غور وتدبر نہیں کرتے اس لیے یہ ہدایت سے بھی محروم رہتے ہیں۔

﴿۳۷﴾ ان کی طرف سے مخصوص قسم کے معجزات دکھانے کا مطالبہ بھی ضد اور عناد کی بناء پر ہے، قبولِ ہدایت کے لیے نہیں، اسی لیے ان کے مطالبات پورے نہیں کیے جاتے ورنہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی نشانیاں ظاہر کرنے کی قدرت رکھتا ہے، ان کے مطالبات پورے نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ کا دستور یہ ہے کہ اگر کوئی قوم فرمائشی معجزہ دیکھنے کے باوجود ایمان قبول نہ کرے تو اس پر اللہ کا عذاب نازل ہو کر رہتا ہے، اور اس کی تیسری وجہ یہ ہے کہ قرآن جیسے بے مثال معجزہ کی موجودگی میں کسی حسّی اور مادی معجزہ کی ضرورت ہی نہیں[۳۹] جو لوگ قرآن کو سحر اور جادو کہہ کر ٹھکرا سکتے ہیں وہ کسی بھی دوسرے معجزہ کو سحر قرار دینے سے باز نہیں آئیں گے۔

{۳۸} فالظاهر مما تقدم ان المراد بالموتى هنا الكفار الراسخون فى الكفر (بیضاوی ۲/۳۱۷)

{۳۹} لما أنزل آية باهرة ومعجزة قاهرة وهى القرآن كان طلب الزيادة جاريا مجرى التحكم والتعنت الباطل (كبير ٤/٥٢٢)

حکمت وہدایت

۱......اللہ اور اس کے رسول پر ایمان زندگی ہے اور کفر موت ہے۔(۳۶)

۲......عام طور پر فرمائشی معجزات عطا نہیں کیے جاتے۔(۳۷)

کمالِ الٰہی

﴿۳۸......۳۹﴾

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ مَنْ يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَشَأْ يَجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۳۹﴾

اور نہیں ہے کوئی چلنے والا زمین میں اور نہ کوئی پرندہ کہ اڑتا ہے اپنے دو بازوؤں سے مگر ہر ایک امت ہے تمہاری طرح ہم نے نہیں چھوڑی لکھنے میں کوئی چیز پھر سب اپنے رب کے سامنے جمع ہوں گے اور جو جھٹلاتے ہیں ہماری آیتوں کو وہ بہرے اور گونگے ہیں اندھیروں میں ٹ جس کو چاہے اللہ گمراہ کرے اور جس کو چاہے ڈال دے سیدھی راہ پر

تسہیل: اور زمین میں جو چلنے پھرنے والے حیوان اور دو پروں سے اڑنے والے پرندے ہیں یہ سب تمہاری طرح کی جماعتیں ہیں، ہم نے ان سب کی تفصیل لکھنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، پھر ان سب کو اپنے رب کے حضور جمع کیا جائے گاO جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں وہ بہرے اور گونگے ہیں، مختلف تاریکیوں میں گھرے ہوئے ہیں، اللہ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق دے دےO

﴿تفسیر﴾

﴿۳۸﴾ دنیا میں جتنے بھی حیوانات اور پرند چرند پائے جاتے ہیں وہ بھی رزق کی تقسیم، موت کا وقت معین ہونے، طبیعتوں کے اختلاف اور الگ الگ دائرۂ عمل ہونے کے اعتبار سے انسانوں کی طرح مختلف امتیں اور جماعتیں ہیں{۴۰}، حیوانوں کو بھی اپنے فطری تقاضوں، اپنے اجتماعی وجود کے تحفظ اور اپنے مقصدِ تخلیق کی تکمیل کے لیے ویسے ہی شعور اور جذبات دیئے گئے ہیں جیسے انسانوں کو دیے گئے ہیں، چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک اور کچھوے

{ ۴۰ } "امثالکم" ای کل امة منها مثلکم فی ان احوالها محفوظة وامورها مقننة ومصالحها مرعية جارية علی سنن السداد (ابی السعود ۲/۳۸۰)

سے لے کر وہیل مچھلی تک کسی بھی جاندار مخلوق کی زندگی کا گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی پرورش، خطرات سے بچاؤ، رہائش کی تعمیر اور ضروریات کی فراہمی کے لیے کیسی انتھک محنت اور ہوشیاری سے کام لیتی ہے، جدید سائنس نے حیوانات کی زندگی کے جو عجائب بیان کیے ہیں ان کے مطالعہ اور مشاہدہ کے بعد ایک غیر متعصب انسان علیم و حکیم ہستی کا وجود اور قدرت تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جو انسانوں کا بھی رب ہے اور حیوانوں کا بھی اور ایسا انسان اللہ کے وجود پر ایمان لانے کے لیے پھر کسی حسّی اور مادی معجزہ کا مطالبہ نہیں کرتا۔

''مافرّطنافی الکتاب ''[۴۱] ایک طرف اللہ کے وجود اور بعث بعد الموت کی تکوینی نشانیاں بے شمار ہیں تو دوسری طرف قرآن میں تشریعی اور علمی دلائل کی بھی کمی نہیں اور اللہ نے بندوں کو سمجھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

''ثمّ اِلی ربّھم ''پھر سارے انسانوں اور حیوانوں کو اللہ کے سامنے جمع کیا جائے گا، جہاں کامل عدل اور انصاف ہوگا یہاں تک کہ اگر ایک حیوان نے دوسرے حیوان پر ظلم کیا ہوگا تو اس سے بھی بدلہ لیا جائے گا، بدلہ لیا جانے کے بعد حیوانوں کو مٹی میں ملا دیا جائے گا لیکن انسان اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لیے باقی رہ جائے گا، یہی وہ موقع ہوگا جب کافر بڑی حسرت سے کہے گا ''یالیتنی کنت ترابا ''[۴۲] (اے کاش میں بھی مٹی ہو جاتا)۔

﴿۳۹﴾ ہم نے تو قرآن کریم میں آیات و دلائل کے بیان کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، جو لوگ ان آیات کو جھٹلاتے ہیں وہ حقیقت میں بہرے ہیں کیونکہ غور و تدبر کے ساتھ نہیں سنتے، "بکم" گونگے ہیں کیونکہ حق کا اقرار نہیں کرتے "فی الظّلمات" علاوہ ازیں وہ کئی قسم کی تاریکیوں میں گھرے ہوئے ہیں چنانچہ وہ دیکھ بھی نہیں سکتے، اگر وہ روشنی میں ہوتے یا ان کی بینائی درست ہوتی تو ممکن تھا کہ گونگے بہرے ہونے کے باوجود اشاروں ہی سے کوئی بات سمجھ لیتے لیکن اب تو ان کے سمجھنے کی کوئی صورت ہی باقی نہیں رہی۔[۴۳]

حکمت و ہدایت

۱......اس کائنات میں حیوانوں کی بے شمار امتیں اور جماعتیں ہیں لیکن سب اللہ کی تدبیر کے تابع اور اس کے قائم کردہ نظم میں جکڑی ہوئی ہیں۔(۳۸)

{۴۱} ای فی القرآن ... ای ماجعلنا الکتاب مضطرطافیه شیأ من التفریط بل ذکرنا فیه کل مالا بدمن ذکره (حوالہء مذکورہ

{۴۲} ابن کثیر ۲/۱۸۰

{۴۳} واما اذا کان مع ذلك اعمی أو کان فی الظلمات فینسد علیه باب الفهم والتفهیم بالکلیة (ابی سعود ۲/۳۸۱)

۲......انسان کو ہدایت کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ سب قرآن میں بیان کردی گئی ہیں۔(۳۸) اگرچہ قرآن میں جزئیات سے تعرض نہیں کیا گیا لیکن احکام اور اخلاق کی کلیات ذکر کردی گئی ہیں۔

۳......ہدایت صرف انہی کو ملتی ہیں جو کان اور آنکھیں کھلی رکھتے ہیں اور جنہیں اللہ توفیق دیتا ہے۔

مصائب میں صرف اللہ کی طرف رجوع

۴۰......۴۵

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ
تو کہہ دیکھو تو اگر آوے تم پر عذاب اللہ کا یا آوے تم پر قیامت کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے بتاؤ اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾
سچے ہو بلکہ اسی کو پکارتے ہو پھر دور کردیتا ہے اس مصیبت کو جس کیلئے اسکو پکارتے ہو اگر چاہتا ہے اور تم بھول جاتے ہو جن کو شریک کرتے تھے

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾
اور ہم نے رسول بھیجے تھے بہت سی امتوں پر تجھ سے پہلے پھر ان کو پکڑا ہم نے سختی میں اور تکلیف میں تاکہ وہ گڑگڑاویں

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ
پھر کیوں نہ گڑگڑائے جب آیا ان پر عذاب ہمارا لیکن سخت ہو گئے دل ان کے اور بھلے کر دکھلائے ان کو شیطان نے

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا
جو کام وہ کر رہے تھے پھر جب وہ بھول گئے اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے یہاں تک کہ جب

فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ
خوش ہوئے ان چیزوں پر جو ان کو دی گئیں پکڑ لیا ہم نے ان کو اچانک پس اس وقت وہ رہ گئے ناامید پھر کٹ گئی جڑ ان ظالموں کی

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾
اور سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جو پالنے والا ہے سارے جہان کا

ربط: توحید کے تکوینی تشریعی اور خارجی دلائل بیان کرنے کے بعد داخلی اور انفسی دلیل بیان کی جارہی ہے وہ یہ کہ اگر تم پر کوئی مصیبت آن پڑے تو بتاؤ تم کسے پکارو گے ان خود ساختہ بتوں کو یا صرف اللہ کو۔

تسہیل: آپ ان سے پوچھیے کہ یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارے اوپر اللہ کا عذاب ٹرے یا قیامت ہی آ جائے تو کیا اس

وقت تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ اگر تم سچے ہو تو جواب دو ○ نہیں بلکہ تم مصیبت کے وقت صرف اسی کو پکارتے ہو، پھر تم جس مصیبت کے لیے پکارتے ہو وہ اسے دور کر دیتا ہے اور جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو انہیں بھول جاتے ہو ○ اور ہم نے تم سے پہلے بہت سی قوموں کی طرف رسول بھیجے (مگر انہوں نے نہ مانا) پھر ہم نے انہیں سختیوں اور تکلیفوں میں مبتلا کیا تاکہ وہ ہمارے سامنے عاجزی اختیار کریں ○ پھر ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو وہ عاجزی کا اظہار کرتے بلکہ ان کے دل تو اور زیادہ سخت ہو گئے، اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں پرکشش بنا دیا ○ جب انہوں نے اس نصیحت کو فراموش کر دیا جو انہیں کی گئی تھی تو ہم نے ان پر دولت و ثروت کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں میں خوب مگن ہو گئے جو انہیں عطا کی گئی تھیں تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا پھر وہ ناامید ہو کر رہ گئے ○ پھر ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی اور تمام تعریفوں کا مستحق اللہ ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے ○

﴿تفسیر﴾

﴿۴۰﴾ اے مشرکو! تم یہ بتاؤ کہ اگر تم پر کوئی ناگہانی مصیبت یا آسمانی آفت یا قیامت آجائے تو اس مصیبت کے ازالہ کے لیے کسے پکارو گے؟ اللہ کو یا اپنے ہاتھوں بنائے ہوئے بتوں کو؟

﴿۴۱﴾ اگر تمہارے اندر سچ بولنے کا حوصلہ ہے تو تمہارا جواب یقیناً یہ ہوگا کہ ہم ایک اللہ کے سوا کسی کو نہیں پکاریں گے اس لیے کہ توحید کا اقرار انسان کی فطرت میں داخل ہے، جبکہ شرک ایک عارضی شئی ہے جو موروثی اور خارجی اثرات کے تحت انسان قبول کر لیتا ہے، جب اس پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو فطرت اپنا رنگ دکھاتی ہے اور انسان سب کو بھول کر ایک اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور جو مصیبت اور پریشانی میں بھی اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتا اس کے بارے میں جان لینا چاہیے کہ اس کی فطرت مسخ اور اس کا دل سخت ہو چکا ہے۔

﴿۴۲﴾ اس کی واضح مثال وہ امتیں ہیں جنہیں اللہ کے فرستادہ نبیوں نے ایمان اور عبادت کی دعوت دی، انہوں نے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ان کے انکار اور ظلم و معصیت پر اصرار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں فقر و فاقہ قحط اور بیماریوں میں مبتلا کر دیا تاکہ وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوں اور اس کے سامنے روئیں اور عاجزی اختیار کریں کیونکہ مصیبت اور پریشانی سے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے اور وہ وقتی طور پر ہی سہی تکبر اور سرکشی چھوڑ دیتا ہے۔

﴿۴۳﴾ عذاب اور مصائب کے باوجود ان کے اللہ کی طرف متوجہ نہ ہونے کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان کے دل

سخت ہو گئے تھے اور شیطان نے ان کے لیے ان کے بد اعمال مزیّن کر دیئے تھے۔{۴۴}

﴿۴۴﴾ جب وہ مسلسل تکبّر، عناد اور اعراض پر جمے رہے{۴۵} تو ان کی رسّی دراز کر دی گئی اور انہیں ہر طرح سے خوشحالی عطا کر دی گئی۔ وہ کند ذہنی اور حماقت کی وجہ سے اس مہلت اور خوشحالی کو اپنی حقانیت کی دلیل سمجھے اور اس پر اترانے اور فخر کرنے لگے، وہ اللہ کے عذاب کو بھول چکے تھے کہ اچانک عذابِ الٰہی ان پر آن پڑا، پھر وہ ہر خیر سے مایوس ہو کر رہ گئے۔

﴿۴۵﴾ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں اور کفر و معصیت پر اڑے رہنے والوں پر اللہ کا عذاب آ کر رہا۔ یہاں تک کہ ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا، ظالموں کی ہلاکت، دوسرے انسانوں کے لیے بقا اور تحفظ کا پیغام ہے، اس لیے انہیں اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

حکمت و ہدایت

۱......شدّت اور مصیبت کے وقت مشرک اور کافر بھی صرف اللہ کو پکارتا ہے، (مومن کی شان یہ ہے کہ وہ ہر حال میں صرف اللہ کو پکارے)۔(۴۱)

۲......بعض اوقات مصائب اور پریشانیاں اس لیے آتی ہیں تاکہ بندے اللہ کی طرف متوجہ ہوں۔(۴۲)

۳......تکلیف اور بیماری کے باوجود اللہ کی طرف رجوع نہ کرنا، دلوں کے سخت ہو جانے کی نشانی ہے۔(۴۳)

۴......مال و دولت کی کثرت سے بھی ڈرنا چاہیے کہیں یہ اللہ کی طرف سے استدراج (مہلت) اور عذاب کا پیش خیمہ نہ ہو۔(۴۴)

۵......جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت کے باوجود کسی قوم پر اللہ کا عذاب نازل نہ ہو بلکہ رزق میں فراوانی ہوتی چلی جائے تو جان لینا چاہیے کہ اس کی ہلاکت کا وقت قریب آ گیا ہے اور رزق کی فراوانی اور خوشحالی محض مہلت کے لیے ہے۔(۴۴) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم یہ دیکھو کہ کسی بندے کو گناہوں کے باوجود نوازا جا رہا ہے تو سمجھ لو کہ یہ اللہ کی طرف سے اسے مہلت مل رہی ہے...... اس کے بعد نے پہلی آیتِ کریمہ (۴۴) تلاوت فرمائی۔{۴۶}

۶......اہلِ شر اور ظالموں کی ہلاکت پر اس اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے جس کے ہاں دیر تو ہے اندھیر نہیں۔

{۴۴} وذكر كلمة "لولا" يفيد انه ماكان لهم عذر فی ترك التضرع الاعنادهم وقسوتهم واعجابهم باعمالهم التی زينها الشيطان لهم والله أعلم (كبير ۴/۵۳۴)

{۴۵} نسوا بمعنی تركوا ماذكروا به عن ابن عباس وابن جريج وهو قول ابی علی (قرطبی ۶/۸/۳۸۹)

{۴۶} التفسير المنير ۷/۲۰۱

قدرتِ الٰہیہ کے دلائل اور نبوت کے مقاصد

﴿۴۶......۴۹﴾

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ

تو کہہ دیکھو تو اگر چھین لے اللہ تمہارے کان اور آنکھیں اور مہر کردے تمہارے دلوں پر تو کون ایسا رب ہے اللہ کے سوا

يَأْتِيكُمْ بِهِ ۗ انْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُونَ ﴿٤٦﴾ قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ

جو تم کو یہ چیزیں لادیوے دیکھ ہم کیونکر طرح طرح سے بیان کرتے ہیں باتیں پھر بھی وہ کنارہ کرتے ہیں تو کہہ دیکھو تو اگر آوے تم پر

عَذَابُ اللَّهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الظَّالِمُونَ ﴿٤٧﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا

عذاب اللہ کا اچانک یا ظاہر ہوکر تو کون ہلاک ہوگا ظالم لوگوں کے سوا اور ہم رسول نہیں بھیجتے مگر

مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ ۖ فَمَنْ آمَنَ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٤٨﴾

خوشی اور ڈر سنانے کو پھر جو کوئی ایمان لایا اور سنور گیا تو نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٤٩﴾

اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ان کو پہنچے گا عذاب اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے

ربط: گذشتہ آیات کی طرح ان آیات میں بھی اللہ کی قدرت کا اثبات اور اس کے وجود اور توحید کے دلائل مذکور ہیں۔

تسہیل: ان کافروں سے پوچھیے کہ اگر اللہ تمہارے سننے اور دیکھنے کی صلاحیت سلب کر لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا اور کون معبود ہے جو تمہیں یہ نعمتیں عطا کر دے، دیکھیے ہم کیسے ادل بدل کر اپنی نشانیاں بیان کرتے ہیں مگر وہ پھر بھی بے رخی ہی کرتے ہیں O کہہ دیجیے کبھی تم نے اس پر غور کیا کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب اچانک یا علانیہ آ جائے تو ظالموں کے سوا اور کون ہلاک ہوگا O اور ہم پیغمبروں کو صرف اس لیے بھیجتے ہیں تاکہ وہ کسی کو خوشخبری سنائیں اور کسی کو ڈرائیں، پھر جو لوگ ایمان لے آئیں اور اصلاح کر لیں، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی انہیں کوئی غم لاحق ہوگا O اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، ان پر ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے عذاب آ کر رہے گا O

﴿تفسیر﴾

﴿۴۶﴾ یہ کان جن سے تم سینکڑوں آوازیں سنتے ہو، یہ آنکھیں جن سے تم ہزاروں رنگ دیکھتے ہو اور یہ دل جو

زندگی کا مرکز اور علم و عقل کا منبع ہے، اگر اللہ تمہارے ان قوی کو معطل کر دے تو اللہ کے سوا کون ہے جو تمہیں سننے، دیکھنے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت عطا کر سکتا ہے۔

"اُنظُر کیف نُصَرّف الآیات" یہ تو ایک نشانی کا مطالبہ کر رہے تھے دیکھیے کہ ہم ان کے سامنے انداز بدل بدل کر کتنی نشانیاں اور کتنے دلائل پیش کر چکے ہیں لیکن یہ ان پر غور کرنے کے بجائے اعراض ہی کیے جا رہے ہیں۔

﴿۴۷﴾ اچھا یہ بتاؤ تم جو کسی واضح نشانی کا مطالبہ کر رہے ہو، اگر اللہ تمہارا یہ مطالبہ پورا کر دے اور اس کا عذاب چپکے سے یا کھلم کھلا تمہارے اوپر آ جائے تو تم کیا کر لو گے! کیا تم اسے روک سکتے ہو اور کیا ظالموں کو اس کی لپیٹ میں آنے سے کوئی بچا سکتا ہے، اور ظالم ہی تو ہیں جو اس کی لپیٹ میں آئیں گے ورنہ اللہ کے بندوں کو تو اس سے بچا ہی لیا جائے گا۔

﴿۴۸﴾ تم بار بار نشانیاں اور معجزات مانگتے ہو جبکہ انبیاء اور رسولوں کی بعثت کا مقصد یہ نہیں کہ وہ ہر تماشہ بین کے مطالبہ پر کوئی نہ کوئی عجوبہ دکھا دیں بلکہ وہ اللہ کی رحمت کی بشارت سنانے اور کفر و شرک کی صورت میں اس کے عذاب سے ڈرانے اور خبردار کرنے کے لیے آتے ہیں عذاب، معجزات اور خوارق ان کی بعثت کے مقاصد نہیں ہیں لہٰذا ان چیزوں کا مطالبہ بھی ان سے نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان کا دامن تو ایمان اور عملِ صالح کا طلبگار بن کر تھامنا چاہیے کیونکہ وہ ایمان اور اعمالِ صالحہ کی دولت ہی تقسیم کرنے کے لیے آتے ہیں اور جس کے پاس یہ دولت ہوگی وہ دنیا کی پریشانیوں سے بھی محفوظ رہے گا اور اسے کثرت میں بھی کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا۔

﴿۴۹﴾ لیکن جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلا دیں گے، ان پر اللہ کی آیات کو جھٹلانے، کفر و شرک کا ارتکاب کرنے اور فسق و فجور میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اللہ کا عذاب آئے گا۔

حکمت و ہدایت

۱...... کان، آنکھیں اور قلب و دماغ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں، جس ہستی نے یہ نعمتیں ہیں عطا کی ہیں وہی ہستی چھین بھی سکتی ہے اس لیے اس سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ (۴۶)

۲...... ظالم، اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے، جلد یا بدیر ان پر اللہ کا عذاب آ کر رہے گا۔ (۴۷)

۳...... انبیاء کی بعثت کا اصل مقصد ترغیب و ترہیب ہے، وہ فرمانبرداروں کو بشارت سناتے ہیں اور نافرمانوں کو ڈراتے ہیں...... امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں رزق کی وسعت اور آخرت میں

ثواب کی بشارت سناتے ہیں۔

۴......فسق و فجور حقیقت میں کفر و تکذیب کا نتیجہ ہے اور اطاعت، ایمان کا ثمرہ ہے۔(۴۹)

علمِ نبوّت کا سرچشمہ اور ضعفاء کے بارے میں اہم ہدایات

﴿۵۰......۵۳﴾

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ

تو کہہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے اور نہ میں جانوں غیب کی بات اور نہ میں کہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُ اَفَلَا

میں تو اسی پر چلتا ہوں جو میرے پاس اللہ کا حکم آتا ہے تو کہہ دے کب برابر ہو سکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا سو کیا تم

تَتَفَكَّرُوْنَ۠ ﴿۵۰﴾ وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

غور نہیں کرتے اور خبردار کر دے اس قرآن سے ان لوگوں کو جن کو ڈر ہے اسکا کہ وہ جمع ہونگے اپنے رب کے سامنے اس طرح پر کہ اللہ کے سوا نہ کوئی ان کا

وَلِیٌّ وَّ لَا شَفِیْعٌ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ

حمایتی ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا تاکہ وہ بچتے رہیں اور مت دور کر ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح

وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَیْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ

اور شام چاہتے ہیں اسی کی رضا تجھ پر نہیں ہے ان کے حساب میں سے کچھ اور نہ تیرے حساب میں سے

عَلَیْهِمْ مِّنْ شَیْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۲﴾ وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ

ان پر ہے کچھ کہ تو ان کو دور کرنے لگے پس ہو جاویگا تو بے انصافوں میں اور اسی طرح ہم نے آزمایا ہے بعضے لوگوں کو بعضوں سے

لِّیَقُوْلُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنْۢ بَیْنِنَا اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِیْنَ ﴿۵۳﴾

تاکہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے فضل کیا ہم سب میں کیا نہیں ہے اللہ خوب جاننے والا شکر کرنے والوں کو

ربط: وہی مضمون ہے جو پچھلی آیات میں بیان ہوا، مشرکین مخصوص نشانیاں اور معجزات دکھانے کا مطالبہ کرتے تھے، جواب دیا گیا مجھ سے اس چیز کے ملنے کی اُمید رکھو جسے تقسیم کرنے کے لیے مجھے بھیجا گیا ہے، ان چیزوں کی اُمید نہ رکھو جو نہ میرے اختیار میں ہیں اور نہ ہی ان کے ظاہر کرنے اور دینے کے لیے مجھے بھیجا گیا ہے۔

تسھیل: فرمادیجیے میں تمہارے سامنے نہ تو میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ ہی غیب

دانی اور نہ ہی فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس آتی ہے، ان سے پوچھیے کیا اندھا اور بینا دونوں یکساں ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور نہیں کرتے O اور اس قرآن کے ذریعہ سے ان لوگوں کو خبردار کر دیجیے جو اپنے ربّ کے حضور اکٹھے کیے جانے سے ڈرتے ہیں، اس حال میں کہ نہ ان کا کوئی حامی ہوگا اور نہ ہی کوئی سفارشی، تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں O اور ان لوگوں کو اپنے سے دور نہ کیجیے جو صبح شام اپنے ربّ کو اس کی رضا چاہتے ہوئے پکارتے ہیں، نہ پر ان کی کوئی ذمہ داری ہے اور نہ آپ کی ذمہ داری کا کوئی حصہ ان پر ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں دور ہٹا کر ظالموں میں سے بن جائیں O اسی طرح ہم انسانوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے آزماتے ہیں تاکہ وہ (غریبوں کو دیکھ کر) کہیں کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے فضل کیا ہے؟ کیا اللہ شکر کرنے والوں کو ان سے زیادہ نہیں جانتا O

﴿تفسیر﴾

﴿۵۰﴾ وہ لوگ جو جہالت کی بناء پر صلی اللہ علیہ وسلم سے حسّی اور مادی معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے، انہیں ایک واضح اور فیصلہ کن جواب دیا جا رہا ہے کہ نہ تو میں نے کبھی خدائی کا دعویٰ کیا ہے، نہ غیب جاننے کا اور نہ ہی فرشتہ ہونے کا پھر تم مجھ سے ایسی چیزوں کا مطالبہ کیوں کرتے ہو جو میری قدرت اور اختیار میں نہیں ہیں، میں تو تمہارے جیسا ایک انسان ہوں فرق صرف یہ ہے کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے اسی وحی کی میں پیروی کرتا ہوں اور اس پر ایمان لانے کی میں تمہیں دعوت دیتا ہوں، اس وحی پر ایمان لانے اور ایمان نہ لانے والوں کی مثال بینا اور نابینا کی ہے اور بینا اور نابینا یقیناً برابر نہیں ہو سکتے۔

''افلا تتفکرون'' کیا تم غور و فکر نہیں کرتے تاکہ شرک اور ایمان کے درمیان فرق کر سکو اور قرآنِ کریم میں بکھرے ہوئے دلائلِ توحید سمجھ سکو۔

﴿۵۱﴾ مادی معجزات کے طلبگاروں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجیے اور اس قرآن کے ذریعہ سے ان لوگوں کو سمجھائیے اور خبردار کیجیے جو قیامت کے دن اللہ کے سامنے پیش ہونے سے ڈرتے ہیں۔

''لعلکم تتقون'' [۴۷] تاکہ وہ دنیا میں کفر و معصیت سے بچے رہیں۔

{۴۷} تعلیل الامر، الی انذرهم لکی یتقوا الکفر والمعاصی (ابی سعود ۳۸۸/۲)

شانِ نزول

﴿۵۲﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قریش کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرے، اس وقت کے پاس حضرت صہیب، حضرت بلال، حضرت عمار اور حضرت خباب رضی اللہ عنہم جیسے کچھ غریب اور کمزور مسلمان بیٹھے ہوئے تھے، قریشیوں نے کہا اے محمد! کیا تم اپنی قوم کو چھوڑ کر ان غریبوں کی ہم نشینی پر راضی ہو؟ کیا یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے ہم میں سے خاص طور پر احسان کیا ہے؟ کیا ہم ان لوگوں کی اتباع کریں گے؟ اگر انہیں مجلس سے ہٹا دیں تو ممکن ہے کہ ہم کی اتباع کے لیے تیار ہو جائیں اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی[۴۸] جس میں فرمایا گیا کہ ان لوگوں کو کسی صورت بھی اپنی مجلس سے دور نہ کیجیے جو کامل مومن اور اعلیٰ ایمانی صفات سے متصف ہیں وہ ہر وقت اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں[۴۹] اور اس سے ان کا مقصد اللہ کی رضا کے سوا کچھ نہیں ہے۔

"مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ" اگر مشرکین ان کی نیت اور اخلاص میں شک کرتے ہیں تو ان کی باتوں کی طرف قطعاً توجہ نہ کیجیے، جب اللہ نے ان کے اخلاص کی گواہی دے دی ہے تو اب پر ان کے ظاہر ہی کا اعتبار کرنا ضروری ہے، باطن کو ٹٹولنے کی ضرورت نہیں، اگر بالفرض وہ ایمان لانے میں مخلص نہیں ہیں تو ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، سے اس بارے میں پوچھ گچھ نہیں ہوگی یونہی کے حساب کی ذمہ داری صرف پر ہی ہے، اس بارے میں ان سے کوئی سوال نہیں ہوگا۔[۵۰]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جو تلقین کی گئی ہے تو اس لیے نہیں کہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں غریب صحابہ کو مجلس سے نہ اٹھا دیں یا یہ کہ آپ کو ان کے اخلاص پر کوئی شک تھا بلکہ اس لیے تاکہ سردارانِ قریش مایوس ہو جائیں اور ان کا غرور خاک میں مل جائے اور انہیں یقین آ جائے کہ ان کے ایمان لانے کی موہوم امید کی وجہ سے مخلصین کی جماعت کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔

﴿۵۳﴾ کسی کو مال و دولت کا دیا جانا اس کے استحقاق اور اللہ کے نزدیک اس کے محترم ہونے کی دلیل نہیں اور یونہی کسی کو اس سے محروم رکھنا اس کے حقیر اور کمتر ہونے کی علامت نہیں، بلکہ اس کی اصل حکمت اور مقصد آزمائش اور

{۴۸} ابن كثير ۱۸۴/۲

{۴۹} والمراد بذكر الوقتين الدوام (ابی سعود ۳۸۹/۲)

{۵۰} كشاف ۵۰۷/۱

امتحان ہے کہ دیکھا جائے کون ہے جو غربت میں صبر و قناعت سے کام لیتا ہے اور کون ہے جو مایوسی کا شکار ہو کر تقدیر کے شکوے کرنے لگتا ہے، یونہی بعض کو مال و دولت عطا کر کے دیکھا جاتا ہے کہ کون ہے جو رزق میں وسعت حاصل ہونے پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور کون ہے جو فخر اور غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے جیسا کہ سردارانِ قریش نے تکبر کا رویہ اختیار کیا اور وہ غرباء اور کمزور مسلمانوں کو دیکھ کر کہنے لگے کیا یہی ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ نے قبولِ ہدایت کی توفیق دی ہے۔ مقصد ان کا یہ تھا کہ اگر واقعی اس دین میں بھلائی کوئی بات ہوتی تو یہ فقراء ہم سے پہلے ہرگز ایمان قبول نہ کرتے۔

''ألیس اللہ بأعلم بالشاکرین'' (کیا اللہ شکر کرنے والوں کو ان سے زیادہ نہیں جانتا) اللہ ایمان کی نعمت انہی لوگوں کو عطا کرتا ہے جو اللہ کی نعمتوں کو شکر ادا کرتے اور ان کی قدر کرتے ہیں، رہے وہ ناشکرے لوگ جو اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو اس کے اور اس کے نبیوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں اور کمزوروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں تو ایسے لوگ ایمان کی نعمت سے محروم ہی رہتے ہیں۔

حکمت و ہدایت

۱......رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بشر تھے نہ آپ مختارِ کل تھے، نہ ہی غیب کا علم رکھتے تھے۔(۵۰)

۲......مومن اور کافر برابر نہیں ہو سکتے، اللہ کے ہاں مومن بینا اور کافر نابینا شمار ہوتا ہے۔(۵۰)

۳......دوسرے انبیاء کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد بھی بشارت و انذار تھا۔(۵۱)

۴......ایسے غرباء جو اصحابِ ایمان و تقویٰ ہوں ان کی مجالس میں بیٹھنا اور انہیں اپنی مجالس میں بٹھانا مستحب ہے۔(۵۲)

۵......مومن کی شان یہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کو یاد کرتا رہے۔(۵۲)

۶......معاشرہ میں اغنیاء اور فقراء کے وجود میں ایک بڑی حکمت، ابتلاء اور آزمائش ہے۔(۵۲)

۷......شکر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ مزید نوازتا ہے جبکہ ناشکرے محروم رہتے ہیں۔(۵۳)

رحمتِ الٰہی کے بعض احوال

﴿۵۴......۵۵﴾

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ

اور جب آویں تیرے پاس ہماری آیتوں کے ماننے والے تو کہہ دے تو سلام ہے تم پر لکھ لیا ہے تمہارے رب نے اپنے اوپر

الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ

رحمت کو کہ جو کوئی کرے تم میں سے برائی ناواقفیت سے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور نیک ہو جائے تو بات یہ ہے کہ وہ ہے بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝

مہربان اور اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیتوں کو اور تا کہ کھل جاوے طریقہ گنہگاروں کا

ربط: حکم دیا جا رہا ہے کہ قریش کے مطالبہ پر غریب اور کمزور مسلمانوں کو اپنی مجلس سے ہٹانے کے بجائے، آپ ان کی آمد پر محبت اور اکرام کے ساتھ ان کا استقبال کیا کریں اور سلام کرنے میں پہل کیا کریں۔

تسہیل: اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ ان سے فرما دیجیے کہ تم پر سلامتی ہو، تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت لازم کر لی ہے کہ تم میں سے جو کوئی نادانی میں بری حرکت کر بیٹھے، پھر اس کے بعد وہ توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو اللہ اس کے ساتھ بخشش اور مہربانی کا معاملہ کرتا ہے ○ اسی طرح ہم آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ مجرموں کا راستہ بالکل واضح ہو جائے ○

﴿تفسیر﴾

﴿۵۴﴾ اے رسول! جب آپ کی خدمت میں وہ مخلص لوگ حاضر ہوں جو صدقِ دل سے ہماری کتاب کی تصدیق کرتے اور اپنے گناہوں پر ندامت کا اظہار کرتے ہیں اور انہیں یہ خدشہ لگا رہتا ہے کہ نہ معلوم ہماری توبہ اللہ کے ہاں قبول ہوئی یا نہیں ہوئی اور ہمارے گناہ معاف ہوئے یا نہیں ہوئے، تو آپ انہیں اللہ کی جانب سے امن اور سلامتی کی یقین دہانی کرائیے، اسی طرح جن فقراء کو مجلس سے ہٹانے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے آپ مشرکین کے مطالبہ کی عملی تردید کے لیے ان کا اکرام کیجیے انہیں سلام کرنے میں پہل کیجیے [51] اور انہیں یہ خوشخبری سنائیے کہ اللہ تعالیٰ نے محض

{۵۱} اس آیتِ کریم کے دو مطلب اس لیے بیان کیے گئے ہیں کیونکہ شانِ نزول میں دو مختلف واقعے بیان کیے گئے ہیں (تفسیر القرطبی ۶/۴۳۵)

فضل وکرم سے اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے، اس کی رحمت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ تم میں سے جو کوئی نادانی کی وجہ سے برائی کا ارتکاب کر بیٹھے پھر وہ توبہ کرلے، گناہ سے باز آجائے، آئندہ نہ کرنے کا عزم کرلے اور اپنی اصلاح کرلے تو اللہ اسے بخش دے گا کیونکہ اللہ بہت بخشنے والا اور بے حد رحم کرنے والا ہے۔

﴿۵۵﴾ قرآن کی آیات اور شریعت کے حقائق کی وضاحت ہم اس لیے کرتے ہیں تا کہ مجرموں کی روش اور ان کا اندازِ فکر اہلِ ایمان پر واضح ہو جائے جب مجرموں کا راستہ ان پر واضح ہو جائے گا تو مؤمنوں کا راستہ خود بخود وہ جان لیں گے کیونکہ کسی ایک چیز کے خواص جان لینے سے اس کی ضد کے خواص از خود سمجھ میں آ جاتے ہیں...... ویسے بھی قرآن کا انداز یہ ہے کہ وہ بسا اوقات دو قسموں میں سے ایک کو ذکر کر دیتا ہے اور دوسری قسم کو مخاطب اور قاری کے فہم پر چھوڑ دیتا ہے گویا یہاں پر پوری عبارت اور اس کا مفہوم یوں ہے ''اسی طرح ہم آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تا کہ ایمان والوں کا راستہ بھی واضح ہو جائے اور مجرموں کا راستہ بھی واضح ہو جائے''۔{۵۲}

حکمت وہدایت

۱......طالبانِ حق کے ساتھ نرمی اور محبت کا معاملہ کرنا چاہیے اگر چہ وہ غرباء اور فقراء ہی کیوں نہ ہوں...... یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صلحاء کا احترام واجب ہے۔(۵۴)

۲......گناہ گاروں کو مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ گناہوں پر نادم ہونے والوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔(۵۴)

۳......اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی ساری مخلوق کے لیے عام ہے کیونکہ اس نے محض اپنے فضل وکرم سے اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔(۵۴)

قولِ فیصل اور حجّتِ قاطع

﴿۵۶......۵۸﴾

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ

تو کہہ دے مجھ کو روکا گیا ہے اس سے کہ بندگی کروں ان کی جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا تو کہہ میں نہیں چلتا تمہاری خوشی پر

{۵۲} ''نفصل الآیات'' ای آیات القرآن فی صفة المطیعین والمجرمین المصرین منهم والاوابین (بیضاوی ۲/۴۱۴) فمتی استبانت طریقة المجرمین فقد استبانت طریقة المحقین ایضا لامحالة (التفسیر الکبیر ۵/۷/۸)

قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿٥٦﴾ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ
بیشک اب تو میں بھٹک جاؤں گا اور نہ رہوں گا ہدایت پانے والوں میں تو کہہ دے کہ مجھ کو شہادت پہنچی میرے رب کی اور

كَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ
تم نے اس کو جھٹلایا میرے پاس نہیں جس چیز کی تم جلدی کر رہے ہو حکم کسی کا نہیں سوا اللہ کے بیان کرتا ہے حق بات اور وہ سب سے اچھا

الْفٰصِلِيْنَ ﴿٥٧﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ
فیصلہ کرنے والا ہے تو کہہ اگر ہوتی میرے پاس وہ چیز جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو طے ہو چکا ہوتا جھگڑا درمیان میرے اور درمیان تمہارے

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٨﴾
اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو

تسہیل: آپ فرما دیجیے مجھے ان کی بندگی سے منع کیا گیا ہے جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو اور یہ بھی بتا دیجیے کہ میں تمہاری خواہشات کی اتباع نہیں کر سکتا اگر میں ایسا کروں تو گمراہ ہو جاؤں اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ رہوں ٥ آپ کہہ دیجیے کہ میرے پاس میرے ربّ کی طرف سے ایک واضح دلیل ہے اور تم اسے جھٹلاتے ہو، جس چیز کے لیے تم جلدی مچاتے ہو وہ میرے پاس نہیں، اللہ کے سوا کسی کے پاس بھی فیصلے کا اختیار نہیں ہے وہ حق بیان کرتا ہے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ٥ آپ کہہ دیجیے اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کا تم جلدی تقاضا کر رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ٥

تفسیر

﴿۵۶﴾ آپ ان مشرکین سے فرما دیجیے مجھے ان بتوں، انسانوں، جنّوں، فرشتوں اور تمام چیزوں کی عبادت سے منع کیا گیا ہے جن کی عبادت تم اللہ کو چھوڑ کر کرتے ہو...... قرآن نے "تدعون" (پکارنے) کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن کسی کو نفع اور نقصان کا مالک سمجھ کر پکارنا، حقیقت میں اس کی عبادت اور شرک ہے۔

"قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ" فرما دیجیے کہ میں تمہاری خواہشات یعنی مشرکانہ طور طریقوں کی اتباع نہیں کر سکتا۔ جس رسم اور طریقہ کی فطری حسّی، عقلی اور نقلی کوئی دلیل بھی موجود نہ ہو، اسے ذاتی خواہش کے سوا اور کیا نام دیا جا سکتا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر حقیقت کھول دی اور مجھے واضح طور پر شرک سے منع کر دیا تو اب کیسے ممکن ہے کہ میں حقیقت کو چھوڑ کر تمہاری نفسانی خواہشات، خود تراشیدہ رسوم و بدعات اور بے سند طریقوں کی عبادت کروں۔ اگر

میں ایسا کروں تو میں راہِ راست سے بھٹک جاؤں گا اور پھر کبھی ہدایت نہ پاسکوں گا۔

﴿۵۷﴾ آپ فرما دیجیے میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل قرآن کی صورت میں آ چکی ہے[۵۳] جبکہ تم اسے جھٹلاتے ہو[۵۴] اور قرآنی حقائق کے بجائے اپنی خواہشات کی اور بے سند موروثی خیالات کی اتباع کرتے ہو۔

''ما عندی'' جس چیز (عذاب) کے لیے تم جلدی مچاتے ہو اس کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں بلکہ اس کا فیصلہ کرنے کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے وہ چاہے تو تم پر جلدی عذاب بھیج دے اور چاہے تو تمہیں کچھ مہلت دے دے۔

﴿۵۸﴾ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کفر و شرک اور ظلم کی وجہ سے اللہ کے عذاب سے ڈراتے تو وہ آپ سے فوراً عذاب کے دکھانے اور نازل کرنے کا مطالبہ کرتے، اس پر آپ نے اللہ کے حکم سے ارشاد فرمایا کہ جس عذاب کے لیے تم جلدی مچاتے ہو اگر وہ میرے اختیار میں ہوتا تو میرے اور تمہارے درمیان جھگڑے کا فیصلہ اب تک ہو چکا ہوتا۔

''واللہ اعلم بالظلمن'' ۔اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے جن کی ہدایت اور صلاح کی کوئی امید باقی نہیں اور یہ بھی اسی کے علم میں ہے کہ انہیں کب اور کیسے سزا دینی ہے۔

حکمت و ہدایت

۱......حق اور باطل کبھی جمع نہیں ہو سکتے کیونکہ حق کی بنیاد حقیقت پر ہے جبکہ باطل کی بنیاد خواہشات پر ہے۔(۵۶)

۲......اہلِ باطل کی خواہشات کی اتباع انسان کو گمراہی اور ہلاکت تک پہنچا دیتی ہے۔

۳......مسلمان داعی کے پاس قرآن کریم کا اتنا علم ضروری ہے جس کے ذریعے وہ لوگوں کو دعوت دے سکے۔(۵۷)

۴......اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلہ کے بغیر انسان کچھ بھی نہیں کر سکتا۔(۵۷)

۵......گمراہوں کی طرف سے جو غلط قسم کے مطالبات ہوں، داعی پر لازم ہے کہ وہ ان کے جواب میں صبر کرے۔(۵۸)

{۵۳} وقیل المراد بها القرآن والوحی أو الحجج العقلیة أو ما یعمها (بیضاوی ۲/۴۱۴)

{۵۴} وقیل (بعود الضمیر) بالقرآن (قرطبی ۶/۴۰۰)

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے وہ یہ کہ طائف کے موقع پر آپ نے فرمایا تھا مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشت سے ایسے لوگوں کو پیدا فرمائے گا جو اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور یہاں یہ فرمایا کہ اگر عذاب میرے اختیار میں ہوتا تو اب تک قصہ ختم ہو چکا ہوتا یعنی میں تم پر عذاب واقع کر دیتا، بظاہر دونوں میں تعارض محسوس ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ طائف والوں نے آپ سے عذاب نازل کرنے کا مطالبہ نہیں کیا تھا بلکہ پہاڑوں کے فرشتہ نے انہیں تباہ کر دینے کی پیشکش کی تھی جس پر آپ نے مذکورہ بالا ارشاد فرمایا جب کہ آیتِ کریمہ میں جن لوگوں کو جواب دیا گیا ہے یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے خود بڑے زور شور سے عذاب کا مطالبہ کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا کمالِ علم اور بندوں پر غلبہ

﴿۵۹.....۶۲﴾

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ

اور اسی کے پاس کنجیاں ہیں غیب کی کہ ان کو کوئی نہیں جانتا اسکے سوا اور وہ جانتا ہے جو کچھ جنگل اور دریا میں ہے اور نہیں جھڑتا کوئی پتا

مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ

مگر وہ جانتا ہے اسکو اور نہیں گرتا کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی ہری چیز اور نہ کوئی سوکھی چیز مگر وہ

كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ

سب کتاب مبین میں ہے اور وہی ہے کہ قبضہ میں لے لیتا ہے تم کو رات میں اور جانتا ہے جو کچھ کہ تم کر چکے ہو دن میں پھر تم کو اٹھا دیتا ہے اس میں

فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾

تاکہ پورا ہو وہ وعدہ جو مقرر ہو چکا ہے پھر اسی کی طرف تم کو لوٹ جانا ہے پھر خبر دیگا تم کو اسکی جو کچھ تم کرتے ہو

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان یہاں تک کہ جب آپہنچے تم میں سے کسی کو موت تو

تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ

قبضہ میں لے لیتے ہیں اسکو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اور وہ کوتاہی نہیں کرتے پھر پہنچائے جاویں گے اللہ کی طرف جو مالک انکا ہے سچا سن رکھو حکم اسی کا ہے

وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾

اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے

ربط: اوپر فرمایا گیا کہ میرے اختیار میں وہ چیز نہیں ہے جس کے لیے تم جلدی مچاتے ہو بلکہ اس کا اختیار تو اللہ کے پاس ہے گویا اسے ہی علم ہے کہ کس پر اور کب عذاب بھیجنا ہے اور یہاں اللہ کے علم کی وسعت ہی بیان کی جا رہی ہے۔

تسہیل: اور غیب کی چابیاں اللہ ہی کے پاس ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا بحر و بر میں جو کچھ ہے اسے وہ جانتا ہے، درخت سے گرنے والے ہر پتے کا اسے علم ہے، زمین کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہر دانے کی اسے خبر ہے اور ہر تر اور خشک چیز لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے O وہی تو ہے جو رات کو نیند کی حالت میں تمہیں اپنے قبضے میں لے لیتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم دن میں کرتے ہو پھر تمہیں دن میں بیدار کر دیتا ہے تا کہ زندگی کی معین مدت پوری کر دی جائے بالآخر اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا، پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو O اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تمہارے اوپر نگہبان مقرر کرتا ہے، یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے O پھر ان سب کو اللہ کی طرف لوٹا دیا جائے گا جو ان کا سچا مالک ہے، خوب سن لو، فیصلے کا اختیار اللہ ہی کو حاصل ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے O

﴿تفسیر﴾

﴿۵۹﴾ غیب کی وہ چابیاں جن کے ذریعے علمِ غیب تک پہنچا جا سکتا ہے وہ اللہ کے پاس ہیں، ان چابیوں اور غیب کے خزانوں کا علم اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے، وہ جسے چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے علم عطا کر دیتا ہے، وہ صرف کلیات کا نہیں جزئیات کا بھی عالم ہے، درخت سے گرنے والے پتے اور زمین کی تہہ میں ڈالے جانے والے دانے کے وقت اور جگہ تک کا اسے علم ہوتا ہے، اس کا علم ساری کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہے، کوئی چیز بھی اس کے علم سے باہر نہیں ہے، ہر غیب اور حاضر، ظاہر اور باطن، تر اور خشک اس کے رجسٹر میں درج ہے۔

﴿۶۰﴾ اس کے علم اور قدرت کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ وہ تمہیں ہر رات وفات دے دیتا ہے (نیند بھی ایک قسم کی وفات ہی ہے، حدیث میں اسے موت کی بہن قرار دیا گیا ہے) اور جب وہ تمہیں رات کو وفات دیتا ہے تو اسے تمہارے دن بھر کے سارے اعمال کا علم ہوتا ہے، پھر دوسرے دن وہ تمہیں اٹھا دیتا ہے، یونہی تمہاری وہ معین زندگی پوری ہو جاتی ہے جو اللہ نے ہر ایک کے لیے مقرر کی ہوئی ہے، یہ سلسلہ روز و شب یونہی جاری رہے گا یہاں تک کہ زندگی کی مہلت ختم ہو جائے گی اور تم اپنے اعمال ناموں کے ساتھ اللہ کے حضور پیش ہو جاؤ گے، پھر وہ تمہیں بتا دے گا

جو کچھ تم کرتے رہے ہو، جب تم ہر شب مرنے اور ہر صبح جینے کے تجربے سے گزرتے ہو تو تمہیں حقیقی موت اور حشر کی صبح کی زندگی کے بارے میں کوئی اشتباہ نہیں ہونا چاہیے، اور جیسے تمہارے دن بھر کے اعمال اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں یونہی تمہارے زندگی بھر کے اعمال بھی اس سے مخفی نہیں ہیں۔

﴿۶۱﴾ وہ قادر بھی ہے اور قاھر بھی ہے، قاھر سے مراد جبر اور زبردستی کرنے والا نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے غالب۔ ہر بندہ اور ہر چیز اس کی عظمت اور جلال کے سامنے گردن جھکائے ہوئے ہے، سب اس کے کنٹرول میں ہیں اس نے بندوں پر نگراں فرشتے مقرر کر رکھے ہیں، جو اللہ کے حکم سے انسان کی بھی حفاظت کرتے ہیں اور اس کے اعمال بھی شمار کرتے ہیں، اگرچہ انسان کا کوئی قول اور عمل اللہ کی نظر سے اوجھل نہیں ہے لیکن اس پر حجت قائم کرنے کے لیے، فرشتے اس کے اعمال لکھنے کا بھی اہتمام کرتے ہیں تاکہ ایک حسّی اور مادّی دلیل بھی اس کے سامنے پیش کی جاسکے، دوسری حکمت اس میں یہ ہے کہ جب انسان کو معلوم ہوگا کہ میرے اعمال لکھے جارہے ہیں تو وہ گناہوں سے بچے گا اور نیک اعمال میں آگے بڑھنے کی کوشش کرے گا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

''اور اعمال نامہ سامنے رکھ دیا جائے گا پھر تم مجرموں کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی، یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ بڑی کو، اس نے تو ہر بات کو محفوظ کر رکھا ہے، اور انہوں نے جو عمل کیے ہوں گے سب کو حاضر پائیں گے اور تمہارا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا''﴿۵۵﴾

اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ یہ فرشتے انسان کے بدن اور اعمال کی حفاظت کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو یہ اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور اس کام میں وہ کوتاہی نہیں کرتے۔﴿۵۶﴾

﴿۶۲﴾ پھر یہ سارے جنہیں فرشتوں نے موت دی ہوگی، جزا اور سزا کے لیے اللہ کی عدالت میں پیش کر دیئے جائیں گے، اس دن صرف اللہ کو فیصلے کا اختیار ہوگا اور اس کے فیصلے کو کوئی رد بھی نہیں کر سکے گا اور وہ بہت مختصر وقت میں سب کو فارغ کر دے گا۔

حکمت و ہدایت

۱......اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے، وہ کلیات کا بھی عالم ہے اور جزئیات کا بھی۔

﴿۵۵﴾ الکہف ۱۸/۴۹

﴿۵۶﴾ ای لایفصرون فیما امرھم اللہ تعالیٰ بہ وھذا یدل علی ان الملائکۃ الموکلین بقبض الارواح لایفصرون فیما امروا بہ (کبیر ۵/۱۶)

۲......وہ لوگ جو اللہ کے سوا دوسروں کو عالم الغیب بتلاتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جو شخص یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل کے بارے میں جانتے تھے وہ اللہ پر بہت بڑا جھوٹ گڑھتا ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "آپ فرما دیجیے آسمانوں اور زمین میں جو غیب ہے اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا" {۵۷} (النمل ۲۷/۶۵)

۳......نیند پر وفات کا اطلاق ہو سکتا ہے کیونکہ اس کا اصل معنی پورا پورا وصول کرنا ہے اسی پے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفعِ آسمانی کے لیے "متوفی" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

ظلمات سے نجات پر قدرتِ الٰہیہ

﴿۶۳......۶۴﴾

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ
تو کہہ کون تم کو بچالاتا ہے جنگل کے اندھیروں سے اور دریا کے اندھیروں سے اس وقت میں کہ پکارتے ہو تم اسکو گڑگڑا کر اور چپکے سے کہ اگر

اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ
ہم کو بچالیوے اس بلا سے تو البتہ ہم ضرور احسان مانیں گے تو کہہ دے اللہ تم کو بچاتا ہے اس سے اور ہر سختی سے

ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾
پھر بھی تم شرک کرتے ہو

ربط: اسلوب بدل کر قدرتِ الٰہیہ کے کمال ہی کا بیان ہے۔

تسہیل: آپ ان سے پوچھیے، بھلا وہ کون ہے جو تمہیں جنگلوں اور دریاؤں کی تاریکیوں سے اس وقت نجات دیتا ہے جب تم اسے عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو اور کہتے ہو کہ اے اللہ! اگر تو نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی تو ہم یقیناً شکرگزار بن جائیں گے ○ آپ کہیے کہ اس مصیبت سے اور ہر تنگی سے تمہیں اللہ ہی نجات دیتا ہے، پھر بھی تم شرک کرتے ہو ○

﴿تفسیر﴾

﴿۶۳﴾ اے شرک کی اندھی اور تاریک وادیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والو! اگر تم تعصب سے بالاتر ہو کر

{۵۷} صحیح مسلم

غور وفکر کرو تو عقیدہ توحید کا اقرار تمہاری فطرت میں پایا جاتا ہے جس پر واضح دلیل یہ ہے کہ جب تم کسی جنگل یا دریا میں پھنس جاتے ہو تو اس وقت تمہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں سمجھا تا ہے جسے تم مصیبت سے نجات کے لیے پکار سکو، اس وقت تم قسمیں اٹھا اٹھا کر وعدے کرتے ہو کہ اے اللہ اگر تو نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی تو ہم شرک کے بجائے تیری نعمتوں کا شکر کرنے والے بن جائیں گے۔

﴿۶۴﴾ لیکن جب باری تعالیٰ تمہیں مصیبت سے نجات دے دیتا ہے تو تم اپنے وعدے بھول جاتے ہو اور شکر کے بجائے شرک کا اِرتکاب کرنے لگتے ہو۔

حکمت وہدایت

۱......عقیدہ توحید کا اقرار اور شرک سے بیزاری انسان کی فطرت میں داخل ہے لیکن بسا اوقات انسان فطرت کی آواز کو ذاتی خواہشات اور موروثی عقائد تلے دبا دیتا ہے۔ (۶۳)

۲......عام طور پر انسان اپنے عہد پر قائم نہیں رہتا اور پریشانی ختم ہونے کے بعد اللہ کو بھول جاتا ہے۔ (۶۳)

۳......جو شخص اللہ کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک کرتا ہے، اس نے حقیقت میں اللہ کی عبادت کی ہی نہیں کیونکہ عبادت کی اولین شرط اور بنیاد اخلاص اور توحید ہے۔ (۶۴)

عذاب دینے پر اللہ کی قدرت

﴿۶۵......۶۷﴾

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ

تو کہہ اسی کو قدرت ہے اس پر کہ بھیجے تم پر عذاب ف۳ اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے

اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ

یا بھڑا دے تم کو مختلف فرقے کر کے اور چکھا دے ایک کو لڑائی ایک کی دیکھ کس کس طرح سے ہم بیان کرتے ہیں آیتوں کو

لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝۶۵ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؕ ۝۶۶

تاکہ وہ سمجھ جاویں اور اس کو جھوٹ بتلایا تیری قوم نے حالانکہ وہ حق ہے تو کہہ دے کہ میں نہیں تم پر داروغہ

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ؗ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۶۷

ہر ایک خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور قریب ہے کہ اسکو جان لوگے

تسہیل: آپ فرما دیجیے کہ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ تم پر، اوپر سے عذاب نازل کردے یا تمہارے پیروں کے

نیچے سے عذاب اٹھادے یا تمہیں فرقے فرقے کر کے آپس میں ٹکرادے اور تمہیں ایک دوسرے کی طاقت کا مزہ چکھا دے، دیکھیے ہم کیسے انداز بدل بدل کر ان کے سامنے دلائل بیان کرتے ہیں تاکہ یہ سمجھ جائیں O آپ کی قوم نے اسے جھٹلا دیا ہے حالانکہ یہ حق ہے کہو کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں O ہر خبر کے ظاہر ہونے کا ایک وقت ہے اور تم عنقریب جان لوگے O

﴿تفسیر﴾

﴿۶۴﴾ اگر آج تمہارے رونے دھونے پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں چھوڑ دیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم ہمیشہ اس کی پکڑ سے بچے رہو گے وہ اس پر قادر ہے کہ قومِ لوط اور اصحابِ فیل کی طرح اوپر سے کوئی عذاب بھیج دے، پتھر برسادے یا بجلی گرا کر تمہیں بھسم کردے، یا قومِ نوح کی طرح تمہارے پاؤں کے نیچے سے سیلاب اٹھادے، یا قوم ثمود کی طرح ایسی چنگھاڑ جو تمہارے کانوں کے پردے پھاڑ دے یا زلزلہ جو پلک جھپکتے ہی تمہیں تہس نہس کر کے رکھ دے، یا تمہیں فرقوں میں تقسیم کردے اور آپس میں بھڑادے۔

اوپر اور نیچے سے اللہ کے عذاب کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اوپر ظالم حکمران مسلّط ہوجائیں اور ماتحت نوکر چاکر اور بیوی بچے نافرمانی شروع کردیں۔ {۵۸}

﴿۶۶﴾ قرآن جس عذاب کی وعید ان مشرکین کو سناتا ہے یہ {۵۹} یہ اسے جھٹلاتے ہیں حالانکہ اس عذاب کا وقوع یقینی ہے وہ ان پر واقع ہوکر رہے گا، اب اگر یہ نہیں مانتے تو آپ ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کردیں اور فرمادیں کہ میں تم پر کوئی داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا، میرا فریضہ تم تک اللہ کے پیغام کو پہنچادینا تھا سو میں نے وہ ادا کردیا۔

﴿۶۷﴾ عذاب کے آنے میں اگر کچھ تاخیر ہورہی ہے تو اس کی وجہ سے جری نہ ہوجاؤ کیونکہ اللہ کے ہاں ہر خبر کے ظہور کا ایک معین وقت ہے اس وقت سے پہلے اس کا ظہور ہو ہی نہیں سکتا۔

حکمت و ہدایت

۱......اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہیے وہ کسی وقت بھی آسکتا ہے اور اس کی مختلف صورتیں ممکن ہیں۔ (۶۴)

{۵۸} وأخرج ابو الشيخ عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما انه قال: من فوقكم اى من قبل أمرائكم واشرافكم ومن تحت أرجلكم أى من قبل سفلتكم وعبيدكم وفى رواية اخرى عنه تفسير الاول بائمة السوء والثانى بخدم السوء والمتبادر ماقدمنا (روح المعانى ۲۶۲/۷/۵)

{۵۹} اى القرآن...... وقيل هو للعذاب واختاره غالب المفسرين (حواله مذكوره)

۲......ضد اور عناد پر مبنی آپس کے اختلافات بھی اللہ کا عذاب ہیں، حضرت ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے اللہ تعالیٰ سے چار دعائیں مانگیں تھیں، ان میں سے تین دعائیں اللہ نے قبول فرمالیں اور چوتھی قبول نہیں فرمائی میں نے اللہ سے یہ دعا مانگی کہ میری امت گمراہی پر متفق نہ ہو جائے اور یہ کہ ان پر کوئی ایسا دشمن مسلط نہ ہو جائے (جو ان کا نام ونشان مٹا دے) اور یہ کہ انہیں قحط سالی میں ہلاک نہ کر دیا جائے یہ تینوں دعائیں قبول ہو گئیں، میں نے چوتھی دعا یہ مانگی کہ یہ فرقے فرقے ہو کر آپس ہی میں لڑنا شروع نہ کر دیں...... یہ دعا قبول نہیں ہوئی''۔ {۶۰}

جیسے اس حدیث میں امت کے مستقبل کے حوالے سے ایک پیشنگوئی کی گئی ہے، اس طرح کی متعدد احادیث اور بھی ہیں جن میں پیش آنے والے خطرات اور مصائب کی نشاندہی کی گئی ہے لیکن ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلمان اپنے آپ کو ان خطرات سے بچانے کی کوئی کوشش ہی نہ کریں بلکہ بچنے اور بچانے کے بجائے فتنوں کی آگ کو مزید بڑھکائیں اور جب اس آگ کے شعلے بلند ہوں تو یہ کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دے لیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشنگوئیوں کے مطابق ہو رہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال تو اس سمجھدار اور ہمدرد حکیم اور ڈاکٹر کی سی ہے جو اجنبی سرزمین کی طرف سفر کرنے والے مسافروں کو وہاں کی ناموافق آب وہوا اور ممکنہ امراض اور خطرات سے ڈراتا ہے، اس کا یہ مقصد تو ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ مسافر اپنے علاج اور بچاؤ کی تدبیریں کرنے کے بجائے جان بوجھ کر اسبابِ ہلاکت اختیار کر لیں، جب ہلاکت کے اسباب اختیار کیے جائیں گے تو ان کا نتیجہ ہلاکت ہی کی صورت میں ظاہر ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے، اس نے اس عالم میں نتائج کو اسباب کے ساتھ مربوط کیا ہے، جو لوگ اسباب اختیار کیے بغیر نتائج کے ظہور کے انتظار میں رہتے ہیں یا اسباب اختیار کرنے کے باوجود یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا کوئی نتیجہ ظاہر نہیں ہوگا تو ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو آگ جلائے بغیر سرد ہاتھوں کو تپانا چاہتا ہے یا آگ جلا کر یہ سمجھتا ہے کہ میں اور میرا دامن محفوظ رہے گا...... حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے استدلال قطعاً غلط ہے وہ ایک معجزہ تھا اور معجزات ہر روز وقوع پذیر نہیں ہوتے۔

آج امت کا حال یہ ہے کہ وہ ایک طرف تو پستی اور ہلاکت کے ایک دو نہیں بے شمار اسباب اختیار کیے ہوئے ہے اور دوسری طرف وہ معجزات کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہے۔

{۶۰} التفسیر المنیر ۲۴۱/۷

قرآن کا مذاق اڑانے والوں سے اعراض کا حکم

﴿۶۸......۷۰﴾

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ
اور جب تو دیکھے ان لوگوں کو کہ جھگڑتے ہیں ہماری آیتوں میں تو ان سے کنارہ کر یہاں تک کہ مشغول ہو جاویں کسی اور بات میں

غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾
اور اگر بھلا دے تجھ کو شیطان تو مت بیٹھ یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾
اور پرہیزگاروں پر نہیں ہے جھگڑنے والوں کے حساب میں سے کوئی چیز لیکن ان کے ذمہ نصیحت کرنی ہے تاکہ وہ ڈریں

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ
اور چھوڑ دے ان کو جنہوں نے بنا رکھا ہے اپنے دین کو کھیل اور تماشا اور دھوکا دیا ان کو دنیا کی زندگی نے اور نصیحت کر انکو قرآن سے تاکہ

تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ڰ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ
گرفتار نہ ہو جاوے کوئی اپنے کیے میں کہ نہ ہو اس کے لیئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ سفارش کرنے والا اور اگر بدلے میں دے

كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ
سارے بدلے تو قبول نہ ہوں اس سے وہی لوگ ہیں جو گرفتار ہوئے اپنے کیے میں ان کو پینا ہے گرم پانی

وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾
اور عذاب ہے دردناک بدلے میں کفر کے

ربط: اللہ کا رسول داروغہ نہیں ہوتا وہ تو صرف مبلغ ہوتا ہے، اس لیے اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ اگر یہ ہماری آیات کا مذاق اڑانے لگیں تو آپ ان کی مجالس سے کنارہ کشی اختیار کر لیا کیں۔

تسہیل: اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں عیب نکالتے ہیں تو تم ان کے پاس سے ہٹ جاؤ یہاں تک کہ وہ دوسری باتوں میں مصروف ہو جائیں اور اگر کبھی شیطان تمہیں یہ حکم بھلا دے تو یاد آنے پر تم ایسے ظالموں کے پاس مت بیٹھو ○ عیب جوئی کرنے والوں کے حساب کی کچھ بھی ذمہ داری پرہیزگاروں پر نہیں ہے لیکن ان پر نصیحت کرنا فرض ہے تاکہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں ○ ان لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر لیجیے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے، انہیں قرآن کے ذریعے نصیحت کرتے

رہیں تا کہ کوئی شخص اپنی کرتوتوں کی وجہ سے یوں گرفت میں نہ آ جائے کہ اللہ کے سوا نہ اس کا کوئی مددگار ہو اور نہ کوئی سفارشی ہو اور صورت ایسی بن جائے کہ اگر بالفرض وہ ساری دنیا بھی معاوضہ کے طور پر دینا چاہے تو اس سے قبول نہ کی جائے کیونکہ یہ لوگ اپنے کیے ہی میں گرفتار ہوئے ہیں، ان کے کفر کی پاداش میں پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ہوگا اور دردناک سزا بھی دی جائے گی O

﴿تفسیر﴾

﴿۶۸﴾ بظاہر خطاب اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن حقیقت میں آپ کے واسطہ سے تمام مسلمانوں سے خطاب ہے[۶۱] حکم دیا گیا ہے کہ اگر آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہمارے احکام کا مذاق اڑا رہے ہیں یا کتاب وسنت کی غلط سلط تفسیر بیان کر رہے ہیں یا اہلِ ایمان پر کفر کے فتوے لگانے اور انہیں گمراہ کرنے کے لیے آیات واحادیث میں قطع وبرید کر رہے ہے تو آپ ایسے لوگوں کی مجلس میں نہ بیٹھیں البتہ اگر وہ اس موضوع کو چھوڑ کر کسی دوسرے مسئلہ کے بارے میں گفتگو کرنے لگیں تو پھر ان کی مجلس میں بیٹھنے کی اجازت ہے۔

"وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ" (اور اگر کبھی شیطان تمہیں یہ حکم بھلا دے) اگر بھول کر یا غلطی سے ان کی مجلس میں آپ بیٹھ جائیں تو یاد آنے پر ان کی مجلس میں ہرگز نہ بیٹھیں، نسیان اللہ کے نبی کو بھی لاحق ہو سکتا تھا البتہ وحی الٰہی کی کوئی آیت اور دین کا کوئی حکم اور فریضہ آپ نہیں بھول سکتے تھے، اگر اِس بارے میں بھی نسیان ممکن ہوتا تو شریعت پر اعتماد اٹھ جاتا۔

﴿۶۹﴾ خوفِ خدا رکھنے والے وہ لوگ جو عیب جوئی کرنے والوں کے عمل سے کراہت ظاہر کر دیں، بقدرِ امکان انہیں سمجھا بجھا دیں اور ان پر ان کے عمل کی قباحت واضح کر دیں، وہ ان عیب چینوں کے گناہ میں شریک نہیں ہوں گے سمجھانے بجھانے کی شرط کے ساتھ ان کی مجلس میں جانے کی اجازت اس لیے دی گئی کیونکہ اگر کلی طور پر ان کے بائیکاٹ کا حکم دے دیا جاتا تو وعظ ونصیحت کا کوئی موقع ہی باقی نہ رہتا اور یہ بھی ممکن تھا کہ مسلمان ضروری مواقع پر جانے اور بعض اہم اعمال کے بجالانے سے بھی محروم ہو جاتے جیسا کہ ایک روایت میں ہے مسلمان کہتے تھے اگر ہم پر یہ لازم ہوتا کہ جب بھی مشرکین قرآن کا مذاق اڑائیں ہم وہاں سے اٹھ جائیں تو پھر ہمارے لیے مسجد حرام میں بیٹھنا اور طواف کرنا ناممکن ہو جاتا اس لیے (وعظ ونصیحت کی شرط کے ساتھ) رخصت دے دی گئی۔

{۶۱} وذهب بعض المحققين ان الخطاب هنا وفيما قيل لسيدالمخاطبين عليه الصلاة والسلام والمراد غيره وقيل لغيره ابتداء (روح المعانی ۵/۷/۲۶۵)

﴿۷۰﴾ تاکید کے طور پر دوبارہ فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ان لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لیجیے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے، وہ اپنے ہاتھوں سے بت بناتے ہیں پھر بوقتِ ضرورت انہیں کھا جاتے ہیں، انہوں نے اپنی زندگی فضول کاموں میں لگا دی ہے اور دوررس نتائج کے حامل اعمال سے اپنے آپ کو محروم کر رکھا ہے یہ دنیا کی فانی زندگی کو آخرت کی باقی رہنے والی زندگی پر ترجیح دیتے ہیں لیکن ان کی تمام تر نالائقیوں کے باوجود آپ اپنا فریضہ ادا کرتے رہیں اور قرآن کے ذریعے انہیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتے رہیں تاکہ یہ خیر سے محروم نہ رہیں اور قیامت کے دن اپنی کرتوتوں کی وجہ سے ہلاکت میں پڑنے سے بچ جائیں۔

حکمت و ہدایت

۱......ایسی مجالس سے کنارہ کشی ضروری ہے جہاں قرآن مجید کا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اور اسلامی احکام کا مذاق اڑایا جاتا ہو، یونہی جو لوگ قرآن کریم کی من مانی تفسیر بیان کریں، احادیث کا انکار کریں اور اسلاف پر کفر کے فتوے لگائیں ان سے بھی اعراض لازم ہے۔ (۶۸)

۲......جو شخص کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو اور اس کے بارے میں یہ بھی یقین ہو کہ اس پر وعظ و نصیحت کی کوئی بات اثر نہیں کرے گی تو اس سے دور رہنا ہی مناسب ہے۔ ابن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو لوگ کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہوں ان کی ہم نشینی جائز نہیں۔ [۶۲]

۳...... عادی امور میں دوسرے انسانوں کی طرح انبیاء کو بھی نسیان لاحق ہو سکتا ہے۔ البتہ جن احکام کی تبلیغ ان پر واجب ہے ان میں کبھی بھول چوک نہیں ہوتی۔

۴......انسان کے لیے سب سے بہترین اور مؤثر مذکر اور واعظ قرآن کریم ہے جو اسے جہنم کا ایندھن بننے سے بچا سکتا ہے، سچا مسلمان وہ ہے جو قرآن کو امام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اپنا منہج اور طریقہء زندگی بنا لے نہ کہ وہ شخص جو اوہام و خیالات اور جھوٹی آرزوؤں میں کھویا رہے۔ (۷۰)

{۶۲} قال ابن العربي: وهٰذا دليل على ان مجالسة اهل الكبائر لا تحل وقال ابن خويز منداد: من خاض في آيات الله تركت مجالسته وهجر، مؤمنا كان أو كافرا (قرطبي ۱۶/۷)

تردیدِ شرک اور اثباتِ توحید

﴿۷۱.....۷۳﴾

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ

توکہہ دے کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا ان کو جو نہ نفع پہنچا سکیں ہم کو اور نہ نقصان اور کیا پھر جاویں ہم الٹے پاؤں اسکے بعد کہ

اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ

اللہ سیدھی راہ دکھاچکا ہم کو مثل اس شخص کے کہ رستہ بھلا دیا ہو اسکو جنوں نے جنگل میں جب کہ وہ حیران ہے اس کے

اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا

رفیق بلاتے ہیں اس کو رستہ کی طرف کہ چلا آ ہمارے پاس توکہہ دے کہ اللہ نے جو راہ بتلائی وہی سیدھی راہ ہے اور ہم کو حکم ہوا ہے

لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾

کہ تابع رہیں پروردگار عالم کے اور یہ کہ قائم رکھو نماز کو اور ڈرتے رہو اللہ سے اور وہی ہے جس کے سامنے تم سب اکٹھے ہو گے

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ

اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر اور جس دن کہے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائیگا اسی کی بات سچی ہے

وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

اور اسی کی سلطنت ہے جس دن پھونکا جائے گا صور جاننے والا چھپی اور کھلی باتوں کا اور وہی ہے حکمت والا جاننے والا

ربط : وہی لوگ جو دین اور مسائلِ دین کا مذاق اڑاتے تھے وہ مسلمانوں کو شرک و بت پرستی میں واپس آ جانے کی دعوت بھی دیا کرتے تھے، ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

تسہیل : کہو کیا ہم اللہ کے سوا انہیں پکاریں جو ہمیں نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ اور جب ہمیں اللہ نے سیدھی راہ دکھا دی تو کیا ہم الٹے پاؤں پھر جائیں؟ اور کیا ہم اس شخص کی طرح ہو جائیں جسے جنگل میں شیطانوں نے راستہ بھلا دیا ہو اور وہ بھٹکتا پھر رہا ہو جبکہ اس کے ساتھی اسے صحیح راستہ کی طرف بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس چلے آؤ، کہو کہ اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی صحیح راستہ ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ رب العالمین کے تابع رہیں ○ اور یہ کہ نماز کی پابندی کرو اور اس سے ڈرتے رہو اور وہی اللہ ہے جس کے حضور تم سب کو جمع کیا جائے گا ○ اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک ٹھیک بنایا ہے اور جس دن وہ کہے گا ہو جا اسی دن حشر برپا ہو جائے گا، اسی کی بات

سچی ہے اور اسی کی بادشاہی ہوگی جس دن صور پھونکا جائے گا، وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے، اور وہ حکمت والا اور خبردار ہے O

﴿تفسیر﴾

﴿۷۱﴾ پہلی آیتِ کریمہ میں چار طریقوں سے مشرکین کی دعوتِ شرک کی تردید اور اس پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے۔

ا۔ غیر اللہ کو پکارنے کا مطلب یہ ہے کہ قادر کو چھوڑ کر عاجز کو اور مالک و مختار کو چھوڑ کر مملوک اور بے بس بتوں کی عبادت شروع کر دی جائے۔

۲۔ انسان اصل میں تو جاہل تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے علم وفہم اور عقیدہ توحید سے نوازا اب اگر وہ دوبارہ کفر وشرک اختیار کرتا ہے تو یہ گویا جہالت کی طرف واپس ہوگی۔ {۶۳}

۳۔ جسے خود ربّ تعالیٰ گمراہی سے نکال کر راہِ ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا فرما دے اسے کوئی گمراہ کر ہی نہیں سکتا جیسا کہ سورہ زمر میں ہے "اور جسے اللہ ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا"۔ (۳۷)

۴۔ مرتد کی مثال تو اس پاگل اور دیوانے کی سی ہے جو سیدھے راستے سے بھٹک جائے، اس کے ساتھی چلا چلا کر اسے صحیح راہ پر آنے کی دعوت دے رہے ہوں مگر وہ ان کی دعوت پر کان نہ دھرے یہی حال اس شخص کا ہوگا جسے ایمان کی معرفت حاصل ہو جائے پھر وہ مرتد ہو کر کفر کے تاریک جنگل میں بھٹکتا پھرے جب کہ دنیا کے شفیق ترین انسان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسے اسلام جیسے صراطِ مستقیم پر چلنے کی دعوت دے رہے ہوں جس کے ٹیڑھا ہونے میں کروڑویں حصے کے برابر بھی شک نہیں ہو سکتا۔

"قُلْ اِنَّ هُدَى اللهِ" فرما دیجیے ہدایت کا راستہ وہ نہیں ہے جسے تم ہدایت کا راستہ بتاتے ہو وہ تو تمہاری خواہشات کا راستہ ہے، ہم اس کی اتباع نہیں کر سکتے ہم تو اللہ کی ہدایت کی اتباع کریں گے جو اس نے قرآن کی صورت میں نازل کی ہے، ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ربّ العلمین کے تابع ہیں۔ {۶۴}

﴿۷۲﴾ اور یہ کہ نماز قائم کرو یعنی انہی شرائط وآداب کے ساتھ ادا کرو جن کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور

{ ٦٣ } والسبب فيه ان الاصل فی الانسان هوالجهل، ثم اذا ترقی وتكامل حصل له العلم...... فاذا رجع من العلم الى الجهل مرة اخری فكانه رجع الی اول مرة، فلهذا السبب يقال: فلان ردعلى عقبيه (التفسيرالكبير۔ ٥/ ٢٥)

{ ٦٤ } دخل فيه جميع اقسام المامورات والاحتراز عن كل المنهيات (كبير٥/ ٢٦)

اللہ سے ڈرتے رہو، گویا ہمیں تین باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔

۱۔ اللہ کے لیے اخلاص جس میں شرک کی ذرہ برابر آمیزش نہ ہو۔

۲۔ نماز اور عبادت صرف اللہ کے لیے ہو۔

۳۔ ہر حال میں تقویٰ، خفیہ بھی اور علانیہ بھی، تقویٰ کا آسان مفہوم یہ ہے کہ ہر ایسے کام سے بچنا جس سے اللہ کے دین اور شریعت کی مخالفت ہوتی ہو۔

﴿۷۳﴾ اللہ ہی نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے اور اس کی تخلیق حق، عدل اور حکمت پر قائم ہے، یوں تو آج بھی ہر چیز کا مالک وہی ہے مگر جس دن حشر نشر ہوگا اور صور پھونکا جائے گا اس دن ملکیت و بادشاہت کے بڑے بڑے دعویداروں کو بھی نظر آ جائے گا کہ ہر چیز کا مالک صرف اللہ ہے۔

صور اور اس کے پھونکے جانے کی صحیح حقیقت تو اللہ ہی کو معلوم ہے کیونکہ یہ چیزیں اس جہان سے تعلق رکھتی ہیں جس جہان کی نعمتوں، عذابوں، میزان، پل صراط اور صور وغیرہ کی ٹھیک ٹھیک اور متعین حقیقت اس مادی جہان کے مسافروں کی سمجھ میں نہیں آ سکتی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے سوال کیا یا رسول اللہ! صور کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایک سینگ سا ہے جس میں پھونکا جائے گا۔

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اسرافیل صور کو منہ میں لیے اور پیشانی کو جھکائے ہوئے منتظر ہیں کہ انہیں کب حکم دیا جاتا ہے اور وہ صور پھونکتے ہیں"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ صور تین بار پھونکا جائے گا پہلے نفخہ (صور پھونکنے) کو "نفخہ فزع" کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے سارے انسانوں پر گھبراہٹ طاری ہو جائے گی اور جزع فزع کی آوازیں بلند ہوں گی، دوسرے نفخہ کو "نفخہ صعق" کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے بعد سب بے ہوش ہو جائیں گے اور تیسرے نفخہ کو "نفخہ قیام" کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی آواز سنتے ہی سب رب العلمین کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔

حکمت وہدایت

۱......حق کی معرفت اور ہدات حاصل ہو جانے کے بعد گمراہی کا راستہ اختیار کر لینا انتہائی قبیح اور قابل نفرت عمل ہے۔(۷۱)

۲......اہلِ باطل کی دعوت قبول کرنا حرام ہے۔(۷۱)

۳.....ہدایت صرف اللہ کی ہدایت ہے یعنی اسلام کے سوا کوئی دین معتبر نہیں۔(۷۱)

۴.....عبادت صرف اسی کی ہو سکتی ہے جس کے ہاتھ میں نفع اور نقصان ہے اور وہ صرف اللہ کی ذات ہے۔(۷۱)

۵.....جنات کا وجود اگر چہ برحق ہے مگر عربوں کے ہاں جو "غولِ بیابانی" کا تصور پایا جاتا تھا وہ باطل تھا ان کا خیال تھا کہ جنات اور شیاطین شکلیں بدل بدل کر جنگلات میں سامنے آتے ہیں اور انہیں دیکھنے والا دیوانہ ہو کر راہ سے بھٹک جاتا ہے اور بالآخر وہیں مر کھپ جاتا ہے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس "غول" کے وجود کی نفی فرمائی ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا عدوی ولا طیرۃ ولا غول" (بیماری کے از خود) متعدی ہونے اور نحوست اور غول کی کوئی حقیقت نہیں۔{۶۵} جب اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں تھی تو عربوں میں "غول" کا تصور کیسے آیا؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ سب جہالت اور شرک کی کرشمہ سازی تھی، جو انسان، اللہ سے نہیں ڈرتا اس کے دل میں دسیوں قسم کے خوف پیدا ہو جاتے ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ان کا ایسا تخیل تھا جس کی کوئی حقیقت اور خارجی وجود نہیں تھا، انسان کی قوت "متخیلہ" جنگل بلکہ کسی بھی خوفناک ماحول میں بکری کو شیر اور کتے کو ریچھ کا روپ دینے میں جواب نہیں رکھتی۔

عربوں کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ جنون کی جتنی بھی قسمیں ہیں یہ جنات کی تاثیر کا نتیجہ ہوتی ہیں..... یہ سب باتیں قدرے تفصیل کے ساتھ عرض کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ یہ جاہلی تصورات بعض کمزور عقیدہ والے مسلمانوں میں بھی پائے جاتے ہیں اور وہ حقائق کے بجائے توھمات اور تخیلات میں زندگی بسر کر دیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حق شناسی

﴿۷۴.....۷۹﴾

وَإِذْ قَالَ إِبْرَٰهِيمُ لِأَبِيهِ ءَازَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا ءَالِهَةً ۖ إِنِّىٓ أَرَىٰكَ وَقَوْمَكَ فِى ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٧٤﴾ وَكَذَٰلِكَ نُرِىٓ إِبْرَٰهِيمَ مَلَكُوتَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ ٱلْمُوقِنِينَ ﴿٧٥﴾

اور یاد کر جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ آزر کو تو کیا مانتا ہے بتوں کو خدا میں دیکھتا ہوں کہ تو اور تیری قوم صریح گمراہ ہیں اور اسی طرح ہم دکھانے لگے ابراہیم کو عجائبات آسمانوں اور زمین کے اور تاکہ اس کو یقین آجاوے

{۶۵} صحیح مسلم فی السلام حدیث ۱۰۷۔۱۰۸

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾

پھر جب اندھیرا کرلیا اس پر رات نے دیکھا اس نے ایک ستارہ بولا یہ ہے رب میرا پھر جب وہ غائب ہوگیا تو بولا میں پسند نہیں کرتا غائب ہوجانے والوں کو

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ

پھر جب دیکھا چاند چمکتا ہوا بولا یہ ہے رب میرا پھر جب وہ غائب ہوگیا بولا اگر نہ ہدایت کریگا مجھ کو رب میرا

لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ

تو بیشک میں رہوں گا گمراہ لوگوں میں پھر جب دیکھا سورج جھلکتا ہوا بولا یہ ہے رب میرا یہ سب سے بڑا ہے

فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ

پھر جب وہ غائب ہوگیا بولا اے میری قوم میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو میں نے متوجہ کرلیا اپنے منہ کو اسی کی طرف جس نے بنائے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾

آسمان اور زمین سب سے یکسو ہوکر اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والا

ربط: شرک کی تردید کرتے ہوئے مشرکین عرب پر حجت قائم کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیا جارہا ہے کیونکہ تمام گروہ اور ملتیں ان کے فضل و کمال کا اعتراف کرتی تھیں خود مشرکوں کو نہ صرف ان کی نسل سے ہونے کا اعتراف تھا بلکہ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم ملتِ ابراہیمی پر ہیں۔

تسہیل: اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو، میں تمہیں اور تمہاری قوم کو واضح گمراہی میں مبتلا پاتا ہوں O ہم نے یونہی ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھائے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہوجائے O جب رات اس پر چھاگئی تو اس نے ایک ستارہ دیکھا، کہا یہ ہے میرا رب، پھر جب وہ غائب ہوگیا تو کہا کہ میں غائب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا O پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا یہ ہے میرا رب، پھر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں یقیناً گمراہوں میں سے ہوجاتا O پھر جب سورج کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا یہ ہے میرا رب، یہ تو سب سے بڑا ہے لیکن جب سورج بھی غروب ہوگیا تو فرمایا اے میری قوم میں ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو O میں نے سب سے الگ ہوکر اپنا رُخ اس ذات کی طرف متوجہ کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں O

تفسیر

﴿۷۴﴾ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے جس گھر میں آنکھ کھولی وہ بت پرستی اور بت فروشی کا گھر تھا، آزر کے

بارے میں اگر چہ بڑی بحث ہوئی ہے اور بعض لوگ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں لیکن صحیح بات یہی ہے کہ آزر آپ کے حقیقی والد ین کا نام تھا، قرآن کریم کی متعدد آیات سے آپ کے والد کا کافر ہونا ثابت ہوتا ہے {۶۶} کئی صحیح احادیث میں بھی اس کے کافر اور جہنمی ہونے کا ذکر ہے۔{۶۷}

انبیاء علیہم السّلام کے قریبی عزیزوں یہاں تک کہ بعض اوقات ان کے والدین اور اولاد کے کافر ہونے میں حکمت یہ ہے کہ ان کے ذمہ صرف تبلیغ ودعوت ہے، ہدایت ان کے اختیار میں نہیں ہے پس وہ اپنے پیاروں کے لیے بھی ہدایت کی دعا تو کر سکتے ہیں مگر انہیں ہدایت نہیں دے سکتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے جب اپنے والد کو بت پرستی میں مبتلا پایا تو دوٹوک انداز میں فرمایا کہ میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں کیونکہ جن درختوں اور پتھروں کی تم پرستش کرتے ہو وہ تمہارے خالق نہیں بلکہ حقیقت میں تم ان کے خالق اور ان سے افضل ہو، وہ بے اختیار ہیں جبکہ تم کچھ نہ کچھ قدرت اور اختیار رکھتے ہو۔

مشرکین، لکڑی، پتھر اور دوسری معدنیات سے بنائے ہوئے پتھروں کے علاوہ سورج، چاند اور ستاروں کی بھی عبادت کرتے تھے۔

﴿۷۵﴾ جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ان کی حقیقت کھول دی، ان کے طلوع وغروب اور آنے جانے کا نظام دیکھ کر آپ کو یقین آ گیا کہ ان کے پیچھے کوئی طاقتور ہستی ہے جو ان کے پورے نظام کو کنٹرول کر رہا ہے، اپنے اس یقین اور عقیدہ توحید کے اظہار کے لیے آپ نے وہ انداز اختیار کیا جو عام طور پر مخالف کو قائل کرنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے یعنی پہلے مخالف کے سامنے کوئی ایسی بات کہی جاتی ہے جو بظاہر اس کے نظریہ اور خیال کے موافق ہوتی ہے پھر حسی اور عقلی دلائل کے ذریعے اس کا نقض کیا جاتا ہے۔{۶۸}

﴿۷۶۔۷۷۔۷۸﴾ پہلے آپ نے ایک بڑے ستارے کو جو مشتری یا زہرہ تھا چمکتا ہوا دیکھا پھر چاند کو جس کی روشنی ستارے سے بھی زیادہ تھی اور آخر میں سورج کو جس کی روشنی دکھائی دیئے جانے والے ستاروں میں سب سے زیادہ ہے اور تینوں بار فرمایا تمہارے عقائد ونظریات کے مطابق یہی میرا اور تمہارا رب ہے، پھر جب تینوں اپنی اپنی

{۶۶} اس سلسلہ میں سورہ مریم کی آیت (۱۹۔۴۰۔۴۸) سورۃ الانبیاء کی آیت (۲۱۔۵۲) سورہ شعراء کی آیت (۲۶۔۷۰) سورہ صافات کی آیت (۳۷۔۸۳) اور سورہ زخرف کی آیت (۲۵۔۴۳) کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

{۶۷} صحیح بخاری میں آپ کے والد کے بارے میں جو روایت ہے اس کے آخر میں ہے یقال یاابراهیم انظر ماتحت رجلیك؟ فینظر فاذا هو بذیح متلطخ فیؤخذ بقوائمه فیلقی فی النار(اخرجه البخاری فی احادیث الانبیاء باب ۸)

{۶۸} وهذا منه علیه السلام علی سبیل الفرض وارخاء العنان مجاراة مع ابی وقومه الذین کانوا یعبدون الاصنام والکواکب فان المستدل علی فساد قول یحتکیه ثم یکر علیه بالابطال وهذا هو الحق الحقیق بالقبول(روح المعانی ۲۸۹/۵)

باری پر غروب ہو گئے تو آپ نے فرمایا میں ایسی چیزوں کو معبود نہیں مانتا جو اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتیں، ربوبیت صرف اسی ذات کو زیبا ہے جس کے وجود پر فنا نہیں آسکتی، اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ دیتا تو میں بھی گمراہوں میں سے ہو جاتا، اس میں گویا تعریض تھی کہ میری قوم گمراہ ہے اور آخر میں تو آپ نے اپنا عقیدہ واضح طور پر بیان فرمادیا اور اپنی قوم کے شرک اور بت پرستی سے برات کا اعلان فرمادیا گویا آپ نے پہلے جو کچھ فرمایا تھا وہ اس اعلانِ حق کی تمہید تھا۔

﴿۷۹﴾ آپ نے فرمایا میں اپنا رُخ اللہ کی طرف پھیر چکا ہوں اور میری عبادت اور توحید صرف اللہ کے لیے ہے۔

تاریخ اور خود قرآن کے اندازِ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بتوں کو معبود تو قرار دیتی تھی مگر انہیں رب نہیں سمجھتی تھی جبکہ ستاروں کو ان کی بعض تاثیرات کی بناء پر رب سمجھتے تھے یعنی مدبّر، مالک اور متصرّف۔ کیونکہ حضرت خلیل نے اپنے والد سے گفتگو کرتے ہوئے بتوں کے بارے میں فرمایا تھا ''کیا تم بتوں کو معبود ٹھہراتے ہو'' جبکہ سورج، چاند اور ستارے کے بارے میں فرمایا تھا ''یہ میرا رب ہے؟''

حضرت ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عراقی اللہ کی عبادت بھی کرتے تھے اور شرک بھی کرتے تھے اور بعض حضرات نے تاریخی آثار کی تحقیق کے بعد ثابت کیا ہے کہ کلدانی علماء اور مذہبی پیشوا حقیقتِ توحید جانتے تھے، اپنی ذاتی زندگی میں اس پر عمل پیرا بھی تھے مگر عوام کے سامنے اسے ظاہر نہیں کرتے تھے،﴿۶۹﴾ تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ علماءِ سوء اور بادشاہوں کا آپس میں گٹھ جوڑ رہا ہے اور وہ عوام سے حقائق کو چھپاتے رہے ہیں کیونکہ حقائق کے پوشیدہ رہنے اور شرک اور بت پرستی کے ستونوں پر ہی ان کے مفادات اور بادشاہت کی عمارت قائم تھی، ان میں سے کوئی اپنے آپ کو سورج دیوتا کا اور کوئی چاند دیوتا کا اوتار قرار دیتا تھا اور کسی کا دعوٰی تھا کہ اس کی رگوں میں خدائی خون دوڑ رہا ہے۔

''فراعنہ مصر اپنے کو سورج دیوتا کا اوتار کہتے تھے، ہندوستان میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان موجود تھے، شاہانِ ایران کو جن کا لقب کسریٰ (خسرو) ہوا کرتا تھا ان کا دعوٰی تھا کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے۔ چینی اپنے شہنشاہ کو آسمان کا بیٹا تصور کرتے تھے''۔﴿۷۰﴾

﴿۶۹﴾ وقد اثبت بیر وسوس وسنبلوس ان علماء ھم وکھا نھم کانوا یعرفون حقیقة التوحید ولکن کانو ایدینون بھا فی انفسھم ولا یبحونھا للعامة (تفسیر المنار ۷/۴۶۷)

﴿۷۰﴾ نبی رحمت ۶۲۱

حکمت وہدایت

۱......اپنے قریب ترین عزیز یہاں تک کہ والدین بھی اگر گمراہی میں مبتلا ہوں تو ان پر ان کی غلطی واضح کردینی چاہیے۔(۷۴)

۲......اللہ جسے چاہتا ہے، ہدایت کے اعلیٰ مراتب تک پہنچا دیتا ہے۔(۷۵)

۳......حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چار مناظروں کا قرآن کریم میں ذکر ہے۔

○اپنے والد آزر کیساتھ ○اپنی قوم کے ساتھ ○وقت کے بادشاہ یعنی نمرود کے ساتھ

○اور تمام کفار کے ساتھ جبکہ آپ نے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا تھا۔

۴......کامیاب مناظرہ وہ ہے جو مخاطب کو لاجواب ہی نہ کردے بلکہ اس کی زبان سے اپنے موقف کا اعتراف کرالے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور قوم کے درمیان مناظرہ

﴿۸۰......۸۳﴾

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ

اور اس سے جھگڑا کیا اسکی قوم نے بولا کیا تم مجھ سے جھگڑا کرتے ہو اللہ کے ایک ہونے میں اور وہ مجھ کو سمجھا چکا اور میں ڈرتا نہیں ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو اسکا

اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۸۰ وَكَیْفَ

مگر میرا رب ہی کوئی تکلیف پہنچانی چاہے احاطہ کرلیا ہے میرے رب کے علم نے سب چیزوں کا کیا تم نہیں سوچتے اور میں

اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ

کیونکر ڈروں تمہارے شریکوں سے اور تم نہیں ڈرتے اس بات سے کہ شریک کرتے ہو اللہ کا ان کو جس کی نہیں اتاری اس نے تم پر کوئی دلیل ف

فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۸۱ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا

اب دونوں فرقوں میں کون مستحق ہے دلجمعی کا بولو اگر تم سمجھ رکھتے ہو جو لوگ یقین لے آئے اور نہیں ملا دیا انہوں نے

اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۸۲ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ

اپنے یقین میں کوئی نقصان انہی کے واسطے ہے دلجمعی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہم نے دی تھی ابراہیم کو

عَلٰی قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ۝۸۳

اسکی قوم کے مقابلہ میں درجے بلند کرتے ہیں ہم جس کے چاہیں تیرا رب حکمت والا ہے جاننے والا

تسہیل: اور ابراہیم علیہ السّلام سے ان کی قوم نے جھگڑا شروع کر دیا آپ نے فرمایا کیا تم اللہ کے معاملے میں مجھ سے جھگڑتے ہو حالانکہ اس نے میری رہنمائی فرمائی، جنہیں تم اللہ کے شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا ہاں اگر میرا رب ہی کوئی فیصلہ فرمالے تو وہ ہو کر رہے گا، میرے رب کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے کیا تم سمجھتے نہیں ہو O اور میں تمہارے شریکوں سے کیوں ڈروں جبکہ تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہوئے نہیں ڈرتے ہو حالانکہ اس پر اللہ نے کوئی دلیل بھی نہیں اتاری، اگر تم کچھ علم رکھتے ہو تو بتاؤ ہم دونوں جماعتوں میں سے کونسی جماعت امن اور سلامتی کی حقدار ہے O وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہیں کیا انہیں کے لیے امن ہے اور وہی راہِ راست پر ہیں O یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی، ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کر دیتے ہیں بے شک تیرا رب حکمت والا اور جاننے والا ہے O

تفسیر

﴿۸۰﴾ جب سیدنا ابراہیم علیہ السّلام نے واضح دلائل سے عقیدۂ توحید کو ثابت کر دیا تو ان کی قوم نے بے بنیاد قسم کے شبہات اٹھانا شروع کر دیئے، وہ کہنے لگے کہ بعض مظاہرِ فطرت اور بتوں کو معبود بنانا، عقیدہ توحید اور ایمان کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ تو اللہ تک پہنچنے کے لیے واسطے اور سفارشی ہیں، ساتھ ہی ساتھ انہوں نے آپ کو اپنے معبودانِ باطلہ کی گرفت اور غضب سے ڈرایا آپ نے فرمایا کیا تم اللہ کے بارے میں مجھ سے بحث اور حجت بازی کرتے ہو جبکہ اللہ نے مجھے ایمان کی ہدایت عطا فرما دی ہے، جہاں تک تمہارے خود ساختہ معبودوں کا تعلق ہے تو میں ان سے نہیں ڈرتا کیونکہ مجھے یہ علم یقین حاصل ہے کہ یہ نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان دے سکتے ہیں، نہ ان کی وجہ سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی ان کی سفارش قبول کی جاتی ہے، ہاں میرا اللہ جو کچھ چاہے وہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس کا علم وسیع اور محیط ہے اور اس کی مشیت اس کے علمِ محیط کے ساتھ مربوط ہے، اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اس کے علم کے مطابق ہوتا ہے۔

''افلا تتذکرون'' اے غافلو! کیا تم سمجھتے نہیں ہو کہ یہ شان تو صرف معبودِ حقیقی کی ہے کہ وہ جو چاہے سو کر سکتا ہے اور اس کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اس کے علم کے مطابق ہوتا ہے، سورج چاند اور ستاروں اور مٹی پتھر کے بنائے ہوئے بتوں میں علم وقدرت کی یہ صفات نہیں پائی جاتیں۔

﴿۸۱﴾ تمہارا حال یہ ہے کہ تم معبودِ حقیقی کے ساتھ شریک ٹھہرانے سے خوف نہیں کھاتے ہو حالانکہ اس شرک پر

تمہارے پاس اندھی تقلید کے سوا کوئی بھی عقلی اور نقلی دلیل موجود نہیں ہے، تو پھر میں ہی کیوں تمہارے خود ساختہ خداؤں سے خوف کھاؤں اگر تمہارے اندر عقل کی رتی بھی موجود ہے تو تم خود ہی فیصلہ کرو کہ موحدین اور مشرکین دونوں میں سے کونسی جماعت اللہ کے عذاب سے محفوظ رہنے کی زیادہ حقدار ہے، کیا وہ جماعت جو ایک اللہ کی عبادت کرتی ہے یا وہ جماعت جو عاجز مخلوق کو اس کا شریک ٹھہراتی ہے؟

﴿۸۲﴾ اس جواب میں تین احتمال ہیں، پہلا یہ کہ قوم نے حق کا اعتراف کر لیا ہو جیسا کہ بتوں کی توڑ پھوڑ کے موقع پر انہوں نے بڑی ندامت کے ساتھ کہا تھا "(اے ابراہیم!) تم جانتے ہو کہ یہ بول نہیں سکتے" {۷۱} دوسرا احتمال یہ ہے کہ قوم کے لاجواب ہونے کے بعد خود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ فرمایا ہو، تیسرا یہ کہ رب العلمین نے یہ جواب دیا ہو۔

"بِظُلْمٍ" "ظلم" کا لفظ مطلقاً گناہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اسی لیے اس آیت کے نزول کے بعد بعض ایسے صحابہ کرام پریشان ہو گئے تھے جنہوں نے اس آیت کا مصداق صرف ان لوگوں کو سمجھا جنہوں نے اپنے ایمان اور دینی دنیوی اعمال میں کوئی ظلم اور گناہ نہ کیا ہو، جس کا مطلب یہ ہوا کہ جن لوگوں سے حقوق اللہ یا حقوق العباد کے بارے میں کوئی کوتاہی ہو گئی ہو وہ عذابِ الٰہی سے محفوظ رہنے کے حقدار نہیں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت کریم اتری تو یہ صحابہ کرام پر بڑی شاق گزری انہوں نے عرض کیا "یارسول اللہ اینا لا یظلم نفسه" (یارسول اللہ! ہم میں سے کون ہے جو اپنے اوپر ظلم نہیں کرتا) آپ نے فرمایا اس آیت کا مطلب وہ نہیں ہے جو تم سمجھے ہو، کیا تم نے وہ نہیں سنا جو اللہ کے نیک بندے (حضرت لقمن علیہ السلام) نے فرمایا "اے میرے بیٹے اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانا بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے" {۷۲} تو اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہی ہے۔ {۷۳}

﴿۸۳﴾ جاہل قوم کو سمجھانے کے لیے جو دلائل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیش کیے، اللہ فرماتے ہیں یہ دلائل ہم نے انہیں سمجھائے تھے۔

"نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ" علم و حکمت اور ایمان و عمل کے اعتبار سے ہم جسے چاہتے ہیں بلندی عطا فرما دیتے

{۷۱} سورۃ الانبیاء۔ ٦٥

{۷۲} سورہ لقمن۔ ۱۳

{۷۳} صحیح بخاری کتاب الانبیاء/ مسند احمد ۱/ ٤٢٤

ہیں، بعض فضائل وکمالات وہی ہوتے ہیں جن میں بندے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا اور بعض کسبی ہوتے ہیں لیکن ان کی توفیق بھی اللہ ہی کی طرف سے دی جاتی ہے۔

حکمت و ہدایت

۱......باطل پرستوں اور مشرکوں کے ساتھ اتمامِ حجت کے لیے بحث ومناظرہ جائز ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے دے۔(۸۰)

۲......مشرک خواہ کسی بھی دور اور مقام سے تعلق رکھتے ہوں وہ بے وقوف ہوتے ہیں......اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی مورتیوں سے خوف کھانے اور ان سے امیدیں وابستہ کرنے سے بڑھ کر بیوقوفی کیا ہو سکتی ہے۔

۳......مشرک ہمیشہ خوف کا شکار رہتا ہے جبکہ ایک موحد اور مومن، امن اور تحفظ کی لازوال دولت سے مال مال ہوتا ہے۔

۴......اللہ اپنے مخصوص بندوں کو علمی اور نظریاتی دلائل سے مسلح کر دیتا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السّلام اور ان کی خصوصیات

﴿۸۴......۹۰﴾

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ ۖ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ

اور بخشا ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب سب کو ہم نے ہدایت دی تھی اور نوح کو ہدایت کی ہم نے ان سب سے پہلے اور اسکی اولاد میں سے

دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٤﴾

داؤد اور سلیمان کو اور ایوب اور یوسف کو اور موسیٰ اور ہارون کو اور ہم اسی طرح بدلا دیا کرتے ہیں نیک کام والوں کو

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿٨٥﴾ وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ

اور زکریا اور یحیی اور عیسٰی اور الیاس کو سب ہیں نیک بختوں میں اور اسمٰعیل اور الیسع کو

وَيُونُسَ وَلُوطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٨٦﴾ وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ

اور یونس کو اور لوط کو اور سب کو ہم نے بزرگی دی سارے جہان والوں پر اور ہدایت کی ہم نے بعضوں کو انکے باپ دادوں میں سے اور انکی اولاد میں سے

وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٨٧﴾ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ

اور بھائیوں میں سے انکو ہم نے پسند کیا اور سیدھی راہ چلایا یہ اللہ کی ہدایت ہے اس پر چلاتا ہے جس کو چاہے

مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

اپنے بندوں میں سے اور اگر یہ لوگ شرک کرتے تو البتہ ضائع ہوجاتا جو کچھ انہوں نے کیا تھا یہی لوگ تھے جن کو دی ہم نے کتاب

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

اور شریعت اور نبوت پھر اگر ان باتوں کو نہ مانیں مکہ والے تو ہم نے ان باتوں کیلئے مقرر کر دیئے ہیں ایسے لوگ جو ان سے منکر نہیں

اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا

یہ وہ لوگ تھے جن کو ہدایت کی اللہ نے سو تو چل ان کے طریقہ پر تو کہہ دے کہ میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ مزدوری یہ تو محض نصیحت

ذِكْرٰي لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾

ہے جہان کے لوگوں کو

تسہیل: اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحٰق اور یعقوب جیسی اولاد عطا کی، ہم نے سب کو ہدایت دی اور اس سے پہلے ہم نے نوح علیہ السلام کو ہدایت دی، اور ان کی اولاد میں سے داؤد سلیمٰن، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کو ہدایت دی، ہم نیکوکاروں کو یونہی بدلہ دیا کرتے ہیں ○ اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس علیہم السلام بھی راہِ راست پر تھے، یہ سب پورے نیکوکار تھے ○ یونہی ہم نے اسمٰعیل، یسع، یونس اور لوط علیہم السلام کو راہِ ہدایت پر جمے رہنے کی توفیق دی اور ہم نے ان سب کو ساری دنیا والوں پر فضیلت عطا کی ○ علاوہ ازیں ان کے باپ دادوں اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں بھی بعض کو ہم نے سیدھا راستہ دکھایا، انہیں اپنے دین کے لیے چن لیا اور انہیں سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق عطا کر دی ○ یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس پر چلنے کی توفیق دے دیتا ہے اور اگر وہ شرک کرتے تو ان کے وہ سارے اعمال ضائع ہو جاتے جو انہوں نے کیے تھے ○ یہی لوگ تھے جنہیں ہم نے کتاب اور شریعت اور نبوت سے نوازا تھا، اگر یہ لوگ ایمان لانے سے انکار کریں گے تو ہم نے نبوت کی دعوت پر لبیک کہنے کے لیے ایسے لوگ چن لیے ہیں جو اس کا انکار نہیں کریں گے ○ یہ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ نے ہدایت دی، سو آپ بھی ان کے طریقے پر عمل کیجیے اور ان سے کہہ دیجیے کہ میں اس تبلیغ پر تم سے کچھ بھی معاوضہ نہیں مانگتا یہ قرآن تو سارے جہان والوں کے لیے نصیحت ہے ○

تفسیر

﴿۸۴﴾ جب رئیس الموحدین حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے محض عقیدہ توحید کی خاطر اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کر لی اور اپنے آبائی وطن سے ہجرت فرما کر ایسی جگہ چلے گئے جہاں آزادی سے اللہ کی عبادت کر سکیں تو اللہ تعالیٰ

نے اس مشرک قوم کے بدلے انہیں نیک اولاد عطا فرمادی جسے دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ان کے دل کو سکون ملے، سورۂ مریم میں ہے۔

''اور جب ابراہیم ان لوگوں سے اور جن کی اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے جدا ہو گئے تو ہم نے ان کو اسحاق اور (اسحاق کو) یعقوب بخشے اور سب کو پیغمبر بنایا''(۷۴)

یہاں صرف حضرت اسحٰق علیہ السلام کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کیونکہ اصل مقصود انبیاء بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے اور وہ سارے کے سارے حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی نسل سے تھے جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پشت سے صرف سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

اس آیت کریم میں جن چھ انبیاء کا ذکر ہے یہ نبوت و رسالت اور امارت و بادشاہت کے جامع تھے، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام بادشاہ تھے حضرت ایوب علیہ السلام امیر تھے، حضرت یوسف علیہ السلام وزیر اور حاکم تھے حضرت موسیٰ اور ھارون علیہما السلام اگر چہ بادشاہ نہیں تھے مگر اپنی قوم کے سردار اور حاکم تھے۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا ''وکذلک نجزی المحسنین ''(ہم نیکو کاروں کو یونہی بدلہ دیا کرتے ہیں) یعنی انہیں دین اور دنیا دونوں کی نعمتیں عطا کر دیتے ہیں، ایک طرف وہ قوموں کے رئیس اور حاکم ہوتے ہیں تو دوسری طرف دین کے داعی اور مبلغ ہوتے ہیں۔

﴿۸۵﴾ اس آیتِ کریمہ میں جن چار انبیاء کا تذکرہ ہے یعنی حضرت زکریا حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس علیہم السلام، یہ چاروں زہد و عبادت میں ممتاز تھے اس لیے ان کے بارے میں فرمایا گیا ''وکل من الصلحین ''(۷۵) (یہ سب پورے نیکو کار تھے)۔

﴿۸۶﴾ اس آیتِ کریمہ میں جن چار انبیاء کا اکٹھے ذکر کیا گیا ہے یہ چاروں نہ تو پہلی جماعت کی طرح بادشاہ تھے اور نہ ہی زاہد اور تارکِ دنیا تھے البتہ اس میں شک نہیں کہ نبوت و رسالت کی وجہ سے انہیں اپنے زمانے کے سارے انسانوں پر فضیلت حاصل تھی اس لیے اختتامِ آیت پر ارشاد ہوتا ہے ''وکلا فضلنا علی العلمین ''(اور ہم نے ان سب کو ساری دنیا والوں پر فضیلت عطا کی)۔

﴿۸۷﴾ ان انبیاء پر اللہ تعالیٰ نے ایک خاص فضل یہ کیا کہ ان کے آباء و اجداد، ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں

{۷۴} ۱۹/۴۹　{۷۵} الزهد الشديد والاعراض عن الدنيا، وترك مخالطة الخلق وذلك كمافي حق زكريا ويحيى وعيسٰى والياس، ولهذا السبب وصفهم الله بانهم من الصلحين (كبير ۵/۵۲)

میں سے بعض کو سیدھی راہ پر چلنے کی ہدایت عطا کی۔{۷۶}

﴿۸۸﴾ یہ ہدایت جوان انبیاء کرام علیہم السلام کو عطا کی گئی، یہ خالص اللہ کی ہدایت اور توفیق تھی، اس میں ان کی اپنی کوشش اور محنت کا کوئی دخل نہیں تھا کیونکہ نبوت ایک ایسا مقام ہے جو کسی کو کسب و کمال کی وجہ سے حاصل نہیں ہوتا۔

"وَلَوْ اَشْرَكُوا" اگر یہ حضرات تمام تر فضل و کمال کے باوجود شرک کا ارتکاب کرتے تو ان کے اعمال ضائع ہو جاتے، جب انہیں جرمِ شرک معاف نہیں کیا جاتا تو دوسروں کو کیسے معاف کیا جا سکتا ہے،{۷۷} شا سلام، عدل اور انصاف کا دین ہے، گناہ یا نیکی چھوٹا کرے یا بڑا، اس کی سزا اور جزا بہر حال مل کر رہے گی۔

﴿۸۹﴾ انبیاء کی یہ مقدس جماعت جن کا اوپر تذکرہ ہوا، انہیں اللہ تعالیٰ نے کتاب، حکمت اور نبوت عطا کی تھی، انسانوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرنے اور حقائق کی معرفت دونوں پر "حکم" کا اطلاق ہوتا ہے۔{۷۸}

"فَاِنْ یَّكْفُرْ بِهَا" اگر یہ لوگ کتاب، حکمت اور نبوت کے ماننے سے انکار ہی کرتے رہے تو ہم نے اس کے ماننے کے لیے ایسے لوگ مقرر کر دیئے ہیں جو اس کے منکر نہیں ہیں۔ انکار کرنے والے تو مشرکینِ مکہ تھے،{۷۹} ماننے والوں سے کون لوگ مراد ہیں؟ کسی نے کہا انصارِ مدینہ مراد ہیں، کسی نے کہا سارے صحابہ اور کسی نے کہا کہ سارے مومن مراد ہیں{۸۰} ناچیز کا میلان اسی آخری قول کی طرف ہے، قرآن کی ہر آیت اپنی تازگی اور ہر زمانے سے مناسبت اور مطابقت کا ثبوت دیتی رہتی ہے، ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ایک طرف اگر وہ بدنصیب ہیں جو نبوت کا انکار کرتے اور دین کی ناقدری کرتے ہیں تو دوسری طرف قادر و مختار رب ایسے لوگوں کو بھی کھڑا کرتا رہتا ہے جو دین پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کے لیے آمادہ رہتے ہیں اور اس کی چھوٹی سے چھوٹی بات کا بھی انکار نہیں کرتے۔

﴿۹۰﴾ یہ انبیاء کرام علیہم السّلام جنہیں اللہ تعالیٰ نے کتاب و حکمت اور نبوت عطا فرمائی یہی لوگ کامل ہدایت پر ہیں پس اے پیغمبر! (علیہ السّلام) آپ بھی توحید و عبادت اور اخلاقِ حمیدہ میں انہی کی اتباع کیجیے...... یہ حکم اگرچہ بلاواسطہ تو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے یہ حکم آپ کی پوری امت

{۷۶} "من" للتبعيض، اى هدينا بعض آبائهم وذرياتهم واخوانهم (قرطبى ۳۳/۷)

{۷۷} فكيف بمن عداهم وهم هم واعمالهم اعمالهم (روح المعانى ۳۱۲/۵)

{۷۸} "والحكم" اى فصل الامر بين الناس بالحق او الحكمة وهى معرفة حقائق الاشياء (روح المعانى ۳۱۳/۵)

{۷۹} اى اهل مكة كمارو ى عن ابن عباس رضى الله عنهما وقتادة مع دلالة الاشارة والمقام على ماقبل (حوالہء مذکورہ)

{۸۰} قال ابن عباس ومجاهد رضى الله تعالىٰ عنهم: هم الانصار واهل المدينة وقيل اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم، وقيل: كل مومن من بنى آدم وقيل: الفرس (ابى سعود ۴۱۲/۲)

کو ہے......اتباع کے اس حکم سے آپ کا مفضول ہونا نہیں بلکہ افضل ہونا ثابت ہوتا ہے،[۸۱] کیونکہ پہلے انبیاء میں سے ہر ایک کسی ایک نہ ایک خلق اور صفت میں ممتاز اور مشہور تھے، مثلاً حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام شکر میں اور حضرت ایوب علیہ السّلام صبر میں ممتاز تھے جبکہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں رب تعالیٰ نے یہ سارے اخلاق واوصاف جمع کر دیے تھے بقول شاعر۔

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری...... آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حکمت وہدایت

۱......اللہ تعالیٰ کے جو بندے رضاءِ الٰہی کی خاطر قوم اور قبیلے کو چھوڑ دیتے ہیں انہیں ان سے بہتر رفقاء، جانشین اور معاون عطا کر دیئے جاتے ہیں۔(۸۴)

۲......اس دنیا میں انسان کو جو کچھ عطا کیا جاتا ہے ان میں سے سب سے بہترین چیز صراطِ مستقیم کی ہدایت ہے۔(۸۷)

۳......نبوت وبادشاہت اور عبادت وامارت میں کوئی منافات نہیں دونوں چیزیں جمع ہو سکتی ہیں جیسا کہ بعض انبیاء میں یہ دونوں چیزیں جمع ہو گئی تھیں۔

۴......مذکورہ بالا آیات میں اٹھارہ اور قرآن کریم کی دوسری سورتوں میں سات انبیاء علیہم السلام کے اسماءِ گرامی نامی آئے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دنیا میں صرف پچیس انبیاء ہی تشریف لائے ہیں، ان میں سے بعض انبیاء کے متبعین کا دنیا میں وجود باقی نہیں رہا لیکن بعض کے ماننے والے اب بھی دنیا پائے جاتے ہیں۔

۵......انبیاء کو ملائکہ پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ رب العلمین فرماتے ہیں ''اور ان میں سے ہر ایک کو ہم نے جہانوں پر فضیلت عطا کی ہے''۔(۸۶)

۶......شرک سے سارے اعمال باطل ہو جاتے ہیں۔

۷......اسلام کا جھنڈا بلند رکھنے کے لیے ہر دور میں تازہ خون اور باوفا لوگ مہیا ہوتے رہتے ہیں۔

۸......ہدایت یافتہ انسانوں کی اتباع اور اقتداء باعثِ سعادت ہے۔

۹......تبلیغ ودعوت پر اجرت لینا جائز نہیں۔

{۸۱} احتج العلماء بهذه الآيه على ان رسولنا صلى الله عليه وسلم أفضل من جميع الانبياء عليهم السلام (كبير ٥/٥٧)

اثباتِ نبوت اور مقصدِ نزولِ قرآن

﴿۹۱......۹۲﴾

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ

اور نہیں پہچانا انہوں نے اللہ کو پورا پہچاننا جب کہنے لگے کہ نہیں اتاری اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز پوچھ تو کس نے اتاری وہ کتاب

الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ

جو موسیٰ لے کر آیا تھا روشن تھی اور ہدایت تھی لوگوں کے واسطے جس کو تم نے ورق ورق کر کے لوگوں کو دکھلایا اور بہت سی باتوں کو تم نے چھپا رکھا

وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا

اور تم کو سکھلا دیں جن کو نہ جانتے تھے تم اور نہ تمہارے باپ دادے تو کہہ دے کہ اللہ نے اتاری پھر چھوڑ دے ان کو اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں اور یہ

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ

قرآن کتاب ہے جو کہ ہم نے اتاری برکت والی تصدیق کرنے والی ان کی جو اس سے پہلی ہیں اور تاکہ تو ڈرائے مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس والوں کو

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور جن کو یقین ہے آخرت کا وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور وہ ہیں اپنی نماز سے خبردار

تسہیل: اور انہوں نے اللہ کے مقام کو جیسے پہچاننا چاہیے تھا، نہیں پہچانا، جب انہوں نے یوں کہا کہ اللہ نے کسی بھی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری، ان سے پوچھیے وہ کتاب جو موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے جس میں لوگوں کے لیے روشنی اور ہدایت تھی لیکن تم نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا ہے، اس میں سے کچھ ظاہر کر دیتے ہو اور بہت سی باتیں چھپا جاتے ہو، اور جس کے ذریعے تمہیں ایسی باتوں کی تعلیم دی گئی جنہیں نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے...... یہ کتاب آخر کس نے اتاری تھی، آپ کہہ دیجیے کہ اسے اللہ ہی نے اتارا تھا پھر انہیں اپنے کھیل کود میں لگے رہنے دو O (جیسے ہم نے تورات نازل کی تھی اسی طرح) ہم نے یہ کتاب نازل کی ہے جو برکت والی ہے اور ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں اور تاکہ آپ مکہ والوں کو اور ان کے آس پاس والوں کو ڈرائیں اور جو لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں وہی اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور وہی ہیں جو نمازوں کا بھی اہتمام کرتے ہیں O

تفسیر

﴿۹۱﴾ نزولِ وحی کا انکار کرنے والا گروہ کون تھا؟ ایک قول یہ ہے کہ مشرکین تھے جو جوشِ غضب میں ایسی

باتیں کہہ دیتے تھے، اس پر اشکال ہوتا ہے کہ مشرکین تو سلسلہء نبوت کے قائل ہی نہ تھے ان کے خلاف نزولِ تورات کا الزامی جواب کیسے کارگر ثابت ہوسکتا ہے؟ صحیح بات یہ ہے کہ یہ انکار کرنے والے یہود تھے، آیتِ کریمہ کا سیاق وسباق بھی اسی دعوٰی کی تائید کرتا ہے، یہود اگر چہ امکانِ وحی کے قائل تھے مگر بغض اور حسد میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ان کی زبان سے بعض اوقات ایسے الفاظ نکل جاتے تھے کہ گویا وہ سلسلہء نبوت کو تسلیم ہی نہیں کرتے حالانکہ ان کا اصل مقصد صرف ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار ہوتا تھا[۸۲] ان کی یاوہ گوئی کے جواب میں پہلی بات تو یہ ارشاد فرمائی گئی کہ جو لوگ نزولِ وحی کا انکار کرتے ہیں وہ حقیقت میں باری تعالیٰ کی صفات سے ناواقف ہیں، انہیں حقِ معرفت حاصل نہیں،[۸۳] وہ نہیں جانتے کہ گمراہی کے دور میں بندوں کی ہدایت کے لیے وحی نازل کرنا اور رسولوں کا بھیجنا ربِ کریم کی حکمتِ بالغہ، رحمتِ واسعہ اور علمِ محیط کا تقاضا ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی مخلوقات میں سے بہترین مخلوق کو ضلالت کے اندھیروں میں بے یار و مددگار چھوڑ دے اور اس کی دستگیری نہ فرمائے، اسے ترقی کے درجات پر چڑھنے کی صلاحیت تو عطا فرمائے لیکن اس کے لیے سیڑھی مہیا نہ فرمائے۔

"قُلْ مَنْ اَنْـزَلَ الْكِتٰبَ" دوسری بات جو ان کے باطل قول کی تردید کے لیے فرمائی گئی ہے یہ حقیقت میں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے منکرین کے خلاف ایک حسّی دلیل اور الزامی جواب ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کے نازل ہونے کے تو تم بھی قائل ہو، تو پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کے اتارے جانے کو کیوں ناممکن سمجھتے ہو، وہ اللہ جو تورات نازل کرسکتا ہے کیا وہ قرآن نازل نہیں کرسکتا؟ کیا معاذ اللہ! اب اس کے پاس قدرت اور اختیار باقی نہیں رہا۔

"تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ" تم نے اس کتاب کو پارہ پارہ اور ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا ہے، جس حصے کو چاہتے ہو ظاہر کردیتے ہو اور جس حصے کو چاہتے ہو چھپا لیتے ہو، اخفاء اور اظہار میں بنیادی کردار تمہاری مصلحتیں ادا کرتی ہیں، جن احکام کو ظاہر کرنے سے تمہاری مصلحتوں پر زد پڑتی ہے انہیں چھپائے رکھتے ہو اور جو احکام ایسے نہیں ہوتے انہیں ظاہر کردیتے ہو۔

احکامِ الٰہیہ کی حقیقت کو چھپانے کے لیے وہ عام طور پر تفسیر میں تحریف کا ارتکاب کرتے تھے لفّاظی کے گورکھ

{۸۲} واختلف فی قائلی ذلك القول الشنیع، فاخرج ابو الشیخ عن مجاهد أنهم مشركو قریش، والجمهور علی أنهم الیهود ومرادهم من ذلك الطعن فی رسالته صلی الله علیه وسلم علی سبیل المبالغة (روح المعانی ۳۱۷/۵)

{۸۳} قال ابن عباسؓ: ماعظموا الله حق عظمته...... وقال الاخفش ماعرفوه حق معرفته (کبیر ۵۸/۵)

دھندے میں حقائق کو چھپا لیتے تھے، یہی کچھ ہمارے دور کے گمراہ لوگ قرآن کے ساتھ کرتے ہیں۔{۸۴}

"وَعُلِّمْتُم مَّا لَمْ تَعْلَمُوا" (اور جس کے ذریعے تمہیں ایسی باتوں کی تعلیم دی گئی جنہیں نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے) تورات میں بیان کردہ کتنے ہی ایسے مضامین تھے جن کی حقیقت خود یہود کی سمجھ میں نہیں آتی تھی اور کتنی ہی بشارتیں تھیں جن کا مصداق انہیں معلوم نہیں تھا لیکن قرآن نے ان مخفی مضامین کی حقیقت اور ان بشارتوں کا مصداق کھول کر بیان کردیا،{۸۵} ارشادِ باری تعالیٰ ہے "بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے اکثر باتیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں بیان کردیتا ہے"۔{۸۶}

"قُلِ اللّٰهُ" وحی و رسالت کا انکار کرنے والوں سے سوال کیا گیا تھا کہ بتاؤ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وہ کتاب کس نے نازل کی تھی، منکرین نے تو کیا جواب دینا تھا، قرآن نے خود ہی جواب دیا ہے، کہ وہ کتاب بھی اللہ نے اتاری تھی اور یہ کتاب یعنی قرآن بھی اللہ ہی نے اتارا ہے۔{۸۷}

﴿۹۲﴾ اور یہ قرآن جو ہم نے اتارا ہے اس میں بہت ساری برکت اور خیر پوشیدہ ہے، اسے نظم و معنی اور جامعیت و تاثیر کے اعتبار سے پہلی کتابوں پر فضیلت حاصل ہے، جتنے نظری اور عملی علوم اس میں ہیں، کسی دوسری کتاب میں نہیں ہیں،{۸۸} یہ دنیا میں اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ یہ دنیا باقی رہے گی، اس سے پہلے جتنی بھی کتابیں نازل ہوئیں یہ قرآن ان سب کی تصدیق کرتا ہے۔

"وَلِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ" (اور تاکہ آپ "ام القریٰ" والوں کو ڈرائیں) "ام القریٰ" سے بالاتفاق مکہ مراد ہے، اسے "ام القریٰ" (بستیوں کی ماں) کہنے کی مختلف وجوہ ہیں۔

۱۔ وہ دنیا بھر کے شہروں اور بستیوں کا قبلہ ہے۔

۲۔ اللہ کی عبادت کے لیے سب سے پہلا گھر وہیں تعمیر کیا گیا تھا۔

۳۔ عظمت اور شان کے اعتبار سے اسے دنیا کے ہر مقام اور شہر پر فضیلت حاصل ہے۔

{۸۴} قلنا قد ذکرنا فی سورة البقرة ان المراد من التحریف تفسیر آیات التورة بالوجوه الباطلة الفاسدة کما یفعله المبطلون فی زماننا هذا بآیات القرآن (کبیر ۵/۶۳)

{۸۵} حوالہ مذکورہ

{۸۶} سورہ نمل/۷۶

{۸۷} قال ابن عباس أی قل: اللّٰه أنزله۔ وهذا الذی قاله ابن عباس هو المتعین فی تفسیر هذه الکلمة (ابن کثیر)

{۸۸} مافیه من العلوم النظریة...... ومافیه من العلوم العملیة لاتجد فی غیره مثله سواء کانت اعمال الجوارح أو اعمال القلوب (کبیر ۵/۵۱۳)

۴۔اہلِ ایمان اس کی تعظیم ماں کی طرح کرتے ہیں۔

"وَمَنْ حَوْلَهَا" (اور جو بستیاں اس کے اردگرد ہیں) اس سے مراد ساری دنیا ہے کیونکہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے عالم کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا تھا لہٰذا سارے ہی ملک اور شہر مکّہ کے "ماحول" میں شامل ہیں، جو معاندین ان الفاظ کی بناء پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو جزیرۃ العرب کے ساتھ مخصوص ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ نہ تو عربی زبان کے اسلوب اور قواعد سے واقف ہیں اور نہ ہی قرآن کریم کے بے شمار نصوص کو وہ کوئی اہمیت دیتے ہیں۔{۸۹}

"وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ" قرآن پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جن کا آخرت پر ایمان صحیح اور مضبوط ہوتا ہے، ان کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جو کسی ہولناک جنگل میں راستہ بھول کر ہلاکت کے قریب پہنچ چکے ہوں کہ اچانک انہیں کوئی ایسی کتاب مل جائے جس میں منزل تک پہنچنے کے بارے میں واضح ہدایات بھی ہوں اور نشاناتِ راہ کا تعین بھی، یہ لوگ یقیناً اسے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے میں دیر نہیں لگائیں گے۔

"وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ" جو لوگ آخرت پر اور قرآن پر ایمان رکھتے ہوں گے وہ نماز کی ضرور محافظت کریں گے، ارکان وآداب کا لحاظ رکھتے ہوئے وہ اسے اپنے وقت پر ادا کرنے کی کوشش کریں گے، نماز کی محافظت انہیں دوسرے حقوق وفرائض کی ادائیگی پر بھی ضرور مجبور کردے گی۔

حکمت وہدایت

۱......اللہ کی تعظیم واجب ہے، اس کی تعظیم کا تقاضا یہ ہے کہ بندوں پر اس کی رحمت اور آسمانی کتابوں کے نزول کا اعتراف کیا جائے۔(۹۱)

احکامِ الٰہیہ میں سے بعض کو چھپانا اور بعض کو ظاہر کرنا یہود کا طریقہ ہے......علماءِ اسلام پر لازم ہے کہ وہ اس عادتِ بد سے احتراز کریں۔

۳......قرآن کریم ہر اعتبار سے مبارک کتاب ہے، اس میں ربّ تعالیٰ نے دینی اور دنیاوی ہر قسم کی بھلائیاں چھپا رکھی ہیں۔(۹۲)

۴......قرآن کی ہدایت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت زمان ومکان کی حد بندیوں سے بالاتر ہے۔(۹۲)

{۸۹} امام رازی رحمہ اللہ مذکورہ اشکال کے جواب میں فرماتے ہیں والجواب: أن تخصیص هذه المواضع بالذکر لایدل علی انتفاء الحکم فیما سواها الابدلالة المفهوم وهی ضعیفة لاسیما وقد ثبت بالتواتر الظاهر، المقطوع به من دین محمد علیه الصلاة والسلام انه کان یدعی کونه رسولا الی کل العالمین۔(کبیر ۵/۶۵)

۵......ایمان بالآخرت، دین کی بنیاد ہے، جو آخرت پر ایمان رکھتا ہے...... وہی قرآن پر ایمان رکھتا ہے، اور نماز دین کا ستون ہے جو اسے قائم کرے گا اس نے گویا کہ پورے دین کو قائم کیا اور جو اسے گرائے گا اس نے گویا کہ پورے دین کی عمارت کو گرادیا۔

اللہ پر افتراء اور اس کی سزا

﴿۹۳......۹۴﴾

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ

اور اس سے زیادہ ظالم کون جو باندھے اللہ پر بہتان یا کہے مجھ پر وحی اتری اور اس پر وحی نہیں اتری کچھ بھی اور جو کہے

سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

کہ میں بھی اتارتا ہوں مثل اس کے جو اللہ نے اتارا اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ ظالم ہوں موت کی سختیوں میں اور فرشتے اپنے

بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ

ہاتھ بڑھا رہے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں آج تم کو بدلے میں ملے گا ذلت کا عذاب اس سبب سے کہ تم کہتے تھے

عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی كَمَا

اللہ پر جھوٹی باتیں اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے اور البتہ تم ہمارے پاس آگئے ایک ایک ہو کر جیسے

خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰی مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ

ہم نے پیدا کیا تھا تم کو پہلی بار اور چھوڑ آئے تم جو کچھ اسباب ہم نے تم کو دیا تھا اپنی پیٹھ کے پیچھے اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ سفارش والوں کو

الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾

جن کو تم بتلایا کرتے تھے کہ ان کا تم میں ساجھا ہے البتہ منقطع ہو گیا تمہارا علاقہ اور جاتے رہے جو دعوے کہ تم کیا کرتے تھے

ربط: سابقہ آیات میں نزولِ وحی کا حق ہونا ثابت کیا گیا، اب ان لوگوں کی تردید ہے جو وحی اور نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں اور اس تردید میں سچے مدعی کی تائید ہے۔

تسہیل: اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بہتان باندھے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی اور جو یوں کہے کہ میں بھی ویسا ہی کلام بنا سکتا ہوں جیسا اللہ نے نازل کیا ہے اور کاش آپ وہ منظر دیکھ سکیں جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور فرشتے ان کی طرف اپنے ہاتھ بڑھا کر کہہ

رہے ہوتے ہیں، آج تمہیں ذلّت کی سزا دی جائے گی کیونکہ تم اللہ کی طرف جھوٹی باتوں کی نسبت کیا کرتے تھے اور تم اس کی آیتوں کو تسلیم کرنے سے تکبر کرتے تھے ۝ اور تم ہمارے پاس ویسے ہی یکہ وتنہا آ گئے ہو جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا تھا وہ اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے ہو اور ہم تمہارے ساتھ آج ان سفارشیوں کو نہیں دیکھ رہے جنہیں تم اپنے معاملہ میں ہمارے شریک سمجھے بیٹھے تھے، تمہارے آپس کے تعلقات منقطع ہو گئے اور تم جو دعوے کرتے تھے وہ سب جاتے رہے ۝

﴿تفسیر﴾

﴿۹۳﴾ اس آیتِ کریمہ میں تین قسم کے اشخاص کو سب سے بڑا ظالم قرار دیا گیا ہے، پہلا وہ شخص جو اللہ پر بہتان باندھتا ہے، اللہ کے لیے شریک یا اولاد ثابت کرتا ہے یا نبوت و رسالت کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ اسے اللہ نے رسالت سے نہیں نوازا۔

دوسرا وہ شخص جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے حالانکہ اس پر وحی نازل نہیں ہوتی، بظاہر پہلی اور دوسری بات میں تکرار محسوس ہوتا ہے لیکن حقیقت میں دونوں میں فرق ہے وہ یہ کہ پہلے شخص کا دعویٰ اپنے لیے اثباتِ نبوت کا تو ہے لیکن کسی دوسرے سے وہ نفی نہیں کرتا، جبکہ دوسرا شخص اپنے لیے نبوت ثابت کرتا ہے اور اپنے علاوہ دوسروں سے مثلاً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نبوت کی نفی کرتا ہے۔(۹۰) مسیلمہ کذب، اسود عنسی اور طلیحہ اسدی جیسے دسیوں کذّاب گزرے ہیں جنہیں نبی ہونے کا دعویٰ تھا۔

تیسرے نمبر پر نضر بن حارث جیسے وہ بدبخت تھے جن کا خیال یہ تھا کہ قرآن جیسا کلام ہم بھی بنا سکتے ہیں کیونکہ قران میں معاذ اللہ قصّے کہانیاں یا شاعرانہ قسم کی تک بندی ہے اور یہ کام ہمارے لیے چنداں مشکل نہیں۔

"وَلَوْ تَرٰی" اے لوگو! اگر تم ان بہتان تراشوں، جھوٹوں اور ظالموں کی موت کا حقیقی منظر دیکھ سکو تو تم عجیب خوفناک منظر دیکھو گے صورت یہ ہوتی ہے کہ فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے کے لیے ہاتھ بڑھائے ہوئے بڑے سخت لہجے میں ان سے کہہ رہے ہوتے ہیں کہ نکالو! اپنی روحوں کو اور حوالے کر دو ہمارے، ان کی روح بدن میں چھپتی پھرتی ہے اور نکلنے سے انکار کر دیتی ہے، پھر فرشتے پوری قوّت سے کھینچ کر اسے نکالتے ہیں، سورہ نازعات کی پہلی آیتِ

---

(۹۰) والفرق بین هذا القول وماقبله ان فی الاول کان یدعی انه اوحی الیه فیما یکذب به ولم ینکر نزول الوحی علی النبی صلی اللہ علیه وسلم وفی الثانی اثبت الوحی لنفسه ونفاه عنه علیه الصلاة والسلام فکان جمعا بین أمرین عظیمین من الکذب اثبات ما لیس بموجود ونفی ماهو موجود (روح المعانی ۵/۳۲۳)

کریمہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''ان فرشتوں کی قسم جو ڈوب کر کھینچ لیتے ہیں'' اس آیت کی تفسیر اہل علم نے یہی بیان کی ہے۔

''اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ'' ''آج تمہیں اللہ پر افتراء باندھنے اور آیتِ الٰہیہ کے مقابلے میں سرکشی اور تکبر کرنے کی وجہ سے ذلت آمیز عذاب دیا جائے گا...... اس ''آج''[۹۱] میں بڑی وسعت ہے یہ پوری برزخی زندگی کو بھی شامل ہوسکتا ہے۔

﴿۹۴﴾ آج تم ہمارے پاس ویسے ہی اکیلے چلے آئے ہو جیسے اس دن اکیلے تھے جس دن ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا، تمہارے ساتھ نہ کوئی شریک ہے، نہ سفارشی، نہ دوست اور عزیز، نہ خدم حشم، نہ مال ومتاع نہ ساز وسامان، حد یہ کہ ان کے جسم پر لباس اور ان کے پیروں میں جوتا تک نہیں ہوگا۔

''وَتَرَكْتُمْ'' ہم نے تمہیں مختلف نعمتیں اور اموال عطا کیے تھے وہ سب کچھ تم دنیا ہی میں چھوڑ آئے ہو، جن مادی چیزوں پر تم فخر کرتے تھے ان میں سے کسی نے بھی تمہارے ساتھ وفا نہیں کی، صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''انسان (فخریہ طور پر) کہتا ہے میرا مال میرا مال! حالانکہ اے انسان تیرا مال تو بس وہ ہے جسے تم نے کھا کر ختم کر دیا، یا پہن کر پرانا کر دیا، یا اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا، اس کے علاوہ جو کچھ ہے اسے تم دوسروں کے لیے چھوڑ کر چل بسو گے''۔

''وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ'' وہ خود تراشیدہ بت، وہ جھوٹے معبود، وہ اللہ سے اپنی ہر بات منوانے کا اختیار رکھنے کے دعویدار جن کے بارے میں تمہارا خیال تھا کہ ہمارے عقائد اور اعمال خواہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں یہ ہمیں بہر حال جنت میں داخل کرا دیں گے، وہ کہاں ہیں؟ ان کا حال تو یہ ہے کہ وہ تمہارے ساتھ اپنے کسی رشتہ اور تعلق کو ماننے کے لیے آمادہ ہی نہیں۔

''وَضَلَّ عَنْكُمْ'' تمہارے سارے خیالات، آرزوئیں، منصوبے، پروگرام جھوٹے ثابت ہوئے، نہ دولت کام آئی، نہ دوستیاں، نہ جھوٹے معبود، نہ سفارشی!

حکمت وہدایت

۱...... اللہ پر جھوٹ باندھنا حرام ہے خواہ اس کی کوئی ہی صورت کیوں نہ ہو، جھوٹے خوابوں اور الہامات کی بنیاد پر تفرّدات اور ولایت کی دکانیں چمکانے والے بھی اس میں شامل ہیں۔[۹۲]

{۹۱} ''الیوم'' ای وقت الاماتة اوالوقت الممتدبعده الی مالانهایة له (ابی سعود ۲/۴۱۷)

{۹۲} ومن هذا النمط: من نعرض عن الفقه والسنن وماکان علیه السلف من السنن، فیقول: وقع فی خاطری کذا، اواخبرنی قلبی بکذا (قرطبی)

۲......کافر کو قبض روح کے وقت شدید تکلیف ہوتی ہے جبکہ مومن کی روح آسانی سے نکل جاتی ہے، یہ بات ان متواتر احادیث سے ثابت ہے جو حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہیں، اس تکلیف اور آسانی کی بنیادی وجہ وہ ہے جو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں بیان ہوئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اللہ سے ملاقات کا ارادہ رکھتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا چاہتا ہے اور جو شخص اللہ سے ملنا نہیں چاہتا تو اللہ بھی اس سے ملنا نہیں چاہتا۔{۹۳}

۳......تکبر انتہائی قبیح جرم ہے، متکبر انسان قرآن سے استفادہ نہیں کرسکتا، متکبروں کو اللہ تعالیٰ اپنے کلام سے دور ہٹادیتا ہے۔{۹۴}

۴......قیامت کے دن اللہ کے ان مخصوص بندوں کے علاوہ جنہیں اللہ اجازت دے گا، کسی کی سفارش بھی فائدہ نہیں دے گی۔

قدرتِ الٰہیہ کی تکوینی نشانیاں

{۹۵......۹۹}

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ
اللہ ہے کہ پھوڑ نکالتا ہے دانہ اور گٹھلی، نکالتا ہے مردہ سے زندہ اور نکالنے والا ہے زندہ سے مردہ، یہ ہے اللہ

فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ
پھر تم کدھر بہکے جاتے ہو پھوڑ نکالنے والا صبح کی روشنی کا اور اس نے رات بنائی آرام کو اور سورج اور چاند حساب کے لئے

ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي
یہ اندازہ رکھا ہوا ہے زور آور خبردار کا اور اسی نے بنادیئے تمہارے واسطے ستارے کہ ان کے وسیلہ سے راستے معلوم کرو

ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٩٧﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ
اندھیروں میں جنگل اور دریا کے البتہ ہم نے کھول کر بیان کردیئے پتے ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں اور وہی ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا

مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ﴿٩٨﴾
ایک شخص سے پھر ایک تو تمہارا ٹھکانا ہے اور ایک امانت رکھے جانے کی جگہ۔ البتہ ہم نے کھول کر سنا دیئے پتے اس قوم کو جو سوچتے ہیں

{۹۳} شیخین

{۹۴} سورة الاعراف (۷/۱٤٦)

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ
اور اسی نے اتارا آسمان سے پانی پھر نکالی ہم نے اس سے اگنے والی ہر چیز پھر نکالی اس میں سے

خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ
سبز کھیتی جس سے ہم نکالتے ہیں دانے ایک پر ایک چڑھا ہوا اور کھجور کے گابھے میں سے پھل کے گچھے جھکے ہوئے اور باغ انگور کے

وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ
اور زیتون کے اور انار کے آپس میں ملتے جلتے اور جدا جدا بھی دیکھو ہر ایک درخت کے پھل کو جب وہ پھل لاتا ہے اور اسکے پکنے کو

فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾
ان چیزوں میں نشانیاں ہیں واسطے ایمان والوں کے

ربط: توحید ونبوت اور بعث وقیامت کے احوال بیان کرنے کے بعد دوبارہ باری تعالیٰ کے وجود اور قدرت کے دلائل بیان کیے جارہے ہیں یعنی خلق وایجاد، موت اور زندگی کا اختیار، تقدیر وتدبیر اور شب وروز کا ہیر پھیر۔

تسہیل: بے شک گٹھلی اور دانے کا پھاڑنے والا صرف اللہ ہے، وہی زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے، یہ ہے اللہ، پس تم اسے چھوڑ کر کہاں بہکے پھرتے ہو○ وہی ہے جو صبح کو طلوع کرتا ہے، اسی نے رات کو سکون کے لیے بنایا ہے اور سورج اور چاند کی رفتار کا حساب مقرر کیا ہے، یہ سب اسی غلبے والے اور علم والے کے ٹھہرائے ہوئے اندازے ہیں○ وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے ہیں تاکہ ان کے ذریعے جنگلوں اور دریاؤں کے اندھیروں میں راستہ معلوم کرسکو، تحقیق ہم نے ایسے لوگوں کے لیے یہ نشانیاں کھول کھول کر بیان کردی ہیں جو علم رکھتے ہیں○ وہی ہے جس نے تم سب کو ایک شخص سے پیدا کیا ہے پھر ایک تو تمہارا ٹھکانا ہے اور ایک امانت رکھنے کی جگہ ہے، تحقیق ہم نے ایسے لوگوں کے لیے نشانیاں تفصیل سے بیان کردی ہیں جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں○ وہی ہے جو آسمان سے بارش برساتا ہے پھر اس کے ذریعے ہر قسم کی نباتات اگا دیتا ہے، پھر اس نباتات سے سرسبز کونپلیں پھوٹتی ہیں جن سے ہم تہہ بہ تہہ چڑھے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجوروں کے شگوفوں میں سے پھلوں کے جھکے ہوئے گچھے اس نے پیدا کیے اور انگور، زیتون اور انار کے وہ باغات بھی اسی نے لہلہائے جن میں سے بعض ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور بعض ملتے جلتے نہیں ہوتے، یہ درخت جب پھلتے ہیں تو ان کے پھل لانے اور ان کے پکنے کو گہری نظر سے دیکھو بے شک ان میں ایمان والوں کے لیے اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں○

﴿تفسیر﴾

﴿۹۵﴾ گٹھلی اور دانے کو پھاڑنے والا صرف اللہ ہے، وہی ہے جس نے ان کے اندر زندگی کا ایک پوشیدہ راز رکھا ہے، وہ زندگی ایک: پودے اور درخت کی شکل اختیار کر لیتی ہے، اس پوشیدہ راز کی حقیقت کا علم صرف اللہ کو ہے ساری ترقی کے باوجود انسان اس راز کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکا۔

اللہ وہ ذات ہے جو مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے، یہ سلسلہ روز ازل سے جاری ہے، انسان مردہ حالت میں تھا اسے زندگی بخشی گئی، اس وقت سے لے کر آج تک یہ زندگی مردے سے نمودار ہو رہی ہے، انسان اور حیوان مردہ غذا کھاتے ہیں لیکن ان سے زندگی کو نشو و نما ملتی ہے، اس دعوے کی مثال میں بیج، انڈے اور نطفہ کو بھی پیش کیا جاتا ہے چونکہ جدید تحقیق یہ ہے کہ ان کے اندر زندگی کے آثار ہوتے ہیں اس لیے بعض لوگ ان چیزوں کو مثال کے طور پر پیش کرنے پر اعتراض کرتے ہیں حالانکہ جدید تحقیق ان چیزوں میں صرف نباتی یا خلیاتی زندگی کو ثابت کرتی ہے جبکہ ہم انہیں جو مردہ کہتے ہیں تو ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کے اندر زندگی کی کوئی ظاہری حرکت نہیں ہوتی جو اللہ مردہ سے زندگی کو نکالتا ہے وہی اللہ زندہ سے مردہ کو بھی نکالتا ہے، درخت سے بیج، حیوان سے نطفہ اور پرندے سے انڈا اس کی واضح مثالیں ہیں۔

''ذٰلِكُمُ اللهُ'' جس کی قدرت اتنی کامل اور حکمت اس قدر بالغ ہے صرف وہی ہے جو معبود بننے کے قابل ہے، پھر تم اسے چھوڑ کر کہاں پھرے جا رہے ہو اور اس کے ساتھ ایسوں کو شریک کیوں ٹھہراتے ہو جو ان میں سے کسی کام کی بھی قدرت نہیں رکھتے۔

﴿۹۶﴾ دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا بھی وہی ہے اور پردۂ شب چاک کرنے والا بھی وہی ہے، وہی ہے جس نے رات کو سکون کا وقت بنایا، وہ متضاد اشیاء کی تخلیق پر قادر ہے، رات کا پردہ پھاڑتا ہے تو اس میں سے صبح کا چمکتا دمکتا چہرہ نمودار ہو جاتا ہے، پھر وہ شب کے سائے پھیلاتا ہے تو دن اپنی ساری ضوافشانیوں کے ساتھ غائب ہو جاتا ہے اسی نے سورج اور چاند کی رفتار کا حساب مقرر کر رکھا ہے اور ان کی گردش کے لیے اوقات اور دائرے مقرر کر رکھے ہیں، جن میں کوئی تغیر اور تبدل واقع نہیں ہوتا۔ یہ سب کچھ اتفاق سے اور خود بخود نہیں ہو رہا بلکہ یہ اس غلبے والے اور علم والے کے ٹھہرائے ہوئے اندازے ہیں، زمین کا اپنے محور کے اردگرد گھومنا، سورج سے ایک مناسب فاصلے پر رہنا، چاند اور سورج کا موجودہ حجم اور خاص درجہ حرارت یہ سب وہ اندازے اور تقدیرات ہیں جن کی وجہ سے اس کرۂ ارض پر زندگی

ممکن ہوسکی ہے، سورج سے زمین کو جو توانائی اور حرارت حاصل ہورہی ہے اگر اس میں ١٠% اضافہ ہوجائے تو فرشِ زمین پر جو کچھ ہے وہ جل کر سیاہ کوئلہ بن جائے، آخر وہ کون ہے جو نہ صرف سورج اور زمین بلکہ کروڑوں سیاروں کے درمیان ایک مناسب فاصلہ برقرار رکھتا ہے۔

﴿۹۷﴾ اللہ ہی ہے جس نے ستارے بنائے، کروڑوں اور اربوں ستارے، ان میں سے بعض اس زمین سے بھی کہیں بڑے ہیں، اور اس لیے بنائے تاکہ انسان بر و بحر کی تاریکیوں میں ان کے ذریعے ہدایت حاصل کرے، یہ ہدایت حسّی بھی ہوسکتی ہے اور معنوی اور روحانی بھی، کل کا انسان صحراؤں اور سمندروں کے سفر میں ستاروں کے ذریعے راستہ معلوم کرلیا کرتا تھا، آج کے انسان نے سمندری سفر کے لیے اگرچہ جدید آلات تیار کر لیے ہیں لیکن بنیادی اصول اب بھی وہی ہیں اور قطب شمالی اور ستاروں سے ہدایت لے جاتی ہے۔ ستاروں کے عجیب وغریب نظام اور ان کی وسیع دنیا میں غور وفکر کرکے انسان معنوی ہدایت بھی حاصل کرسکتا ہے وہ جب ان کے مدار، ان کی گردش، ان کی حفاظت اور مربوط نظام کے بارے میں سوچتا ہے تو وہ اللہ کے وجود، اس کی قدرت وصنعت اور علم وحکمت کا اقرار کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے، اسی لیے اس ایت کے اختتام پر فرمایا گیا ''تحقیق ہم نے ایسے لوگوں کے لیے آیات کھول کھول کر بیان کردی ہین جو علم رکھتے ہیں'' ''آیات'' سے قرآنی آیات بھی مراد ہوسکتی ہیں اور تکوینی آیات بھی، اہلِ علم وفکر جب قرآنی آیات میں تدبر کرتے ہیں تو ان کے علم اور ایمان میں اضافہ ہوجاتا ہے، یونہی تکوینی آیات میں غور وفکر کرنے والوں کا سر بے ساختہ اللہ کی عظمت اور کبریائی کے سامنے جھک جاتا ہے۔ ظاہر ہے ان آیات سے باری تعالیٰ کی حکمت وصنعت پر وہی استدلال کرسکتے ہیں جو علم رکھتے ہیں اور جو مادہ پرست ان آیات اور نشانیوں کا ان کے ربّ سے تعلق کاٹنا چاہتے ہیں وہ گویا کہ علم سے محروم ہیں، اس علم کا کیا فائدہ جو انسان کو اس کے ربّ تک پہنچانے کا ذریعہ نہ بنے۔

﴿۹۸﴾ آفاقی نشانیاں بیان کرنے کے بعد انفسی نشانیاں بیان کی جارہی ہیں، ارشاد ہوتا ہے کہ ''وہی ہے جس نے تم سب کو ایک شخص سے پیدا کیا'' وہ ''ایک شخص'' حضرت آدم علیہ السّلام ہیں جن سے توالد وتناسل کا سلسلہ شروع ہوا گویا سارے انسانوں کا باپ ایک ہے جس سے نوعِ انسانی کی وحدت ثابت ہوتی ہے۔

مرد اور عورت کے درمیان زندگی کا آغاز تناسل کے خلیہ سے شروع ہوتا ہے، یہ خلیہ جب صلب پدر میں ہوتا ہے تو وہ جائے قرار میں ہوتا ہے اور جب رحمِ مادر میں ہوتا ہے تو وہ اس کے لیے سپردگی کی جگہ ہوتی ہے، یا جب تک انسان زندہ رہتا ہے تو فرشِ زمین اس کے لیے جائے قرار ہوتا ہے اور جب موت کے بعد اسے دفن کردیا جاتا ہے تو زمین کا

پیٹ اس کے لیے سپردگی کی جگہ بن جاتا ہے۔{۹۵}

''قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّفۡقَهُوۡنَ'' (تحقیق ہم نے ایسے لوگوں کے لیے یہ نشانیاں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں)۔

''سمجھ بوجھ'' والا شخص اسی کو کہا جائے گا جو ''نفسِ واحدہ'' سے انسان کی تخلیق کے بارے میں اللہ کی حکمت اور قدرت کو جانتا ہو اور یہ سمجھ سکتا ہو کہ ایک خلیہ سے کس طرح صاحبِ فہم وشعور انسان پیدا ہوتا ہے اور وہ ایسی ذات کا ادراک رکھتا ہو جو اس خلیے سے کسی کو نر اور کسی کو مادہ بناتی ہے اور اسی نے مردوں اور عورتوں کی تعداد کے درمیان مطلوب توازن برقرار رکھا ہوا ہے، یہ توازن خالقِ کائنات کی حکمت اور تدبیر کی واضح دلیل ہے لیکن یہ دلیل صرف ان لوگوں کی سمجھ میں آ سکتی ہے جو بصیرت اور تفقہ رکھتے ہیں۔

﴿۹۹﴾ اس آیت میں تکوینی آیات میں سے ایک اور نشانی ذکر کی جا رہی ہے اور وہ ہے نباتات کی دنیا جس کی حدود اور سارے اسرار شاید ابھی تک انسان کی دسترس میں نہیں آ سکے، یہ اللہ ہی ہے جو ایک خاص مقدار میں آسمان سے مبارک پانی برساتا ہے، پانی ایک ہی ہوتا ہے، لیکن اس سے جو نباتات پیدا ہوتی ہے وہ شکل وصورت اور خواص وآثار میں مختلف ہوتی ہے، جیسا کہ سورہ رعد میں ہے ''سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور ہم بعض میووں کو بعض پر لذت میں فضیلت دیتے ہیں'' (رعد/۴) پھر اس پانی سے ہرے بھرے کھیت اور درخت پیدا ہوتے ہیں، ہر پودا جب اُگتا ہے تو وہ سبز ہوتا ہے، اس کی کونپل حد درجہ نرم ونازک ہوتی ہے، لیکن وہ زمین کا سخت سینہ پھاڑ کر باہر نکل آتی ہے، یہ پودے مختلف ہوتے ہیں، کوئی تہہ بہ تہہ چڑھے ہوئے دانے دیتا ہے، کسی کی شاخوں پر پھلوں کے خوشے لٹک رہے ہوتے ہیں، پھلوں کی کلیاں نکلنے سے پھل بننے اور پکنے تک کا منظر بڑا دلفریب ہوتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں کھانے کے بجائے دیکھنے کا حکم دیا ہے جب انسان عبرت کی نظر سے یہ سارے مناظر دیکھتا ہے، زمین خشک اور مردہ پڑی تھی، بارش برسی، جس سے مردہ زمین میں زندگی کے آثار نمودار ہوئے، بیج نرم ونازک پتّی کی صورت میں نکل کر باہر آ گئے، تنے مضبوط ہوئے، غلّے کی تہہ بہ تہہ بالیاں جھولنے لگیں، باغات میں کلیوں کی مسحور کن خوشبو نے پورے ماحول کو معطّر کر دیا، کلیاں خود تو مرجھانے لگیں لیکن ان کی جگہ چھوٹے چھوٹے دانوں کی صورت میں پھل نمودار ہو گئے، یہ لمحہ بہ لمحہ بڑھتے رہے، ان کی رنگت بھی بدلتی رہی اور ذائقہ بھی، ایک منکرِ خدا کے لیے ان مناظر میں سوائے

{۹۵} والتعبير عن كونهم فی الاصلاب اوفوق الارض بالاستقرار لانها مقرهم الطبيعی كماأن التعبير عن كونهم فی الارحام اوتحت الارض بالاستيداع لماأن كلامنهما ليس بمقرهم الطبيعی (ابی سعود۲/۴۲۰)

ظاہری کشش کے کوئی سبق نہیں، لیکن صاحب ایمان کو ان مناظر میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں دکھائی دیتی ہیں، کیونکہ ایمان دل میں زندگی اور روشنی پیدا کردیتا ہے، اسی لیے اس آیت کے اختتام پر کہا گیا ہے کہ "ان چیزوں میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں"

حکمت وہدایت

۱......مذکورہ بالا آیات میں قدرتِ الٰہیہ کے پانچ قسم کے دلائل ذکر کیے گئے ہیں۔

۱۔نباتات اور حیوانات کے احوال۔ ۲۔فلکیات کے احوال۔

۳۔ستاروں کے ذریعہ ہدایت ہونے سے استدلال۔

۴۔انسان کے احوال سے استدلال۔

۵۔نباتات کے تنوع اور پھلوں کی مختلف انواع کے اختلاف سے استدلال۔

۲......تکوینی اور انفسی آیات میں غور وفکر کے بعد صحیح نتائج تک وہی پہنچ سکتے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔

تردیدِ شرک اور اثباتِ توحید

﴿۱۰۰......۱۰۳﴾

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ سُبْحٰنَهُ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهُ صَاحِبَةٌ ۚ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۖ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾

اور ٹھہراتے ہیں اللہ کے شریک جنوں کو حالانکہ اس نے انکو پیدا کیا ہے اور تراشتے ہیں اسکے واسطے بیٹے اور بیٹیاں جہالت سے وہ پاک ہے اور بہت دور ان باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں نئی طرح پر بنانے والا آسمان اور زمین کا کیونکر ہوسکتا ہے اسکے بیٹا حالانکہ اس کے کوئی عورت نہیں اور اس نے بنائی ہر چیز اور وہ ہر چیز سے واقف ہے یہی اللہ تمہارا رب ہے نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے پیدا کرنے والا ہر چیز کا سو تم سب اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر کارساز ہے نہیں پاسکتیں اس کو آنکھیں اور وہ پاسکتا ہے آنکھوں کو اور وہ نہایت لطیف اور خبردار ہے

ربط: الوہیت اور کمالِ قدرت کے پانچ واضح دلائل سننے کے بعد یقیناً ہر صاحب نظر و بصیرت انسان توحید کا اقرار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور شرک سے نفرت کرنے لگتا ہے اس لیے اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کے باطل خیالات کی واضح تردید کر دی جائے اور توحید کا اعلان کر دیا جائے۔

تسہیل: یہ جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں حالانکہ وہ اللہ کی مخلوق ہیں اور یہ جہالت کی وجہ سے اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کرتے ہیں، وہ پاک اور بہت بلند ہے ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں ○ آسمانوں اور زمین کا موجد وہی ہے، اس کی اولاد کیسے ہوسکتی ہے جبکہ اس کی کوئی بیوی ہی نہیں، ہر چیز اس نے پیدا کی ہے اور وہی ہر چیز کے بارے میں جانتا ہے ○ یہی اللہ تمہارا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر چیز کا خالق وہی ہے اور ہر کسی کا کارساز بھی وہی ہے ○ نگاہیں اسے نہیں دیکھ سکتیں اور وہ نگاہوں کو دیکھ سکتا ہے اور وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے ○

تفسیر

﴿۱۰۰﴾ اس آیتِ کریمہ میں ان مشرکین کی تردید ہے جو اللہ کی عبادت میں جنات کو شریک کرتے تھے، ان مشرکین سے مراد یا تو وہ لوگ ہیں جو ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، یا وہ لوگ مراد ہیں جو شرک اور معصیت میں شیاطین کی اطاعت کرتے تھے، ایسے لوگ بھی دنیا میں رہے ہیں اور آج بھی ہیں جو اس عالم کے دو الٰہ قرار دیتے ہیں ایک الٰہِ قدیم اور دوسرا الٰہِ جدید۔ {۹۶}

''وخلقھم'' قرآن کریم نے ان کے شرک کی تردید صرف ایک لفظ میں فرما دی وہ یہ کہ ''خلقھم'' (اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے) جب وہ مخلوق اور اللہ ان کا خالق ہے تو وہ اللہ کے شریک کیسے ہوسکتے ہیں، ان جاہلوں نے صرف اللہ کے شرکاء ثابت کرنے پر اکتفاء نہ کیا بلکہ اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں بھی تجویز کر دیں حالانکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اللہ اس سے بلند و برتر اور پاک ہے۔

﴿۱۰۱﴾ کسی نقشے اور نمونے کے بغیر ارض و سما کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، اللہ کی اولاد کیسے ہوسکتی ہے جب کہ صورت یہ ہے کہ اس کی کوئی بیوی ہی نہیں، علاوہ ازیں توالد و تناسل کے لیے میاں بیوی کا ایک ہی جنس سے ہونا ضروری ہے، جب کہ مخلوق میں سے کوئی بھی چیز اللہ کی ہم جنس نہیں ہوسکتی، ظاہر ہے کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے، جن افراد

{۹۶} قال قتادة والسدی: هم الذین قالوا الملائكة بنات الله...... وقال الكلبی نزلت فی الزنادقه قالوا: ان الله وابلیس اخوان ... ویقرب من هذا قول المجوس، فانهم قالوا: للعالم صانعان: اله قدیم، والثانی شیطان حادث من فكرة الاله القدیم (قرطبی ۷/۴۹)

اور شخصیات کو احمق لوگ اللہ کی اولاد قرار دیتے تھے وہ ان کا بھی خالق ہے تو مخلوق اور خالق کی جنس ایک کیسے ہو سکتی ہے، دونوں ہم مثل کیسے ہو سکتے ہیں، دونوں کی حقیقت میں ارض وسما کے فرق سے کروڑوں گنا زیادہ فرق ہے، خالق ہونے کے علاوہ وہ سارے حقائق کا علم رکھتا ہے اور مخلوق کے پاس اس علم کے سوا کوئی علم نہیں جو علم اللہ نے اسے دیا ہے۔

﴿۱۰۲﴾ وہ ہستی جس کی بیوی ہے نہ اولاد ہے، جو ہر چیز کا خالق اور جسے تمام حقائق کا علم ہے وہی اللہ ہے اور وہی رب ہے، اس کے سوا نہ کسی کی عبادت اور بندگی جائز ہے اور نہ ہی اطاعت۔ مشرکینِ عرب، اللہ کو اس کائنات کا خالق تو تسلیم کرتے تھے مگر عبادت اور اطاعت دوسروں کی بھی کرتے تھے، قرآن نے یہ تصور اور نظریہ ان کے سامنے پیش کیا کہ جو خالق ہے وہی معبود اور ربّ بھی ہے، اس کی ذات اور صفات پر ایمان رکھنا ضروری ہے اور اس میں کسی نوع کا شرک بھی جائز نہیں۔

﴿۱۰۳﴾ انسان، اپنے خالق اور معبود پر ایمان رکھنے کا مکلف ہے، اس کی حقیقت کو سمجھنے کا مکلف نہیں، اس کی نظر، اس کے حواس اور اس کے ذہن میں وہ طاقت ہی نہیں جس کے ذریعے وہ اس کا ادراک کر سکے کیونکہ انسان فانی اور حادث ہے جبکہ اللہ ازلی اور ابدی ہے، پھر کسی کا ایمان معتبر ہونے کے لیے یہ ضروری بھی نہیں کہ وہ باری تعالیٰ کا اس دنیا میں دیدار کرے اور اس کی حقیقت کو ویسے ہی جان لے جیسی کہ وہ ہے۔

دنیا میں کتنی ہی ایسی چیزیں ہیں جن کی ماہیت اور حقیقت کو نہ دیکھ سکنے کے باوجود انسان ان کے وجود کو محض ان کے آثار کی وجہ سے تسلیم کرتا ہے، سائنسدانوں نے اپنی زندگی میں کوئی ایٹم کوئی نیوٹرون اور کوئی پروٹون نہیں دیکھا لیکن وہ ان کا وجود مانتے ہیں لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ جب ان کے اپنے ہی خود ساختہ قواعد کی روشنی میں اللہ پر ایمان لے آئیں تو وہ علم وہدایت کے بغیر کج بحثی شروع کر دیتے ہیں اور اپنی مادی آنکھوں سے ایک ازلی اور ابدی حقیقت کو دیکھ لینے پر اصرار کرتے ہیں۔

''وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ'' قرآنی اسلوب پر نظر رکھنے والے حضرات اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ آیات کے اختتامی جملوں اور الفاظ کا پوری آیت کے مضمون سے گہرا تعلق اور مناسبت ہوتی ہے، یہاں آیت کے اختتام پر اللہ تعالیٰ کی دو صفات ذکر کی گئی ہیں ''لطیف'' اور ''خبیر'' لطیف کا عام فہم معنی باریک بین کیا جاتا ہے،﴿۹۷﴾ اس معنی کے اعتبار سے یہاں یہ دو صفات یہ بات سمجھانے کے لیے ذکر کی گئی ہیں کہ بے شک تمہاری نگاہیں اللہ کی حقیقت کو پا لینے سے قاصر ہیں لیکن وہ تمہاری حقیقت کو پا لینے اور تمہارے اعمال کو جان لینے سے ہرگز قاصر نہیں ہے، وہ بڑا باریک بین

﴿۹۷﴾ وقد یعبر باللطائف عما لا الحاسة تدرکه، ویصح أن یکون وصف اللّٰه تعالیٰ به علی هذا الوجه (المفردات/۴۵۰)

اور باخبر ہے، کوئی چیز کتنے ہی پردوں میں کیوں نہ ہو اس کی نگاہیں اس تک پہنچ ہی جاتی ہیں اور کوئی چیز کتنی ہی مخفی کیوں نہ ہو وہ اس سے ہر لحہ باخبر رہتا ہے۔

''لطیف'' کا دوسرا معنی باریک اور خفیف بھی ہے جو ثقیل اور کثیف کی ضد ہے، اس معنی کے اعتبار سے اللہ کو لطیف اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ انسانی حواس کے ادراک سے مافوق اور بالاتر ہے، {۹۸} بعض اشیاء ایسی بھی ہیں جو لطافت کی وجہ سے حواس کی گرفت میں نہیں آتیں فرشتوں اور جنات کا وجود لطیف ہے، ہماری روح بھی لطیف ہے، ساری لطیف چیزوں سے بڑھ کر ذات اللہ کے وجود میں لطافت اور باریکی ہے اس لیے اس دنیا میں رہتے ہوئے کوئی آنکھ اسے اس طرح نہیں دیکھ سکتی کہ وہ اس کی ذات کا احاطہ کرلے اور اس کی حقیقت کو جان لے جیسا کہ آیۃ الکرسی میں ہے ''وہ جانتا ہے جو ان کے آگے اور جو ان کے پیچھے ہے اور یہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کرسکتے'' (البقرہ ۲/ ۲۵۵)

اگر کسی کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہو کہ یہاں رؤیتِ باری تعالیٰ کی نفی کی گئی ہے جبکہ سورہ قیامہ میں اس کا اثبات ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے ''بہت سارے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے ربّ کی طرف دیکھ رہے ہوں گے'' تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ نفی کا تعلق دنیا سے اور اثبات کا تعلق آخرت سے ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ نفی احاطہ کی ہے جبکہ اثبات مطلق رویت کا ہے، دنیا اور آخرت دونوں میں کوئی آنکھ اس کی ذات اور ماہیت کا احاطہ تو نہیں کرسکتی البتہ آخرت میں انسان کو ایسی طاقت دے دی جائے گی کہ وہ ذاتِ حق کا دیدار کرسکے گا جیسا کہ صحیحین میں روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم قیامت کے دن اپنے ربّ کو ایسے ہی دیکھو گے جیسے تم چودھویں شب کے چاند کو دیکھتے ہو اور جیسے تم سورج کو دیکھتے ہو جبکہ اس کے سامنے بادل حائل نہ ہو''۔

حکمت وہدایت

۱......وہ لوگ حقیقت میں جنات اور شیاطین کی عبادت کرتے ہیں جو ان کی ہر بات کو مانتے اور ان کے کہنے میں آکر اللہ کے لیے شریک ثابت کرتے ہیں۔(۱۰۰)

۲......ربّ تعالیٰ ہر قسم کے شریک اور بیوی بچوں سے پاک ہے۔(۱۰۱)

{۹۸} فهى صفة مشبهة تدلّ على صفة من صفات ذات الله تعالىٰ وهى صفة تنزيهه تعالىٰ عن احاطة العقول بماهيته أواحاطة الحواس بذاته وصفاته...... وعلى هذا المعنى حملها الزمحشرى فى الكشاف لانه انسب بهذا المقام وهومن معانى الكلمة المشهوره فى كلام العرب واستحسنه الفخر وحوزه الراغب والبيضاوى (التحرير والتنوير ٤/ ٤١٧)

۳......خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی مجانست اور مشابہت نہیں ہے۔

۴......دنیا میں باری تعالیٰ کی رویت محال ہے جبکہ آخرت میں اہلِ جنت کو شرف دیدار سے نوازا جائے گا۔

بصائر و دلائل

﴿۱۰۴......۱۰۷﴾

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾

تمہارے پاس آچکیں نشانیاں تمہارے رب کی طرف سے پھر جس نے دیکھ لیا سو اپنے واسطے اور جو اندھا رہا سو اپنے نقصان کو اور میں نہیں تم پر نگہبان

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور یوں طرح طرح سے سمجھاتے ہیں ہم آیتیں اور تاکہ وہ کہیں کہ تو نے کسی سے پڑھا ہے اور تاکہ واضح کردیں ہم اسکو واسطے سمجھ والوں کے

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

تو چل اس پر جو حکم تجھ کو آوے تیرے رب کا کوئی معبود نہیں سوا اس کے اور منہ پھیر لے مشرکوں سے

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾

اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ شرک نہ کرتے اور ہم نے نہیں کیا تجھ کو ان پر نگہبان اور نہیں ہے تو ان پر داروغہ

تسھیل: آپ ان سے کہو کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے سچائی کی واضح نشانیاں آچکی ہیں، جو آنکھیں کھلی رکھے گا اس کا اپنا ہی فائدہ ہوگا اور جو اندھا بن جائے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں O ہم یونہی مختلف طریقوں سے دلائل بیان کرتے ہیں تاکہ وہ کہیں کہ تم کسی سے پڑھ کر آئے ہو اور تاکہ ہم علم والوں کے لیے اس کے مضامین کو خوب واضح کردیں O اور آپ اس حکم کی اتباع کرتے رہیں جو آپ کے ربّ کی طرف سے نازل ہوا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور ان مشرکوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیں O اگر اللہ چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے، ہم نے آپ کو ان پر نگہبان نہیں بنایا اور نہ ہی آپ ان کے ذمہ دار ہیں O

﴿تفسیر﴾

﴿۱۰۴﴾ اے لوگو! تمہارے پاس قرآن کریم کی صورت میں واضح دلائل اور تعلیماتِ نبویہ کی صورت میں زندگی کا پورا دستور اور اخلاق و آداب کے اصول آگئے ہیں، تم میں سے جو کوئی اپنی آنکھیں کھلی رکھے گا اور بصیرت سے کام لے گا، اسے ایمان لانے اور ایمان پر استقامت کی توفیق ملے گی جس کا فائدہ ظاہر ہے خود اسی کو ہوگا، ان

بصیرتوں اور واضح دلائل سے صرف وہی شخص محروم رہ سکتا ہے جو دل کا اندھا ہو اور جس کے حواس صحیح کام نہ کررہے ہوں۔

﴿۱۰۵﴾ جیسے اس سورت میں ہم نے مختلف مضامین کو بار بار بیان کیا ہے یونہی ہم دوسری سورتوں میں اسلوب اور انداز بدل بدل کر آیات اور احکام کو بیان کرتے ہیں.....تصریفِ آیات (مقامات کے اعتبار سے مضامین کو مختلف طریقوں سے بار بار لانا) قرآن کا ایک خاص اور امتیازی انداز ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ:

۱۔ جو ضدّی اور معاند ہیں وہ کہتے ہیں کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کسی اور سے پڑھ کر آ گئے ہو، یہ وحیِ ربّانی نہیں ہے جیسا کہ تم دعوٰی کرتے ہو۔ کلام اللہ کی فصاحت و بلاغت اور تاثیر و جامعیت ان سے مخفی نہیں تھی دوسری طرف عبداللہ کے لختِ جگر کا ماضی اور شب و روز بھی ان پر عیاں تھا اس لیے انہوں نے یہ کہا کہ اے محمد! تم نے یہ کلام اہلِ کتاب سے سیکھا ہے، عرب کے جاہلوں کی زبان سے یہ افتراء پردازیاں باعثِ تعجب نہ تھیں، تعجب تو اس وقت ہوتا ہے جب آج کے ''پڑھے لکھے جاہل'' قرآن کو معاذاللہ! تورات و انجیل کا چربہ قرار دیتے ہیں حالانکہ اگر وہ قرآن کریم اور عہد نامہ قدیم و جدید میں موازنہ کریں تو انہیں '' کے اسلوب اور ترتیب میں بعد المشر قین نظر آئے گا۔

۲۔ تصریفِ آیات کا دوسرا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حق اور باطل بالکل واضح ہو کر سامنے آ جاتا ہے چنانچہ اہلِ علم حق کی اتباع کرتے ہیں اور باطل سے اجتناب کرتے ہیں، ''اہلِ علم'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کی دی ہوئی بصیرت کو حق کی جستجو میں استعمال کرتے ہیں، بصیرت خود ایک روشنی ہے، جب یہ روشنی قرآن کی روشنی کے ساتھ ملتی ہے تو نورٌ علی نور کی کیفیت ہو جاتی ہے۔

﴿۱۰۶﴾ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اب جبکہ حق واضح ہو چکا اور لوگ بھی دو گروہوں میں بٹ چکے ہیں تو آپ وحیِ ربانی کی اتباع کریں اور مشرکین کو ان کی حالت پر چھوڑ دیں، ان کی کج بحثی، بیہودہ گوئی اور تکذیب کی پرواہ نہ کیجیے، اور اپنے کام میں لگے رہیے۔

﴿۱۰۷﴾ اگر اللہ چاہتا تو انہیں قبولِ ہدایت پر مجبور کر دیتا اور وہ شرک کر ہی نہ سکتے لیکن کسی کو مجبور کرنا اللہ کی مشیت اور حکمت کے خلاف ہے، اللہ تعالٰی نے انسان کے اندر ہدایت اور ضلالت دونوں کی صلاحیت رکھی ہے اور اسے اختیار دیا ہے کہ ان میں جونسا راستہ چاہے اختیار کر لے۔

حکمت و ہدایت

۱.....قرآنی آیات بصیرت کی روشنی ہیں جو انہیں ہاتھ میں لیتا اور قلب و دماغ میں بساتا ہے، اس کے سامنے ہدایت کا

راستہ روشن ہو جاتا ہے۔(۱۰۴)

۲......''تصریف آیات'' سے صرف اہلِ علم ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں، جاہلوں کو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔(۱۰۵)

۳......''تصریف آیات'' میں حکمت یہ ہے کہ حق کو خوب کھول کر بیان کر دیا جائے۔(۱۰۶)

۴......انسان نہ تو مجبورِ محض ہے اور نہ ہی کلی طور پر خود مختار ہے۔(۱۰۷)

گالی گلوچ سے ممانعت

﴿۱۰۸......۱۱۰﴾

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ

اور تم لوگ برا نہ کہو ان کو جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا بس وہ برا کہنے لگیں گے اللہ کو بے ادبی سے بدون سمجھے اسی طرح ہم نے مزین کر دیا ہر ایک

اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۖ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ

فرقہ کی نظر میں انکے اعمال کو پھر ان سب کو اپنے رب کے پاس پہنچنا ہے تب وہ جتلا دیگا ان کو جو کچھ وہ کرتے تھے اور وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تاکید سے

اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ

کہ اگر آئے ان کے پاس کوئی نشانی تو ضرور اس پر ایمان لاوینگے تو کہہ دے کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور تم کو اے مسلمانو کیا خبر ہے کہ جب وہ

اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ

نشانیاں آویں گی تو یہ لوگ ایمان لے ہی آوینگے اور ہم الٹ دینگے ان کے دل اور ان کی آنکھیں جیسے کہ ایمان نہیں لائے ان نشانیوں پر پہلی بار

مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

اور ہم چھوڑے رکھیں گے ان کو ان کی سرکشی میں بہکتے ہوئے

ربط: مسلمانوں کو مشرکین کی جانب سے مختلف الزامات واتہامات اور اشتعال انگیز امور کا سامنا کرنا پڑتا تھا، اوپر آیت ۱۰۵ میں قرآن کریم کو انسانوں سے سیکھا ہوا کلام قرار دینا بھی ان میں سے ایک تھا اس لیے مسلمانوں کو اپنے جذبات قابو میں رکھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا۔

تسہیل: اور اللہ کے سوا جن کی یہ عبادت کرتے ہیں تم انہیں گالیاں نہ دو ورنہ یہ جہالت کی وجہ سے اللہ کو گالیاں دیں گے، ہم نے یونہی ہر جماعت کی نظر میں ان کے اعمال کو مزین کر رکھا ہے بالآخر یہ سب اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے پھر وہ انہیں ان کے اعمال کے بارے میں بتادے گا O یہ اللہ کے نام کی پکّی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اگر

ان کے پاس کوئی نشانی آ گئی تو وہ اس پر ضرور ایمان لے آئیں گے، ان سے کہہ دیجیے کہ نشانیاں دکھانا تو اللہ کے اختیار میں ہے اور اے مسلمانو! تمہیں کیا خبر کہ اگر یہ نشانیاں دیکھ بھی لیں تو بھی ایمان نہ لائیں O ہم ان کے قلب ونظر کو ویسے ہی پھیر دیں گے جیسے یہ پہلی مرتبہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے اور ہم انہیں سرکشی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیں گے O

تفسیر

﴿۱۰۸﴾ انسان کا مزاج اور طبیعت کچھ ایسی ہے کہ بسا اوقات واضح برائی اس کی نظر میں مزین ہو جاتی ہے، کتنے ہی لوگ ہیں جو کفر وشرک پر جان دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور کتنے ہی ایسے ہیں جو جاہلانہ رسم ورواج، شراب نوشی اور بدکاری، دروغ گوئی اور فریب کاری، منافقت اور دوغلا پن جیسے قابلِ نفرت اعمال کو زندگی بھر سینے سے لگائے رکھتے ہیں، بت پرستی، انسانیت کی توہین اور انتہائی درجہ کی حماقت ہے لیکن بہر حال دنیا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جن کی زندگی کا پورا فلسفہ بت پرستی ہی کے ارد گرد گھومتا ہے اور وہ گویا زندہ ہی اسی کے لیے ہیں، اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تم ان کے بتوں کو گالیاں مت دو کہیں ایسے نہ ہو کہ وہ جہالت کی بناء پر ربّ ذوالجلال کی شان میں گستاخی کرنے لگیں، ویسے بھی گالی گلوچ کسی داعیِ حق کی شان کے مناسب نہیں اور اس کا فائدہ بھی کچھ نہیں ہوتا بلکہ الٹا نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے، بتوں کو گالیاں دینے سے بت پرستوں کو ایمان کی توفیق تو کیا ہو گی، خطرہ یہ ہے کہ وہ بت پرستی میں مزید پختہ ہو جائیں گے، اسی لیے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان زندگی بھر سب وشتم سے پاک رہی، قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی بتوں کی تردید کی گئی ہے اس کا مقصد کسی کی دل آزاری نہیں ہے بلکہ حقیقت کو واضح کرنا مقصود ہے اسی لیے علماء نے بتوں کی توہین پر مشتمل آیات کی ایسی جگہ تلاوت سے منع کیا ہے جہاں مشرکین کی اصلاح مقصود نہ ہو بلکہ ان کی دل آزاری پیشِ نظر ہو۔{۹۹}

﴿۱۰۹﴾ مشرک، اللہ کے نام پر بڑی مؤکد قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر انہیں مخصوص قسم کا مادی معجزہ دکھا دیا جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے، گویا انہیں اس سے پہلے کوئی معجزہ دکھایا ہی نہیں گیا، ان کا یہ مطالبہ ان کے عناد اور دل کے لاعلاج ہونے کی واضح دلیل ہے، وگرنہ قرآن کی موجودگی میں کسی معجزہ کی ضرورت ہی کیا ہے اور کونسا معجزہ ہے جو

{۹۹} واستشكل ذلك بأن وصف آلهتهم بأنها حصب جهنم وبأنها لا تضر ولا تنفع سب لها فكيف نهى عنه بماهنا؟ واجيب بأنهم اذا قصدوا بالتلاوة سبهم وغيظهم يستقيم النهى عنها ولا بدع فى ذلك كما نهى عن التلاوة فى المواضع المكروهة (روح المعانی ۳۶۵/۵)

اس کے مقابلے میں بچ سکتا ہے۔

''قُلْ اِنَّمَا الْاٰیَات''اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرما دیجیے کہ کسی بھی معجزہ کا دکھانا میرے اختیار میں نہیں ہے بلکہ یہ اختیار صرف اللہ کو حاصل ہے وہ چاہے تو دکھائے اور چاہے تو نہ دکھائے۔

''ومایشعرکم''اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے اور ان ایمان والوں سے خطاب فرما رہا ہے جن کے دل میں منکروں کے مطالبے سن کر یہ آرزو پیدا ہوتی تھی کہ شاید معجزہ دیکھ کر یہ واقعی ایمان قبول کرلیں، فرمایا گیا کہ اس حقیقت کو صرف اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے کہ اگر انہوں نے معجزہ دیکھ بھی لیا تو بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

﴿۱۱۰﴾ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں کو قرآن جیسا معجزہ دیکھنے کے بعد ایمان لانے کی توفیق نصیب نہ ہوئی انہیں دوسرے معجزات دیکھ کر بھی ایمان نصیب نہیں ہوگا کیونکہ ان کے دلوں اور ان کی نگاہوں کو حق کی طلب اور حق کے دیکھنے سے پھیر دیا جائے گا، جس کی صورت یہ ہوگی کہ انہیں اس کفر اور سرکشی میں پڑا رہنے دیا جائے گا جس میں وہ پڑے ہوئے ہیں، ہدایت انہی لوگوں کو ملتی ہے جو اس کے طلبگار ہوتے ہیں اور اس کے لیے جہد وسعی بھی کرتے ہیں۔

حکمت وہدایت

۱......مسلمانوں کو بت پرستوں کے جھوٹے خداؤں کو گالی دینے سے جو منع کیا گیا ہے تو یہ ان کی ایمانی اور اخلاقی تربیت کے طور پر بھی ہے اور سدِ ذریعہ کے طور پر بھی، ''سدّ ذریعہ'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی کام فی ذاتہ جائز ہی کیوں نہ ہو اگر وہ کسی فساد کا ذریعہ بن رہا ہو تو وہ ناجائز ہوگا، {۱۰۰} بتوں کو برا بھلا کہنا اور اس کے عجز و بے چارگی کو بیان کرنا اگر چہ جائز ہے لیکن اگر یہ اندیشہ ہو کہ جاہل لوگ اس کے جواب میں اللہ اور رسول کو برا بھلا کہیں گے تو پھر مسلمانوں کو بھی اس سے احتراز کرنا چاہیے۔{۱۰۱}

۲......جو شخص کسی کو گناہ میں مبتلا کرنے کا سبب بنے اسے بھی گناہ میں شریک سمجھا جائے گا، اس مسئلہ کی تائید میں صحیح بخاری کی وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو ملعون قرار دیا جو اپنے والدین کو گالیاں دیتا ہے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کوئی شخص اپنے والدین کو گالیاں کیسے دے سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا (اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ) یہ کسی کے والد یا والدہ کو گالی دیتا ہے، جواب میں وہ اس

{۱۰۰} وهو كل عقد جائز فى الظاهر يؤول أو يمكن أن يتوصل به إلى مخطور (التفسير المنير ۷/۳۲۸)

{۱۰۱} فى هذه الآية ايضا ضرب من الموادعة ودليل على وجوب الحكم بسد الذرائع وفيها دليل على ان المحق قد يكف عن حق له اذا ادى الى ضرر يكون فى الدين (قرطبى)

کے والد یا والدہ کو گالی دیتا ہے، (چونکہ یہ اپنے والدین کو گالی دلوانے کا سبب بنتا ہے اس لیے یوں سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنے والدین کو خود گالی دی ہے)[۱۰۲]

۳......جو مباح کام کسی حرام کا سبب بنے وہ تو حرام ہوگا اور اسے ترک بھی کیا جائے گا لیکن جو فرض اور واجب کے درجہ میں ہو اس کا ترک کسی صورت بھی جائز نہیں، مثال کے طور پر جہاد ہی کو لے لیجیے کہ کفار کو قتل کرنے کا نتیجہ مسلمانوں کے قتل کی صورت میں سامنے آتا ہے حالانکہ مسلمان کا قتل حرام ہے، یونہی دعوت وتبلیغ اور اذان ونماز کا بھی بہت سے کفار مذاق اڑاتے ہیں تو کیا ان کے مذاق کی وجہ سے ان عبادات کو چھوڑ دیا جائے گا؟ ظاہر ہے جہاد سمیت ان تمام عبادات کو کسی صورت نہیں چھوڑا جاسکتا کیونکہ فرائض وواجبات اور ایسے کام جو خود مقصود یا کسی مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ ہوں انہیں کسی خرابی کے اندیشے کی بناء پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔[۱۰۳]

۴......انسان کی فطرت میں یہ داخل ہے کہ وہ اپنے عمل، مذہب اور طریقہ کو اچھا سمجھتا ہے، اہلِ ایمان کی نظر میں اگر ایمان کی عظمت ہے تو اہلِ کفر، کفر کو اچھا سمجھتے ہیں۔[۱۰۴] (۱۰۸)

۵......جس کا دل قرآن سے متأثر نہیں ہوتا اسے کوئی معجزہ بھی متأثر نہیں کرسکتا۔

۶......ضروری نہیں کہ معجزوں کے طلبگار، انہیں دیکھ لینے کے بعد ایمان لے ہی آئیں۔ (۱۰۹)

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ خوارق کا طلب کرتے رہنا طریق ہدایت نہیں، طریقِ ہدایت صرف اتباع بینات ہے پس سالک کو چاہیے کہ شیخ کے کرامات وخوارق کی تلاش میں نہ پڑے بلکہ اس کے علم وعمل پر اطمینان کے بعد اس کی پیروی لگ جائے۔

مشرکین کا ضد وعناد

﴿۱۱۱......۱۱۳﴾
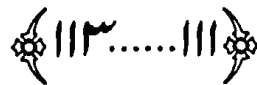
وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا

اور اگر ہم اتاریں اُن پر فرشتے اور باتیں کریں اُن سے مُردے اور زندہ کردیں ہم ہر چیز کو اُن کے سامنے تو بھی یہ لوگ ہرگز

{۱۰۲} ابن کثیر ۲/۲۲۲

{۱۰۳} ونقل عن ابی منصور...... وانه اجاب بأن سب الآلهة مباح غير مفروض وقتالهم فرض (روح المعانی ۵/۳۶۶)

{۱۰۴} قال ابن عباس رضی الله عنه زينا لاهل الطاعة الطاعة ولاهل الكفر الكفر وهو لقوله "يضل من يشاء ويهدی من يشاء" (قرطبی ۷/۵۶)

كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا

ایمان لانیوالے نہیں مگر یہ کہ چاہے اللہ لیکن اُن میں اکثر جاہل ہیں اور اسی طرح کر دیا ہم نے ہر نبی کے لئے

شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا

دشمن شریر آدمیوں کو اور جنوں کو جو کہ سکھلاتے ہیں ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی باتیں فریب دینے کے لئے

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ

اور اگر تیرا رب چاہتا تو وہ لوگ یہ کام نہ کرتے سو تو چھوڑ دے وہ جانیں اور اُن کا جھوٹ اور اس لئے کہ مائل ہوں ان ملمع کی باتوں کی طرف ان لوگوں

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

کے دل جن کو یقین نہیں آخرت کا اور وہ اس کو پسند بھی کرلیں اور کیے جاویں جو کچھ بُرے کام کر رہے ہیں

ربط : ماقبل سے ربط اور مناسبت بالکل واضح ہے، ساتویں پارہ کی آخری آیات میں جو مضمون شروع ہوا تھا اسی کا بقیہ یہاں مذکور ہے۔

تسہیل : اور اگر ہم ان کے پاس فرشتے بھیج دیتے اور مردے زندہ ہو کر ان سے گفتگو کرتے اور ہم ساری چیزوں کو ان کے سامنے لا کر جمع کر دیتے تو بھی یہ ہرگز ایمان نہ لاتے، ہاں اگر اللہ چاہے تو اور بات ہے کیونکہ ان میں سے اکثر جاہل ہیں O اسی طرح ہم نے بہت سارے شیطان صفت انسانوں اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا تھا وہ دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کو پُر فریب باتیں بتاتے رہتے ہیں، اور اگر تیرا ربّ چاہتا تو وہ یہ حرکتیں نہ کر سکتے، تو آپ انہیں ان کی افتراء پردازیوں میں پڑا رہنے دیجیے O وہ یہ حرکتیں اس لیے کرتے ہیں تا کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کے دل ان کی طرف مائل ہوں اور وہ انہیں پسند کریں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں وہ بھی وہی کچھ کرنے لگیں O

﴿تفسیر﴾

﴿۱۱۱﴾ اے پیغمبر! یہ لوگ جو آپ سے مختلف معجزات کا مطالبہ کر رہے ہیں اور آپ کو یقین دلا رہے ہیں کہ مطالبہ پورا ہو جانے کی صورت میں یہ ایمان لے آئیں گے یہ جھوٹ بولتے ہیں، اگر ہم بالفرض آسمان سے فرشتے اتار دیں جو ان کے سامنے آپ کی رسالت کی گواہی دیں یا ہم مردوں کو اٹھا دیں جو زندہ ہو کر پیامِ نبوت کی تصدیق کر دیں، یا ہم دنیا بھر کے دلائل اور معجزات ان کے سامنے پیش کر دیں تو بھی یہ ایمان لانے والے نہیں کیونکہ سچائی کے قبول کرنے پر معجزات ہی انسان کو آمادہ نہیں کرتے بلکہ خود سچائی کے اندر اتنی قوت اور کشش ہوتی ہے کہ قلبِ سلیم اسے قبول کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے لیکن جو دل مردہ ہو چکے ہوں انہیں کوئی معجزہ، کوئی نشانی اور کوئی دلیل متاثر نہیں

کر سکتی ہاں اگر اللہ کی مشیت ہو تو انہیں ایمان کی توفیق مل سکتی ہے مگر خود مشیتِ الٰہیہ کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کو اتنی آزادی ضرور دی جائے کہ وہ اپنے لیے ہدایت یا ضلالت میں سے کسی ایک کا انتخاب کر سکے جب وہ انتخاب کر لیتا ہے اور کوشش بھی کرتا ہے تو اس کے لیے اس راہ پر چلنا آسان کر دیا جاتا ہے۔

لیکن ان میں سے اکثر جاہل ہیں وہ ان حقائق کو نہیں سمجھتے اس لیے ایک کے بعد دوسرے معجزہ کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں۔

﴿۱۱۲﴾ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ان مخالفوں کی دشمنی اور مخالفت سے نہ گھبرائیں، ہر نبی کو ان جیسے شیطانوں کی مخالفت سے سابقہ پیش آتا رہا ہے، اللہ کا یہ دستور رہا ہے کہ حق کے علمبرداروں کے مقابلے میں کچھ شیاطین کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنی بظاہر خوبصورت باتوں سے سادہ لوح عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔

جس وقت ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے نوازا گیا تھا تو ورقہ بن نوفل جو کہ سابقہ آسمانی کتابوں پر گہری نظر رکھتے تھے انہوں نے آپ سے فرمایا تھا ''انه لم یات احدقطّ بمثل ماجئت به الاعودی ''{۱۰۵} یعنی اللہ کی سنت یہ ہے کہ جو بھی نبی وہ پیغام لے کر آیا جو آپ لے کر آئے ہیں تو اس کی مخالفت کی گئی، یہی وہ چیز ہے جسے ''تنازعِ بقا اور بقاءِ اصلح'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، اہلِ حق کی طرح اہل باطل بھی اپنی بقا کی جنگ لڑتے ہیں لیکن بقا اسی کی ہوگی جو اپنے دامن میں انسانیت کی فلاح اور صلاح کا سامان رکھتا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر تھا کہ ان جنی اور انسانی شیطانوں کو بے دست و پا کر دیتا، نہ وہ انبیاء کی مخالفت کر سکتے نہ ہی اہل ایمان کو اذیت دے پاتے لیکن کسی کو ہدایت پر مجبور کرنا اس کی سنت نہیں ہے اس لیے اس نے انہیں ایک حد تک آزادی دی ہے۔ آپ اپنے کام میں لگے رہیے اور انہیں اپنی فریب کاریوں اور شیطانی اعمال میں مصروف رہنے دیجیے۔

﴿۱۱۳﴾ یہ شیاطین جو ایک دوسرے کو پر فریب باتیں بتاتے ہیں تو ان کا ایک مقصد تو سادہ لوح انسانوں کو دھوکا دینا ہوتا ہے اور ان کا دوسرا مقصد تین مراحل پر مشتمل ہوتا ہے پہلا یہ کہ کافروں، فاسقوں اور اللہ اور رسول کے باغیوں کے دل ان کی طرف مائل ہوں، دوسرا یہ کہ وہ ان کے عقائد اور نظریات کو دل سے پسند کرنے لگیں، تیسرا یہ کہ وہ عملی طور پر ان معاصی میں مبتلا ہو جائیں جن میں خود یہ شیاطین مبتلا ہیں۔ {۱۰۶}

{۱۰۵} بخاری/مسلم

{۱۰۶} ولتصغی الیه" أی الی زخرف القول، وقیل: الضمیر للوحی أوللغرور أوللعداوة لأنها بمعنی التعادی، والوا وللعطف ومابعدها عطف علی "غرورا" بناء علی أنه معمول له فیکون علة اخری کاللایحاء ومافی البین اعتراض (روح المعانی ۹/۸/۵)

حکمت وہدایت

۱......جن دلوں پر مسلسل کفر وشرک کی وجہ سے قساوت چھا جاتی ہے وہ معجزات دیکھ کر بھی ایمان قبول نہیں کرتے۔(۱۱۱)

۲......تاریخِ عالم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے جو دل قرآن سے متأثر نہیں ہوتے وہ کسی بھی چیز سے متأثر نہیں ہو سکتے۔

۳......داعیانِ حق کو مخالفت سے نہیں گھبرانا چاہیے کیونکہ تاریخ میں کوئی ایک بھی ایسا داعی نہیں گزرا جس کی شیطانوں نے مخالفت نہ کی ہو۔(۱۱۲)

۴......جیسے جنوں میں شیاطین ہوتے ہیں یونہی انسانوں میں بھی شیاطین ہوتے ہیں بلکہ بعض اوقات انسانی شیطان زیادہ خطرناک ثابت ہوتے ہیں حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''انسانی شیطان مجھ پر جنی شیطان سے زیادہ بھاری ثابت ہوتا ہے کیونکہ میں جب اللہ کی پناہ مانگتا ہوں تو جنّی شیطان بھاگ جاتا ہے مگر انسانی شیطان پر کوئی اثر نہیں ہوتا وہ تعوذ کے باوجود میرے پاس آتا ہے اور مجھے علانیہ گناہوں کی طرف کھینچتا ہے''۔

۵......ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہوتی، یونہی ہر پرکشش تقریر اور تحریر حق پر مبنی نہیں ہوتی، شیطان کا سب سے مؤثر حربہ ملمع سازی ہے وہ بدی کو نیکی اور باطل کو حق کے روپ میں پیش کرتا ہے جس کی وجہ سے بے شمار لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں، دجّال کا بھی بڑا حربہ احادیث میں یہی بیان کیا گیا ہے وہ حقائق کو یوں خلط ملط کر دے گا کہ ظاہر پرستوں کی عقلیں دھوکے کا شکار ہو جائیں گی، اللہ کے نبی نے فرمایا وہ جسے آگ کہے گا وہ حقیقت میں پانی ہوگا اور جسے پانی کہے گا وہ حقیقت میں آگ ہوگی۔{۱۰۷}

۶......شیطان کی تدبیریں اگرچہ بڑی مضبوط اور مؤثر ہوتی ہیں لیکن وہ بہرحال ان حدود اور قیود کا پابند ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر فرمائی ہیں اس لیے مومن کی نظر میں وہ تدبیریں بہت کمزور ہوتی ہیں اور اس پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

۷......گمراہی کا پہلا درجہ جھوٹ اور ملمع سازی کی طرف میلان ہے، دوسرا درجہ اعتقاد قلب کے ساتھ انہیں پسند کرنا ہے اور تیسرا درجہ عملی طور پر ان میں مبتلا ہو جانا ہے۔

{۱۰۷} مسلم کتاب الفتن واشراط الساعة

قرآن صدقِ نبوّت کی دلیل

﴿۱۱۴......۱۱۵﴾

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ
سو کیا اب اللہ کے سوا کسی اور کو منصف بناؤں حالانکہ اُسی نے اتاری تم پر کتاب واضح اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے

يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ
وہ جانتے ہیں کہ یہ نازل ہوئی ہے تیرے رب کی طرف سے ٹھیک سو تو مت ہو شک کرنیوالوں میں سے اور تیرے رب کی بات پوری

رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَّا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۱۵﴾
سچی ہے اور انصاف کی کوئی بدلنے والا نہیں اس کی بات کو اور وہی ہے سننے والا جاننے والا

ربط: ربط بالکل واضح ہے، صدقِ نبوّت پر معجزات کا مطالبہ کرنے والوں سے کہا گیا ہے کہ قرآن کریم کی موجودگی میں کسی دوسرے معجزہ اور "حَکَم" کی ضرورت نہیں۔

تسہیل: آپ فرمادیجیے کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا منصف تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس کے مضامین بالکل واضح ہیں، اور جن لوگوں کو ہم نے تم سے پہلے کتاب دی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ قرآن تمہارے ربّ کی طرف سے برحق نازل ہوا ہے لہٰذا تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہوناO تمہارے ربّ کا یہ کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے بھی کامل ہے، اس کی کسی بھی بات کو کوئی نہیں بدل سکتا اور وہی ہے سننے اور جاننے والاO

﴿تفسیر﴾

﴿۱۱۴﴾ اے میرے پیغمبر! آپ ان سے فرمادیجیے کہ میرے لیے یہ مناسب نہیں کہ میں اپنے اور تمہارے درمیان اللہ کے سوا کسی دوسرے کو حکم اور منصف ٹھہراؤں، کیونکہ اللہ سے زیادہ عادل اور سچا کوئی نہیں، اور اس حاکمِ اعلیٰ نے نزولِ قرآن کے ذریعے میرے حق میں فیصلہ کردیا ہے، کیا یہ حیرت اور تعجب کی بات نہیں کہ میں چالیس سال تک تو خاموش رہا، علوم و معارف اور اخبار و واقعات پر مشتمل کوئی چھوٹی سے چھوٹی سورت اور مضمون میری زبان سے تمہیں سننے کو نہ ملا لیکن چالیس سال پورے ہونے پر یکایک میری زبان سے فصاحت و بلاغت کا وہ شہ پارہ تمہیں سننے کو ملا جس کی مثال لانے سے عرب وعجم قاصر ہیں اور جو اپنے دامن میں عقائد و احکام اور آداب و اخلاق سے متعلق واضح

ہدایات رکھتا ہے، علاوہ ازیں اہلِ کتاب میں سے وہ لوگ جو سوچنے سمجھنے کی صلاحت رکھتے ہیں وہ تورات اور انجیل کی پیشنگوئیوں کی بناء پر بخوبی جانتے ہیں کہ میں اللہ کا سچا رسول اور قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے۔

''فلاتکوننّ من الممترین'' (لہٰذا تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا) یہاں اگرچہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن روئے سخن دوسروں کی طرف ہے اور یہ بھی قرآن کا ایک خاص اسلوب ہے کہ بعض اوقات سمجھانا کسی اور کو ہوتا ہے لیکن خطاب کسی اور سے ہوتا ہے۔{۱۰۸}

﴿۱۱۵﴾ اس آیتِ کریمہ میں قرآن مجید کی دو امتیازی خصوصیات بیان کی گئی ہیں، پہلی یہ کہ اس نے غیب کے بارے میں جتنی بھی خبریں بیان کی ہیں، اور ماضی کے جتنے واقعات ذکر کیے ہیں وہ برحق ہیں، ان پر جھوٹ کی پرچھائیں بھی نہیں پڑسکتی، انسان کا علم جتنا ترقی کرتا جائے گا اور تحقیقات کا دائرہ جتنا وسیع ہوتا جائے گا، قرآن کی صداقت اتنی ہی نکھرتی جائے گی۔ دوسری خصوصیت یہ کہ فکری اور عملی، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے بارے میں قرآن نے جو احکام اور ہدایات دی ہیں وہ سب کی سب عدل اور اعتدال پر مبنی ہیں، اس کا کوئی ایک حکم بھی ایسا نہیں جو ظلم اور بے اعتدالی پر مبنی ہو۔{۱۰۹}

''لَامُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ'' قرآن میں جو کچھ ہے خواہ وہ امر ہو یا نہی، وعدہ ہو یا وعید، قصہ اور خبر ہو یا عبرت اور نصیحت، اس کے کسی بھی مضمون کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا۔

حکمت وہدایت

۱......وحیِ الٰہی کو چھوڑ کر کسی اور کو حکم اور منصف ٹھہرانا حرام ہے۔(۱۱۴)

۲......ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر دو واضح دلیلیں ہیں، پہلی دلیل قرآن ہے جو کہ آپ کا دائمی معجزہ ہے اور دوسری دلیل اہلِ کتاب کی معرفت اور ان کے انبیاء کی بشارتیں ہیں۔

۳......قرآن کریم کی دو نمایاں ترین خصوصیتیں ہیں، پہلی یہ کہ اس کی ساری خبریں اور قصے سچ ہیں اور دوسری یہ کہ اس کے سارے احکام عدل اور اعتدال پر مبنی ہیں۔

۴......قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے اس لیے اس میں ذرہ برابر بھی کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔

{۱۰۸} وقیل: الخطاب فی الحقیقة للأمة وان کان له صلی الله علیه وسلم صورة وقیل: الخطاب لکل احد (ابی السعود ۲/۲۳۵)

{۱۰۹} "وتمت کلمة ربك صدق" إن کان من باب الخبر "وعدلا" ان کان من باب التکالیف، وهذا ضبط فی غاية الحسن (کبیر ۵/۱۲۵)

مشرکین کی گمراہیاں

﴿۱۱۶......۱۲۱﴾

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ

اور اگر تو کہنا مانیگا اکثر اُن لوگوں کا جو دنیا میں ہیں تو تجھ کو بہکادیں گے اللہ کی راہ سے وہ سب تو چلتے ہیں اپنے خیال پر اور سب

اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

اٹکل ہی دوڑاتے ہیں تیرا رب خوب جاننے والا ہے اس کو جو بہکتا ہے اُس کی راہ سے اور وہی خوب جاننے والا ہے اُنکو جو اسکی راہ پر ہیں

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا

سو تم کھاؤ اُس جانور میں سے جس پر نام لیا گیا ہے اللہ کا اگر تم کو اس کے حکموں پر ایمان ہے اور کیا سبب کہ تم نہیں کھاتے اُس جانور میں سے کہ

ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ

جس پر نام لیا گیا ہے اللہ کا اور وہ واضح کرچکا ہے جو کچھ کہ اُس نے تم پر حرام کیا ہے مگر جب کہ مجبور ہو جاؤ اُسکے کھانے پر

وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

اور بہت لوگ بہکاتے پھرتے ہیں اپنے خیالات پر بغیر تحقیق تیرا رب ہی خوب جانتا ہے حد سے بڑھنے والوں کو

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا

اور چھوڑ دو کھلا ہوا گناہ اور چھپا ہوا جو لوگ گناہ کرتے ہیں عنقریب سزا پاوینگے

كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ

اپنے کیے کی اور اُس میں سے نہ کھاؤ جس پر نام نہیں لیا گیا اللہ کا اور یہ کھانا گناہ ہے اور

الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

شیطان دل میں ڈالتے ہیں اپنے رفیقوں کے تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے اُن کا کہا مانا۔ تو تم بھی مشرک ہوئے

ربط: کفار کے شبہات کا جواب دینے کے بعد سمجھایا جارہا ہے کہ جاہلوں کی باتوں کی طرف توجہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ان میں سے اکثر گمراہی کے راستے پر چلتے ہیں۔

تسہیل: اگر تم انسانوں کی اکثریت کی بات مانو گے تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹادیں گے کیونکہ ان میں سے اکثر بے بنیاد خیالات کے پیچھے چلتے اور محض اٹکل کے تیر چلاتے ہیں ○ یقیناً تمہارا رب ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں اور ان سے بھی خوب واقف ہے جو اس کی راہ پر چل رہے ہیں ○ اگر تم اللہ کے

احکام پر ایمان رکھتے ہو تو اس جانور کا گوشت کھالیا کرو جسے ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام لیا جائے O آخر کیا وجہ ہے کہ تم اس جانور کا گوشت نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ جو چیزیں تم پر اللہ نے حرام کی ہیں وہ اس نے تفصیل سے بیان کردی ہیں، البتہ اگر سخت مجبوری کی حالت ہو تو حرام چیز بھی کھائی جاسکتی ہے، یہ بھی یاد رکھو کہ بہت سے لوگ کسی دلیل کے بغیر محض اپنی خواہشات کی بناء پر لوگوں کو گمراہ کررہے ہیں، یہ بچ نہیں سکیں گے کیونکہ تمہارا رب حد سے تجاوز کرجانے والوں کو خوب جانتا ہے O تم علانیہ اور پوشیدہ ہر قسم کے گناہوں سے باز آجاؤ جو لوگ گناہوں میں مبتلا رہیں گے انہیں ان کے کیے کی سزا عنقریب مل کررہے گی O جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کا گوشت مت کھاؤ کیونکہ اس کا کھانا گناہ ہے یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں شبہات پیدا کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے بحث کیا کریں، اگر بالفرض تم ان ہی کی بات مان کر چلو گے تو بے شک مشرک ہوجاؤ گے O

﴿تفسیر﴾

﴿۱۱۶﴾ نزولِ قرآن کے زمانے میں روئے زمین پر بسنے والوں کی اکثریت گمراہ تھی، ان کے پاس کوئی قطعی اور یقینی چیز نہ تھی اور نہ ہی وہ اس کے طلبگار تھے، عقلی اور نقلی دلائل کی ان کی نظر میں کوئی قدر و قیمت نہ تھی وہ اپنے اوہام اور بے بنیاد خیالات ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے اس لیے فرمایا گیا کہ اگر آپ اکثریت کو معیار ٹھہرا کر اس کی بات مانیں گے تو وہ آپ کو حق اور عدل کی راہ سے دور ہٹا دیں گے۔

﴿۱۱۷﴾ انسانوں کے افکار و اعمال کے حسن و قبح کا فیصلہ کرنے کے لیے معیار ان کی خواہشات اور رسم و رواج نہیں کیونکہ ان میں تغیر ہوتا رہتا ہے بلکہ اصل معیار اللہ کا فیصلہ ہے، وہی طے کرسکتا ہے کہ ہدایت پر کون ہے اور گمراہ کون ہے، کسی دوسرے فرد اور جماعت کو انسانی سرگرمیوں کے حسن و قبح اور ہدایت و ضلالت کے فیصلے کا اختیار نہیں دیا جاسکتا، اللہ ہی جانتا اور وہی فیصلہ کرتا ہے کہ ہدایت پر کون ہے اور گمراہ کون ہے۔

﴿۱۱۸﴾ چونکہ اسلامی معاشرہ میں حسن و قبح اور حلال و حرام کا اختیار صرف اللہ کو ہے اس لیے جاہلی معاشرہ میں حلال و حرام کے جو پیمانے مشرکین نے وضع کررکھے تھے، ایک مسلمان کی نظر میں ان پیمانوں کی کچھ بھی حیثیت نہیں ہوگی جانوروں کا مسئلہ ہی لے لیا جائے کہ مشرکین انہیں ذبح کرتے ہوئے اپنے بتوں کے نام لیتے تھے، مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تم صرف ان جانوروں کا گوشت استعمال کرو جنہیں ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام لیا گیا ہو، غیر اللہ کے نام پر ذبح ہونے والا جانور تمہارے لیے حرام ہے۔

﴿۱۱۹﴾ بہت سارے جانور ایسے تھے جنہیں زمانہء جاہلیت میں حرام ٹھہرالیا گیا تھا(ان جانوروں کی کچھ تفصیل سورہ مائدہ کی آیت ۱۰۳ میں گزر چکی ہے) یہاں پر سمجھایا گیا کہ کسی انسان کے حرام ٹھہرانے سے کوئی جانور حرام نہیں ہوتا جب اسے ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام لیا گیا تو اب تمہیں اس کا گوشت کھانے میں کوئی حجاب نہیں ہونا چاہیے۔

''وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم'' جو جانور تم پر حرام ہیں ان کی تفصیل تمہیں بتائی جا چکی ہے لہٰذا تمہیں حلال اور حرام کے مسئلہ میں ان لوگوں سے ہرگز متأثر نہیں ہونا چاہیے جو اپنی خواہشات ہی کو سب سے بڑا مفتی سمجھتے ہیں البتہ اس مضطر اور مجبور کا معاملہ جدا ہے جس کے پاس زندگی بچانے کے لیے حرام کھانے کے سوا کوئی راستہ موجود نہ ہو۔

﴿۱۲۰﴾ جاہلی سوسائٹی کے خود ساختہ قواعد وضوابط اور اقدار اور پیمانوں سے دور رہنے کے ساتھ ساتھ ہر قسم کے گناہ ترک کرنے کا حکم دیا جاتا ہے خواہ وہ خفیہ ہوں یا علانیہ، تھوڑے ہوں یا زیادہ، ان کا تعلق ظاہری اعضاء کے ساتھ ہوں یا دل کے ساتھ، کیونکہ جو شخص گناہوں سے باز نہ آئے اور توبہ کیے بغیر اسے موت آجائے، اسے ان کا بدلہ مل کر رہے گا، البتہ جو شخص سچے دل سے توبہ کرلے اور اپنی کوتاہیوں پر نادم ہو جائے اسے معاف کر دیا جائے گا۔

﴿۱۲۱﴾ مشرکین بعض جانوروں کو ذبح کرتے وقت ان پر اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کا نام لیتے تھے، یا وہ انہیں قمار بازی کے لیے ذبح کرتے تھے اور پھر پانسوں کے ذریعے انہیں تقسیم کرتے تھے، جو جانور طبعی موت مرجاتے تھے ان کے گوشت کے معاملے میں وہ مسلمانوں سے جھگڑتے تھے، ان کا استدلال یہ تھا کہ مسلمان اپنے ہاتھ سے ذبح کیے ہوئے جانوروں کا گوشت تو کھاتے ہیں لیکن اللہ کے ذبح کیے ہوئے جانوروں کا گوشت تو کھاتے ہیں لیکن اللہ کے ذبح کیے ہوئے جانوروں کا گوشت نہیں کھاتے، {۱۱۰} یہ وہ بودے اور کمزور دلائل تھے جو انہیں شیاطین سکھاتے تھے، ہر دور میں ایسا ہوتا رہا ہے کہ جنی اور انسی شیاطین اپنے دوستوں کو غلط قسم کے تصورات دیتے ہیں تاکہ وہ اہلِ حق کے ساتھ جھگڑتے رہیں...... زیر نظر آیتِ کریمہ میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ جن جانوروں پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو ان کا گوشت کھانے سے باز رہو کیونکہ ایسا کرنا فسق اور نافرمانی ہے اور اگر تم نے ان کی اطاعت قبول کرلی تو تم بھی ان کی طرح مشرک ہو گے اس لیے کہ اللہ کے مقابلے میں کسی دوسرے کو شارع اور قانون ساز تسلیم کرنا شرک ہے۔

جب نصاریٰ کے بارے میں سورہ توبہ کی درج ذیل آیت نازل ہوئی۔

''اتَّخذوا احبارهم ورهبانهم اربابًا من دون الله انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے سوا رب بنالیا ہے۔ (التوبہ ۹/ ۳۱)

{ ۱۱۰ } ان المشركين قالوا للمسلمين: كيف تزعمون أنكم تتبعون مرضاة الله، فماقتل الله فلاتاكلونه، وماذبحتم أنتم تاكلونه؟ (ابن کثیر ۲/ ۲۳۲)

تو حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! نصاریٰ تو اپنے علماء اور مشائخ کی بندگی نہیں کرتے؟

آپ نے فرمایا کیوں نہیں! وہ تو بندگی کرتے ہیں، انہوں نے ان کے لیے حرام کو حلال کر دیا اور حلال کو حرام اور یہ لوگ ان کی اتباع کرتے ہیں، یہی ان کی بندگی اور عبادت ہے۔ {۱۱۱}

حکمت وہدایت

۱......جاہلوں اور فاسقوں کی اکثریت کا اسلام میں کوئی اعتبار نہیں ان کی اتباع کا نتیجہ گمراہی اور تباہی کی صورت میں نکلتا ہے۔(۱۱۶) اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام، حکمرانوں کو عوام کے انسانی، معاشی سماجی اور عدالتی حقوق سلب کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا اور نہ ہی یہ اجازت دیتا ہے کہ اختلاف رائے کی بنیاد پر مخالفین کو پابہ زنجیر کر دیا جائے جیسا کہ اس وقت عالمِ اسلام کے اکثر ممالک میں ہو رہا ہے لیکن مغربی جمہوریت کی بھی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں جس میں اکثریت کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دے۔

۲......انسانوں کے افکار و اعمال کے حسن و قبح کا فیصلہ کرنے کا اختیار صرف اللہ کو حاصل ہے۔(۱۱۷)

۳......مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کوئی بھی چیز کھاتے یا پیتے ہوئے یا جانور ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام ضرور لیں۔(۱۱۸)

۴......احکامِ الٰہی پر ایمان لانے کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی اتباع بھی کی جائے۔(۱۱۸)

۵......جس جانور کو ذبح کرتے ہوئے جان بوجھ کر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کا گوشت حلال نہیں خواہ ذبح کرنے والا مسلمان ہی کیوں نہ ہو البتہ اگر بسم اللہ پڑھنا یاد نہ رہے تو ذبیحہ حلال ہوگا۔ شافعی حضرات مسلمان کے ذبیحہ کو مطلقاً حلال قرار دیتے ہیں خواہ وہ عمداً تسمیہ کو چھوڑ دے یا نسیاناً۔

۶......شرعی مجبوری کی وجہ سے بقدرِ ضرورت حرام کھانے کی اجازت ہے۔(۱۱۹)

۷......مشرکین کی ان آراء اور دلائل کی نہ کوئی عقلی حیثیت ہے اور نہ ہی شرعی، جو وہ مردار کے حلال ہونے اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے جانے والے جانوروں کے بارے میں پیش کرتے ہیں۔

۸......ہر قسم کے گناہوں سے توبہ کرنا واجب ہے خواہ وہ خفیہ ہوں یا علانیہ، ظاہری اعضاء سے تعلق رکھتے ہوں یا کہ ان کا تعلق دل سے ہو جیسے کہ بغض و حسد اور حبِ مال اور حبِ جاہ وغیرہ۔(۱۲۰)

{۱۱۱} ابن کثیر ۲/۲۳۲ بحوالہ ترمذی

۹......مشرکین، مجوس، ہندوؤں اور بے دینوں کا ذبیحہ حلال نہیں۔

۱۰......غیر اللہ کی ایسی اطاعت کہ حلال وحرام، اور قانون سازی میں اسی کو اتھارٹی تسلیم کر لیا جائے یہ شرک ہے۔(۱۲۱)

مومن اور کافر کی مثال

﴿۱۲۲......۱۲۳﴾

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ

بھلا ایک شخص جو کہ مُردہ تھا پھر ہم نے اُس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اُسکو دی روشنی کہ لیے پھرتا ہے اُس کو لوگوں میں برابر ہو سکتا ہے اسکے کہ جس کا

فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ

حال یہ ہو کر پڑا ہو اندھیروں میں وہاں سے نکل نہیں سکتا اسی طرح مزین کر دیئے کافروں کی نگاہ میں اُن کے کام اور اسی طرح

جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

کیے ہیں ہم نے ہر بستی میں گنہگاروں کے سردار کہ حیلے کیا کریں وہاں اور جو حیلے کرتے ہیں سو اپنی ہی جان پر اور نہیں سوچتے

ربط: یہ بتانے کے بعد کہ زمین پر بسنے والوں کی اکثریت گمراہ ہے جو اوہام اور باطل خیالات کے پیچھے پڑی ہوئی ہے، یہاں ہدایت یافتہ اور گمراہ، مومن اور کافر کا حال بتایا جا رہا ہے۔

تسہیل: ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور اسے ایسی روشنی عطا کر دی جسے ساتھ لیے ہوئے وہ انسانوں میں چلتا پھرتا ہے تو کیا یہ شخص اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو مختلف تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے، جن سے وہ نکل ہی نہیں پاتا، (جیسے مومنوں کی نظر میں ایمانی اعمال اچھے ہیں) یونہی کافروں کو ان کے اعمال اچھے معلوم ہوتے ہیں O (مکہ کے رؤساء کے جرائم کوئی انوکھی بات نہیں ہیں پہلی امتوں میں بھی) ہم نے اسی طرح ہر بستی میں بڑے بڑے مجرم پیدا کیے کہ ان میں مکاریاں کرتے رہیں، ان کی مکاریوں کا نقصان خود انہی کو ہوتا ہے لیکن انہیں اس کا احساس نہیں ہوتا O

﴿تفسیر﴾

﴿۱۲۲﴾ اس آیتِ کریمہ میں مومن اور کافر کی تصویر کشی کی گئی ہے، مومن قبولِ ایمان سے پہلے مردہ تھا، جب اسے ایمان کی دولت عطا کر دی گئی تو وہ زندہ ہو گیا، ایمانی حقائق مردہ دلوں کو زندہ کرتے ہیں اور قلب ونظر کو روشنی عطا

کرتے ہیں، یہ روشنی اسے ہر معاملے میں سچائی کی راہ دکھاتی ہے، یہ روشنی ہر جگہ اس کے ساتھ ہوتی ہے، گھر میں بھی اور بازار میں بھی، عبادت میں بھی اور تجارت میں بھی۔

اس کے مقابلے میں کافر کی مثال اس شخص جیسی ہے جو مختلف قسم کی ظلمتوں میں گھرا ہوا ہے، رات کی ظلمت، بادل کی ظلمت اور بارش کی ظلمت، اسے ان ظلمتوں سے نکلنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا، کفر کی حالت میں روح تاریکی میں گھر جاتی ہے، عقل وشعور پر تالے پڑ جاتے ہیں، اس کا تعلق اپنے خالق سے اور نور کے سرچشمہ سے ٹوٹ جاتا ہے، ایمان ہی حقیقت میں آنکھیں کھولتا ہے اور حقائق کو دیکھنے، پرکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت انسان میں پیدا کرتا ہے۔ مومن اور کافر کے درمیان یہ موازنہ اور مقابلہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں کیا گیا ہے، سورۂ ہود میں ہے۔

''دونوں جماعتوں کی مثال ایسے ہے جیسے اندھا اور بہرا، دیکھنے والا اور سننے والا، کیا دونوں کی حالت مساوی ہو سکتی ہے؟ پھر تم سوچتے کیوں نہیں''۔ (۲۴؍۱۱)

سورہ ملک میں ہے:

''بھلا جو شخص چلتا ہوا منہ کے بل گر پڑتا ہے وہ سیدھے رستے پر ہے یا وہ جو سیدھے رستے پر چل رہا ہو''۔ (۶۷/۲۲)

''کذٰلک زُیِّنَ'' انسانوں کے مزاج مختلف ہیں، کسی کو ظلمت پسند ہے اور کوئی نور کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، مومنوں کی نظر میں ایمان انمول چیز ہے وہ اس پر تن من دھن سب کچھ قربان کرنے کے لیے آمادہ رہتے ہیں، جبکہ کافر، کفر کی راہ پر چلتے ہوئے اتنی دور نکل جاتے ہیں کہ واپسی کی کوئی صورت باقی نہیں رہ جاتی۔

﴿۱۲۳﴾ جیسے اہلِ مکہ کے لیے ان کے اعمال کو مزین کر دیا گیا اور وہاں ایسے بڑے بڑے مجرم اور کفر کے داعی پیدا ہو گئے جو ان کے سامنے کفر وشرک کو مزید خوشنما بنا کر پیش کرتے ہیں یونہی ہر بستی اور ہر شہر میں ہوتا رہا ہے، یہ گویا کہ اللہ کی سنتِ قدیمہ ہے کہ ہر ملک میں کچھ جرائم پیشہ لوگ پیدا کر دیئے جاتے ہیں جو مکر وفریب کے ذریعے لوگوں کو راہِ حق سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں یوں حق اور باطل، ایمان اور کفر کے درمیان معرکہ برپا ہو جاتا ہے اہلِ حق عام طور پر کمزور اور باطل پرست ظاہری اسباب پر چھائے ہوتے ہیں، اہلِ باطل کی تدبیریں بادی النظر میں بڑی مضبوط دکھائی دیتی ہیں لیکن انجام کار ان کی تباہ کن تدبیروں کا وبال خود انہی پر پڑتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ انہیں صحیح شعور حاصل نہیں نہ وہ مستقبل اور حقائق پر نظر رکھتے ہیں اور نہ ہی وہ ماضی سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ وہ مشہور قاعدہ جسے

''تنازع بقا'' اور ''بقاءِ اصلح'' سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ مذکورہ بالا آیت اور اس سے ملتی جلتی دوسری آیات ہی سے ماخوذ ہے، ان آیات کے پسِ منظر میں اس قاعدہ کا حاصل یہ ہے کہ حق اور باطل دونوں کے درمیان بقا کی جنگ جاری ہے، بقا اسی کو حاصل ہوگی جو انسانیت کی فلاح و بہبود کا عملی پروگرام اپنے پاس رکھتا ہوگا اور جو کھوکھلے نعروں پر اکتفا کرے گا اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا، سورہ رعد میں ہے ''جھاگ تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے اور جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے۔'' (۱۳/۱۷)

حکمت وہدایت

۱......ایمان زندگی اور کفر موت ہے، صاحبِ بصیرت مومن، روشنی میں زندگی گزارتا ہے، جبکہ کافر مختلف قسم کی تاریکیوں میں گھرا رہتا ہے، کفر کی تاریکی، راستے کی تاریکی اور اس مشکوک مستقبل کی تاریکی جس میں حیرت، اضطراب اور بے سکونی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ (۱۲۲)

۲......اللہ کی سنت یہ ہے کہ کافروں اور فاسقوں کی نظر میں اعمالِ قبیحہ کو مزین کر دیا جاتا ہے۔ (۱۲۲)

۳......دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا ملک، شہر اور بستی ہو جہاں باطل کی چالیں چلنے والے مجرم اور فسادی لوگ نہ پائے جاتے ہوں۔ (۱۲۳)

۴......مکروفریب اور شرارت و فساد کا وبال مکاروں اور فسادیوں پر ہی پڑتا ہے۔ (۱۲۳)

منکرین کا کبر وغرور

﴿۱۲۴﴾

وَإِذَا جَآءَتْهُمْ ءَايَةٌ قَالُوا لَن نُّؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَآ أُوتِىَ رُسُلُ ٱللَّهِ ۘ ٱللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُۥ ۗ سَيُصِيبُ ٱلَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِندَ ٱللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌۢ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ ﴿۱۲۴﴾

اور جب آتی ہے اُن کے پاس کوئی آیت تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز نہ مانیں گے جب تک کہ نہ دیا جائے ہم کو جیسا کچھ کہ دیا گیا ہے اللہ کے رسولوں کو اللہ خوب جانتا ہے اس موقع کو کہ کر جہاں بھیجے اپنے پیغام عنقریب پہنچے گی گنہگاروں کو ذلت اللہ کے ہاں اور عذاب سخت اس وجہ سے کہ وہ مکر کرتے تھے

ربط: شہروں اور قوموں میں جو نبوت کے منکر اور حق کے دشمن پائے جاتے ہیں ان کے انکار اور دشمنی کی بنیادی وجہ ان

کا کبر و غرور ہے۔

تسہیل: جب ان کے سامنے کوئی آیت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہمیں بھی وہ چیز نہ دی جائے جو کہ اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے، اللہ خوب جانتا ہے کہ رسالت کی صلاحیت کون رکھتا ہے، وہ وقت قریب ہے جب ان مجرموں کو مکر و فریب کی وجہ سے سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

تفسیر

﴿۱۲۴﴾ دشمنانِ دین کے ایمان سے محروم رہنے کا سب سے بڑا سبب کبر و غرور تھا، وہ نبوت کو بھی ایک دنیوی منصب سمجھتے تھے، وہ کبھی تو یہ کہتے تھے کہ اگر واقعی ہم میں سے کسی کو نبی بنانا ضروری تھا تو مکہ اور طائف کے سرداروں میں سے کسی سردار کو نبی کیوں نہیں بنایا گیا، {۱۱۲} اور ایسے منہ پھٹ بھی تھے جن کا خیال تھا کہ ہم میں سے ہر ایک کو کتاب کیوں نہیں عطا کی جاتی سورہ مدثر میں ہے ''اصل یہ ہے کہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس کھلی ہوئی کتاب آئے'' {۱۱۳}

ان کے باطل خیالات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ کسی کو نبی بنانا اللہ کے علم محیط پر موقوف ہے، وہی جانتا ہے کہ کون منصبِ نبوت کے لائق ہے اور اس کے تقاضے پورے کر سکتا ہے، یہ ایک دینی منصب اور کائناتی معاملہ ہے، اس کا کسی کی ذکاوت و ذہانت، جہد و کسب اور ثروت و غنا سے کوئی تعلق نہیں، یہ سراسر اللہ تعالیٰ کا ذاتی فیصلہ ہوتا ہے، وہ کروڑوں اور اربوں انسانوں میں سے کسی ایک کا انتخاب فرمالیتا ہے، جس کا انتخاب کیا جاتا ہے، خود اسے بھی اس کی خبر نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ اس کا امیدوار ہوتا ہے، سورۃ القصص میں ہے ''اور تمہیں امید نہ تھی کہ تم پر یہ کتاب نازل کی جائے گی، یہ تو تمہارے رب کی ایک رحمت تھی''۔ {۱۱۴} البتہ اتنی بات یقینی ہے کہ اس منصب کے لیے جس شخصیت کا انتخاب ہوتا ہے اسے فطرت کی سلامتی، دل کی طہارت، روح کی قوت، سیرت کا حسن اور حق کی محبت عطا کر دی جاتی ہے۔

آیت کے آخر میں مجرموں کو دھمکی دی گئی ہے کہ اگر وہ کبر و غرور سے باز نہ آئے تو وہ اللہ کے ہاں ذلت اور سخت عذاب سے دوچار ہوں گے۔

حکمت و ہدایت

۱......قبولِ حق سے باز رکھنے میں کبر و غرور انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے۔

{۱۱۲} زخرف ۳۱/۴۳ {۱۱۳} مدثر ۵۲/۸۴ {۱۱۴} القصص ۸۶/۲۹

۲......نبوت ورسالت، خالص دینی منصب اور کائناتی معاملہ ہے اسے دنیوی منصب پر قیاس کرنے والے گمراہی کا شکار ہیں۔

مومن اور غیر مومن کی قلبی کیفیت

﴿۱۲۵......۱۲۸﴾

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ

سو جس کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت کرے تو کھول دیتا ہے اُس کے سینہ کو واسطے قبول کرنے اسلام کے۔ اور جس کو چاہتا ہے کہ گمراہ کرے

يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ

کر دیتا ہے اسکے سینہ کو تنگ بے نہایت تنگ گویا وہ زور سے چڑھتا ہے آسمان پر اسی طرح ڈالے گا اللہ عذاب کو

عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

ایمان نہ لانے والوں پر اور یہ ہے رستہ تیرے رب کا سیدھا ہم نے واضح کر دیا نشانیوں کو غور کرنے والوں کے واسطے

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا

انہی کیلئے ہے سلامتی کا گھر اپنے رب کے ہاں اور وہ اُن کا مددگار ہے بسبب اُن کے اعمال کے اور جس دن جمع کریگا اُن سب کو فرمائیگا

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ

اے جماعت جنات کی تم نے بہت کچھ تابع کر لیے اپنے آدمیوں میں سے اور کہیں گے اُن کے دوستدار آدمیوں میں سے

رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ

اے رب ہمارے کام نکالا ہم میں ایک نے دوسرے سے اور ہم پہنچے اپنے اُس وعدہ کو جو تو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا فرمادیگا آگ ہے گھر تمہارا

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

رہا کرو گے اُسی میں مگر جب چاہے اللہ البتہ تیرا رب حکمت والا خبردار ہے

تسہیل: اللہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو قبولِ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے، اور جسے گمراہ رکھنا چاہتا ہے اس کے سینے کو از حد تنگ کر دیتا ہے، اسے اسلام قبول کرنا ایسا مشکل محسوس ہوتا ہے جیسے آسمان پر چڑھنا، یونہی اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر کفر کی نجاست مسلط کر دیتا ہے ○ حالانکہ یہ تیرے ربّ کا سیدھا راستہ ہے، ہم نے ان لوگوں کے لیے آیتوں کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے جو نصیحت قبول کرتے ہیں ○ ان کے لیے ان کے رب کے پاس امن اور سلامتی کا گھر ہے، ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ ان سے محبت رکھتا ہے ○ وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے جس

دن اللہ سب لوگوں کو جمع لے گا پھر جنی شیاطین سے خطاب کر کے فرمائے گا کہ تم نے انسانوں کو گمراہ کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، انسانوں میں ان کے جو دوست ہوں گے وہ عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! واقعی ہم نے ایک دوسرے سے خوب فائدہ حاصل کیا اور اب ہم اس وقت پر آپہنچے ہیں جو آپ نے ہمارے لیے مقرر کر دیا تھا، اللہ فرمائے گا کہ تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے، اس میں تم ہمیشہ رہو گے، صرف وہی بچ سکیں گے جنہیں اللہ بچانا چاہے گا، یقیناً تمہارا ربّ حکمت والا اور علم والا ہے ○

﴿تفسیر﴾

﴿۱۲۵﴾ مخالفوں کے کفر و عناد اور نت نئے مطالبات کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید قلبی اذیت ہوتی تھی، اس پر آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ہرگز غمگین نہ ہوں کیونکہ ہدایت وضلالت اللہ کے ہاتھ میں ہے، جس شخص کا فطری میلان اسلام کی طرف ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے، وہ ایمان اور ایمانی زندگی پر مطمئن ہو جاتا ہے، اسے اس میں ایسا لطف اور کیف وسرور محسوس ہوتا ہے جو دنیا کی کسی دوسری نعمت میں محسوس نہیں ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے حوالے سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ! اس کا سینہ کیسے کھول دیا جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے دل میں نور ڈال دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کا سینہ کھل جاتا ہے، عرض کیا گیا اس کی کوئی علامت بھی ہے جس کے ذریعے پہچانا جائے کہ واقعی اس کا سینہ کھل گیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! علامت یہ ہے کہ اس کا میلان دائمی گھر (آخرت) کی طرف ہو جاتا ہے، دھوکے کے گھر (دنیا) سے وہ دور ہو جاتا ہے اور موت آنے سے پہلے وہ موت کی تیاری میں لگ جاتا ہے"۔

مومن کے مقابلے میں وہ شخص جو کفر و شرک کی وجہ سے اپنی فطرت خراب کر لیتا ہے وہ اپنے دل میں تنگی اور گھٹن محسوس کرتا ہے، اسے اسلام قبول کرنا اور پھر اس کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنا بالکل ناممکن محسوس ہوتا ہے، اسے یوں لگتا ہے گویا اسے آسمان پر چڑھنے کا حکم دیا جا رہا ہے، تنگیِ دل کے ساتھ ساتھ اس پر شیطان بھی مسلط کر دیا جاتا ہے جو اسے قبولِ ایمان سے محروم رکھتا ہے۔[۱۱۵] اور اس کے دل میں کبر وحسد جیسے غلیظ جذبات پیدا کر دیئے جاتے ہیں۔

{۱۱۵} اختلفوا فی تفسیر "الرجس" فقال ابن عباس رضی اللہ عنهما: هو الشیطان یسلط اللہ علیهم وقال مجاهد "الرجس" ما لا خیر فیه (کبیر ۵/۱۴۲)

﴿۱۲۶﴾ یہ اسلام جس کے بارے میں مؤمن کو شرحِ صدر عطا کیا جاتا ہے یہ "تیرے رب" کا وہ راستہ ہے جو بالکل سیدھا ہے اس میں کوئی کجی نہیں، اس پر چلنے والے کا منزل تک پہنچنا یقینی ہے جب کہ اس کے علاوہ جتنے بھی راستے ہیں وہ کج مج ہیں۔

"تیرے رب" کے الفاظ مومن کے دل کو اعتماد اور یقین سے بھر دیتے ہیں۔

﴿۱۲۷﴾ جو لوگ "صراطِ مستقیم" کو لازم پکڑے رکھیں گے، انہیں سلامتی اور اطمینان کے گھر یعنی جنت میں جگہ دی جائے گی، اس بات کی ضمانت اللہ دیتا ہے جو کہ ایمان والوں کا ولی اور مددگار ہے۔

﴿۱۲۸﴾ سلامتی کے گھر میں داخل ہونے والوں کے مقابلے میں اس جماعت کا ذکر ہے جس کا ٹھکانہ آگ ہوگا، یہ جماعت جنوں اور انسانوں پر مشتمل ہوگی، اس کا کام ہی یہ تھا کہ وہ گمراہی کے پھیلانے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے تھے، جنات اور شیاطین ضلالت کی دعوت دیتے تھے اور انہیں شہوات اور خواہشات کی تکمیل کے نت نئے راستے بتاتے تھے اور انسان ان کی دعوت کو قبول کر لیتے اور ان کے بتائے ہوئے راستوں پر بلا سوچے سمجھے چل پڑتے تھے۔[۱۱۶]

"وَبَلَغْنَا اَجَلَنَا" انسان اپنے کفر و فسق کا اعتراف کرتے ہوئے کہیں گے کہ اے اللہ! تو نے ہمارے لیے جو میعاد مقرر کی تھی ہم اس میعاد تک پہنچ گئے ہیں،[۱۱۷] اب آپ کو اختیار ہے کہ ہمارے بارے میں جو چاہیں فیصلہ فرمائیں۔

"اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ" کفر و فسق کا اعتراف کرنے والے ان مجرموں سے کہا جائے گا کہ تمہارا ٹھکانا ہمیشہ کے لیے دوزخ ہے، تمہیں دوزخ میں ہمیشہ رکھنے کا فیصلہ کرنے میں اللہ خود مختار ہے، اس فیصلہ پر کسی نے اسے مجبور نہیں کیا وہ اگر چاہے تو اپنے اس فیصلہ کو باطل بھی کر سکتا ہے کیونکہ اس کی مشیت مطلق اور بے قید ہے اس پر کوئی روک اور پابندی نہیں، البتہ اس کے فیصلہ میں کوئی نقص اور عیب نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اس کا ہر فیصلہ علم اور حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔[۱۱۸]

{۱۱۶} واما استمتاع الانس بالجن فهو ان الجن كانوا يدلونهم على انواع الشهوات واللذات وللطيبات ويسهلون تلك الامور عليهم (كبير ۵/۱۴۸)

{۱۱۷} واختلفوا فی أن ذلك الاجل أی الاوقات؟ فقال بعضهم هو وقت الموت وقال آخرون هو وقت التخليه والتمكين وقال قوم المراد وقت المحاسبة فی القيامه (حواله مذكوره)

{۱۱۸} ان الاستثناء لايقصد منه اخراج اوقات ولا حالة، وإنما هو كناية يقصد منه أن هذا الخلود قدرّه اللّٰه تعالىٰ مختارا لامكره له عليه اظهار التمام القدرة ومحض الارادة كأنه يقول: لوشئت لابطلت ذلك (التحرير والتنوير ۵/۷۲) علامه ابوبکر جزائری بھی آیت کا یھی مفھوم بیان کرنے کے بعد فرماتے ھیں "ذکر المفسرون اقوالا کثیرہ فی ھذا الاستثناء وماذکرتہ فی التفسیر احسن مایؤول به هذا الاستثناء فی هذه الآية وفی آيه هود (السير التفاسير ۲/۱۱۸)

حکمت وہدایت

۱......جس بندے کے دل میں ہدایت کی سچی طلب ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے شرح صدر عطا فرما دیتا ہے۔(۱۲۵)

۲......کافر کے سامنے جب ایمان پیش کا جائے تو اسے ایمان قبول کرنا ایسا مشکل محسوس ہوتا ہے گویا کہ وہ انسانی طاقت سے باہر کا کوئی عمل ہے۔(۱۲۶)

۳......کافروں کے دل شیطانی وساوس، شھوات اور شبہات کا مرکز بن جاتے ہیں۔(۱۲۷)

۴......خبیث انسان اور جنّات آپس میں شر اور فساد کے معاملے میں تعاون کرتے ہیں۔(۱۲۸)

۵......اللہ تعالیٰ کی مشیت مطلق ہے وہ جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے، اس پر کوئی اثر انداز نہیں ہوسکتا۔

ظالموں کی دوستی اور ان پر غضب اور عتاب

﴿۱۲۹......۱۳۲﴾

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ

اور اسی طرح ہم ساتھ ملا دینگے گنہگاروں کو ایک کو دوسرے سے اُن کے اعمال کے سبب اے جماعت جنوں کی اور انسانوں کی

اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا

کیا نہیں پہنچے تھے تمہارے پاس رسول تمہی میں کے کہ سُناتے تھے تم کو میرے حکم اور ڈراتے تھے تم کو اس دن کے پیش آنے سے

قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

کہیں گے کہ ہم نے اقرار کرلیا اپنے گناہ کا اور اُن کو دھوکا دیا دنیا کی زندگی نے اور قائل ہوگئے اپنے اوپر

اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

اس بات کے کہ وہ کافر تھے یہ اس واسطے کہ تیرا رب ہلاک کرنے والا نہیں بستیوں کو اُن کے ظلم پر اور وہاں کے لوگ بیخبر ہوں

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور ہر ایک کے لئے درجے ہیں اُنکے عمل کے اور تیرا رب بیخبر نہیں اُن کے کام سے

تسہیل: ہم یونہی ظالموں کو ان کے اعمال کی وجہ سے ایک دوسرے کا دوست بنا دیتے ہیں ○ (قیامت کے دن ان سے سوال کیا جائے گا) اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے میرے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تمہارے سامنے میرے احکام بیان کیا کرتے تھے اور آج کے دن کے بارے میں تمہیں خبردار کیا کرتے تھے؟ وہ

کہیں گے ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں، ان لوگوں کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا جبکہ آخرت میں وہ خود اپنے اوپر گواہی دیں گے کہ ہم کافر تھے O یہ رسول اس لیے بھیجے گئے کیونکہ تمہارا رب کسی بستی والوں کو ظلم کی وجہ سے ایسی صورت میں ہلاک نہیں کرتا جبکہ وہاں کے رہنے والوں کو کچھ بھی خبر نہ ہو O ہر شخص اپنے اعمال کے مطابق درجات کا مستحق ہوگا اور تمہارا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں O

تفسیر

﴿۱۲۹﴾ جیسے شیاطین اور انسان ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں یونہی ظالم ایک دوسرے کے دوست بن جاتے ہیں، سورہ انفال میں ہے "وہ لوگ جو کافر ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں" حضرت قتادہ رحمہ اللہ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کے اعتبار سے ایک دوسرے کا دوست بنا دیتا ہے، مومن، مومن کا دوست ہوتا ہے خواہ وہ جہاں بھی ہو اور جیسے بھی ہو، کافر، کافر کا دوست ہوتا ہے خواہ جہاں بھی ہو اور جیسے بھی ہو، ایمان صرف آرزوؤں اور ظاہری بناؤ سنوار سے حاصل نہیں ہوسکتا"{۱۱۹}

سچائی اور ہدایت کے مقابلے میں ظالم اور گمراہ لوگ ایک بلاک میں ہوتے ہیں، قرآن کے اس دعویٰ کا مشاہدہ ہم عالمی صورتحال پر ایک نظر ڈال کر کر سکتے ہیں، دنیا بھر کے یہودی اور عیسائی، بت پرست اور اشتراکی باہمی اختلافات کے باوجود مسلمانوں کے مقابلے میں اکٹھے دکھائی دیتے ہیں افسوس تو یہ ہے کہ ظالموں میں خوفناک قسم کا گٹھ جوڑ اور مظلوموں میں افسوسناک قسم کی سر پھٹول اور انتشار پایا جاتا ہے۔

اس آیت کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض ظالموں کو دوسرے ظالموں پر مسلط کر دیتا ہے اور یوں ایک ظالم کو دوسرے ظالم کے ہاتھ سے سزا دلواتا ہے{۱۲۰}، حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں "جب تم کسی ظالم کو دوسرے ظالم سے انتقام لیتے ہوئے دیکھو تو رُک جاؤ اور اس منظر کو تعجب اور عبرت کی نظر سے دیکھو"،

ظالموں کے مظلوم بننے کے مناظر ہم شب و روز دیکھتے ہیں لیکن ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے، چھوٹے ظالم پر کوئی بڑا ظلم مسلط ہو جاتا ہے، یوں یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ سنگدل اور بے رحم حکمرانوں کا اقتدار پر فائز ہو جانا بھی، ظالموں کے تسلط ہی کی ایک صورت ہے، جب لوگ اللہ کی نافرمانی شروع کر دیتے ہیں اور ان کے اندر فتنہ و فساد عام ہو جاتا

{۱۱۹} ابن کثیر ۲/۲۳۸

{۱۲۰} وقال مالك بن دينار رحمه الله: قرأت في الزبور، اني انتقم من المنافقين بالمنافقين، ثم انتقم من المنافقين جميعا حواله مذكوره۔

ہے تو ان کی گردنوں پر بدترین حکمران مسلط کر دیئے جاتے ہیں جو کہ اللہ کے غضب کی ایک صورت ہے۔{۱۲۱}

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے راضی ہوتا ہے تو ان میں سے بہترین لوگوں کو ان کا حکمران بنا دیتا ہے اور جب کسی قوم سے ناراض ہوتا ہے تو ان میں بدترین لوگ ان پر مسلط کر دیئے جاتے ہیں۔{۱۲۲}

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**من اعان ظالما سلط اللہ علیہ**" (جو شخص کسی ظالم کی مدد کرتا ہے اللہ ظالم کو اس پر مسلط کر دیتا ہے)۔{۱۲۳}

﴿۱۳۰﴾ سارے ظالموں اور کافروں سے قیامت کے دن اجتماعی طور پر سوال کیا جائے گا کہ کیا تمہارے پاس ہمارے رسول نہیں آئے تھے؟ یہ سوال استفسار اور معلومات کے لیے نہیں ہوگا بلکہ ان پر فردِ جرم عائد کرنے کے یے ہوگا، اس حقیقت کو جن وانس بھی جانتے ہوں گے اس لیے وہ ہاں یا نہیں میں جواب دینے کے بجائے اپنے کفر وشرک اور ظلم اور سرکشی کا اقرار کرلیں گے اور خود اپنے خلاف گواہی دینے کے لیے آمادہ ہو جائیں گے۔

جنوں اور انسانوں دونوں سے سوال کیے جانے کی وجہ سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ جنوں میں بھی رسول آتے رہے ہیں کیونکہ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جنات میں رسول مبعوث نہیں ہوئے، پیغامِ نبوت پر عمل کرنے میں جنات انسانوں کے تابع ہوتے ہیں، ان میں سے بعض انبیاء کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور ان سے جو کلامِ ہدایت سنتے ہیں وہ اپنی قوم کو جا کر سنا دیتے ہیں،{۱۲۴} خود ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کا ایک وفد حاضر ہوا تھا اور اس نے جا کر اپنی قوم کو خبردار کیا تھا سورہ احقاف میں ہے کہ "وہ (جنات) اپنا برادری کے لوگوں میں واپس گئے تا کہ انہیں خبردار کریں"{۱۲۵} سورہ جن میں ہے "اے میرے نبی! لوگوں سے کہہ دیجیے کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے"{۱۲۶}۔

"**قالوا اشھدنا**" جنات اور انسان جانتے تھے کہ ان سے یہ سوال محض استفسار کے لیے نہیں بلکہ فردِ جرم عائد کرنے کے لیے ہے اس لیے نہ تو وہ انکار کریں گے، نہ اپنا دفاع کریں گے اور نہ ہی کوئی عذر پیش کریں گے۔

{۱۲۱} واستدل بہ علی ان الرعیۃ اذا کانوا ظالمین اللہ تعالیٰ یسلط علیھم ظالما مثلھم وفی الحدیث "کما تکونوا یولّی علیکم" (روح المعانی ۵/۸/۴۱)

{۱۲۲} قرطبی ۷/۷۶

{۱۲۳} حوالہ مذکورہ

{۱۲۴} قال ابن عباس رضی اللہ عنھما: رسل الجن ھم الذین بلغوا قومھم ماسمعوہ من الوحی (قرطبی ۷/۸۶) والقول الثانی: وھو قول الاکثرین: ماکان من الجن رسول البتۃ وانما کان الرسل من الانس (کبیر ۵/۱۵۱)

{۱۲۵} احقاف ۴۶/۲۹

{۱۲۶} جن ۷۲/۱

”وَغَرَّتْهُم“ بتایا جارہا ہے کہ آخران کے کفراور فسق کی وجہ کیا بنی؟ اصل وجہ یہ تھی کہ دنیا کی رنگینیاں دیکھ کر وہ دھوکہ کھاگئے، اس دھوکے نے انہیں کفر میں مبتلا کردیا۔

﴿۱۳۱﴾ مختلف قوموں اور ملکوں میں انبیاء کی بعثت اور کتابوں کے نزول کا سلسلہ اس لیے ہے کیونکہ اللہ کی سنت یہ ہے کہ وہ کسی قوم سے اس وقت تک مواخذہ نہیں کرتا جب تک کہ ان تک اپنا پیغام نہ پہنچادے، اگرچہ انسانی فطرت میں بھی حق تک پہنچنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے، لیکن جب تک وحی کی روشنی نہ ہو عقل اور فطرت سب کے بھٹک جانے کا امکان باقی رہتا ہے۔

”بظُلم“ اس آیت کریمہ میں یہ جو لفظ آیا ہے اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں، ایک وہ جسے ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے یعنی کسی قوم کے ظلم اور کفروشرک کی وجہ سے اسے ہلاک نہیں کیا جاتا تاوقتیکہ انہیں رسولوں کے ذریعے متنبہ نہ کردیا جائے۔ دوسرا یہ کہ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور کسی کو ظلم کے طور پر ہلاک نہیں کرتا کیونکہ (معاذاللہ) وہ ظالم نہیں ہے [۱۲۷] بلکہ رحیم وکریم ہے۔

﴿۱۳۲﴾ ہر شخص کا درجہ اس کے اعمال کے لحاظ سے متعین ہوگا، ایمان والوں کا ان کے اعمال واخلاق کے اعتبار سے اور فساق وفجار کا ان کے اعمال کے اعتبار سے، یہ آیت کریمہ اس بات پر دلیل ہے کہ انسان کی سعادت وشقاوت کا مدار اس کے کسب وارادہ پر ہے۔

حکمت وہدایت

۱......اللہ کی سنت یہ ہے کہ اعمال، انسانوں کے درمیان محبت اور دوستی کا معیار بن جاتے ہیں، نیک، نیکوں سے اور برے، بروں سے محبت رکھتے ہیں۔ (۱۲۹)

۲......جو کسی پر ظلم کرتا ہے اس پر کسی دوسرے ظالم کو مسلط کردیا جاتا ہے۔ (۱۲۹)

۳......جیسی رعایا ہوتی ہے ویسے ہی اس کے حکمران ہوتے ہیں، اسی لیے کہا گیا ہے ”اعمالکم عمّالکم“ (تمہارے اعمال ہی تمہارے حکمران ہوں گے)۔

۴......انبیاء کی بعثت میں ایک اہم غرض اور علت انسانوں پر حجت قائم کرنا ہوتا ہے۔

۵......اعمال کے لحاظ سے جزا سزا کا تعین ہوگا، اعمال صالحہ کی وجہ سے درجات ملیں گے اور اپنی سرکشی کے مطابق انسان عذاب کا مستحق ہوگا۔ (۱۳۲)

{۱۲۷} ”بظلم“ بسبب ظلم قدموا علیه۔ أو ظالما، علی أنه لو أهلكهم وهم غافلون ولم ينبهوا برسول و كتاب، لكان ظلما، وهو متعالی عن الظلم وعن كل قبيح (كشاف ۲/۶۳)

تنبیہ اور ڈراوا

﴿۱۳۳......۱۳۵﴾

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِن بَعْدِكُم مَّا يَشَاءُ

اور تیرا رب بے پرواہ ہے رحمت والا اگر چاہے تو تم کو لے جائے اور تمہارے پیچھے قائم کردے جس کو چاہے

كَمَا أَنشَأَكُم مِّن ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِينَ ﴿۱۳۳﴾ إِنَّ مَا تُوعَدُونَ لَآتٍ ۖ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ﴿۱۳۴﴾

جیسا تم کو پیدا کیا اوروں کی اولاد سے جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور آنیوالی ہے، اور تم عاجز نہیں کرسکتے

قُلْ يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۗ

تو کہہ دے اے لوگو تم کام کرتے رہو اپنی جگہ پر میں بھی کام کرتا ہوں سو عنقریب جان لوگے تم کہ کس کو ملتا ہے عاقبت کا گھر

إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿۱۳۵﴾

بالیقین بھلا نہ ہوگا ظالموں کا

تسہیل: پیغمبر بھیج کر بندوں پر اتمامِ حجت کرنا اللہ کا کرم اور اس کی رحمت ہے ورنہ تمہارا رب بے نیاز ہے مگر مہربان بھی ہے، اگر وہ چاہے تو تم سب کو ختم کردے اور جسے چاہے تمہاری جگہ لے آئے، جس طرح اس نے تمہیں دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا ہے○ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے وہ یقیناً آکر رہے گی اور تم اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے○ آپ فرمادیجیے اے لوگو! تم اپنے انداز میں عمل کرتے رہو میں اپنے انداز میں عمل کررہا ہوں، تم عنقریب جان لوگے کہ کس کا انجام اچھا ہوتا ہے، یہ بات تو یقینی ہے کہ ظالم کبھی فلاح نہیں پاسکتے○

﴿تفسیر﴾

﴿۱۳۳﴾ انسان سارے کے سارے فقیر اور محتاج ہیں، ہر چیز میں محتاج......اپنے وجود میں، زندگی برقرار رکھنے میں، چلنے پھرنے میں، اٹھنے بیٹھنے میں محتاج......غنی اور بے نیاز صرف اللہ ہے، وہ کسی بھی چیز میں کسی کا محتاج نہیں، انسانوں کی عبادت واطاعت سے اس کی سلطنت اور کبریائی میں اضافہ نہیں ہوتا، غنی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ حد درجہ مہربان بھی ہے، انسان کا وجود، اس کی قوت وطاقت اور عقل وحکمت اس کی رحمت کا نتیجہ ہے۔

"اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ" وہ نافرمانوں اور ظالموں کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ میں جب چاہوں تمہیں ختم کرسکتا ہوں اور تمہاری جگہ دوسری اقوام کو آباد کرسکتا ہوں، آخر تمہیں بھی تو دوسروں کی جگہ آباد کیا گیا ہے یہ ایک شدید وعید اور

سخت تنبیہ ہے جو دل و دماغ کو جھنجوڑ دیتی ہے{۱۲۸}

﴿۱۳۴﴾ یہ ایک اور وعید ہے، واضح کیا جارہا ہے کہ تمہیں جس اخروی عذاب سے ڈرایا جارہا ہے وہ یقیناً پیش آ کر رہے گا، تم اللہ کے قبضۂ قدرت اور احاطۂ سلطنت میں ہو تمہارے لیے بچ نکلنے یا بھاگ جانے کی کوئی بھی صورت نہیں ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے اولادِ آدم! اگر تم عقلمند ہو تو اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم سے جو کچھ وعدہ کیا جارہا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا اور تم اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے''۔

﴿۱۳۵﴾ یہ ایک مختلف قسم کی وعید ہے، یہ وعید صرف ایسا شخص ہی سناسکتا ہے جسے اپنے حق پر ہونے اور مخالف کے باطل پر ہونے کا پورا یقین ہو، وہ ظالم اور مشرک اور جنات جو باطل پر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں ان سے کہا جارہا ہے کہ ٹھیک ہے اگر تمہیں اپنے باطل نظریات کے سچا ہونے کا یقین ہے تو تم اپنے کفر پر اور میری عداوت پر جمے رہو، میں تمہارے مقابلے میں اسلام پر اور صبر پر جما ہوا ہوں تم بہت جلد جان لوگے کہ انجامِ کار کون کامیاب ہوتا ہے، اللہ کا غیر متبدل اصول یہ ہے کہ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا، یہ وعید جو سچائی کی قوت کے ساتھ سنائی گئی تھی، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں پوری ہو کر رہی، مشرکین ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوئے اور جزیرۃ العرب، یمن اور بحرین آپ کی زندگی ہی میں اسلام کے سامنے سرنگوں ہوگئے، بہت سے ممالک اور شہر آپ کے خلفاء کے دور میں فتح ہوئے اور اسلام کا نور مشرق اور مغرب میں پھیل گیا۔

حکمت و ہدایت

۱..... اللہ تعالیٰ ساری مخلوق سے بے نیاز اور غنی ہے، انسان اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں (۱۳۳)

۲..... اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ سارے انسانوں کو ختم کردے اور ان کی جگہ دوسرے انسانوں کو لے آئے۔

۳..... اللہ تعالیٰ کے سارے وعدے سچے ہیں اور وہ بہرصورت پورے ہو کر رہیں گے۔

۴..... یہ اصول غیر متبدل ہے کہ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔

{ ۱۲۸ } ای مابه حاجة البكم ان يشاء يذهبكم أيها العصاة وفى تلوين الخطاب من تشديد الوعيد مالايخفى (ابى سعود ۲/۴۴۶)

جاہلانہ تصوّرات ونظریات

﴿۱۳۶......۱۴۰﴾

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ

اور ٹھہراتے ہیں اللہ کا اُس کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مواشی میں ایک حصّہ پھر کہتے ہیں یہ حصّہ اللہ کا ہے اپنے خیال میں

وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ

اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے سو جو حصّہ اُن کے شریکوں کا ہے وہ تو نہیں پہنچتا اللہ کی طرف اور جو اللہ کا ہے وہ پہنچ جاتا ہے

اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ

اُن کے شریکوں کی طرف کیا ہی بُرا انصاف کرتے ہیں اور اسی طرح مزین کر دیا بہت سے مشرکوں کی نگاہ میں اُن کی

اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ

اولاد کے قتل کو اُن کے شریکوں نے تاکہ اُن کو ہلاک کریں اور رَلا ملا دیں اُن پر اُن کے دین کو اور اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے

فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا

سو چھوڑ دے وہ جانیں اور اُن کا جھوٹ اور کہتے ہیں کہ یہ مواشی اور کھیتی ممنوع ہے اُس کو کوئی نہ کھاوے مگر

مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ

جس کو ہم چاہیں اُن کے خیال کے موافق اور بعضے مواشی کی پیٹھ پر چڑھنا حرام کیا اور بعض مواشی کے ذبح کے وقت نام نہیں لیتے اللہ کا

عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۗ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ

اللہ پر بہتان باندھ کر عنقریب وہ سزا دیگا اُن کو اس جھوٹ کی اور کہتے ہیں جو بچہ ان مواشی کے پیٹ میں ہے

خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۗ سَيَجْزِيْهِمْ

اس کو تو خاص ہمارے مرد ہی کھاویں اور وہ حرام ہے ہماری عورتوں پر اور جو بچہ مُردہ ہو تو اُس کے کھانے میں سب برابر ہیں وہ سزا دیگا اُن کو

وَصْفَهُمْ ۚ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ

اُن تقریروں کی وہ حکمت والا جاننے والا ہے بیشک خراب ہوئے جنہوں نے قتل کیا اپنی اولاد کو نادانی سے بغیر سمجھے

وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۚ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

اور حرام ٹھہرا لیا اس رزق کو جو اللہ نے اُنکو دیا بہتان باندھ کر اللہ پر بیشک وہ گمراہ ہوئے اور نہ آئے سیدھی راہ پر

ربط: اس سورہ میں زمانہء جاہلیت کے تصوّرات ونظریات کی خاص طور پر تردید کی گئی ہے، قبل ازیں ان ذبیحوں کے بارے میں بات ہوچکی ہے جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، یہاں پھلوں، مویشیوں اور اولاد کے بارے میں نذرو

نیاز کی بحث ہے۔

تسہیل: اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے یعنی کھیتی اور چوپائے وغیرہ یہ مشرک لوگ اس میں کچھ حصّہ اللہ کا مقرر کرتے ہیں اور اپنے خیال سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا حصّہ ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے، پھر جو چیز ان کے معبودوں کے نام کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں جا سکتی اور جو چیز اللہ کے نام کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کے حصّہ میں جا سکتی ہے، کیسا برا فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں O اسی طرح بہت سے مشرکوں کی نظر میں ان کے شریکوں نے اپنے بچوں کو مار ڈالنا اچھا عمل بنا رکھا ہے تا کہ انہیں ہلاکت میں ڈال دیں اور تا کہ ان کے دین کو ان پر مشتبہ کر دیں، اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو آپ انہیں اپنے کذب و افتراء میں مگن رہنے دیں O اور وہ اپنے باطل خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ جو مویشی اور کھیت ہیں یہ مخصوص ہیں، انہیں صرف وہی کھا سکتا ہے جسے ہم کھلانا چاہیں، پھر کچھ جانور ایسے ہیں جن پر سواری یا بار برداری کو حرام سمجھتے ہیں اور کچھ جانور ایسے ہیں جنہیں ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا نہیں چاہتے، یہ سب باتیں اللہ پر افتراء کے طور پر کہتے ہیں، عنقریب اللہ انہیں ان کی افتراء پردازیوں کا بدلہ دے گا O اور وہ یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ جو چیز ان جانوروں کے پیٹ میں ہے وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے حلال ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے لیکن اگر مردہ بچہ پیدا ہو تو اسے مرد اور عورت سب کھا سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ان کی غلط بیانی کی سزا ضرور دے گا، یقیناً وہ حکمت والا ہے اور اسے ہر بات کی خبر ہے O وہ لوگ یقیناً خسارے میں پڑ گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو محض جہالت اور نادانی کی بناء پر قتل کر ڈالا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جو نعمتیں عطا کی ہیں انہیں محض اللہ پر افتراء پردازی کرتے ہوئے اپنے اوپر حرام کر لیا، یہ لوگ یقیناً گمراہی میں پڑ گئے اور انہیں راہِ راست پر چلنے کی توفیق نہ ہوئی O

﴾تفسیر﴿

﴾۱۳۶﴿ فصلوں کی پیداوار ہو یا مال مویشی یہ ساری نعمتیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں لیکن مشرکین ہر نعمت میں غیر اللہ کو شریک کر لیتے تھے، بعض حیوانات کو اپنے بتوں کے لیے مخصوص کر دیتے تھے، یونہی زمین سے جو پیداوار انہیں حاصل ہوتی، اس میں سے ایک حصّہ اللہ کے لئے نکالتے اور ایک بتوں کے لیے، اللہ کا حصّہ عام طور پر مہمان نوازی اور مساکین پر صدقہ خیرات میں استعمال کرتے تھے اور بتوں کا حصّہ ان کے پجاریوں، خادموں اور دیکھ بھال پر خرچ کرتے تھے۔ {۱۲۹}

{۱۲۹} فما کان للصنم أنفقوه عنه، وما کان للہ أطعموه الصبیان والمساکین (کبیر ۵/۱۵۸)

جو حصہ وہ اپنے شرکاء کے لئے متعین کرتے تھے اسے ان مصارف پر خرچ نہیں ہونے دیتے تھے جو اللہ کے لیے مخصوص تھے اور جو حصہ اللہ کے لیے مخصوص تھا وہ اگر شرکاء کا تقرب حاصل کرنے کے لیے خرچ ہو جاتا تو اس کی پرواہ نہیں کرتے، یوں وہ دہرے جرم کا ارتکاب کرتے، ایک تو اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں شریک ٹھہراتے، دوسرا یہ کہ وہ عاجز اور کمزور مخلوق کو خالق اور قادر پر ترجیح دیتے تھے، اس قبیح حرکت پر ان کے پاس عقلی اور نقلی کوئی دلیل بھی نہیں تھی۔{۱۳۰}

﴿۱۳۷﴾ جیسے زمینی پیداوار اور چوپاؤں میں مشرکانہ اور ظالمانہ تقسیم شیاطین نے ان کی نظر میں مزین کر رکھی تھی یونہی اپنے جگر گوشوں کا قتل بھی انہیں خوشنما محسوس ہوتا تھا، وہ اپنی بیٹیوں کو فقر و فاقہ کے اندیشہ اور ننگ و عار کے جاہلانہ تصور سے زندہ درگور کر دیتے تھے{۱۳۱}، نذر کے طور پر اور دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے بھی اولاد کو قتل کرنے کا رواج عربوں میں پایا جاتا تھا، عبدالمطلب کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ نے انہیں دس بیٹے عطا کیے تو وہ ان میں سے ایک کو قربان کر دیں گے، خود ہندوستان میں مدتوں یہ رسم رہی ہے کہ بچوں کو گنگا مائی کی موجوں کی آغوش میں ڈال دیا جاتا تھا کہ گھڑیال اور مگرمچھ انہیں نگل لیں اور ان آبی درندوں میں الوہیت کی شان پیدا ہو جائے۔{۱۳۲}

"شرکاؤھم" شرکاء سے مراد وہ کاہن اور مجاور ہیں جنہوں نے پروپیگنڈا کے زور پر بے بنیاد جاہلی رسومات کو مسلّم عقائد کی حیثیت دے رکھی تھی۔{۱۳۳}

"یُرْدُوْھُمْ" ان کاہنوں اور شیطانوں کا ہدف یہ تھا کہ وہ مشرکوں کو ہلاکت میں مبتلا کر دیں اور دین کی حقیقت ان پر مشتبہ کر دیں، جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر شیاطین جن و انس کی اتباع کرتے ہیں اور جاہلی رسوم کو مذہبی نظریات کی حیثیت دیتے ہیں وہ حیوانوں کی سطح پر آ جاتے ہیں، شیاطین جس رُخ پر چاہتے ہیں انہیں ہانک کر لے جاتے ہیں، اس کی ایک ہلکی سی جھلک ہم اپنے معاشرے میں دیکھ سکتے ہیں، بہت سے لوگ خاندانی روایات، معاشرتی رسم و رواج اور جدید فیشن کے نام پر ایسے طور طریقے اور ایسا معیارِ زندگی اپنا لیتے ہیں جو ان کی زندگی اجیرن کر دیتا ہے اور انہیں بتدریج ہلاکت کے گڑھے تک لے جاتا ہے۔ اور ان پر دین کی حقیقت مشتبہ ہو کر رہ جاتی ہے، گویا جاہلیتِ جدیدہ میں بھی وہ

{۱۳۰} فانهم اخطاؤا اولا فی القسم لان الله تعالیٰ هو رب کل شئی وملیکه وخالقة...... ثم لماقسموا فیما زعموا القسمة الفاسدة لم یحفظوها بل جاروا فیها (ابن کثیر ۲/۲۴۲)

{۱۳۱} کان اهل الجاهلیة یدفنون بناتهم احیاء خوفا من الفقر او من التزویج (کبیر ۵/۱۵۹)

{۱۳۲} تفسیر ماجدی ۱/۱۰۷

{۱۳۳} الشرکاء هم السدنة (کبیر ۵/۱۵۹)

سب کچھ ہو رہا ہے جو کچھ جاہلیتِ قدیمہ میں ہوتا تھا۔

"ولو شاء اللہ" یہ سب کچھ وہ اس لیے کر رہے ہیں کیونکہ اللہ کی مشیت یہی ہے کہ انہیں دنیا کی زندگی میں مہلت دے دی جائے، اگر اللہ چاہتا تو انہیں یہ حرکتیں نہ کرنے دیتا لیکن ان کی حماقت کا حال یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو تصرفات کر رہے ہیں یہ اللہ کی مرضی کے مطابق کر رہے ہیں، اپنی بدبختی کی وجہ سے وہ مرضی اور مشیت میں فرق سمجھ نہیں پاتے۔

﴿۱۳۷﴾ زمانہء جاہلیت میں مشرکین نے اپنے مویشیوں اور کھیتی کو تین قسموں میں تقسیم کر رکھا تھا۔

۱۔ کھیتی اور مویشیوں کا وہ حصہ جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ یہ صرف ان کے معبودوں کے لیے مخصوص ہے اور اس میں سے صرف اسی شخص کو کھانے کی اجازت ہے جسے ہم کھانے کی اجازت دیں، یہ اجازت بس کاہنوں اور گدی نشینوں کو حاصل تھی۔

۲۔ بعض چوپاؤں پر سواری اور بار برداری کو حرام کہتے تھے......ان جانوروں کا ذکر سورہ مائدہ کی آیت ۱۰۳ میں ہو چکا ہے۔

۳۔ بعض جانوروں کو ذبح کرتے ہوئے وہ اللہ کا نام نہیں لیتے تھے بلکہ بتوں کے نام ذکر کرتے تھے۔

ستم بالائے ستم یہ کہ وہ اپنے ان تصورات کو اللہ کی طرف منسوب کرتے تھے کہ اسی نے ہمیں اس تقسیم کا حکم دیا ہے۔

﴿۱۳۹﴾ شرک اور اوہام پرستی میں وہ اس قدر آگے بڑھ گئے تھے کہ انہوں نے حلال اور حرام کا پورا نظام اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا، جس چیز کو چاہتے حلال کر دیتے اور جسے چاہتے حرام ٹھہرا دیتے، بعض جانوروں کے بارے میں دعوٰی کرتے کہ ان کے پیٹ میں جو کچھ ہے خواہ وہ بچہ ہو یا دودھ، اس کا استعمالِ صرف مردوں کے لیے جائز ہے، عورتوں پر وہ حرام ہے، البتہ اگر بچہ مردہ حالت میں پیدا ہوا تو عورتوں کو بھی کھانے کی اجازت ہوگی، حلال اور حرام کے ان خود ساختہ فتووں پر ان کے پاس کوئی عقلی اور نقلی دلیل موجود نہ تھی۔

﴿۱۴۰﴾ اگر انسان خداداد عقل استعمال کرے تو اسے صاف نظر آتا ہے کہ جو لوگ اسلامی تعلیمات سے انحراف کرتے ہیں وہ سراسر خسارے میں رہتے ہیں، وہ اوہام اور رسموں کی زنجیروں میں جکڑ کر فطری آزادی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ انہیں مادی اور روحانی، عملی اور فکری ہر قسم کے خسارے کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ اپنی اولاد کو قتل کر کے اور

حلال اور پاک چیزوں کو حرام کر کے صرف اپنے اوپر ہی ظلم نہیں کرتے بلکہ آنے والی نسلوں پر بھی ظلم کرتے ہیں، اہلِ عرب یہ ظالمانہ حرکتیں جہالت کی بناء پر کرتے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جہالت سب سے بڑا گناہ اور خطرناک قسم کا منکر ہے، بخاری میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ''اگر تم عربوں کی جہالت جاننا چاہتے ہو تو سورہ انعام کی آیت ۱۳۰ کے بعد جو آیت ہے وہ پڑھو وما کانوا مھتدین تک''

حکمت وہدایت

۱......دین میں نئی نئی چیزیں نکالنا اور ایسی قانون سازی حرام ہے جو اللہ کی شریعت کے منافی ہو، اگرچہ اس کی نسبت اللہ کی طرف نہ کی جائے...... اس قسم کی بدعات اور قانون سازی صرف جاہلیتِ قدیمہ میں نہیں پائی جاتی تھی، جاہلیتِ جدیدہ میں بھی پائی جاتی ہے، جاہلیت کی تعریف ہے ''ہر وہ تصرف جو عوام الناس کی زندگیوں میں کیا جائے جبکہ اس کی اجازت اللہ نے دی ہو۔ اب یہ اور بات ہے کہ قدیم زمانوں میں اس قسم کے تصرّفات کی شکل ونوعیت اور ہوتی تھی اور آج ذرا مختلف ہے۔ اصول ایک ہے اور شکلیں مختلف''{۱۳۴}

۲......آج بھی جاہل لوگ اولیاء کے لیے جو نذریں مانتے ہیں اور انہیں فصلوں، مویشیوں اور مختلف اموال میں سے جو کچھ دیتے ہیں یہ مشرکین ہی کے اعمال کی ایک صورت ہے جسے شیطان نے جاہلوں کے لیے مزیّن کر رکھا ہے۔

۳......قتلِ اولاد، جسمانی بھی ہوتا ہے اور روحانی بھی، بچے کی اسلامی نہج پر تربیت نہ کرنا اور اسے شیطان کے ہاتھوں میں کھلونا بنا دینا اس کا روحانی قتل ہے، علومِ جدیدہ کی تعلیم کے لیے قائم کی گئیں اکثر درسگاہیں قوم کے نونہالوں کو روحانی طور پر قتل کر رہی ہیں۔

۴......خاندانی منصوبہ بندی کا محکمہ جو آبادی پر کنٹرول کے لیے قائم کیا گیا ہے اس میں بنیادی فکر وہی کارفرما ہے جو فکر مشرکین کو اپنی بچیوں کا گلا گھونٹنے پر آمادہ کرتی تھی یعنی فقر وفاقہ کا ڈر...... بلکہ اس میں اندیشہءِ فقر سے بھی بڑھ کر عددی اعتبار سے مسلمانوں کی کثرت کا خوف کارفرما ہے جس نے دشمنانِ اسلام کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں، وہ وقت بہت قریب ہے جب پورے عالمِ کفر میں بوڑھوں کی اکثریت ہوگی اور جوان نہ ہونے کے برابر ہوں گے انہیں اپنی صنعت وحرفت، تجارت وزراعت، دفتری اور کاروباری زندگی چلانے کے لیے عالمِ اسلام سے

{۱۳۴} فی ظلال القرآن ۲/۱۰۷۶

نوجوانوں کو درآمد کرنا پڑے گا، یہی وہ وقت ہوگا جب عالمِ اسلام پوری دنیائے کفر پر غلبہ حاصل کرسکے گا، اے کاش! ہم ایسے نوجوان تیار کرسکیں جو نظریاتی اعتبار سے مضبوط ہوں ان نوجوانوں کو ان نومسلموں سے بھی مدد ملے گی جو کثرت سے اسلام قبول کررہے ہیں اور خوش آئند امر یہ ہے کہ ان کی اکثریت بھی نوجوانوں پر ہی مشتمل ہے اس خطرے کی بُو بوڑھے اور گھوسٹ کافروں نے بھی سونگھ لی ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ مسلمانوں پر سیاسی، فوجی اور اقتصادی پابندیاں لگانے کے باوجود مذکورہ محکمہ کے لیے مالی امداد کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں اور انتہائی فراخدلی اور ''جذبہ ہمدردی'' کے ساتھ اس مدّ میں سرمایہ فراہم کرتے ہیں، اس محکمہ کی تشہیری مہم اور نتائج وثمرات کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ فحاشی اور بدکاری کا فروغ بھی خاندانی منصوبہ بندی کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔

۵.....مشرکین کے جاہلانہ نظریات وتصرفات میں سے بدترین تصرف اولاد کا قتل تھا اس لیے اس حوالے سے ان کی خاص طور پر مذمت کی گئی ہے اور آخری آیت میں ان پر فردِ جرم عائد کرتے ہوئے سات قباحتوں کا بیان ہے۔

۱۔خسارہ......کیونکہ اولاد، اللہ کی طرف سے بندے کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔

۲۔حماقت......کیونکہ اولاد کو بالعموم فقر کے خوف سے قتل کرتے تھے جبکہ فقر ایک موہوم چیز تھا اور قتل کا نقصان یقینی تھا، فقر کا ازالہ ہوسکتا ہے جبکہ مردہ کو زندہ کرنا ناممکن ہے۔

۳۔جہالت......حماقت بھی درحقیقت، جہالت ہی کی پیداوار تھی۔

۴۔اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام قرار دے لینا......یہ حماقت کا سب سے بلند درجہ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے انسان حلال اور پاک چیزوں کے فوائد سے اپنے آپ کو محروم کرلیتا ہے۔

۵۔اللہ کی طرف جھوٹی اور خودساختہ باتوں کی نسبت کرنا جو کہ کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ ہے۔

۶۔دین کے مصالح اور دنیا کے منافع سے اپنے آپ کو دور کرلینا۔

۷۔ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں مل سکتی، یہ ایسے گم کردہ راہ ہیں جو دوبارہ راہِ راست کی طرف لوٹ ہی نہیں سکتے۔ [۱۳۵]

{۱۳۵} کبیر/۱۶۱

اللہ کی قدرت کے واضح دلائل

﴿۱۴۱......۱۴۴﴾

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ

اور اسی نے پیدا کئے باغ جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں، اور جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی کہ مختلف ہیں ان کے پھل

وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا

اور پیدا کیا زیتون کو اور انار کو ایک دوسرے کے مشابہ اور جدا جدا بھی کھاؤ ان کے پھل میں سے جس وقت پھل لادیں اور ادا کرو

حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً

اُن کا حق جس دن اُن کو کاٹو اور بے جا خرچ نہ کرو اس کو خوش نہیں آتے بے جا خرچ کرنے والے اور پیدا کئے مواشی میں بوجھ اٹھانیوالے

وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾

اور زمین سے لگے ہوئے کھاؤ اللہ کے رزق میں سے اور مت چلو شیطان کے قدموں پر وہ تمہارا دشمن ہے صریح

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ

پیدا کئے آٹھ نر اور مادہ بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو پوچھ تو کہ دونوں نر اللہ نے حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ

اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ

یا وہ بچہ کہ اس پر مشتمل ہیں بچہ دان دونوں مادہ کے بتلاؤ مجھ کو سند اگر تم سچے ہو اور پیدا کئے اونٹ میں سے

اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ

دو اور گائے میں سے دو پوچھ تو دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ بچہ کہ اس پر مشتمل ہیں

اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِھٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى

بچہ دان دونوں مادہ کے کیا تم حاضر تھے جس وقت تم کو اللہ نے یہ حکم دیا تھا پھر اس سے زیادہ ظالم کون جو بہتان باندھے

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

اللہ پر جھوٹا تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے بلاتحقیق بیشک اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو

ربط: گذشتہ آیات میں اصولِ دین یعنی توحید، نبوت، بعث اور تقدیر کا بیان تھا، اسی مناسبت سے یہاں توحید کے دلائل ذکر کیے جارہے ہیں۔

تسہیل: اللہ ہی تو ہے جس نے مختلف قسم کے باغات پیدا کیے ان میں ایسے بھی ہیں جنہیں سہارے کی ضرورت ہے

اور ایسے بھی ہیں جنہیں سہارے کی ضرورت نہیں، اسی نے نخلستان اور کھیتیاں اُگائیں جن سے کھانے کی مختلف چیزیں حاصل ہوتی ہیں، زیتون اور انار کے درخت بھی اس نے پیدا کیے جو دیکھنے میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں مگر ذائقہ میں مختلف ہوتے ہیں، جب پھل نکل آئے تو اسے کھاؤ اور جب ان کی فصل کاٹو تو اللہ کا حق ادا کرو اور فضول نہ اڑاؤ کیونکہ اللہ فضول اڑانے والوں کو پسند نہیں کرتا O وہی ہے جس نے ہر قسم کے مویشی پیدا کیے ہیں، ان میں ایسے بھی ہیں جن سے سواری اور بار برداری کا کام لیا جا سکتا ہے اور ایسے بھی ہیں جو صرف کھانے اور بچھانے کے کام آتے ہیں، اللہ نے تمہیں جو کچھ دے رکھا ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو، یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے O ان جانوروں میں اللہ نے آٹھ جوڑے پیدا کیے ہیں، ایک نر اور مادہ بھیڑ کی قسم میں سے اور دوسرا بکری کی قسم میں سے، آپ ان سے پوچھیے کہ اللہ نے دونوں نر حرام کیے ہیں یا دونوں مادہ، یا وہ بچہ جو بھیڑ اور بکری کے پیٹ میں ہو، اگر تم سچے ہو تو مجھے دلیل کے ساتھ بتاؤ O یونہی دو اونٹ کی قسم میں سے ہیں اور دو گائے کی قسم میں سے، آپ ان سے پوچھیے کہ اللہ نے دونوں نر حرام کیے ہیں یا دونوں مادہ، یا وہ بچہ جو اونٹنی یا گائے کے پیٹ میں ہے، کیا تم اس وقت موجود تھے جب اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا تھا، اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جو خود ساختہ اور جھوٹی باتوں کی نسبت اللہ کی طرف کرے تاکہ لوگوں کو جہالت کی بناء پر گمراہ کر دے، بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا O

﴿تفسیر﴾

﴿۱۴۱﴾ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے باغات اور مختلف قسم کی فصلیں پیدا کی ہیں، ان میں سے بعض باغات مثلاً انگور وغیرہ ایسے ہیں کہ ان کے لیے لکڑیوں سے چھتریاں بنائی جاتی ہیں اور ان چھتریوں پر ان کی بیلیں پھیلا دی جاتی ہیں، بعض کے لیے اس تکلف کی ضرورت پیش نہیں آتی، یا تو اس لیے کہ ان کی بیلیں زمین پر پھیلا دی جاتی ہیں جیسے تربوز اور خربوز وغیرہ اور یا اس لیے کہ وہ کسی سہارے کے بغیر اپنے تنے پر خود کھڑے ہو جاتے ہیں جیسے آم، جامن اور بیر وغیرہ، بہت سارے پھلدار پودے ایسے ہیں جنہیں ایک ہی زمین میں کاشت کیا جاتا ہے، ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے، ایک ہی پیڑ پر وہ نمودار ہوتے ہیں، ظاہری رنگت اور شکل و شباہت کے اعتبار سے وہ ایک جیسے ہوتے ہیں مگر ذائقے میں مختلف ہوتے ہیں، یوں بھی ہوتا ہے کہ اسی زمین میں گرمیوں کے پھل بھی پیدا ہوتے ہیں اور سردیوں کے بھی، ہر ایک کا رنگ، خوشبو، ذائقہ، پکنے کا وقت، تاثیر اور خواص مختلف ہوتے ہیں یہ تنوعِ رزق اس کرۂ ارض پر اللہ نے بکھیرا ہے، جو رازق ہے وہی حاکم بھی ہے، جب اس کا رزق کھایا جاتا ہے تو اسی کے احکام کی تعمیل بھی کی جائے گی۔

"**وآتوا حقه یوم حصاده**" (جب ان کی فصل کاٹو تو اللہ کا حق ادا کردو) اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں عشر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ یہ سورت تو مکی ہے جب کہ زکوٰۃ کا حکم مدینہ میں نازل ہوا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ کا اصل حکم مکہ میں نازل ہو چکا تھا[۱۳۶] البتہ زکوٰۃ کی مقدار اور نصاب کا تعین وغیرہ ہجرت کے بعد ہوا۔

امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ زمین سے قلیل اور کثیر جو پیداوار بھی حاصل ہو اس میں عشر واجب ہو جاتا ہے اپنے اس موقف پر ایک تو وہ زیرِ نظر آیت سے استدلال کرتے ہیں، علاوہ ازیں وہ بخاری اور ابوداؤد کی اس روایت کے عموم سے بھی استدلال کرتے ہیں جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس روایت میں ہے کہ "جو زمین بارش سے سیراب ہوتی ہو اس کی پیداوار میں عشر اور جسے جانور یا رہٹ کے ذریعے سیراب کیا جائے اس میں نصفِ عشر واجب ہوتا ہے"۔

"**ولا تسرفوا**" قرآن کا ایک امتیازی اسلوب یہ ہے کہ وہ جزئیات کے بیان میں کوئی ایسا اصول اور کلیہ بیان کر دیتا ہے جسے اگر وسعت دی جائے تو زندگی کا ہر شعبہ اس میں آ جاتا ہے، یہاں جو اسراف سے منع کیا گیا ہے تو یہ بھی ہمہ جہت اثرات رکھنے والا اصول ہے، اعتدال قابلِ تعریف صفت ہے اور اسراف قابلِ مذمت ہے خواہ وہ کھانے پینے اور لباس اور مکان ہی میں کیوں نہ ہو، اسی لیے بعض حضرات اس صدقہ اور خیرات کو بھی اسراف شمار کرتے ہیں جس میں اپنے اہل و عیال کو نظرانداز کر دیا جائے، ان روایات سے بھی اس قول کی تائید ہوتی ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حکم حضرت شماس بن قیس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نازل ہوا تھا جنہوں نے ایک ہی دن میں پانچ سو درختوں کا پھل توڑ کر غرباء میں تقسیم کر دیا تھا اور اپنے گھر کے لیے انہوں نے کچھ بھی نہیں بچایا تھا۔[۱۳۷]

بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان جوش میں آ کر سب کچھ غرباء اور مساکین پر لٹا دیتا ہے پھر پریشان ہو کر دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے اور ان پر بوجھ بن جاتا ہے، اس لئے اسلام میں پہلے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا حق اور خرچہ نکال لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "**ابدأ بنفسک ثم بمن تعول**" (خرچ کی ابتدا اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال سے کرو۔)

جائز امور میں ضرورت سے زائد خرچ کرنا اسراف ہے لیکن گناہ کے کاموں میں ایک روپیہ لگانا بھی اسراف شمار ہوگا۔

{۱۳۶} لانسلم أن الزکاۃ ما کانت واجبة فی مکة (کبیر ۵/۱۶۴)

{۱۳۷} فانزل اللّٰہ تعالیٰ قوله "وآتوا حقه یوم حصاده ولا تسرفوا" ای ولا تعطوا کله (کبیر ۵/۱۶۵)

﴿۱۴۲﴾ اللہ کے فضل واحسان میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے انسانوں کی خدمت اور نفع رسانی کے لیے چھوٹے اور بڑے ہر طرح کے جانور پیدا کیے ہیں ان میں اونٹ، گھوڑے اور گدھے جیسے وہ چوپائے بھی ہیں جو سواری اور بار برداری کے کام آتے ہیں اور بھیڑ بکری جیسے وہ جانور بھی ہیں جنہیں ذبح کر کے ان کا گوشت کھایا جاتا ہے اور ان کے بالوں اور اون سے پہننے اور بچھانے کی چیزیں بنائی جاتی ہیں قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کا تذکرہ کیا ہے، اس کا مقصد انسان کو یہ یاد دلانا ہے کہ ان ساری چیزوں کا خالق اللہ ہے، لہٰذا کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار بھی صرف اللہ ہی کو حاصل ہے، شیطان اور اس کے چیلے چانٹے ان میں سے کسی چیز کے خالق نہیں لہٰذا ان کی اتباع بھی جائز نہیں، یہ شیطان کی اتباع ہی تھی جو مشرکین کو لے ڈوبی اور انہوں نے ایسی چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا جو اللہ نے ان کے لیے حلال کی تھیں، ایک سلیم العقل انسان، شیطان کی اتباع کا تصور بھی کیسے کر سکتا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ شیطان صرف انسان ہی نہیں پوری انسانیت کا دشمن ہے، وہ صرف تباہی کا راستہ ہی دکھاتا ہے، جو اس کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے، تباہی اس کا مقدر بن جاتی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے ”یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے لہٰذا تم بھی اسے اپنا دشمن سمجھو، وہ اپنی جماعت کو دعوت دیتا ہے تا کہ وہ سب دوزخ والوں میں سے ہو جائیں“ (فاطر ۳۵/۶)

﴿۱۴۳﴾ مشرکینِ عرب نے جانوروں کو مختلف قسموں میں تقسیم کر رکھا تھا کوئی بحیرہ اور سائبہ تھا اور کوئی وصیلہ اور حام، یہ نام انہوں نے خود تجویز کر رکھے تھے اور ان جانوروں سے کسی قسم کا بھی انتفاع جائز نہیں سمجھتے تھے، کبھی نر کو حرام ٹھہرا لیتے تھے اور کبھی مادہ کو، اور کبھی اس حمل کو جو مادہ کے پیٹ میں ہوتا تھا، جانوروں کو حلال وحرام کے گروپوں میں تقسیم کرنے والوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ جاہلیت کے اندھیروں سے نکلو اور علم کی روشنی میں آ کر عقل ونقل کا سامنا کرو، ایک نوع اور ایک مادہ سے پیدا ہونے والے جانوروں میں سے بعض حلال اور بعض حرام کیسے ہو سکتے ہیں اگر مادہ حرام ہے تو ساری مادائیں حرام ہونی چاہئیں، اگر نر اور مادہ پر مشتمل حمل حرام ہے تو پھر ساری اولاد کا حرام ہونا ضروری ہے، جن جانوروں کو تم حرام ٹھہراتے ہو ان کی حرمت پر کوئی علمی سند اور عقلی دلیل پیش کرو، محض انکل پچو سے کہی گئی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔

”ام کنتم شھداء“ انہیں مزید شرمندہ اور لاجواب کرنے کے لیے ان سے الزامی سوال کیا جاتا ہے کہ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں ان چیزوں کے حرام ہونے کا حکم دیا تھا؟ ظاہر ہے ان میں سے کسی سوال کا بھی ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا، وہ اپنے بند معاشرے میں ایسے قانون ساز بنے بیٹھے تھے جو عقل وخرد کے سرچشموں پر

قابض ہوتے ہیں لیکن جب انہیں کھلے میدان میں آنے کی دعوت دی جاتی اور علم کی روشنی میں گفتگو کرنے کے لیے کہا جاتا تو وہ لاجواب ہوجاتے تھے اور ان سے کوئی بات بَن نہیں پڑتی تھی، یہی حال ہوتا ہے ہر اس شخص اور جماعت کا جو اوہام وتخیلات کو حقائق کا درجہ دے دیتے ہیں اور اپنے آپ کو عقلِ کل سمجھنے کے خبط میں مبتلا ہوجاتے ہیں، عرب کے سرداراور کاہن روایتی اور موروثی طور پر قانون ساز ہی نہیں بنے بیٹھے تھے بلکہ ان کی دیدہ دلیری کی انتہا یہ تھی کہ وہ اپنے خودساختہ تصورات اور رسومات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے تھے، اس لیے فرمایا گیا کہ ''اس سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے جو خودساختہ اور جھوٹی باتوں کی نسبت اللہ کی طرف کرے بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا''۔

حکمت وہدایت

۱...... اس دنیا میں پائے جانے والے ہزاروں قسم کے پھل اللہ کے وجوداور قدرت کی دلیل ہیں، ان کی رنگت، ان کی بناوٹ، ان کا اختلاف، ان کا ذائقہ اور ان کی تاثیر اپنے خالق کے وجود کی گواہی دیتے ہیں، ان میں پائے جانے والے تغیرات کسی ''مغیر'' (تبدیلی کرنے والے) کی نشاندہی کرتے ہیں، یہ بھی تو ممکن تھا کہ پھل پیدا ہی نہ کیے جاتے، پھل ہوتے مگر حسن وجمال کا شاہکار نہ ہوتے، خوشبو، ذائقہ اور معیار کے تحفظ کا انتظام نہ ہوتا، ان کا حصول آسان نہ ہوتا، پھلوں میں پائے جانے والے غذائی موادکی پیکنگ پر ہی غور کیا جائے تو حسن ونظافت اور مضبوطی وحفاظت کا نظام دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے، پیکنگ کی بیرونی رنگت پھل کی اندرونی حالت کی نشاندہی کرتی ہے، انسان کوئی دوسرا پھل تو کیا پیدا کرسکے گا، ساری ترقی کے باوجود باری تعالیٰ جیسی پیکنگ بھی نہیں کرسکا۔ دوسرے حیرت افزا پہلوؤں کے علاوہ ایک پہلو یہ بھی ہے کہ پانی کی طبیعت یہ ہے کہ وہ اوپر سے نیچے کی طرف آتا ہے لیکن درختوں میں یہ نیچے سے اوپر کی طرف جاتا ہے، جڑوں سے ہوتا ہوا ایک ایک شاخ اور ایک ایک پتے میں سرایت کرجاتا ہے۔ آخر کوئی تو ہے جو کسی پمپ کے بغیر اسے نیچے سے اوپر اٹھاتا ہے۔

۲......زمین سے جو بھی پیداوار حاصل ہو اس میں عشر یا نصفِ عشر واجب ہے اس میں جس بنیادی اصول کو ملحوظ رکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جس پیداوار میں محنت اور خرچ کم ہو اس میں زکوٰۃ کی مقدار زیادہ رکھی گئی ہے اور جس میں محنت اور خرچ کم ہو تو اس میں زکوٰۃ کی مقدار بھی کم ہوجاتی ہے چونکہ بارانی زمین میں خرچ بہت کم ہوتا ہے اس لیے اس میں عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہوتا ہے اور جس زمین کو کنویں یا نہری پانی سے سیراب کیا جائے اس میں محنت اور خرچ بڑھ جاتا ہے اس لیے اس میں نصفِ عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہوتا ہے۔

۳......پھل توڑنے اور زکوٰۃ نکالنے سے پہلے خود کھانا اور اہل وعیال کو کھلانا جائز ہے۔

۴......اسراف جائز نہیں، اسراف کی ایک صورت تو یہ ہے کہ فضول کاموں میں مال اُڑادے اور دوسری صورت یہ ہے کہ خرچ تو جائز مصرف میں کرے مگر سب خرچ کردے اور اپنے اہل وعیال کے لیے کچھ بھی نہ چھوڑے۔

۵......اللہ کے سوا کسی کو بھی تحلیل اور تحریم کا اختیار نہیں، حلال اور حرام بس وہی ہے جسے اللہ نے حلال یا حرام قرار دیا ہے، اس باب میں کوئی انسان بلکہ انسانوں کی جماعت بھی قانون سازی نہیں کرسکتی۔

۶......حق کو غالب کرنے اور باطل کو شکست دینے کے لیے بحث اور مناظرہ جائز ہے۔

۷......سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ کی طرف کسی بات کی جھوٹی نسبت کرے۔

حرام کھانے

﴿۱۴۵......۱۴۷﴾

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً

تو کہہ دے کہ میں نہیں پاتا اُس وحی میں کہ مجھ کو پہنچی ہے کسی چیز کو حرام کھانے والے پر جو اُس کو کھاوے مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو

اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ

یا بہتا ہوا خون یا گوشت سُور کا کہ وہ ناپاک ہے یا ناجائز ذبیحہ جس پر نام پکارا جاوے اللہ کے سوا کسی اور کا

فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى الَّذِیْنَ هَادُوْا

پھر جو کوئی بھوک سے بے اختیار ہو جاوے نہ نافرمانی کرے اور نہ زیادتی کرے تو تیرا رب بڑا معاف کرنیوالا ہے نہایت مہربان اور یہود پر

حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتْ

ہم نے حرام کیا تھا ہر ایک ناخن والا جانور اور گائے اور بکری میں سے حرام کی تھی ان کی چربی مگر جو لگی ہو پشت پر

ظُهُوْرُهُمَاۤ اَوِ الْحَوَایَاۤ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِبَغْیِهِمْ ۫ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

یا انتڑیوں پر یا جو چربی کہ ملی ہو ہڈی کے ساتھ یہ ہم نے اُن کو سزا دی تھی اُن کی شرارت پر اور ہم سچ کہتے ہیں

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۴۷﴾

پھر اگر تجھ کو جھٹلاویں تو کہہ دے کہ تمہارے رب کی رحمت میں بڑی وسعت ہے اور نہیں ٹلے گا اُس کا عذاب گنہگار لوگوں سے

تسہیل: اے نبی! آپ ان سے فرمادیجیے کہ میرے پاس جو وحی آئی ہے اس میں، میں ایسا کوئی حکم نہیں پاتا جو

تمہاری بتائی ہوئی چیزوں کو کھانے والے کے لیے حرام قرار دیتا ہو الا یہ کہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے، یا ایسا جانور ہو جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے جانے کی وجہ سے شرک کا ذریعہ ہو لیکن جو شخص سخت مجبوری کی حالت میں ان میں سے کوئی چیز کھالے بشرطیکہ نہ تو لذت کا حصول اس کے پیشِ نظر ہو اور نہ ہی وہ قدرِ ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو تو اسے گناہ نہیں ہوگا کیونکہ تمہارا رب بڑا غفور رحیم ہے O یہودیت اختیار کرنے والوں پر ہم نے ناخن والے تمام جانور حرام کر دیے تھے اور گائے اور بکری کی چربی بھی ان پر حرام کر دی تھی، بجز اس چربی کے جو ان کی پیٹھ یا آنتوں یا ہڈیوں سے لگی ہوئی ہو، ہم نے ان کی سرکشی کی وجہ سے انہیں یہ سزا دی تھی اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں سچ کہہ رہے ہیں O صداقت پر مبنی ان حقائق کے باوجود اگر مخالفین آپ کو جھوٹا قرار دیں تو آپ فرما دیجیے کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے لیکن اس کے باوجود مجرم اس کے عذاب سے نہیں بچ سکیں گے O

﴿تفسیر﴾

﴿۱۴۵﴾ اس آیت کریمہ کا اصل ہدف ان لوگوں کی تردید ہے جو از خود بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دے دیتے تھے، انہیں بتایا جا رہا ہے کہ یہ تمہارا منصب اور مقام نہیں ہے، بلکہ یہ اختیار کسی بھی انسان کو حاصل نہیں ہے، حلال اور حرام کے احکام صرف وحی کے ذریعے معلوم ہو سکتے ہیں اور مجھ پر جو وحی نازل ہوئی ہے اس میں ان چیزوں (بحیرہ، سائبہ وصیلہ اور حام وغیرہ) کی حرمت کا کوئی ذکر نہیں جنہیں تم حرام ٹھہراتے ہو اور دیدہ دلیری یہ کہ اپنی خواہشات اور افترا پردازیوں کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہو، میرے اوپر اللہ نے جو کتاب نازل کی ہے اس میں صرف چار چیزوں کی حرمت کا ذکر ہے یعنی مرادر، بہنے والا خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جو ''فسق'' ہو یعنی جسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، کیونکہ ان کے کھانے میں مادی اور معنوی، جسمانی اور روحانی ہر طرح کے نقصانات ہیں، جو نہ صرف روح اور عقیدہ پر اثر انداز ہوتے ہیں بلکہ جسم اور جان کو بھی مختلف امراض سے دوچار کر دیتے ہیں۔

اس آیتِ کریمہ میں جو حصر ہے وہ مطلق اور عام نہیں ہے بلکہ ''حصر نسبی'' ہے، حصرِ نسبی کا مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں کو مشرکین حرام کہتے تھے ان کے مقابلے میں جو واقعی حرام چیزیں تھیں ان میں سے چند ایک کو بیان کیا گیا ہے، اگر حصرِ عام ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ان چار چیزوں کے علاوہ کوئی چیز بھی شریعت میں حرام نہیں، ظاہر ہے آیتِ کریمہ کا یہ مفہوم کسی کے نزدیک بھی معتبر نہیں، دوسری آیات اور متعدد احادیث سے ان چار چیزوں کے علاوہ بھی بہت

ساری چیزوں کی حرمت ثابت ہوتی ہے، بالخصوص درجِ ذیل آیت کریمہ جو حرام اشیاء کے سلسلہ میں ایک قاعدہ کلیہ پر مشتمل ہے، سورہ اعراف میں ہے "ویحل لھم الطیبت وحرم علیھم الخبائث" (اور اللہ ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے اور گندی چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے) اس آیت کریمہ کے عموم میں وہ تمام چیزیں آجاتی ہیں جن سے انسانی طبیعت نفرت کرتی ہے، ایسی اشیاء جن سے سلیم الفطرت انسان نفرت کرتا ہے بہت ساری ہیں، ان میں سے چند ایک خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں اور بعض کے لیے کوئی اصول اور ضابطہ مقرر فرمادیا ہے، مثلاً بخاری اور مسلم میں حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے جو روایت ہے اس میں آپ نے ہر کچلیوں والے جانور سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت ہے اس میں ہر پنجوں سے شکار کرنے والے جانور کے کھانے سے منع فرمایا ہے، علاوہ ازیں خیبر میں آپ نے پالتو گدھوں کے کھانے سے منع فرمایا تھا (اس آیت کریم میں جو مضمون بیان ہوا ہے وہی مضمون سورۃ البقرہ/۱۷۳ اور سورۃ الانعام/۳ میں بھی بیان ہو چکا ہے، مزید تفصیل کے لیے وہیں دیکھ لیا جائے)۔

﴿۱۴۶﴾ یہودیوں پر وہ تمام جانور حرام کر دیئے گئے تھے جن کے ناخن تھے یعنی وہ تمام جانور جن کے پاؤں پھاڑے ہوئے نہیں ہیں مثلاً اونٹ، شتر مرغ، گھوڑا، گدھا اور خچر وغیرہ، وہ پرندے بھی "ذی ظفر" میں آجائیں گے جن کے پنجے ہوتے ہیں جیسے چیل، گدھ، باز اور شکرا وغیرہ۔{۱۳۸}

یونہی گائے اور بکری کے جسم کی وہ زائد چربی جو سہولت کے ساتھ جدا ہو سکتی ہو، وہ بھی ان پر حرام تھی البتہ پیٹھ یا آنتوں اور ہڈیوں کے ساتھ لگی ہوئی چربی ان پر حلال تھی۔

مذکورہ چیزوں کی حرمت دائمی نہیں تھی اور نہ ہی یہود کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے خود اپنے اوپر یہ چیزیں حرام کر لی تھیں اور یہ لوگ گویا ان کی محبت اور اتباع کی وجہ سے ان چیزوں کو اپنے اوپر حرام کیے ہوئے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ چیزیں حضرت یعقوب علیہ السلام پر حلال تھیں اور شریعتِ یہود کو قبول کرنے والوں پر یہ چیزیں ان کی سرکشی کی سزا کے طور پر حرام کی گئی تھیں۔ یہود پر حرام شدہ چیزوں کی اصل حقیقت بتانے کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان کہ "ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں سچ کہہ رہے ہیں" قرآن کی صداقت کو پرکھنے کا ایک معیار ہے کیونکہ ایک طرف یہود کا دعویٰ تھا تو دوسری طرف قرآن کا اظہارِ حقیقت، جب بھی تاریخ وتحقیق کی میزان میں دونوں کا موازنہ کیا

{۱۳۸} قال مجاھد وقتادۃ ذی ظفر مالیس بمنفرج الاصابع من البھائم والطیر مثل الابل والنعام (قرطبی ۱۱۲/۷)

جائے گا انشاء اللہ قرآن ہی کی صداقت ثابت ہوگی۔

﴿۱۴۷﴾ اس آیتِ کریمہ میں ترغیب بھی ہے اور ترہیب بھی، اُمید کی شمع بھی روشن کی گئی ہے اور عذاب سے ڈرایا بھی گیا ہے، اللہ کی رحمت کا دامن اتنا وسیع ہے کہ فرمانبردار مومن تو اس میں چھپ ہی جاتے ہیں، مجرم بھی یکسر محروم نہیں رہتے، یہ اس کی رحمت ہی تو ہے کہ وہ فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ ڈھیل پر ڈھیل دیتا چلا جاتا ہے جس کی وجہ سے بے شمار لوگوں کو توبہ کی توفیق مل جاتی ہے...... قرآن کریم میں خوف اور اُمید دونوں مضمون ساتھ ساتھ اس لیے چلتے ہیں کیونکہ انسان کو راہِ راست پر رکھنے کے لیے دونوں باتیں ضروری ہیں۔

حکمت وہدایت

۱...... یہاں صرف ان لوگوں کی تردید مقصود ہے جنہوں نے ازخود بعض جانوروں کو حرام قرار دے لیا تھا لہٰذا وہ حضرات جو جمہور علماء کے مذہب کے برعکس، آیت میں مذکور چار چیزوں کے علاوہ دوسری چیزوں کو حلال کہتے ہیں، ان کا اس آیت سے استدلال قطعاً غلط ہے۔

۲...... بعض اوقات گناہوں کی وجہ سے بھی کسی قوم یا فرد کو اللہ کی نعمتوں سے محروم کر دیا جاتا ہے [۱۳۹] (۱۴۶)

۳...... اللہ تعالیٰ کا مجرموں کو مہلت دیتے چلے جانا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ انہیں سزا نہیں دے گا کیونکہ مجرموں سے اللہ کا عذاب دائمی طور پر نہیں ٹل سکتا۔

مشرکین کی غلط بیانی

﴿۱۴۸...... ۱۵۰﴾

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ

اب کہیں گے مشرک اگر اللہ چاہتا تو شرک نہ کرتے ہم اور نہ ہمارے باپ دادے اور نہ ہم حرام کر لیتے کوئی چیز

كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ

اسی طرح جھٹلا یا کئے اُن سے اگلے یہاں تک کہ انہوں نے چکھا ہمارا عذاب، تو کہہ کچھ علم بھی ہے تمہارے پاس کہ

فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿١٤٨﴾ قُلْ فَلِلَّهِ

اُس کو ہمارے آگے ظاہر کرو تم تو نری اٹکل پر چلتے ہو اور صرف تخمینے ہی کرتے ہو تو کہہ دے بس اللہ کا

{۱۳۹} وفی هذا دليل على بأن التحريم انما يكون بذنب لانه ضيق فلايعدل عن السعة اليه إلّا عندالمؤاخذة (قرطبی ۷/۱۱٤)

الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٤٩﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمُ الَّذِينَ

الزام پورا ہے سو اگر وہ چاہتا تو ہدایت کر دیتا ف تم سب کو تو کہہ کر لاؤ اپنے گواہ جو گواہی دیں

يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَٰذَا ۖ فَإِن شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ

اس بات کی کہ اللہ نے حرام کیا ہے ان چیزوں کو پھر اگر وہ ایسی گواہی دیں بھی تو تو نہ اعتبار کر ان کا اور نہ چل ان کی خوشی پر

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُم بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ﴿١٥٠﴾

جنہوں نے جھٹلایا ہمارے حکموں کو اور جو یقین نہیں کرتے آخرت کا اور وہ اپنے رب کے برابر کرتے ہیں اوروں کو

تسہیل: جولوگ شرک کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا شرک کرتے اور نہ ہی ہم کسی چیز کو حرام کر سکتے، اسی طرح کی باتیں کر کے ان لوگوں نے بھی انبیاء کو جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا، آپ فرما دیجیے کہ کیا تمہارے پاس اپنے دعووں پر کوئی دلیل ہے تو اسے ہمارے سامنے بیان کرو، تم تو صرف خیالی باتوں کی پیروی کرتے ہو اور محض اٹکل سے کام لیتے ہو O آپ فرما دیجیے کہ حقیقی محبت اور دلیل تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے، اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا O آپ فرما دیجیے لاؤ اپنے وہ گواہ جو اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے، اگر بالفرض اس جھوٹی گواہی کے لیے کچھ لوگ تیار ہو بھی جائیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دینا اور ایسے لوگوں کی خواہشات کا ساتھ نہ دینا جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جو دوسروں کو اپنے رب کا ہمسر ٹھہراتے ہیں O

﴿تفسیر﴾

﴿۱۴۸﴾ بیمار ذہنوں کا ہمیشہ سے یہ وتیرہ رہا ہے کہ وہ اپنی بے عملی اور بد عملی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں، ان کا کہنا یہ تھا کہ ہمارا اور ہمارے آباء کا شرک کرنا اور مویشیوں اور غلّے کو حرام کہنا اللہ کی مشیت سے ہے، اگر اللہ کی مشیت نہ ہوتی تو وہ ہمیں ایسا کرنے سے روک دیتا[۱۴۰] قرآن کہتا ہے کہ یہ لوگ ویسے ہی جھوٹ بول رہے ہیں جیسے ان لوگوں نے جھوٹ بولا جو ان سے پہلے ہو چکے ہیں، وہ بھی اپنے کفر و شرک اور من مانیوں پر یہی دلیل پیش کرتے تھے کہ اگر ہم غلطی پر ہیں تو ہم پر اللہ کا عذاب کیوں نہیں نازل ہوتا پھر ایسا ہوا کہ جس عذاب کے لیے وہ جلدی

{۱۴۰} حکی عنهم عذرهم فی کل مایقدمون علیه من الکفریات، فیقولون: لو شاء الله منا ان لانکفر لمنعنا عن هذا الکفر وحیث لم یمنعنا عنه، ثبت أنه مرید لذلك (کبیر ۵/۱۷۳)

مچایا کرتے تھے اس کا مزہ انہوں نے چکھ لیا، یہ جو نئے مکذّبین ہیں یہ بھی اپنے جھوٹ کا مزہ چکھ کر رہیں گے، باقی ان کا یہ کہنا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے، سوائے کٹ حجتی اور جہالت کے کچھ نہیں کیونکہ اللہ کی مشیت ایک مخفی چیز ہے اس کی حقیقت تک پہنچنا انسان کے بس میں نہیں، انسان کو اس بات کا مکلّف نہیں کیا گیا کہ وہ تقدیر کے فیصلوں اور اللہ کی مشیت کو جانے، اس کی ذمہ داری تو بس یہ ہے کہ وہ اوامر اور منہیات کا علم حاصل کرے، اور ان کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرے، ویسے بھی تکوینی مشیت اور رضاءِ الٰہی آپس میں لازم وملزوم نہیں ہیں، اس کارخانہء عالم میں قتل وغارت گری، فسق وفجور اور چوری ڈکیتی جو کچھ بھی ہو رہا ہے یہ قانونِ مشیت کے مطابق ہو رہا ہے یعنی اس اختیار کی بناء پر ہو رہا ہے جو اللہ نے انسان کو دے رکھا ہے، اگر وہ انسان سے اختیار کو سلب کرلے تو انسان ان اعمالِ بد میں سے کوئی عمل بھی نہیں کر سکتا لیکن وہ اختیار کو سلب نہیں کرتا جس کی وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کی مشیت یہی ہے مگر اس کی رضا یہ نہیں ہے، رضائے الٰہی اور شریعت کا تقاضا تو یہی ہے کہ انسان برائی سے بچے، جو شخص خودکشی کرنا چاہے گا، قانونِ مشیت اس کا ہاتھ نہیں پکڑے گا البتہ شریعت کی نظر میں یہ گناہِ کبیرہ ہے اور آخرت میں اس پر باز پرس ضرور ہوگی۔{۱۴۱}

”قل هل عندكم من علم“ اللہ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ آپ ان سے ان کے مزعومات اور دعووں پر دلیل کا مطالبہ کریں اور جب یہ دلیل پیش نہ کر سکیں تو آپ ان سے کہہ دیجیے کہ تم محض وہم اور خیال کی پیروی کر رہے ہو، تمہارے پاس کوئی علمی دلیل نہیں ہے۔

﴿۱۵۰﴾ انہیں یہ بھی بتا دیجیے کہ تمہارے پاس اوّل تو کوئی دلیل ہے نہیں اور اگر ہے بھی تو اس میں جان نہیں، نہ دل مطمئن ہوتا ہے، نہ حقائق اس کی تائید کرتے ہیں ایسے دلائل جو کامل بھی ہوں اور عقل ونقل کی میزان میں بھی بھاری ثابت ہوں وہ صرف اللہ کے بیان کردہ دلائل ہیں، اگر تم ان دلائل میں غور وفکر کرو تو تمہیں ہدایت مل سکتی ہے اور یہی ہدایت تک پہنچنے کا فطری طریقہ ہے، کسی کو قبولِ ہدایت پر مجبور کرنا اللہ کا دستور نہیں ہے، اگر وہ یہ طریقہ اختیار کرتا تو کوئی انسان بھی ہدایت سے محروم نہ رہتا، ایسی صورت میں انسان اس اجر وثواب سے محروم رہتا جس کا وعدہ ایمانِ اختیاری پر کیا گیا ہے۔{۱۴۲}

{۱۴۱} وحاصل ردتلك الشبهة ان تقول لايلزم من المشية الرضا بل يشاء القبيح ولا يرضاه ويشاء الحسن ويرضاه فكل شئى بمشيته تعالى(حاشيه جلالين بحواله صاوى/۱۲۷)

{۱۴۲} انه قدشاء منهم الايمان اختيارا ولوشاء الله الايمان منهم قسرالكان عليه قادرا ولكنهم كانوا لايستحقون به الثواب والمدح (جصاص)

﴿۱۵۱﴾ اللہ اپنے پیغمبر سے فرمار ہے ہیں کہ آپ ان مشرکین سے مطالبہ کیجیے کہ تم اپنے اس دعوی پر گواہ پیش کرو کہ اللہ نے فلاں فلاں چیز کو حرام کیا ہے، ظاہر ہے ان کے پاس کوئی گواہ نہیں تھا، لیکن ممکن تھا کہ کچھ لوگ جھوٹی گواہی کے لیے آمادہ ہو جاتے اس لیے فرمایا گیا کہ اگر بالفرض کہیں سے یہ کوئی جھوٹا گواہ، کوئی غلط سلط تاریخی روایت اور کوئی سنی سنائی بات لے ہی آئیں تو آپ ان کی ہرگز تصدیق نہ کرنا کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو،

۱۔ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں، کتنی ہی آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قانون سازی کا اختیار صرف اللہ کو ہے، حاکمیت صرف اسی کی شان ہے، کسی چیز کو حلال یا حرام صرف وہی کرسکتا ہے لیکن یہ بدبخت ان آیات کو جھٹلاتے ہوئے اللہ کے اختیارات غیروں میں تقسیم کرتے پھرتے ہیں۔

۲۔ یہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اگر انہیں آخرت کا اور اپنے رب سے ملنے کا یقین ہوتا تو اس کی حاکمیت اور اختیار پر ہاتھ صاف کرنے کی ہرگز کوشش نہ کرتے۔

۳۔ یہ دوسروں کو اپنے رب کا ہمسر بناتے ہیں، یہ ویسے ہی مشرک ہیں جیسے بت پرست ہوتے ہیں، اہلِ توحید نہ عبادت میں کسی کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں نہ اطاعت اور حاکمیت میں، وہ ایسا کوئی حق غیر اللہ کو دینے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے جو حق اللہ کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔

حکمت و ہدایت

۱...... قضا اور قدر کی آڑ میں اپنی بے عملی اور بدعملی کو جائز بلکہ مشیتِ الٰہیہ ثابت کرنا، مشرکین کی عادت ہے۔ مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہیے (۱۴۸)

۲......تکوینی اور تشریعی مشیت میں بہت فرق ہے، تکوینی مشیت کے اعتبار سے اللہ نے گناہ بھی پیدا کیے ہیں اور گناہ کے اسباب بھی، لیکن تشریعی مشیت کے اعتبار سے اس نے گناہوں سے دور رہنے کا حکم دیا ہے، تکوینی نظام کے اعتبار سے مقتول اپنی مقررہ زندگی گزار کر مرتا ہے جبکہ شریعت کی نظر میں اس کا قاتل بہت بڑا مجرم ہے اور اسے قصاص میں قتل کیا جائے گا، خالق کی حیثیت سے بیماری اللہ نے پیدا کی ہے جبکہ حاکم کی حیثیت سے علاج کرنے کا بھی اسی نے حکم دیا ہے۔

۳......مشیت اور رضا دو الگ الگ چیزیں ہیں، اس کائنات رنگ و بو میں جو کچھ ہو رہا ہے اللہ کی مشیت کے مطابق ہو رہا ہے لیکن سب کچھ اس کی رضا کے مطابق نہیں ہو رہا۔ (۱۴۸)

۴......وہی دلیل معتبر ہوگی جس کی بنیاد علمِ صحیح پر ہوگی، ورنہ فضول بحث کرنے والے تو اپنی گپ شپ کو بھی دلیل کا نام دے دیتے ہیں۔

۵......حقائق اور مفروضات کی دنیا الگ الگ ہے، مسلمان، حقائق کا ساتھ دیتا ہے، مفروضات اور خیالی باتوں کے پیچھے پڑ کر اپنا وقت ضائع نہیں کرتا۔(۱۴۸) آہ! کیسے کہا جائے کہ فہمِ قرآن سے عاری مسلمانوں نے مفروضات کو مسلّمات اور خیالی باتوں اور خوابوں کو حقائق کا درجہ دے کر امّت کو کس قدر نقصان اور اغیار کو کتنا فائدہ پہنچایا ہے۔

۶......اللہ تعالیٰ، قدرت کے باوجود کسی کو ہدایت پر مجبور نہیں کرتا ورنہ ابتلاء کی حکمت فوت ہو جاتی۔(۱۴۹)

۷......جھوٹی اور باطل گواہی کا کسی صورت بھی ساتھ نہیں دینا چاہیے۔(۱۵۰)

دس وصیتیں

﴿۱۵۱......۱۵۳﴾

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ

تو کہہ تم آؤ میں سُنادوں جو حرام کیا ہے تم پر تمہارے رب نے کہ شریک نہ کرو اس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ

اور مار نہ ڈالو اپنی اولاد کو مفلسی سے ہم رزق دیتے ہیں تم کو اور اُن کو اور پاس نہ جاؤ بے حیائی کے کام کے

مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ

جو ظاہر ہو اس میں سے اور جو پوشیدہ ہو اور مار نہ ڈالو اس جان کو جس کو حرام کیا ہے اللہ نے مگر حق پر تم کو یہ حکم کیا ہے

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا

تاکہ تم سمجھو اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طرح سے کہ بہتر ہو یہاں تک کہ پہنچ جائے اپنی جوانی کو اور

الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا

پورا کرو ناپ اور تول کو انصاف سے ہم کسی کے ذمہ وہی چیز لازم کرتے جس کی اسکو طاقت ہو اور جب بات کہو تو حق کی کہو

وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

اگرچہ وہ اپنا قریب ہی ہو اور اللہ کا عہد پورا کرو تم کو یہ حکم کر دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

اور حکم کیا کہ یہ راہ ہے میری سیدھی سو اس پر چلو اور مت چلو اور رستوں پر کہ وہ تم کو جدا کر دیں گے اللہ کے راستہ سے یہ حکم کر دیا ہے تم کو تاکہ تم بچتے رہو

ربط: ان چیزوں کے حوالے سے مشرکین کی تردید کے بعد جنہیں وہ کسی علمی سند کے بغیر اپنے اوپر حرام کیے ہوئے تھے اب ایسی چیزوں کو بیان کیا جارہا ہے جو واقعی حرام تھیں لیکن مشرکین ان سے اجتناب نہیں کرتے تھے، گویا یہ ایک عجیب تضاد تھا جو ان کی زندگیوں میں پایا جاتا تھا، جن گناہوں کو اللہ نے حرام کیا تھا ان میں تو وہ سر سے پاؤں تک ڈوبے ہوئے تھے اور جن چیزوں کی حرمت پر ان کے پاس کوئی آسمانی اور علمی دلیل نہیں تھی ان سے بچنے کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔

تسھیل: آپ فرما دیجیے آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں، یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کی وجہ سے مت قتل کیا کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی، اور بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ علانیہ ہو یا پوشیدہ ہو، اور جس جان کو اللہ نے حرمت بخشی ہے اسے شریعت کی اجازت کے بغیر قتل نہ کرو، اللہ تمہیں ان سب باتوں کا تاکیدی حکم دیتا ہے تا کہ تم عقلمند بن جاؤ○ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو اس کے حق میں بہتر ہو، یہاں تک کہ وہ عقل و فہم کے اعتبار سے کامل ہو جائے، اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کیا کرو، ہم کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے، اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو اگرچہ تمہارے کسی رشتہ دار ہی کا معاملہ کیوں نہ ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو، اللہ تمہیں ان باتوں کی تلقین کرتا ہے تا کہ تم نصیحت قبول کرو○ اور آپ انہیں یہ بتا دیجیے کہ یہ میرا راستہ ہے جو کہ بالکل سیدھا ہے لہٰذا تم اسی پر چلو، اور دوسرے راستوں پر مت چلو ورنہ تم اللہ کے راستے سے الگ تھلگ ہو جاؤ گے، اللہ تمہیں بار بار سمجھاتا ہے تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ○

تفسیر

مذکورہ بالا آیات کی اہمیت اور فضیلت کے بارے میں متعدد احادیث اہلِ علم نے نقل فرمائی ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا وصیت نامہ دیکھنا چاہتا ہو

جس پر آپ کی مہر لگی ہوئی ہو تو وہ ان آیات کو پڑھ لے۔{۱۴۳}

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو خطاب کر کے فرمایا ''کون ہے جو مجھ سے تین آیتوں پر بیعت کرے'' پھر یہی تین آیتیں تلاوت فرما کر ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص اس بیعت کو پورا کرے گا اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو گیا اور جو شخص ان میں کچھ کوتاہی کرے گا، اگر اس پر اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں گرفت فرمالی تو یہی اس کی سزا ہوگی اور جسے آخرت تک مہلت دے دی گئی اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، چاہے تو اسے سزا دے اور چاہے تو معاف فرما دے۔{۱۴۴}

ان آیات کے بارے میں یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ ان کے مضمون پر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کی شریعتوں کا اتفاق رہا ہے اور ان میں سے کوئی حکم بھی کسی شریعت میں منسوخ نہیں ہوا۔{۱۴۵}

مذکورہ بالا آیات کی جامعیت کو دیکھتے ہوئے اس دعوٰی کی صداقت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا، ان آیات میں جو دس وصیتیں مذکور ہیں ان میں سے پانچ کا حکم دیا گیا ہے اور پانچ سے منع کیا گیا ہے لیکن ماقبل کے مضمون سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے سب کو ''حرام'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ گذشتہ آیات میں ان لوگوں کی تردید کی جارہی تھی جو از خود بعض چیزوں کو حرام ٹھہرا لیتے ہیں۔

۱۔ ان وصیتوں کی ابتداء اس عظیم ترین گناہ سے ممانعت کے ساتھ ہوتی ہے جس سے زیادہ خطرناک گناہ کوئی نہیں، حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز اور شخصیت کو شریک نہ ٹھہراؤ خواہ وہ چیز جسامت اور نفع رسانی کے اعتبار سے کتنی بڑی کیوں نہ ہو جیسے سورج، چاند اور ستارے، یا وہ شخصیت کتنے ہی بلند مرتبے پر فائز کیوں نہ ہو جیسے فرشتے، انبیاء، شہداء اور اولیاءِ اسلام کی بنیاد توحید پر قائم ہے اور شرک اس بنیاد کو کھوکھلا کرنے کا اہم سبب ہے، اس لیے شرک کی ہر شکل و صورت حرام ہے، اللہ کے ہر نبی نے اپنے جہاد کا آغاز شرک کی تردید اور توحید کی دعوت سے کیا۔

۲۔ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو...... قرآن کریم میں اکثر ایسے ہوا ہے کہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دینے سے پہلے اللہ کی عبادت اور توحید کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ انسان کا حقیقی خالق اور رازق تو اللہ ہے مگر بظاہر ہر

{۱۴۳} ابن کثیر ۲/۲۰۲

{۱۴۴} ابن کثیر ۲/۲۰۲

{۱۴۵} وقال ابن عباس رضی اللہ عنه هذه الآيات المحكمات التى ذكرها الله فى سورة آل عمران رجعت عليها شرائع الخلق ولم تنسخ قط فى ملة (قرطبی ۷/۱۱۷)

بچے کی تربیت اور کفالت اس کے والدین کرتے ہیں، اسی لیے باری تعالیٰ نے اپنا شکر ادا کرنے کے ساتھ والدین کا شکر ادا کرنے کا بھی حکم دیا ہے سورہ لقمان میں ہے ''ان اشکرلی ولوالدیک الی المصیر '' (میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کر، بالآخر میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔)

والدین کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ، بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی کی اس روایت سے کیا جاسکتا ہے جس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا وقت پر نماز ادا کرنا، میں نے عرض کیا پھر کونسا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا، والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، میں نے عرض کیا اس کے بعد کونسا؟ فرمایا اللہ کی رضا کے لیے جہاد کرنا[۱۴۶] اس حدیث میں اللہ کے نبی نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کو جہاد پر بھی مقدم کیا ہے، کیونکہ اولاد پر والدین کا حق ساری مخلوق کے حقوق سے بڑا حق ہے، جو شخص اس حق کو ضائع کرتا ہے اس سے کسی دوسرے انسان کے ساتھ خیر کی توقع نہیں کی جاسکتی، اس کا یہ طرزِ عمل اس کی فطرت کی خرابی اور فساد کی نشاندہی کرتا ہے، والدین کے حقوق کی اہمیت پر جب بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے تو بعض لوگ سادگی یا جہالت کی وجہ سے یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ انہیں اولاد کے ساتھ ہر ظلم اور زیادتی کا اختیار ہے اور اولاد خصوصاً بیٹیوں کا کوئی حق ہی نہیں چنانچہ بعض پسماندہ سوسائٹیوں میں ان کے ساتھ لونڈیوں بلکہ بھیڑ بکریوں جیسا سلوک کیا جاتا ہے جسے کسی صورت بھی جائز نہیں کہا جاسکتا، اسلام نے ایک طرف اولاد کو خدمت اور اطاعت کا حکم دیا ہے تو دوسری طرف والدین کو محبت اور شفقت کی تلقین کی ہے، خدمت اور محبت کے اجتماع ہی سے گھر میں سکون ہوگا اگر ان میں سے ایک کا فقدان ہوا تو سچی راحت اور اطمینان نصیب نہیں ہوگا۔

۳۔اور اپنی اولاد کو فقر وفاقہ کی وجہ سے مت قتل کیا کرو...... کیونکہ تمہیں بھی اللہ رزق دیتا ہے اور انہیں بھی اللہ ہی دیتا ہے، سورۂ اسراء میں بھی یہی حکم ہے لیکن دونوں میں دو فرق ہیں، پہلا یہ کہ یہاں فقر کا ذکر ہے اور وہاں اندیشۂ فقر کا، دوسرا یہ کہ یہاں اولاد کا ذکر بعد میں ہے اور وہاں پہلے ہے، دونوں آیتوں کو ملانے سے مفہوم یہ بنا کہ نہ تو اس فقر کی وجہ سے اولاد کو قتل کرو جو فی الحال پایا جاتا ہے اور نہ اس فقر کی وجہ سے جس کا تمہیں مستقبل میں اندیشہ ہے، پہلی آیت میں چونکہ چھوٹی اولاد کا بیان ہے اس لیے ان کا ذکر والدین کے بعد کیا ہے کیونکہ چھوٹی اولاد معاشی ضروریات میں والدین کے تابع ہوتی ہے، دوسری آیت میں اولاد کا ذکر والدین سے پہلے ہے کیونکہ اس میں فقر کا تعلق مستقبل سے ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ والدین غربت کی زندگی گزارتے ہیں جبکہ اولاد کو اللہ تعالیٰ ایسا ذریعۂ معاش عطا فرما

{۱۴۶} بخاری، مواقیت الصلوۃ باب ۵/ ...... مسلم کتاب الایمان/ ترمذی کتاب الصلوۃ/...... نسائی باب المواقیت

دیتے ہیں کہ نہ صرف وہ اپنی بلکہ اپنے والدین کی ضروریات بھی پوری کرنے کے قابل ہوجاتے ہیں۔{۱۴۷}

۴۔اور بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ علانیہ ہو یا پوشیدہ ہو۔۔۔۔۔۔"فواحش" (فاحشہ) کی جمع ہے اور "فاحشہ" کے معنی میں بڑی وسعت پائی جاتی ہے۔ ہر وہ عمل اور حرکت جس کی قباحت شرعی اور عقلی اعتبار سے بالکل واضح ہو اسے "فاحشہ" کہا جاتا ہے "بے حجابی، لباس میں بے ستری وغیرہ کی تمام خفی صورتیں، خواہ پبلک میں ہوں یا پرائیویٹ میں، یکساں حرام قرار پاگئیں، چہرہ پر پاؤڈر، لپ اسٹک وغیرہ لگا کر، بن سنور کر، نیم برہنہ لباس پہن کر، خوشبوئیں لگا کر، عورتوں کا آزادی کے ساتھ بے تکلف باہر نکلنا، مردوں کے مجمع میں بے تکلف چلنا پھرنا، ہنسنا بولنا، سینما اور تھیٹر میں شہوانی نظاروں سے لطف اندوز ہونا، آرٹ گیلری میں برہنہ تصویریں دیکھنا، غرض تہذیب جدید کے سارے جاہلی عنصر اس آیت کی رو سے حرام ٹھہر جاتے ہیں، اخلاق کی پاکیزگی اور پاکیزہ خیالی جو فرد و جماعت دونوں کی حقیقی ترقی کا پہلا زینہ ہے اس کی جو نظیر شریعت اسلام نے قائم کردی ہے وہ کہیں تلاش سے بھی نہ ملے گی"{۱۴۸}

چونکہ اسلام ایک پاکیزہ معاشرہ کو پروان چڑھانا چاہتا ہے اس لیے اسلام نے صرف زنا کو حرام نہیں ٹھہرایا بلکہ زنا کے مقدمات اور لوازم کو بھی حرام ٹھہرایا ہے اسی لیے یہ حکم نہیں دیا کہ زنا مت کرو بلکہ حکم یہ دیا گیا ہے کہ زنا کے قریب بھی نہ جاؤ تاکہ برائی میں مبتلا ہونے کے ذرائع بند ہوجائیں اور انسان سفلی جذبات کو بھڑکانے والے تمام ذرائع سے بچا رہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ذرائع اور جذبات اس کی قوتِ ارادی کو مغلوب کرلیں اور وہ بچنے کی خواہش کے باوجود بچ نہ سکے "فواحش" کے لفظ میں ہر قسم کی بے حیائی کو شامل کرنے کے لیے "ماظھر منھا وما بطن" کے الفاظ لائے گئے، جن کی وجہ سے وہ سارے افعال اس میں شامل ہوگئے جن میں بے حیائی کا کوئی بھی پہلو پایا جاتا ہے خواہ وہ خفیہ ہوں یا علانیہ، ان کا تعلق دل سے ہو یا اعضاء سے۔

۵۔اور جس جان کو اللہ نے حرمت بخشی ہے اسے شریعت کی اجازت کے بغیر قتل نہ کرو۔۔۔۔۔۔"قرآن کریم میں ان تین منکرات کا ذکر بارہا ایک جگہ آیا ہے۔یعنی شرک، زنا اور قتلِ نفس، اس لئے کہ یہ تمام جرائم دراصل قتل کے جرائم ہیں، پہلا جرم شرک دراصل فطرت کا قتل ہے، دوسرا جرم معاشرے کا قتل ہے اور تیسرا جرم نفسِ انسانی کا قتل ہے، اس لئے کہ جو فطرت توحید پر قائم نہیں ہے وہ دراصل مردہ فطرت ہے اور جس سوسائٹی میں فحاشی پھیل گئی ہے وہ سوسائٹی بھی مردہ سوسائٹی ہے اور اس نے آخرکار ہلاک و برباد ہونا ہے، یونانی تہذیب، رومی تہذیب اور فارسی تہذیب کی تباہی

{۱۴۷} المنار ۱۰۷/۸ نوٹ: اس تقدیم وتاخیر میں ایک اور نکتہ بھی ہے جو تسہیل البیان جلد اول/ میں بیان ہو چکا ہے۔

{۱۴۸} تفسیر ماجدی ۱۲۱/۲

اسی بیماری یعنی فحاشی کی بیماری کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئی، یہ تاریخی تباہیاں بتاتی ہیں کہ کسی تہذیب کی بربادی اور ہلاکت کی پہلی علامت فحاشی ہوتی ہے، آج مغربی تہذیب کے اندر جس تیزی سے فحاشی پھیلی ہے، ماہرین اب انتظار کررہے ہیں کہ کب اس پر ہمہ گیر تباہی آتی ہے، اسی طرح وہ معاشرہ جس میں امن وامان نہ ہو وہ بھی لازماً اپنے انجام تک پہنچتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ان جرائم کے لیے سخت سزائیں مقرر کی ہیں کیونکہ اسلام اپنے معاشرے کو ہمہ گیر تباہی سے بچانا چاہتا ہے۔{۱۴۹}

اسلام، جان کے تحفظ کو اس قدر اہمیت دیتا ہے کہ مسلمان تو مسلمان، دارالاسلام میں رہنے والے ذمیوں اور کافروں پر بھی زیادتی کی اجازت نہیں دیتا، البتہ تین صورتوں میں شریعت نے مسلمان کا خون بہانے کی اجازت دی ہے، جن کی تفصیل صحیحین کی اس روایت میں آئی ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کا خون صرف تین میں سے کسی ایک وجہ سے جائز ہے، شادی شدہ اگر زنا کرے، جان کو جان کے بدلے اور وہ شخص جو اپنے دین کو چھوڑے اور جماعت سے الگ ہو جائے''۔{۱۵۰}

''ذلکم وصّٰکم به'' پانچ وصیتیں کرنے کے بعد فرمایا گیا کہ تمہیں ان باتوں کا اس لیے حکم دیا گیا ہے تا کہ تم عقلمند بن جاؤ، حقیقی عقلمند وہی ہے جو رشد وہدایت پر عمل کرتا ہے۔{۱۵۱}

''لعلکم تعقلون'' کا معنی یہ بھی کیا گیا ہے ''تا کہ تم سمجھو'' اور ''تا کہ تم عقل سے کام لو'' اوپر جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان کی قباحت اور فساد بالکل واضح ہے، جو بھی عقل استعمال کرے گا وہ ان کے فساد کا ضرور اعتراف کرے گا اور اس کی عقل ان کے ارتکاب سے اسے ضرور روک دے گی۔{۱۵۲}

۶۔یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ......زمانۂ جاہلیت میں جو افراد اور طبقات ظلم وستم کا خصوصی ہدف تھے ان میں یتیموں کا طبقہ نمایاں تھا اسی لیے قرآن نے یتیموں کے بارے میں بار بار ہدایات دی ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے منصب ختم نبوت کے لیے بھی ایک یتیم ہی کا انتخاب کیا، یہ گویا یتیموں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے والوں کو ایک عملی جواب تھا...... یہاں حکم یہ دیا گیا ہے کہ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ، کسی چیز کے قریب جانے سے ممانعت میں اس چیز

{۱۴۹} فی ظلال القرآن ۱۱۰۱/۲

{۱۵۰} مشکوۃ ۲/

{۱۵۱} ترشدون فإن کمال العقل هو الرشد بیضاوی ۴۶۵/۲

{۱۵۲} ای تستعملون عقولکم التی تعقل نفوسکم وتحبسها عن مباشرة القبائح المذکوره (ابی سعود ۴۶۰/۲)

کے استعمال یا اس میں تصرف کی ممانعت سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے[۱۵۳] کیونکہ اس کے اندران اسباب اور وسائل سے نہی بھی آجاتی ہے جو اس تک پہنچانے کا ذریعہ بنتے ہیں اور ان شبہات سے بھی نہی ہو جاتی ہے جن میں تاویل کا احتمال ہوتا ہے، یتیم کے متولی کو یتیم کے مال میں صرف ایسا تصرف کرنا جائز ہے جس میں یتیم کا فائدہ ہو[۱۵۴]، اس کے مال کو کسی نفع بخش تجارت میں لگائے یا اس کی تعلیم و تربیت پر خرچ کرے جب یتیم سنِ رشد کو پہنچ جائے تو اس کا مال اس کے حوالے کر دے، سنِ رشد اسے کہا جائے گا جب وہ جسمانی اور عقلی اعتبار سے کمال کو پہنچ جائے، سنِ رشد کے بارے میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پچیس سال کی عمر کو پختگی کی عمر قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ پچیس سال کی عمر کو پہنچ جانے کے بعد بہرحال یتیم کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔[۱۵۵]

۷/۸۔اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو...... جاہلیتِ جدیدہ ہو یا جاہلیتِ قدیمہ، معاملات کو عقائد اور عبادات سے الگ رکھا جاتا ہے، اسی تفریق کا نتیجہ ہے کہ ایک شخص عقائد اور عبادات کے اعتبار سے دیندار ہوتا ہے لیکن معاملات کے اعتبار سے وہ بڑا ظالم ہوتا ہے، اس ظلم اور زیادتی کے باوجود وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کی دینداری پر کوئی حرف نہیں آتا اسلام نے تجارتی، معاشرتی اور خانگی معاملات کو بھی دین اور ایمان سے وابستہ کیا ہے، اور بتایا ہے کہ جیسے عقائد و عبادات میں اللہ کے حکموں کی پابندی ضروری ہے یونہی معاملات میں بھی ضروری ہے، چونکہ معاملات میں عموماً اور ناپ تول میں خصوصاً احتیاط کے باوجود کمی بیشی کا اندیشہ رہتا ہے اس لیے فرمایا گیا کہ ''ہم کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے'' اگر پوری کوشش کے باوجود غیر اختیاری طور پر کوئی ایسی زیادتی ہوگئی جسے عرف میں زیادتی شمار نہیں کیا جاتا تو اس پر مواخذہ نہیں ہوگا[۱۵۶] ناپ تول میں کمی ایک ایسی بیماری ہے جس کی وجہ سے برکت اٹھ جاتی ہے اور ایسی قوم کو رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ''جس قوم میں خیانت کا چلن ہو جائے اس کے دل میں رعب ڈال دیا جاتا ہے، جس قوم میں زنا عام ہو جائے اس میں موت کی کثرت ہو جاتی ہے، جو قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگے اسے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے، جو قوم حق سے ہٹ کر فیصلے کرنے لگے اس کے اندر قتل و قتال عام ہو جاتا ہے، جو قوم عہد شکنی کرنے لگے اس پر اللہ دشمن کو مسلط کر دیتا

{۱۵۳} توجیہ النھی الی قربانہ من المبالغۃ فی النھی عن اکلہ (ابی سعود ۲/ ٤٦٠)

{۱۵٤} ای بالفعلۃ التی ھی احسن مایفعل بمالہ کحفظہ وتثمیرہ (بیضاوی ۲/ ٤٦٦)

{۱۵۵} وقد اختلف فی بلوغ الاشد فقال عامر بن ربیعۃ وزید بن اسلم ھو بلوغ الحلم وقال السدی ھو ثلاثون سنۃ وقیل ثمانی عشرۃ سنۃ وجعلہ ابوحنیفۃ خمسا وعشرین سنۃ (جصاص)

{۱۵٦} ومالا یمکن الاحتراز عنہ من تفاوت مابین الکیلین، ولا یدخل تحت قدرۃ البشر فمعفو عنہ (قرطبی ۷/ ۱۲۲)

ہے{۱۵۷} حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا تھا ''اے عجمیوں کی جماعت! دو ایسی چیزیں تمہارے حوالے کی گئی ہیں جن کی وجہ سے تم سے پہلے لوگ ہلاک ہو گئے یعنی ناپ تول{۱۵۸} (میں کمی)'' قرآن نے اہلِ مدین کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جو حقوق العباد کی ادائیگی میں ڈنڈی مارنے اور ناپ تول میں کمی کرنے کی بیماری میں مبتلا تھے اس کے ساتھ ساتھ آج کل کے بعض سطحیت پسند دینداروں کی طرح ان کا بھی خیال تھا کہ عبادت کا معاملات سے کوئی تعلق نہیں، جب انہیں حضرت شعیب علیہ السلام نے تجارت میں من مانی کرنے سے منع کیا تو انہوں نے استہزائیہ انداز میں ان سے سوال کیا ''اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان معبودوں کی عبادت چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے آباء کرتے تھے اور یہ کہ ہم اپنے اموال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرّف نہ کیا کریں''۔

اہلِ مدین نے تو یہ سوال استہزاء کے طور پر کیا تھا لیکن قرآن کی تعلیم یہی ہے کہ نماز اگر واقعی نماز ہو تو وہ انسان کو ہر قسم کی زیادتی، بے حیائی اور برائی سے روک دیتی ہے۔{۱۵۹}

۹۔ اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو...... اسلام عدل کا علمبردار ہے، اسلام زندگی کے ہر شعبے میں عدل کی تلقین کرتا ہے، لیکن بعض مقامات ایسے آتے ہیں جب انسان کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں، ان مقامات میں سے ایک مقام قرابت داری بھی ہے، جب خون کے رشتوں سے واسطہ پڑے اور ان کے خلاف گواہی سچائی اور عدل کا تقاضا ہو تو انسان سو بار سوچتا ہے اور اس کا نفس اسے جھوٹ بولنے کی تلقین کرتا ہے لیکن اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان کو ہر حال میں حق اور انصاف کی بات کہنی چاہیے، کیونکہ انصاف ہی کسی ملک اور حکومت کی بنیاد اور افراد اور جماعتوں کی بقا کا ذریعہ ہے، جس معاشرہ میں اقرباء نوازی آجائے اور تعلقات کی بنیاد پر عدل کا خون کرنے کا رواج چل پڑے وہ معاشرہ زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتا۔

۱۰۔ اور اللہ کے عہد کو پورا کرو...... یوں لگتا ہے کہ ربّ تعالیٰ نے آخری وصیت ایسی فرمائی ہے جو مستقل وصیت بھی ہے اور پہلی نو وصیتوں کو بھی شامل ہے۔۔۔ کیونکہ اللہ کا عہد یہ بھی ہے کہ اولاد کو فقر کی وجہ سے قتل نہ کیا جائے، یہ بھی ہے کہ فواحش کے قریب بھی نہ پھٹکا جائے، یہ بھی ہے کہ کسی کو ناحق قتل نہ کیا جائے، یہ بھی ہے کہ یتیم کے مال میں ناجائز تصرّف نہ کیا جائے، یہ بھی ہے کہ ناپ تول میں گڑبڑ نہ کی جائے، یہ بھی ہے کہ جب بات کہی جائے تو انصاف کی کہی

{۱۵۷} مؤطا امام مالك بحواله قرطبی ۱۲۲/۷

{۱۵۸} قرطبی حواله مذكوره

{۱۵۹} عنكبوت ۴۵/۲۹

جائے، یہ بھی ہے کہ اللہ کے عہد کو پورا کیا جائے، علاوہ ازیں کتاب وسنت کے تمام احکام پر عمل، عقل اور فطرتِ سلیمہ کے تقاضوں کی تکمیل، اور مختلف معاملات میں انسانوں کے ساتھ کیے گئے وعدے یہ سب اللہ کے عہد میں شامل ہیں جسے پورا کرنے کی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار بار تاکید کی ہے۔

سورہ نحل میں ہے ”جب تم عہد کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو“ (۱۶/۹۱) سورہ بقرہ میں اہلِ ایمان کے متعدد اوصاف میں سے ایک وصف یہ بھی بتایا گیا ہے ”جب وہ عہد کرتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں“ (۲/۱۷۷)

﴿۱۵۳﴾ اسلامی زندگی کے دس بنیادی اصول بتانے کے بعد فرمایا جا رہا ہے یہی میرا سیدھا راستہ ہے، اس کے مقابلے میں جتنے بھی راستے ہیں وہ سب گمراہی کی طرف لے جانے والے ہیں، لہٰذا تم ان راستوں سے بچ کر رہو ورنہ یہ راستے تمہیں انتشار واختلاف میں مبتلا کر دیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں صراطِ مستقیم کی وضاحت فرمائی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے خط کھینچا اور فرمایا ”یہ اللہ کا راستہ ہے بالکل سیدھا“ اور آپ نے کچھ خط اس کے دائیں بائیں بھی کھینچے اور فرمایا ”یہ وہ راستے ہیں جن میں سے ہر راستے پر کوئی نہ کوئی شیطان بیٹھا دعوت دے رہا ہے“ پھر آپ نے مذکورہ بالا آیتِ کریمہ پڑھی ”وأن هذا صراطی مستقیما فاتبعوه ولا تبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله“ {۱۶۰}

یہاں قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ ”صراطِ مستقیم“ کو مفرد اور اس کے مخالف راستوں کو ”سبل“ جمع کے صیغے کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اس لیے کہ حق ایک ہے اور باطل کے ہزاروں پہلو اور صورتیں ہیں، صراطِ مستقیم کی اتباع سے وحدت اور اجتماعیت باقی رہتی ہے جب کہ اسے چھوڑنے اور اس سے انحراف کرنے سے گروہ بندی اور فرقہ واریت جنم لیتی ہے، یاد رہے کہ کتاب وسنت کے دلائل پر مبنی اختلاف اور چیز ہے، اور ضد اور عناد کی بنیاد پر کھڑے کیے جانے والے فرقے چیزے دیگر ہیں، دلیل کی بنیاد پر اختلاف کرنے والے کا دل کشادہ ہوتا ہے، جبکہ صاحبِ عناد کا دل انتہائی تنگ ہوتا ہے وہ اپنے سوا کسی کو برداشت نہیں کرسکتا۔

حکمت وہدایت

۱...... مذکورہ بالا آیات میں ایسی دس وصیتیں ذکر کی گئی ہیں جن پر دنیا اور آخرت میں انسان کی سعادت کا مدار ہے۔

{۱۶۰} نسائی وصایا باب ۱۱، مسند احمد ۱/۳۲۵

۲......ان دس وصیتوں کی جاہلیتِ قدیمہ پر بھی زد پڑتی ہے اور جاہلیتِ جدیدہ پر بھی، کیونکہ آج کا ماڈرن انسان بھی مختلف قسم کے شرک میں مبتلا ہے، اس کے دل سے والدین کی عظمت کا خیال نکل چکا ہے، ''خاندانی منصوبہ بندی'' جیسے پُرکشش ہتھیار سے قتلِ اولاد کا سلسلہ جاری ہے، اس کے نزدیک انسان اور انسانی زندگی کا کوئی احترام نہیں، امریکہ اور یورپ کے ''روشن خیالوں'' نے عراق اور افغانستان میں کلمہ گو مسلمان مردوں اور عورتوں پر جو مظالم ڈھائے ہیں، مشرکینِ مکہ ان کے عشرِ عشیر کا بھی تصوّر نہیں کر سکتے تھے۔

۳......عورت کی بیماری جیسی وجوہ کی بناء پر اولاد میں وقفہ کے لیے کوئی مناسب صورت اختیار کرنا جائز ہے مگر محض فقر کے اندیشہ سے منعِ حمل کے طریقے اختیار کرنا جائز نہیں، یورپ کی لعنتی تہذیب نے کنڈوم کلچر کو ایسا فروغ دے دیا ہے کہ اب ضبطِ تولید کے نئے نئے طریقوں سے شادی شدہ خواتین کے بجائے ''کنواری'' لڑکیاں زیادہ استفادہ کر رہی ہیں اور اب تو اسقاطِ حمل کی وبا عام ہوگئی ہے، یہ کھیل سرکاری ہسپتالوں میں بھی جاری ہے اور پرائیویٹ اداروں میں بھی، بالعموم حمل کا اسقاط جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے کیا جاتا ہے، اگر کسی بے احتیاطی کی وجہ سے بدکاری کے نتیجے میں بچہ پیدا ہو جائے تو اسے کچرا کنڈی، فٹ پاتھوں اور گندے نالوں میں پھینکنے بلکہ زندہ جلانے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا، عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قتلِ اولاد کا جو سنگدلانہ عمل جاہلیتِ قدیمہ میں ہوتا تھا جاہلیتِ جدیدہ میں بھی ہو رہا ہے۔

۴......پہلی آیت (۱۵۱) میں جن پانچ باتوں کا حکم دیا گیا ہے ان پر عمل کرنا کمالِ عقل کی دلیل ہے، دوسری آیت میں جن چار باتوں سے منع کیا گیا ہے ان کا تعلق شہوات اور خواہشات سے ہے، ایسا عقلمند شخص بھی ان کا ارتکاب کر سکتا ہے جس کے اندر اپنے محاسبہ اور مراقبہ کا ملکہ نہ ہو اور جو ہر وقت چوکنا اور بیدار نہ رہے، تیسری آیت میں صراطِ مستقیم کا بیان ہے جس پر جمے رہنا دوزخ سے بچاؤ کا ذریعہ ہے...... اہلِ علم کا کہنا ہے کہ مضمون کی اسی مناسبت کی وجہ سے پہلی آیت کا اختتام ''لعلّکم تعقلون'' دوسرا کا ''لعلکم تذکرون'' اور تیسری کا ''لعلکم تتّقون'' پر ہوا ہے۔[۱۶۱]

{۱۶۱} السیر التفاسیر ۲/۱۴۲۔ البحر المحیط ۴/۲۵۴۔ التفسیر المنیر ۸/۱۰۵

توراۃ اور قرآن کے نزول کا سبب

﴿۱۵۴......۱۵۷﴾

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً

پھر دی ہم نے موسیٰ کو کتاب واسطے پورا کرنے نعمت کے نیک کام والوں پر اور واسطے تفصیل ہر شے کے اور ہدایت اور رحمت کے

لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ

تاکہ وہ لوگ اپنے رب کے ملنے کا یقین کریں اور ایک یہ کتاب ہے کہ ہم نے اتاری برکت والی سو اس پر چلو

وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَ

اور ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحمت ہو اس واسطے کہ کبھی تم کہنے لگو کہ کتاب جو اتری تھی سو اُن ہی دو فرقوں پر جو ہم سے پہلے تھے اور

اِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ

ہم کو تو اُن کے پڑھنے پڑھانے کی خبر ہی نہ تھی یا کہنے لگو کہ اگر ہم پر اترتی کتاب تو ہم توراہ

اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ

پر چلتے اُن سے بہتر سو آچکی تمہارے پاس حجت تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت اب اس سے زیادہ ظالم کون جو جھٹلاوے

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ

اللہ کی آیتوں کو اور اُن سے کترا وے ہم سزا دیں گے اُن کو جو ہماری آیتوں سے کتراتے ہیں بُرا عذاب

بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

بدلے میں اس کترانے کے

ربط: دس وصیتیں ذکر کرنے کے بعد جو حقیقت میں ساری آسمانی تعلیمات کا حاصل ہیں اب توراۃ اور قرآن کریم کے نزول کا مقصد بتایا جا رہا ہے۔

تسہیل: پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کی جس کا مقصد یہ تھا کہ نیکوکاروں پر ہماری نعمت کا اتمام ہو جائے اور اس میں تمام ضروری احکام کی وضاحت کر دی جائے اور وہ انسانوں کے لیے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ثابت ہو تاکہ وہ اپنے پروردگار کی ملاقات پر ایمان لے آئیں ○ یہ قرآن بابرکت کتاب ہے، اسے ہم نے نازل کیا ہے لہٰذا تم اس کی اتباع کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحمت ہو ○ اور اسے نازل کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ کتاب صرف ان دو گروہوں پر نازل کی گئی تھی جو ہم سے پہلے تھے اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے

بے خبر تھے ○ یا یوں کہو کہ اگر ہم پر کتاب نازل کی جاتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت پر ہوتے، پس یاد رکھو کہ تمہارے پاس ایک ایسی کتاب آ چکی ہے جو بالکل واضح ہے اور اس میں ہدایت اور رحمت کا سامان ہے، خود سوچو کہ اب اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتا ہے اور ان سے منہ موڑتا ہے، جو لوگ ہماری آیات سے منہ موڑتے ہیں ہم انہیں ان کے اس جرم کی بدترین سزا دیں گے ○

تفسیر

﴿۱۵۴﴾ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکین سے فرما دیجیے کہ آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ نے تم پر کون کون سی چیزیں حرام کی ہیں، پھر انہیں {۱۶۲} یہ بھی بتا دیجیے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی جس کے ذریعہ ہم نے ایسے لوگوں پر نعمت کی تکمیل کی اور انہیں عزت بخشی جنہوں نے احسان اور بھلائی کا راستہ اختیار کیا۔ {۱۶۳}

﴿۱۵۵﴾ تورات کے بعد قرآن کا ذکر ہے، قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا اکٹھے ذکر کیا ہے اس لیے احکامِ شریعت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ان دونوں میں بہت زیادہ مشابہت اور مناسبت پائی جاتی ہے جبکہ انجیل وعظ و نصیحت اور تاریخ و امثال پر مشتمل ہے، اور زبور میں رب تعالیٰ کی مدح و ثنا اور مناجات کا ذکر ہے...... فرمایا جا رہا ہے کہ قرآن عظیم الشان کتاب ہے، دین و دنیا میں اس کے منافع بے شمار ہیں، یہ پوری زندگی کے شرعی نظام پر مشتمل ہے، تم اللہ کی رحمت کے امیدوار صرف اس صورت میں ہو سکتے ہو جب تم اس کی تعلیمات کی اتباع کرو اور کفر و معصیت کے اسباب اختیار کرنے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔

﴿۱۵۶﴾ اس کتاب کے نزول کا مقصد اتمامِ حجت بھی ہے، تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کر دی گئی ہے جس میں زندگی کے تمام مسائل کا حل موجود ہے اور جو اندھوں کا ہاتھ پکڑ کر انہیں راہِ راست پر چلاتی ہے اس لیے تم قیامت کے دن یہ عذر پیش نہیں کر سکتے کہ یہود و نصاریٰ کو تو آسمانی کتابیں دی گئی تھیں لیکن ہمیں محروم رکھا گیا، نہ ہم ان کتابوں کو پڑھ سکتے تھے اور نہ ہی ہمیں ان کی دعوت اور پیغام پہنچایا گیا۔

﴿۱۵۷﴾ اور تم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اگر ہم پر کوئی آسمانی کتاب نازل کی جاتی تو ہم دوسری اقوام سے زیادہ عمل کر کے دکھاتے کیونکہ ہم فہم و ذکاء اور بصیرت و عزیمت کے میدان میں دوسری قوموں سے سبقت رکھتے ہیں۔

{۱۶۲} وقیل عطف علی "قل" وفیہ حذف ای قل تعالوا ثم قل آتینا موسی الکتب (روح المعانی ۸۷/۸/۵

{۱۶۳} تماماللکرامۃ والنعمۃ علی الذی احسن، علی من کان محسنا صالحا (کشاف ۷۷/۲)

تمہارے پاس ایک یسی کتاب آگئی ہے جو زندہ معجزہ اور اتنی واضح ہے کہ وہ اپنی سچائی کی خود دلیل ہے، اس میں دلوں کی بیماریوں کی شفا اور سارے مصائب اور پریشانیوں کا حل ہے، لیکن ظاہر ہے شفا اسی کو ملے گی جو اس میں غور و تدبر کے ساتھ اس پر عمل بھی کرے گا۔{۱۶۴}

جو کتاب اتنی واضح اور اس قدر ظاہری اور باطنی فوائد کی حامل ہو، اس کی تکذیب اور ناقدری کرنے والے سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے۔

قرآن کریم جیسے نسخۂ شفا سے منہ موڑنا، مزاج کے فساد اور باطن کی خباثت کی علامت ہے، اسی لیے ان لوگوں کے اعراض کو بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ''صدف'' کا لفظ استعمال کیا ہے، جب اونٹ پاؤں میں کسی بیماری یا نقص کی وجہ سے ایک طرف جھک کر چلے تو اس کے لیے یہی لفظ استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے اپنے منکروں اور مخالفوں کی بد باطنی، کج فکری اور اندرونی خبث کو ظاہر کرنے کے لیے اس لفظ کا انتخاب کیا ہے۔'' قرآنی اندازِ بیان کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ عربی زبان کے ایک ایک لفظ کو حسّی مفہوم سے بلند کر کے معنوی مدلول کے لئے استعمال کرتا ہے لیکن یہ استعمال معنوی مفہوم پر اس طرح منطبق ہوتا ہے کہ اصل حسّی مفہوم بھی اپنی جگہ درست نظر آتا ہے''{۱۶۵}

حکمت و ہدایت

۱.....حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر تورات کے نازل ہونے میں خود ان کا بھی اعزاز و اکرام تھا اور بھلائی کا راستہ اختیار کرنے والے ہر فرد پر بھی خدائی نعمت کی تکمیل تھی۔ (۱۵۴)

۲.....قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے برکت و ہدایت، رحمت اور بھلائی کے بے شمار پہلو رکھے ہیں۔ (۱۵۵)

۳.....قرآن کریم کے نزول اور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اب کسی کے پاس کفر پر قائم رہنے میں عذر باقی نہیں رہا (۱۵۶)

۴.....ظلم شدید ترین گناہ ہے جو شہروں اور ملکوں کو چٹیل میدانوں میں تبدیل کر دیتا ہے لیکن سب سے بڑا ظلم آیاتِ الٰہیہ کو جھٹلانا ہے۔ (۱۵۷)

{۱٦٤} "وهدى ورحمة" لمن تأمل فيه وعمل به (بيضاوى ٢/٤٦٨)

{١٦٥} فى ظلال القرآن ٢/١١١٣

کفّار کو تنبیہ

﴿۱۵۸﴾

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّآ أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَٰٓئِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ ءَايَٰتِ رَبِّكَ ۗ يَوْمَ
کاہے کی راہ دیکھتے ہیں لوگ مگر یہی کہ اُن پر آئیں فرشتے یا آئے تیرا رب یا آئے کوئی نشانی تیرے رب کی جس دن

يَأْتِي بَعْضُ ءَايَٰتِ رَبِّكَ لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَٰنُهَا لَمْ تَكُنْ ءَامَنَتْ مِن قَبْلُ
آئے گی ایک نشانی تیرے رب کی کام نہ آئیگا کسی کے اُس کا ایمان لانا جو کہ پہلے سے ایمان نہ لایا تھا

أَوْ كَسَبَتْ فِىٓ إِيمَٰنِهَا خَيْرًا ۗ قُلِ انتَظِرُوٓا۟ إِنَّا مُنتَظِرُونَ ﴿۱۵۸﴾
یا اپنے ایمان میں کچھ نیکی نہ کی تھی تو کہہ دے تم راہ دیکھو ہم بھی راہ دیکھتے ہیں

ربط: کتاب اللہ جیسا معجزہ آجانے کے باوجود کفار کی طرف سے خوارقِ عادت واقعات اور معجزات کے مطالبہ کا سلسلہ جاری رہتا تھا اس پر فرمایا گیا۔

تسہیل: یہ لوگ تو اب صرف اس کے منتظر ہیں کہ ان کے سامنے فرشتے آجائیں یا خود تمہارا رب آجائے یا تمہارے رب کی کوئی بڑی نشانی ظاہر ہو جائے، لیکن انہیں یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ جب تمہارے رب کی کوئی مخصوص نشانی نمودار ہوگئی تب کسی ایسے شخص کا ایمان اسے کچھ بھی فائدہ نہیں دے گا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو یا جس نے ایمان قبول کرنے کے باوجود کوئی نیک عمل نہ کیا ہو آپ ان سے فرما دیجیے کہ تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کر رہے ہیں O

﴿تفسیر﴾

﴿۱۵۸﴾ قرآن سے بڑا معجزہ کوئی نہیں ہو سکتا، نوح علیہ السلام کی کشتی ہو یا آتشِ خلیل، ہوائی تخت ہو یا عصا اور یدِ بیضا، پہاڑوں کی تسبیح ہو یا لاعلاج بیماروں کی صحت یابی، ان تمام معجزات نے صرف ایک مخصوص زمانے کے لوگوں کو مثال لانے سے عاجز اور لاچار کیا تھا مگر قرآن نے نوعِ انسانی کے ہر فرد کو اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز کر دیا ہے خواہ اس کا تعلق نزولِ قرآن سے پہلے کے دور کے ساتھ ہو یا بعد کے دور کے ساتھ ہو، کیسے حرماں نصیب اور سیاہ دل تھے وہ جو لوگ جو قرآنی آیات سننے کے باوجود ایمان قبول نہیں کرتے تھے، ایسے حرماں نصیب کل بھی تھے اور

آج بھی ان کی کمی نہیں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ انہیں اب صرف اس امر کا انتظار ہے کہ فرشتے آئیں اور ان کی روحیں قبض کرلیں یا خود اللہ آجائے، اللہ کے آنے کے دو مطلب ہوسکتے ہیں ایک تو یہ کہ اللہ نے اپنے بندوں کی نصرت کے جو وعدے کر رکھے ہیں ان میں سے کوئی وعدہ پورا کردے یا اپنے دشمنوں کے لیے جو وعیدیں بیان کی ہیں ان میں سے کوئی وعید انہیں دکھادے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن پروردگار ان کے سامنے آجائے۔

''اویاتی بعض آیات ربک'' یا تیرے ربّ کی مخصوص اور بڑی نشانیوں میں سے کوئی ایسی نشانی ظاہر ہوجائے جو انہیں ایمان قبول کرنے پر مجبور کردے مثلاً قیامت کی علامات میں سے کوئی ایسی علامت جسے دیکھ کر انہیں قیامت کے وقوع کا یقین آجائے جیسا کہ بخاری میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ سورج، مغرب سے طلوع نہ ہوجائے اور جب یہ نشانی ظاہر ہوگی تو سارے انسان ایمان قبول کرلیں گے یہی وہ وقت ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ کسی ایسے شخص کا ایمان اسے کچھ بھی فائدہ نہیں دے گا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو۔ {۱۶۶}

توبہ اور ایمان کے قبول نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی قبولیت میں اختیاری ہونا شرط ہے جبکہ علاماتِ قیامت ظاہر ہونے کے بعد انسان مجبوراً ایمان قبول کرے گا کہ اب اس کے سوا کوئی راستہ ہی باقی نہیں رہے گا۔

''قل انتظروا'' اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے فرمادیجیے کہ تم جو شمعِ رسالت کے گل ہوجانے اور دینِ اسلام کے مٹ جانے کی امیدیں لگائے بیٹھے ہو، سو تم بھی ان کے پورا ہونے کا انتظار کرو اور ہم جو کہ اہلِ ایمان کے لیے اپنے رب کے وعدوں کی سچائی اور اعداءِ اسلام کے لیے اس کی وعیدوں کے پورا ہونے کا یقین رکھتے ہیں، ہم بھی ان کا انتظار کررہے ہیں، دیکھتے ہیں آنے والا وقت کس کی امیدوں کی سچائی ثابت کرتا ہے۔

۱۔ جس شخص کو مطالعہ قرآن کے بعد بھی اطمینان نصیب نہیں ہوتا اسے کوئی بھی معجزہ مطمئن نہیں کرسکتا۔ (۱۵۸)

۲۔ جو ضد اور عناد کی وجہ سے کفر پر اڑے ہوئے ہوں ان کے ایمان کی اُمید نہیں رکھنی چاہیے۔ (۱۵۸)

۳۔ اللہ کے ہاں اختیاری ایمان کا اعتبار ہے، اضطراری ایمان کا کوئی اعتبار نہیں۔ (۱۵۸)

۴۔ جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو توبہ کا دروازہ بند کردیا جائے گا۔

{ ۱٦٦ } "الاان تاتیھم الملائکة" ملائکة الموت او العذاب...... "اویاتی امر ربك" ای امره بالعذاب، أو كل آية يعني آيات القيامه و الهلاك الكلي لقوله "اوياتي بعض آيات ربك" يعني اشراط الساعة (بيضاوى ٢/٤٦٩) تائید مزید کے لیے دیکھیے روح المعانی ۵/۸/۹۱

فرقہ واریت کا انجام

﴿۱۵۹﴾

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ
جنہوں نے راہیں نکالیں اپنے دین میں اور ہوگئے بہت سے فرقے تجھ کو ان سے کچھ سروکار نہیں اُن کا کام اللہ ہی کے حوالے ہے

ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿١٥٩﴾
پھر وہی جتلائیگا اُن کو جو کچھ وہ کرتے تھے

ربط: کفار کو تکذیب کے انجامِ بد سے ڈرانے کے بعد، اہلِ ایمان کو فرقہ واریت کے انجام سے ڈرایا جارہا ہے۔

تسہیل: جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ مختلف گروہوں میں تقسیم ہوگئے، ان کے ساتھ آپ کا کوئی تعلق نہیں ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، وہ انہیں قیامت کے دن ان کی کرتوتوں کے بارے میں بتلادے گاO

﴿تفسیر﴾

﴿۱۵۹﴾ اس آیت کا مصداق یہود و نصاریٰ بھی ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مختلف مذاہب میں تقسیم کر دیا، اس کا مصداق وہ اہلِ بدعت بھی ہیں جنہوں نے بے بنیاد چیزوں کو دین میں شامل کر کے انہیں فرائض و واجبات کا درجہ دے دیا، اس مضمون کو ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں واضح فرمایا ہے ”میری امت کو بھی وہی حالات پیش آئیں گے جو بنی اسرائیل کو پیش آئے، جس طرح کی بداعمالیوں میں وہ مبتلا ہوئے میری امت کے لوگ بھی مبتلا ہوں گے، بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوجائے گی، جن میں سے ایک فرقہ کے علاوہ سب دوزخ میں جائیں گے، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ نجات پانے والا فرقہ کونسا ہے آپ نے فرمایا وہ لوگ جو میرے طریقہ پر اور میرے صحابہ کے طریقے پر چلیں گے وہ نجات پا جائیں گے۔“﴿۱۶۷﴾

اس آیت کا مصداق وہ لوگ بھی ہیں جو فروعی مسائل میں تعصب، رنگ ونسل کے امتیاز، اپنی رائے میں جمود، اور ذاتی مفادات کی بناء پر کسی الگ فرقہ اور جماعت کی بنیاد رکھتے ہیں اور امت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیتے ہیں، ان کی

{۱۶۷} ترمذی، ابوداؤد

نظر میں اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد، چھوٹی سی جماعت اور چند فروعی مسائل کا تحفظ، امت کے مجموعی تحفظ اور مفادات سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

اس آیت کریمہ کو محض یہود و نصاریٰ پر چسپاں کرنے کے بجائے اس کے مفہوم کو عام رکھنا زیادہ مناسب ہے{۱۶۸} تاکہ ان لوگوں کی تردید اور مذمت اس آیت سے ثابت ہوجائے جنہوں نے امتِ مسلمہ کو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم کردیا ہے، چنانچہ اب امت تو کہیں نظر نہیں آتی البتہ فرقے اور گروہ بے شمار ہیں جن میں سے ہر ایک واحد نجات یافتہ ہونے کا دعویدار ہے بلکہ ہر ایک کو یقین ہے کہ صرف اسی کے ہم فرقہ لوگ جنت میں جائیں گے اور ان کے علاوہ سب لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے، آلِ عمران کی آیت ۱۰۵ سے بھی مفہوم اور مصداق کے عام ہونے کی تائید ہوتی ہے، ارشاد ہوتا ہے ''اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جو فرقہ، فرقہ ہوگئے اور انہوں نے واضح دلائل آجانے کے بعد اختلاف کیا، ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے فرمایا ہے کہ ان گروہوں اور جماعتوں کے ساتھ آپ کا کوئی تعلق نہیں،{۱۶۹} آپ کا دین، اسلام ہے جو اجتماعیت پیدا کرتا ہے اور حبِ جاہ، عصبیت، ضد، عناد، عقل پرستی اور اتباعِ نفس جیسے ان تمام اسباب کا خاتمہ کرتا ہے جو امت میں انتشار پیدا کرتے ہیں۔

حکمت و ہدایت

۱.....شریعتِ اسلامیہ، کل کی حیثیت رکھتی ہے جسے اجزاء میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا لہٰذا شریعت کے بعض احکام پر عمل کرنا اور بعض سے اعراض کرنا جائز نہیں..... مسلمانوں کے اختلاف کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ بعض فرقے اور افراد جزء کو کل کی حیثیت دے دیتے ہیں اور اس میں ایسا جمود اختیار کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ سارا دین بس اسی جزء میں منحصر ہے۔

۲.....امت کو فرقوں اور گروہوں میں تقسیم کرنے والوں کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حبِ مال اور حبِ جاہ، جنس اور قوم کا تعصب، نفس پرستی، بغض وحسد، دین کی روح اور حقیقت سے جہالت، شخصیت پرستی، اجزاء اور رسموں پر اصرار، غیر قوموں کی اتباع اور تقلید، تنگ نظری۔

{۱۶۸} والظاہران الآیة عامة فی کل من فارق دین اللہ وکان مخالفالہ فان اللہ بعث رسولہ بالھدی ودین الحق یظھرہ علی الدین کلہ وشرعہ واحد لااختلاف فیہ ولاافتراق (ابن کثیر ج۲/۲٦٤)

{۱٦۹} فاوجب برائتہ منھم، وھو کقولہ علیہ السلام "من غشّنا فلیس منّا" ای نحن براء منہ (قرطبی ۷/۱۳۵)

نیکی اور بُرائی کی جزاء

﴿۱۶۰﴾

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا

جو کوئی لاتا ہے ایک نیکی تو اس کے لئے اُس کا دس گنا ہے اور جو کوئی لاتا ہے ایک بُرائی سو سزا پائیگا اسی کے برابر

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

اور ان پر ظلم نہ ہوگا

ربط: گذشتہ آیات میں مختلف اعمال کا ذکر تھا جبکہ یہاں جزاءِ اعمال کا بیان ہے۔

تسہیل: جو کوئی اللہ کے حضور نیکی لے کر آئے گا اسے دس نیکیوں کا ثواب ملے گا اور جو برائی لیکر آئے گا اسے صرف اسی کی سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا○

﴿تفسیر﴾

﴿۱۶۰﴾ چونکہ اللہ تعالیٰ بندوں پر بے حد مہربان ہے اس لیے اس نے یہ اصول بنایا ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا عطا فرمائے گا لیکن یہ ثواب کی آخری حد نہیں بلکہ کم از کم حد ہے، اگر اخلاص زیادہ ہوگا تو ثواب بھی زیادہ ہوگا اور زیادہ کی کوئی حد نہیں جیسا کہ سورہ بقرہ/۲۴۵ میں ہے ”کوئی ہے کہ اللہ کو قرضِ حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے اس کو کئی حصے زیادہ دے گا“۔

ایک مسکین اور غریب شخص جو خود پائی پائی کا محتاج ہو اس کا اللہ کی راہ میں ایک روپیہ خرچ کرنا، صاحبِ ثروت انسان کے سو روپے سے کہیں زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہوگا۔

فحاشی اور عریانیت کا وہ ماحول جہاں چہار جانب سے برائی کی دعوت مل رہی ہو اس غلیظ ماحول میں عفت وعصمت پر قائم رہنے والا شخص یقیناً پاکیزگی کے ماحول میں پاکدامنی کا ثبوت دینے والے سے زیادہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

دوسری طرف گناہوں کے بارے میں باری تعالیٰ کا اعلان یہ ہے کہ کسی بھی گناہ گار کو اتنی ہی سزا دی جائے گی جتنے اس نے گناہ کیے ہوں گے اور گناہوں کے جتنے اثرات اس کے دل و دماغ پر مرتّب ہوئے ہوں گے۔

"وھم لایظلمون" وہ ایسا اس لیے کرتا ہے کیونکہ وہ ظالم نہیں ہے، اس نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کا ارشاد ہے کہ "اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر بھی ظلم حرام کیا ہے اور تمہارے درمیان بھی اسے حرام قرار دیا ہے لہٰذا تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو"

حکمت وہدایت

۱......یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ نیکی کا ثواب دس گنا دیتا ہے بلکہ نیکی کے ارادہ پر بھی ثواب عطا کر دیتا ہے جبکہ اس کے ڈر سے اگر کوئی شخص برائی کا ارادہ ترک کر دے تو اسے بھی نوازا جاتا ہے، اہلِ علم نے گناہ چھوڑنے والوں کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

۱۔ جو کوئی اللہ کے ڈر سے گناہ کا ارادہ ترک کر دے اس کے نامہء اعمال میں نیکی لکھی جاتی ہے، اس لیے کہ گناہ سے رک جانا اور دل میں اللہ کا ڈر پیدا ہو جانا عمل اور نیت ہے۔

۲۔ جو شخص نسیان اور غفلت کی وجہ سے اپنے ارادۂ گناہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکے اسے نہ ثواب ملتا ہے نہ گناہ، کیونکہ اس نے نہ تو نیکی کی نیت کی ہے اور نہ ہی گناہ کیا ہے۔

اگر اپنی طرف سے پوری کوشش کے باوجود وہ گناہ نہ کر سکے تو وہ یقیناً گناہ گار ہوگا۔

ابراھیمی ملّت کی اتباع

﴿۱۶۱......۱۶۴﴾

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ
تو کہدے مجھ کو سجھائی میرے رب نے راہ سیدھی دین صحیح ملت ابراہیم کی جو ایک ہی طرف کا تھا

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ
اور نہ تھا شرک والوں میں میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ
جو پالنے والا سارے جہان کا ہے کوئی نہیں اس کا شریک اور یہی مجھ کو حکم ہوا اور میں سب سے پہلے فرمانبردار ہوں تو کہہ

اَغَيۡرَ اللّٰهِ اَبۡغِىۡ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَىۡءٍ‌ ؕ وَلَا تَكۡسِبُ كُلُّ نَفۡسٍ اِلَّا عَلَيۡهَا ‌ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ
کیا اب میں اللہ کے سوا تلاش کروں کوئی رب اور وہی ہے رب ہر چیز کا اور جو کوئی گناہ کرتا ہے سو وہ اس کے ذمہ پر ہے اور بوجھ نہ اٹھائیگا

وِّزۡرَ اُخۡرٰى‌ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ مَّرۡجِعُكُمۡ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ‏ ﴿۱۶۴﴾
ایک شخص دوسرے کا پھر تمہارے رب کے پاس ہی تم سب کو لوٹ کر جانا ہے سو وہ جتلائیگا جس بات میں تم جھگڑتے تھے

ربط: زیرِ نظر سورت میں توحید کے دلائل بیان کرنے اور مشرکین کی تردید کے بعد اختتام پر موحدِ اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملّت کی اتباع کا حکم دیا جا رہا ہے۔

تسہیل: آپ فرما دیجیے مجھے میرے ربّ نے ایسے دین کا سیدھا راستہ دکھا دیا ہے جس میں کوئی کجی نہیں یعنی ملّتِ ابراہیمی کا راستہ جسے انہوں نے یکسو ہو کر اختیار کیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے O آپ فرما دیجیے کہ میری نماز اور میری دوسری تمام عبادات اور میرا جینا اور مرنا اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا مالک ہے O اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی دین پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے سرِ تسلیم خم کرنے والا ہوں O آپ فرما دیجیے کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور ربّ تلاش کروں حالانکہ وہی ہر چیز کا ربّ ہے، جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہوتا ہے، اور کوئی بھی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، پھر تمہیں اپنے ربّ کی طرف پلٹ کر جانا ہے اس وقت وہ تمہیں تمہارے اختلاف کی حقیقت بتا دے گا O

تفسیر

﴿۱۶۱﴾ سورہ انعام کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تقریباً انتالیس بار کلمہ ''قل'' کے ساتھ خطاب فرما کر تبلیغِ دعوت کا حکم دیا گیا ہے، سورت کے اختتام پر جو آیات آئی ہیں یہ مضمون کے اعتبار سے جامع ترین آیات ہیں اور ان میں بھی تین بار کلمہ ''قل'' آیا ہے۔

زیرِ بحث آیت میں فرمایا گیا اے میرے پیغمبر! آپ اپنی قوم کو اور سارے انسانوں کو بتا دیجیے کہ مجھے ربّ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ''صراطِ مستقیم'' کی ہدایت دے دی ہے، اسی ''صراطِ مستقیم'' کی حضرت ابراہیم اور تمام انبیاء علیہم السلام نے ہدایت دی تھی، اس سے مراد دینِ توحید ہے جس کی دعوت اگرچہ ہر نبی نے اپنے اپنے زمانے میں دی لیکن ان میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا گیا ہے کیونکہ ان کے فضل و کمال اور نبوت و رسالت کا اعتراف یہود و نصاریٰ بھی کرتے تھے اور قریش اور دوسرے عربوں کا بھی یہ دعویٰ تھا کہ ہم ملّتِ ابراہیم پر ہیں، وہ

بڑے فخر سے اپنے آپ کو ''حنفاء'' کہتے تھے شاید اسی لیے ابراہیم کے ساتھ ''حنیفا'' کی صفت ذکر کی گئی ہے تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت کرنے والوں پر واضح کیا جائے کہ وہ مشرک نہیں تھے جبکہ تم مشرک ہو۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ملّتِ ابراہیمی پر ہونے کا اعتراف بھی اس لیے ہے تاکہ عربوں اور اہلِ کتاب کو قبولِ اسلام کی طرف مائل کیا جائے۔

﴿۱۶۲﴾ توحید پر ایمان کے بعد عملی اعتبار سے بھی توحید کا حکم دیا جا رہا ہے، ارشاد ہوتا ہے اے میرے پیغمبر! فرما دیجیے کہ میری نماز اور میری دوسری تمام عبادات اور موت وحیات سب کچھ اللہ کے لیے ہے۔ اصل میں تو ''نسک'' کا اطلاق عبادت پر ہوتا ہے لیکن قرآن اور حدیث میں عام طور پر عبادتِ حج اور قربانی پر اس کا اطلاق ہوا ہے، سورہ بقرہ کی آیت/۱۹۶ میں نسک سے مراد بکری ذبح کرنا اور آیت/۲۰۰ میں ''مناسک'' سے مراد اعمالِ حج ہیں۔

یوں تو دوسرے مذاہب میں بھی عبادت کے مختلف مراسم بجالائے جاتے ہیں اور جانور بھی ذبح کیے جاتے ہیں لیکن اسلام میں عبادت صرف وہی ہوگی جسے خالص اللہ کے لیے کیا جائے اس میں غیر کی شرکت کا شائبہ بھی نہ ہو۔

مسلمان کی صرف نماز اور قربانی ہی اللہ کے لیے نہیں ہوتی بلکہ اس کا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، جینا اور مرنا سب اللہ کے لیے ہوتا ہے، اس کی زندگی بھی رضاءِ الٰہی کے حصول میں گزرتی ہے اور اسے موت بھی اس حال میں آتی ہے کہ اس کا دل رضاءِ الٰہی کے جذبے سے سرشار ہوتا ہے۔

مشرکین کی تاریخ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو اس سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ لفظِ جلالہ ''اللہ'' اور ''رب العلمین'' کا اطلاق اپنے یا کسی دوسرے کے معبود پر کرتے ہوں، معبودانِ باطلہ کے لیے انہوں نے جو بہت سارے نام تجویز کر رکھے تھے ان میں ان دو ناموں کا ذکر کہیں نہیں ملتا، جبکہ قرآن نے آغاز ہی ان دو الفاظ سے کیا ہے، ہر مسلمان دن میں بیسیوں بار ''الحمدللہ رب العلمین'' کا مقدس ورد کرتا ہے۔

﴿۱۶۳﴾ ربوبیت میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں اور یہ ایسا دعویٰ ہے کہ اسے مشرکین بھی تسلیم کرتے تھے، قرآن کریم میں جا بجا کہا گیا ہے کہ اگر تم ان سے یہ سوال کرو کہ ارض وسما کو کس نے پیدا کیا ہے یا یہ کہ تمہیں رزق کون دیتا ہے تو وہ ضرور اس سوال کے جواب میں ''اللہ'' کا نام لیں گے، جب ربوبیت میں، ارض وسما کی تخلیق میں اور رزق رسانی میں اس کا کوئی شریک نہیں تو الوہیت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا! یہ نکتہ بھی ملحوظ رہے کہ اللہ کا نظامِ ربوبیت صرف عالمِ انسانی تک محدود نہیں بلکہ ''عالمین'' تک وسیع ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے وہ ''عالمین'' میں داخل ہے، عالم کی دو قسمیں ہیں عالمِ علوی اور عالمِ سفلی، یہ سورج اور چاند، لاکھوں ستارے اور سیارے سب عالمِ

علوی میں داخل ہیں، صرف اس آفتاب ہی کو لے لیجیے جو کہ زمین پر اپنی روشنی ڈالتا ہے، یہ زمین سے ۱۳ لاکھ گنا بڑا ہے، جبکہ اس کے علاوہ بھی ہزاروں آفتاب ہیں، جبکہ ستاروں اور سیاروں کی ایسی بے حد و کنار دنیا ہے جس کا شمار بھی ابھی تک کوئی نہیں کر سکا۔

سمندر اور اس میں موجود لاکھوں قسم کی زندہ مخلوق ہے اور زمین میں معدنیات، نباتات، حیوانات اور انسان جو کچھ بھی ہیں یہ عالمِ سفلی کہلاتے ہیں۔ گویا عالمِ علوی اور عالمِ سفلی میں بے حساب عالم اور بے شمار مخلوق ہے، بعض حضرات کا خیال ہے کہ صرف عالمِ سفلی ہی میں ایک ارب قسم کی مخلوق پائی جاتی ہے اور ایک محدود اندازے کے مطابق اللہ تعالیٰ چھ ارب سال سے اس مخلوق کی پرورش کر رہا ہے، ہر مخلوق کو اس کی ضرورت اور استعداد کے مطابق روزی بھی دیتا ہے اور ''عالمین'' کو بتدریج نقص سے کمال کی طرف لے جا رہا ہے، جب یہ دنیا اپنے کمال تک پہنچے گی تو نمعلوم اس کا نقشہ کیا ہوگا؟

عرض یہ کیا جا رہا تھا کہ جب سارے جہانوں کا ربّ وہی ہے تو معبود بھی صرف اسی کو ہونا چاہیے، اس کی الوہیت میں کسی اور کو شریک ٹھہرانا عقل و نقل اور انسانیت کے خلاف ہے۔

''وامرت'' اللہ نے اپنے نبی کی زبان سے کہلوایا ہے کہ مجھے توحید کا اور جلی اور خفی ہر قسم کے شرک سے برات کا حکم دیا گیا ہے۔ اور میں ہر اعتبار سے پہلا مسلمان اور اللہ کی اطاعت کے سامنے سر جھکانے والا ہوں، درجہ اور رتبہ کے اعتبار سے بھی، اور اس امت میں وقت اور زمانے کے لحاظ سے بھی۔ درجہ کے اعتبار سے دیکھیں تو آپ کو تمام رسولوں پر فضیلت و عظمت عطا کی گئی اور وقت کے اعتبار سے دیکھیں تو ربّ تعالیٰ نے اس امت میں سے سب سے پہلے آپ ہی کو اسلام کی تلقین کی اور آپ ہی نے سب سے پہلے توحید اور اسلام کی تلقین پر لبیک کہا، آپ کی بعثت کو جو ساری انسانیت کے لیے عام رکھا گیا تو یہ چیز بھی آپ کے اوّل اور اولیٰ ہونے کو مستلزم ہے۔

﴿۱۶۴﴾ توحیدِ الوہیت کے بعد اب توحیدِ ربوبیت کو بیان کیا جا رہا ہے جس کے حوالے سے بقدرِ ضرورت گفتگو پچھلی آیت کی تفسیر کے ضمن میں بھی ہو چکی ہے، کہا جا رہا ہے اے میرے نبی! آپ ان سے پوچھیے کہ اللہ جو کہ ساری مخلوق کا خالق اور سید اور مربی ہے کیا میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا ربّ تلاش کروں جسے میں اس کی عبادت میں شریک کر لوں تاکہ وہ مجھے نفع یا نقصان دے یا وہ مجھے اللہ کے قریب کر دے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ میرا اللہ ہر چیز کا ربّ ہے، ان چیزوں کا بھی جن کی تم عبادت کرتے ہو اور ان چیزوں کا بھی جن کی تم عبادت نہیں کرتے، خواہ وہ فرشتے ہوں یا انبیاء اور صلحاء، شمس و قمر ہوں یا تمہارے خود ساختہ اصنام! یہ ایسی حقیقت تھی جس کا اعتراف مشرکین بھی کرتے تھے،

انہیں یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہ تھا کہ ان کے سارے معبود مخلوق ہیں اور ساری مخلوق کا خالق، اللہ ہے۔

''ولا تکسب'' بظاہر تو اس جملہ میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے یعنی یہ کہ ''جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہوتا ہے اور کوئی بھی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا'' لیکن حقیقت میں یہ قاعدہ کلیہ بھی عقیدہ توحید کے اثبات اور شرک کی نفی کے لیے لایا گیا ہے کیونکہ بت پرستی اور شرک کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف نتائج تک پہنچنے کے لیے جو اسباب مقرر کیے ہیں وہ نتائج کسب و عمل کے بغیر ان مخلوقات کا تقرب حاصل کر کے ہاتھ میں آ جائیں جنہیں مشرکین اپنے زعم باطل میں رب اور انسانوں کے درمیان واسطہ سمجھتے تھے اور تا کہ وہ ان کے گناہوں کا بوجھ اٹھا لیں اور انہیں عذاب سے بچا کر جنت میں داخل کروا دیں جبکہ یہ سارا گورکھ دھندا سنتِ الٰہیہ کے خلاف ہے اور سنتِ الٰہیہ میں تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان دونوں جملوں کی تفسیر میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص بھی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اس لیے کہ انسان کی سعادت اور شقاوت کا مدار اعمال پر ہے اور ہر شخص کا عمل نفسِ انسانی پر اثر انداز ہوتا ہے، اگر نیک عمل ہو تو نفس کا تزکیہ ہوتا ہے اگر برا عمل ہو تو اس میں فساد پیدا ہوتا ہے، آخرت میں جو جزاء ملے گی اس کا مدار اسی تاثیر پر ہوگا لہٰذا کسی کو نہ تو دوسرے کے عمل سے نفع ہوگا نہ نقصان ہوگا، البتہ جو شخص کسی اچھے یا برے عمل میں نمونہ یا رہنما بنتا ہے اور خیر یا شر کا راستہ ایجاد کرتا ہے وہ اس راہ پر چلنے والوں کے ثواب اور عذاب میں شریک ہوتا ہے کیونکہ اچھی یا بری راہ پر لوگوں کو چلانا اور اس کی دعوت دینا خود ایک عمل ہے، اس حقیقت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے، سنن ترمذی میں ہے ''جو شخص اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کرے گا اسے اس کا اجر بھی ملے گا اور جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی ملے گا لیکن انکی وجہ سے ان کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جو شخص اسلام میں کوئی برا راستہ نکالے گا اسے یہ راستہ نکالنے کا بھی گناہ ملے گا اور جو لوگ اس راستے پر چلیں گے ان کے گناہ میں بھی یہ شریک ہوگا اور اس شرکت کی وجہ سے ان کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی''{۱۷۰}

اس وضاحت سے ان لوگوں کا اشکال بھی دور ہو جائے گا جنہیں مذکورہ بالا آیت اور سورہ نحل کی اس آیت میں تعارض محسوس ہوتا ہے جس میں انسانوں کو گمراہی کی راہ پر چلانے والوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ''تا کہ قیامت کے دن کامل طور پر یہ اپنے بوجھ بھی اٹھا لیں اور ان لوگوں کے بوجھ بھی جنہیں یہ بغیر تحقیق کے گمراہ کرتے رہے''۔

{۱۷۰} ترمذی فی العلم

یونہی دنیا سے جانے والا شخص جن اعمال کا سبب بنتا ہے یا دوسرے مسلمان بھائی اللہ کی رضا کے لیے اور اخوتِ اسلامیہ کے تحت اس کے لیے جو کچھ کرتے ہیں اس کا ثواب بھی اسے ملتا ہے کیونکہ مرحومین کے لیے دعائے مغفرت اوران کے لیے صدقہ جاریہ سے ثواب کا ثبوت صحیح احادیث سے ملتا ہے۔

حکمت و ہدایت

۱......حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملّت، اسلامی تھی۔(۱۶۱)

۲......مسلمان کی عبادت واطاعت، تجارت وسیاست، موت وحیات سب کچھ اللہ کی رضا کے لیے ہوتا ہے۔(۱۶۲)

۳......اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا رب تلاش کرنا صحیح نہیں کیونکہ وہ ہر چیز کا رب ہے۔(۱۶۴)

۴......جاہلیت اور ضلالت کے اندھیروں میں قرآن کا یہ اعلان روشنی کی ایک کرن کی حیثیت رکھتا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ہی ذمہ دار ہے اور ایک کے گناہوں کا بوجھ دوسرے پر نہیں لادا جائے گا۔(۱۶۴)

مقصدِ خلافت

﴿۱۶۵﴾

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

اور اسی نے تم کو نائب کیا ہے زمین میں اور بلند کر دیئے تم میں درجے ایک کے ایک پر تاکہ آزمائے تم کو اپنے دیئے ہوئے حکموں میں تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور وہی بخشنے والا مہربان ہے

ربط: گذشتہ آیت میں یہ مضمون بیان ہوا تھا کہ انسان کی سعادت اور شقاوت میں اس کے اپنے اعمال ہی سب سے زیادہ مؤثر کردار ادا کرتے ہیں، یہاں بتایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کو اقوامِ سابقہ کی خلافت بھی اعمال کی جانچ پرکھ کے لیے دی گئی ہے۔

تسہیل: وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کا رتبہ بعض کے مقابلہ میں بلند کیا تاکہ اس نے تمہیں جو کچھ عطا کیا ہے اس میں تمہیں آزمائے، بے شک تمہارا رب بہت جلد سزا بھی دے سکتا ہے اور وہ بے حد درگذر کرنے والا اور رحم فرمانے والا بھی ہے ○

﴿تفسیر﴾

﴿۱۶۵﴾ اس آیتِ کریمہ کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں اور دونوں صحیح ہیں پہلا یہ کہ اس میں سارے انسانوں کو خطاب ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین میں خلیفہ بنایا تھا تو گویا ان سب کو خلیفہ بنایا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں امتِ محمدیہ سے خطاب ہے، اللہ تعالیٰ نے اس امت کو زمین کی آبادکاری اور حکومت و سلطنت میں پہلی امتوں کا نائب بنایا ہے، اس مفہوم کی تائید متعدد دوسری آیات سے بھی ہوتی ہے جن میں سے ایک سورۂ یونس کی آیت/۱۴ بھی ہے، ارشاد ہوتا ہے ''پھر ہم نے ان (گذشتہ قوموں) کے بعد تمہیں زمین پر نائب بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو'' اسی طرح سورہ نور کی آیت ۵۳ میں بھی باعمل اہلِ ایمان کو خلافتِ ارضی دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

آیتِ مذکورہ میں مسلمانوں سے خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ جو ہر چیز کا ربّ ہے اسی نے گذشتہ اقوام کے بعد تمہیں خلافت عطا کی ہے اور تمہارے لیے ان اقوام کی زندگی اور سیرت میں عبرت و نصیحت کے بہت سارے پہلو ہیں، اور وہی ربّ ہے جس نے صورت و سیرت، فقر و غنی، قوت و ضعف، علم و جہالت، عقلمندی اور حماقت، عزت اور ذلّت کے اعتبار سے تم میں سے بعض کا رتبہ دوسرے بعض پر بلند کیا ہے، اس تفارت کا مقصد ابتلاء و آزمائش ہے، غنی کی آزمائش دولت و ثروت میں ہوتی ہے اور فقیر کی غربت و ناداری میں، غنی پر شکر کرنا اور فقیر پر صبر کرنا لازم ہے، شکر کا طریقہ یہ ہے کہ جو نعمت جس مقصد کے لیے عطا کی گئی ہے تو وہ اسے دین کی نشر و اشاعت، انسانیت کی فلاح و بہبود غریب پروری اور جہاد کی تیاری میں خرچ کرے یونہی ہر بدنی، عقلی، علمی اور مالی نعمت کا شکر ادا کرنے کا جدا طریقہ ہے۔

صبر کا تقاضا یہ ہے کہ انسان، اللہ کے فیصلے پر راضی رہتے ہوئے مستقل مزاجی سے حالات کو بدلنے کی کوشش کرتا رہے، مصیبت اور پریشانی میں نہ تو حد سے زیادہ بیقراری کا اظہار کرے اور نہ ہی بددل ہو کر بیٹھ جائے، امتِ مسلمہ کو دونوں طریقے سے آزمایا جا رہا ہے، ایک طرف اس پر مادی نعمتوں کی ایسی بارش ہو رہی، جس کا تصور بھی سو دو سو سال پہلے نہیں کیا جا سکتا تھا، زمین سونا اُگل رہی ہے، پیٹرول کے چشمے بلکہ نہریں بہہ رہی ہیں، بظاہر عالمِ اسلام انگریز

سامراج کے پنجے سے آزاد ہو چکا ہے، لیکن ان نعمتوں پر ادائیگی شکر کی صورتیں دکھائی نہیں دیتیں، رب تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کی رضا میں استعمال نہیں کیا جا رہا۔

دوسری طرف حوادث ومصائب کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے جس میں قرآنی تعلیمات کے مطابق صبر کی ضرورت تھی یعنی کہ مسلمان پوری استقامت کے ساتھ حالات کو بدلنے کی کوشش کرتے اور مایوس اور دل شکستہ ہو کر نہ بیٹھ جاتے لیکن اب مسلمانوں نے شکر کا مفہوم صرف یہ سمجھ لیا ہے کہ زبان سے کہہ دیا جائے ''اللہ تیرا شکر ہے'' (اس کی توفیق بھی ہر کسی کو نہیں ہوتی) اور صبر کو بے اختیاری کی خاموشی، بدلہ نہ لے سکنے کی مجبوری اور ایک قسم کی بے بسی کے معنی میں لے لیا گیا ہے گویا اپنے تصور کے مطابق وہ صبر وشکر کر رہے ہیں حالانکہ وہ صبر وشکر نہیں، اگر مسلمان، قرآنی ہدایت کے مطابق صبر وشکر کرتے تو آج ان کی قوت وطاقت، ثروت وغنیٰ اور حکومت وسلطنت بے مثال ہوتی، لیکن جب انہوں نے ایسا نہ کیا تو وہ عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوگئے، اس عذاب کا اثر ان کی عزت وآبرو، سیاست ومعیشت، گھروں اور شہروں میں صاف دیکھا جا سکتا ہے، ہر دن کا سورج ان کی ذلت اور ہزیمت کی کوئی نئی خبر لے کر طلوع ہوتا ہے، یہ عذاب اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ بداعمالیوں پر عذاب دینے میں بہت تیز ہے، وہ جب عذاب کا فیصلہ کر لے تو اس کے فیصلے کے نافذ ہونے میں کوئی چیز نہ رکاوٹ پیدا کر سکتی ہے نہ ہی تاخیر کا سبب بن سکتی ہے لیکن عذاب دینے میں تیز ہونے کے ساتھ وہ غفور رحیم بھی ہے، بلکہ اس کی رحمت، اس کے غضب سے سبقت لے جاتی ہے اور اس کی رحمت کے اثرات کائنات کی ہر ہر چیز تک پہنچتے ہیں۔

سورہ کے ان دو اختتامی جملوں میں ترہیب بھی ہے اور ترغیب بھی، خوف بھی ہے اور اُمید بھی، ڈراوا بھی ہے اور بشارت بھی!

چند گزارشات

کم وبیش چار سال ہوگئے جب ''تسہیل البیان'' کی پہلی جلد شائع ہوئی تھی تب سے اب تک بے شمار احباب نے دوسری جلد کے بارے میں سوال کیا، میرے پاس حسرت آمیز ندامت اور خاموشی کے سوا کوئی جواب نہ تھا۔

قارئین کو تعجب ہوگا کہ اڑھائی سال قبل مسوّدہ تیار ہوگیا تھا اور یہی خیال ہوتا رہا کہ ایک دو ماہ میں یہ جلد منظر عام پر آجائے گی مگر بعض عوارض (جن کے بیان کرنے میں نہ کوئی فائدہ ہے نہ قارئین کو دلچسپی) پیش آتے رہے جو طباعت میں تاخیر در تاخیر کا سبب بنتے رہے۔

اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے مدنی مسجد کراچی میں درس قرآن کا ہفتہ وراں حلقہ قائم کرنے کی توفیق دی، یہ درس انٹرنیٹ پر بھی نشر ہوتا ہے، درس قرآن کی ویب سائٹ کو باری تعالیٰ نے غیر معمولی مقبولیت سے نواز دیا جس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ سوا دو سال کے مختصر عرصہ میں دنیا کے کم از کم پچاس ممالک سے پندرہ لاکھ افراد نے اس ویب سائٹ کا وزٹ کیا اور اب اسے اردو کی سب سے بڑی سائٹ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے شخص نے سوچا بھی نہ تھا کہ اس کی آواز اتنی دور تک پہنچ جائے گی لیکن رحمٰن ورحیم جب فیصلہ کرلے تو وہ اپنے دین کی خدمت کے لیے ایسوں کو بھی قبول کرلیتا ہے جن کی اہل دنیا کی نظر میں کوئی وقعت نہیں ہوتی۔

☆......☆......☆

حالات جتنے گھمبیر ہوتے جارہے ہیں، اتنا ہی اس حقیقت پر یقین مستحکم ہوتا جارہا ہے کہ امت کے اخلاقی، معاشرتی، سیاسی اور ہمہ جہتی زوال کو کمال میں بدلنے کے لیے قرآن کریم کے علاوہ کوئی نسخہ اکسیر نہیں ہے، دل کی گہرائیوں سے اس پر ایمان، اس کے پُرنور الفاظ کی تلاوت، اس کے معانی میں غور و تدبر، دنیا کی ہر زبان میں اس کے علوم ومعارف کی اشاعت اور زندگی کے ہر شعبے میں اس کی اتباع ہی وہ واحد راستہ ہے جس پر چل کر مسلمان اپنی عظمت رفتہ بحال کرسکتے ہیں۔ مسلمان کو قرآن کی طرف لانے کی کوشش میں کافی تیزی آگئی ہے مگر قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ اس

کوشش میں وہ لوگ پیش پیش ہیں جو دعوت قرآن کے ضمن میں حدیث کا انکار کرتے ہیں، علماء کی تضحیک اور تحقیر کو ضروری سمجھتے ہیں اور ایسے ایسے مسائل بیان کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے وہ اسلام کا نیا ایڈیشن تیار کر رہے ہیں۔ اگر مستند علماء کرام علوم قرآنیہ کی اشاعت میں تساہل یا غفلت سے کام لیں گے تو پھر ایسے لوگوں کو آگے بڑھنے سے کوئی نہیں روک سکتا

☆......☆......☆

ان سطور کے راقم کی مثال اس پرندہ کی سی ہے جو بلند فضاؤں میں پرواز کرنا چاہتا ہے مگر اس کے پر شکستہ ہیں، جسم زخمی ہے، باد مخالف بھی بہت تیز چل رہی ہے، وہ پھڑ پھڑ آتا ہے، تھوڑا سا اوپر اٹھتا ہے پھر گر پڑتا ہے لیکن اس کا عزم یہی ہے کہ وہ تا زندگی اپنے آشیانے تک پہنچنے کی کوشش کرتا رہے گا۔ مجھے نہ لکھنے کا ڈھنگ آتا ہے نہ بولنے کا سلیقہ، وسائل کا بھی فقدان ہے، اکیلا ہوں، تالیف سے طباعت تک سارے مراحل سے خود ہی نمٹنا پڑتا ہے مگر یہ بات طے شدہ ہے کہ انشاء اللہ جتنی زندگی باقی ہے اس کا بڑا حصہ اشاعت قرآن ہی میں صرف ہوگا۔

☆......☆......☆

یوں تو جلد اول میں بھی عرض کر دیا گیا تھا مگر اب دوبارہ وضاحت کی جا رہی ہے کہ یہ تفسیر طبعزاد ہرگز نہیں ہے اس کے مضامین ان چند معروف تفاسیر سے ماخوذ ہیں جن کی نشاندہی مقدمہ میں کر دی گئی تھی، عین ممکن ہے کہ اخذ و اقتباس میں غلطی ہوگئی ہو، مطلع کرنے والے احباب کا شکریہ بھی ادا کیا جائے گا اور انہیں اپنی ٹوٹی پھوٹی دعاؤں میں بھی یاد رکھا جائے گا۔

محتاج دعا

محمد اسلم شیخوپوری